گھر کے ہر فرد کے لئے

ماہنامہ

پاکیزہ

کراچی

ستمبر 2018

نگرانِ اعلیٰ

معراج رسول

عید الاضحی مبارک

ناہید فاطمہ حسنین، اسما قادری و نفیسہ سعید کی خصوصی تحریریں

اداکار و صداکار فہمید احمد خان و بیگم فہمید کی خوشگوار آمد

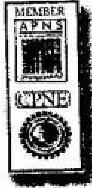
پاکیزہ
کراچی

رانِ اعلیٰ : معراج رسول

دیرۂ اعلیٰ : عذرا رسول

مدیرہ : نزہت اصغر

معاون : آمنہ حماد



رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

منیجر اشتہارات

محمد شہزاد خان

0333-2256789

سرکولیشن منیجر

سید منیر حسین

0333-3285269



فوٹو گرافی :موسیٰ رضا

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

سرورق ماڈل:حمیرا مغل

فی پرچا (پاکستان) 70 روپے

فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

(اندرون ملک) 900 روپے...... جلد:46......شمارہ:06......ستمبر 2018ء

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ھاکی اسٹیڈیم کراچی



مستقل عنوانات

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

مجھے کچھ کہنا ہے......!

تمام ملتِ اسلامیہ کو عید الضحیٰ بہت، بہت مبارک ہو۔ یہ مبارک ساعتیں اس عظیم واقعے کی یاد دلاتی ہیں کہ جب جلیل القدر نبی حضرت ابراہیمؑ کو پروردگار کی جانب سے خواب میں حکم ملا کہ تم اپنے فرزند اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں قربان کر دو اور یہ ایک مرتبہ نہیں متواتر تین روز خواب آیا...... اس میں کتنی حکمتیں مضمر ہیں یہ ہم نہیں جان سکتے بس اس میں سے جو اطاعت و قربانی کا درس ہمیں ملتا ہے وہ ہمارے لیے قابلِ غور ہے۔ وہ جناب اسماعیل علیہ السلام کہ جن کی والدہ محترمہ جناب ہاجرہ علیہ السلام کے عمل کو رب کریم نے اتنا پسند فرمایا کہ مناسکِ حج میں شمار کر دیا...... سبحان اللہ......! یہ واقعات محض قصے نہیں بلکہ اسلامی عقائد کے بنیادی ستون ہیں جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

ہم یہاں ان تمام مسلمانوں کو مبارک باد پیش کرتے ہیں جو امسال عازمِ مکہ و مدینہ ہوئے اور حجاج کرام کہلائے گئے۔ بلاشبہ یہ ہر مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے اور واجب عبادت تو ہے ہی۔ عبادت تو مکمل سپردگی اور تسلیم و رضا کا نام ہے۔ حج کا یہ متبرک موقع اُمتِ مسلمہ کے عظیم تر اتحاد اور یگانگت کا مظہر ہوتا ہے کہ جب رنگ و نسل و زبان سے مبّرا ہو کر تمام عازمین ایک لباس اور ایک انداز میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں بلاشبہ یہ نظارہ نہایت روح پرور، ایمان افروز اور قابلِ رشک ہوتا ہے۔

رب کریم کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں کہ ہم سب کو حجِ مقبول عطا ہو آمین......

عزیز قارئین جیسا کہ آپ جانتے ہیں ماہ ستمبر ہم پاکستانیوں کے لیے دو اعتبار سے کافی اہم ہے کہ ایک بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا یوم وفات اور دوسرے یوم دفاع پاکستان منایا جاتا ہے کہ جب وطن کی آزادی کی حفاظت کرتے ہوئے ہمارے جیالے فوجی اس دھرتی کی ناموس کے لیے قربان ہوئے۔ اللہ ہمارے وطنِ عزیز کی حفاظت کرے اور اس کی سرحدوں پر مامور فوجی جوان ایمانی قوتوں کے ساتھ دشمنوں کو زیر کرتے رہیں۔ الٰہی آمین......!

مدیرہ

نزہت اصغر

پھر جب انہوں نے اس چیز سے سرکشی کی جس سے انہیں روکا گیا تھا۔ ہم نے انہیں کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ (۱۶۶) اور (وہ وقت یاد کرو) جبکہ تیرے پروردگار نے اعلان کر دیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک ضرور ایسے کو بھیجتا رہے گا جو انہیں سخت عذاب چکھائے۔ یقیناً تیرا پروردگار بہت جلد عذاب دینے والا ہے۔ اور بے شک وہ بڑا بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔ (۱۶۷) اور ہم نے انہیں زمین میں گروہ، گروہ کر کے ٹکڑے، ٹکڑے کر دیا۔ ان میں نیکوکار بھی تھے اور کچھ ان میں ان کے برعکس بھی تھے۔ اور ہم نے نیکیوں اور بدیوں سے ان کی آزمائش کی، تاکہ وہ باز آ جائیں۔ (۱۶۸) پھر ان کے بعد ناخلف جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث بن بیٹھے، وہ اس حقیر دنیا کے مال کو لے لیتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ عنقریب ہم بخشے جائیں گے۔ حالانکہ اس جیسا اور مال بھی اگر ان کے پاس آ جائے تو اسے (بھی) لے لیتے ہیں کیا ان سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہیں گے، اور جو کچھ اس میں تھا وہ انہوں نے پڑھ بھی لیا تھا۔ اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیز گاری کرتے ہیں۔ پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ (۱۶۹) اور وہ لوگ جو (خدا کی) کتاب سے تمسک کرتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی۔ یقیناً ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ (۱۷۰) اور (وہ وقت یاد کرو) جبکہ ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو ایسا معلق کیا، گویا کہ وہ ایک سائبان تھا اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے۔ (اس وقت ہم نے حکم دیا کہ) جو کچھ ہم تم کو دیتے ہیں اسے مضبوطی سے لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ (۱۷۱) اور (وہ وقت یاد کرو) جبکہ تیرے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو لیا اور انہیں ان کی اپنی، اپنی ذات پر گواہ قرار دیا۔ (اور ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں ہم گواہی دیتے ہیں۔ (یہ اقرار اس لیے لیا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ یقیناً ہم اس سے بالکل بے خبر تھے۔ (۱۷۲) یا تم یہ کہو کہ ماسوا اس کے نہیں ہے کہ شرک تو ہمارے باپ داداؤں نے ہی پہلے کیا تھا، اور ہم تو ان کے بعد ان کی، اولاد ہوئے۔ کیا تو ہمیں اس فعل کے بدلے میں ہلاک کرتا ہے جو ابطال (حق) کرنے والوں نے کیا۔ (۱۷۳) اور اسی طرح ہم آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ وہ باز آ جائیں (۱۷۴) اور (اے رسول) ان پر اس (شخص) کی خبر پڑھ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں۔ پھر وہ ان سے نکل بھاگا تب شیطان اس کے پیچھے لگ لیا، سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ (۱۷۵) اور اگر ہم چاہتے تو اس کی بدولت ہم اس کا درجہ بلند کر دیتے لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا۔ اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی۔ پس اس کی مثال کتے کی طرح ہے، اگر تو اس پر بوجھ لاد دے تو وہ اپنی زبان نکالے یا تم اسے چھوڑ دو (تو بھی) وہ زبان نکالے۔ یہ اس قوم کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا...... پس تم یہ قصے بیان کرتے رہو، تاکہ یہ غور کریں (۱۷۶) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے، ان کی مثال کیا بری ہے۔ (۱۷۷) جسے اللہ تعالیٰ راہ دکھائے، پس وہی ہدایت یافتہ ہے۔ اور جس کو وہ گمراہی کا حکم لگا دے پس وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (۱۷۸)

(سورۂ اعراف ۷، پارہ ۹۔ آیات ۱۶۶ تا ۱۷۸)

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ یَا طٰسٓ

سید کونین ختم المرسلین، خاتم النبین، افضل الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام سیدنا طٰسٓ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔ جس کے معنی و مفہوم: (حروف مقطعات میں سے ایک جن کے اصل مفہوم تک عام ذہن وانسانی کی رسائی ممکن نہیں) اس کا ایک مفہوم طاہر، سردار بھی لیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

1۔ قرآن کے تمام حروف نورانی لوحِ محفوظ کی وہ تحریریں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علوم کا پہلا نقش ہے، انہی حروف کا پھیلاؤ قرآن کی مکمل تحریریں و آیات ہیں، حروف نورانی یا حروف مقطعات .... اللہ تعالیٰ کے امر 'کن' سے وجود میں آئے۔ 'کن' اللہ کے ارادے کی قوت ہے۔ جو صرف کُن کی صورت میں لوحِ اول کے نوری تمثلات کے لیے اللہ پاک کا حکم بن کر نازل ہوا اور اس حکم کی تفصیل لوح دوم پر قرآن کے حروفِ مقطعات کی صورت میں نازل ہوئی۔ (بحوالہ روحانی ڈائجسٹ)

2: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اسم گرامی کو ابن وجیہہ اور علامہ نسفی نے بیان فرمایا ہے اور ایسے ناموں کی دو اقسام بتائی ہیں ایک وہ جن پر اعراب آتے ہیں اور ایک وہ جن پر اعراب نہیں آتے جیسے کھیعص۔

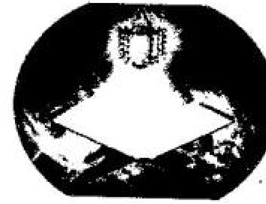
2۔ الحدیث: حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں از روئے سینہ کے سخی، گفتگو میں سچے اور کھرے، طبیعت کے نرم قبیلہ کے لحاظ سے مکرم، سردار تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا ڈر جاتا اور جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے لگتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے لگتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مداح بے ساختہ پکار اٹھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اور بعد میں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ (ترمذی)

3۔ الرائے: یہ ان کے زبردست کردار اور زبردست ذہنی یکسوئی کو کوئی معمولی خراج تحسین نہیں کہ عام زندگی کے پریشان کن حالات میں بھی اس قدیم گروہی معاشرے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی گزاری جو کسی قسم کے اسرار کا قائل نہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اپنی زبردست شخصیت کی بدولت ایمان والوں کے احترام و عقیدت کو حاصل کیا اور ان دنوں میں بھی، جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا...... مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے رہنما اور آقا ہی رہے۔ ایک علامت...... دراصل اس طرح انہوں نے اللہ سے وفاداری کو نبھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت و رہنمائی پر زبردست اعتماد کا اظہار کیا۔ (ڈرے کاٹ)

4۔ الفضائل: ۲۴۲ دفعہ اس اسم پاک سید ناطٰس کو پڑھ کر ایسے بچہ پر دم کیا جائے جو بلا وجہ ضد کرتا ہے اور روتا ہے تو وہ رونا بند کر دے گا۔

اس اسم پاک کا کثرت سے ورد کرنے والا جادو ٹونے کے سحر سے محفوظ رہتا ہے۔

(قیصرہ حیات کی کتاب انوارِ اسماالنبی ﷺ سے اقتباس)



اللہ اور اس کا نور



قرآن پاک سے عشق کی پُرنور داستان ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کے قلم سے

قرآن مجید فرقان حمید پوری

کائنات کے لیے سر چشمۂ ہدایت

اس ماہ ذکیہ آپا کی اس پُربصیرت کتاب کا آخری باب پیش کیا جارہا ہے ہر شے کا وقتی اختتام ضرور ہوتا ہے سو یہ مضامین بھی تمام ہوئے۔ ظاہری طور پر تو یہ سلسلہ آخر کو پہنچا مگر اس کے ذریعے روشن کی گئی علم وحکمت ودانائی کی شمعیں ہر باشعور اور بابصیرت قلب وذہن میں سدا روشن رہیں گی۔

مدیرہ

☆☆☆

آج ہم **سورۂ بلد** 90 سے آغاز کرتے ہیں۔

419 ۔'' اور تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا چیز ہے۔(12) وہ کسی کی گردن کا چھڑانا ہے (13) یا بھوکے کو کھانا کھلانا (14) کسی رشتے دار یتیم کو (15) یا فقیر خاکسار کو (16) پھر وہ ان میں شامل ہوا جو ایمان لائے اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحتیں کیں اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے کی وصیت کرتے رہے۔'' (17)

سورۂ لیل 92 :

420 ۔'' جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تا کہ ستھرا ہو۔(18) اور (وہ اس لیے نہیں دیتا) کہ کسی پر اس کا احسان ہے وہ اس کا بدلہ اتار رہا ہے۔(19) مگر وہ اپنے رب کی خوشنودی کے لیے دیتا ہے جو سب سے

اعلیٰ ہے۔(20) اور وہ جلدی خوش ہو جائے گا۔'' (21)

سورۂ علق 96 :

421 ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے عالم کو پیدا کیا۔(1) اس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔(2) اس نے قلم (کے ذریعے) سے لکھنا سکھایا۔(4) انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔(5)

سورۂ قدر 97 :

422 ۔'' بے شک ہم نے اس کو (یعنی قرآن کو) عزت والی رات میں اتارا۔'' (1) ''عزت والی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔'' (3)

سورۂ بینہ 98 :

423 ۔'' بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے وہ سب مخلوق سے بہتر ہیں۔'' (7) ''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔'' (9)

سورۂ عادیات 100 :

424 ۔'' بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔'' (4) ''اور وہ خود بھی اس سے واقف ہے۔'' (7) ''اور وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے۔'' (8)

سورۂ قارعہ 101 :

425 ۔''اور جس کے اعمال وزن میں ہلکے ہوں (8) تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔''

سورۂ عصر 103 :

[illegible] ۔'' عصر کی قسم (1) کہ انسان واقعی بڑے [illegible] (2) مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک [illegible] حق کی تلقین اور صبر کی تاکید [illegible]

سورۂ ہمزہ 104 :

[illegible] طعنہ دینے والے اور عیب نکالنے والے کی (1) جو مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے۔(2) وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس ہوگا (3) ہرگز نہیں وہ ضرور اس آگ میں ڈالا جائے گا جو زندہ کر کے رکھ دے گی۔'' (4)

سورۂ کافرون 109 :

428 ۔'' کہہ دو کہ اے کافرو (1) جن بتوں کو تم پوجتے ہو ان کو میں نہیں پوجتا (2) اور جس (خدا) کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے (3) اور (میں پھر کہتا ہوں) کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں (4) اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں (5) تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر۔(6)''

سورۂ اخلاص 112 :

429 ۔'' اے نبی! کہہ دو اللہ ایک ہے (1) وہ معبود برحق بے نیاز ہے (2) نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا ہے (3) اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے (4)''

سورۂ فلق 113 :

430 ۔'' کہو میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں (1) ہر چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی (2) اور تاریک رات کی برائی سے جب وہ خوب چھا جائے (3) اور گنڈوں پر پڑھ، پڑھ کر پھونکنے والی برائی سے (4) اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرنے لگے۔(5)''

سورۂ ناس 114 :

431 ۔'' کہو کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں (1) لوگوں کے بادشاہ کی (2) لوگوں کے معبود برحق کی (3) دل میں وسوسہ ڈالنے والے شیطان کے شر سے جو خدا کا نام سن کر پیچھے ہٹ جاتا ہے (4) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

(5) خواہ وہ جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے (6)''

تمت بالخیر

...... پہ کہاں بچیں کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔
دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں...
سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے...
دل کو رویا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے...
کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یا ریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔
الزام تراشیوں کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو جاتا ہے۔
دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے...
آج کا انسان بہ راہ سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
دل اور سونے کا بچھڑا...
عبادات، معاملات...
جنت گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی...

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا، غم روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قسط 26

نکاح خواں کے ہاتھ میں قلم تھماتے ہی زارا نے موجود افراد پر یوں نگاہ دوڑائی گویا کسی بڑے کاروباری معاہدے پر دستخط کر کے ایک عظیم مرحلے سے فارغ ہوئی ہو۔

نکاح خواں نے فارم جلدی سے ساحل کی طرف بڑھا دیا تھا۔ ساحل نے فارم ہاتھ میں لے کر سوالیہ نظروں سے نکاح خواں کی طرف دیکھا۔

''مہر وغیرہ تو طے ہو گیا...... دلہن کی جانب سے قبولیت بھی ہو گئی۔ اب آپ دستخط فرما دیجیے......'' موجود حضرات کو یہ بات خلاف معمول و عجیب لگی...... عموماً دولہا سے دستخط لینے سے پہلے بھی نکاح خواں کچھ مخصوص الفاظ دہراتا ہے اور دولہا بھی قبول ہے کی گردان تین مرتبہ کرتا ہے پھر دستخط کی نوبت آتی ہے۔

مگر تاجور نکاح خواں کو پہلے ہی کہہ چکی تھیں کہ تقریب کا اختتام ذرا جلدی کرنا ہے کچھ ضروری معاملات درمیان میں آگئے ہیں۔ غالباً نکاح خواں نے اپنی دانست میں وقت بچانے کی کوشش کی تھی۔ ساحل کو کچھ ادھورا پن یا ایک کمی یا خلا کا احساس ضرور ہورہا تھا مگر وہ خاموشی سے دستخط کررہا تھا۔

وہ تو شاید یہ الفاظ زارا کے سامنے سننے کا متمنی تھا کہ زارا کو آپ کے نکاح میں دیا، کیا آپ نے قبول کیا؟ اور زارا اس کی طرف دیکھے اور انتظار کرے کہ وہ جواب میں کن الفاظ کے ساتھ اسے قبول کرتا ہے۔

نکاح خواں کی نشان دہی کے ساتھ، ساتھ اس نے دستخط کردیے۔ ماحول میں شور شرابے کے بجائے بہت دھیمی آواز میں مبارک باد کے کلمات ادا کیے گئے۔

آپا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پہلے زارا کو گلے لگا کر مبارک باد دی پھر تاجور کو، جو آپا کو اپنی طرف آتا دیکھ کر پہلے ہی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھیں۔

تمام حاضرین آگے بڑھ کر ساحل کو مبارک باد دے رہے تھے۔ مبارک باد وصول کرتے ہوئے بار، بار نگاہ زارا کی طرف اٹھتی تھی جو یوں سر جھکائے بیٹھی تھی گویا ڈرائنگ روم میں وہ تنہا ہو...... عموماً روایتی دلہن اگر بہت شدومد سے نہ بھی روئے تو بھی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تو دکھائی دیتی ہے مگر اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور نگاہوں میں لاتعلقی بلکہ قدرے بے رحمی کا تاثر تھا۔

مبارک باد کا سلسلہ جاری تھا، کوئی ساحل کو گلے لگا رہا تھا تو کوئی تاجور کے قریب آکر مبارک باد دے رہا تھا۔

ان کے سینئر اکاؤنٹنٹ تاجور کے قریب کھڑے بہت خوشی کا اظہار کررہے تھے۔

''میم یہ ایک بہتر decision ہے...... آج کل اچھے لڑکے بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ ساحل کی سب سے بڑی کوالٹی یہ ہے کہ ان تھک اور محنتی ہے آپ کو بہت اچھی طرح helpout کرسکتا ہے۔ I hope یہ son in law نہیں، یہ حقیقت میں آپ کا بیٹا ثابت ہوگا۔''

تاجور پُرمسرت انداز میں یوں مسکرائیں گویا ان کے درست فیصلے پر مہر لگا کر تصدیق کردی گئی ہو۔

آپا کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی آخر ان کی چار سالہ جدوجہد منطقی انجام کو پہنچی تھی اور بھابی بھی وہ ملی تھی کہ معاشرے میں گویا سربلندی و سرفرازی سے ہمکنار ہوگئی تھیں...... بس نہ چلتا تھا کہ آغوش میں سمیٹ کر اس بڑے سے گھر میں بھاگتی پھریں...... کبھی منہ چومیں کبھی آنکھیں...... کبھی نرم و حسین ہاتھوں کو چوم، چوم کر آنکھوں سے لگائیں...... ہیر پھیر کر بلائیں لیں...... قدموں میں پھول نچھاور کریں، ایسی ''بھاگوان'' بھابی کہ جس کے طفیل پانچ ہزار کے نئے کرارے اتنے سارے خوشبودار نوٹ اکھٹے دیکھنے کو ملے...... صرف دیکھنے ہی کو نہیں برتنے کو ملے وہ بھی بغیر محنت و مشقت جیسے لاٹری نکلتی ہے کہ بیسی میں تو اپنا ہی دیا ہوا واپس ملتا ہے۔

وہ بے اختیاری کیفیت میں زارا کے قریب ہوکر بیٹھ گئیں اور اس کا ہاتھ تھام کر چوم لیا اور اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر گویا ہوئیں۔

''تم ہمارے آنگن کا پورا چاند ہو...... نند نہیں ہوں، ہمیشہ اپنی بڑی بہن سمجھنا۔''

زارا کو ان کے وارفتہ انداز سے وحشت ہونے لگی۔ اس نے بے اختیار نظریں اٹھا کر ساحل کی طرف دیکھا جس کا اندازِ نشست ایسا تھا جیسے ابھی، ابھی کسی شپنگ کمپنی کی ملکیت ہاتھ آگئی ہو...... وہ جان بوجھ کر زارا کی طرف دیکھنے سے گریز کررہا تھا...... وہ تنہائی کے اس مطلوبہ لمحے کا منتظر تھا جس میں اس نے تمام پچھلے حساب بے باق کرنے تھے۔ دوسرے اسے یہ بھی احساس تھا کہ وہ اس وقت گنے چنے حاضرین کی نظروں کا محور و مرکز ہے جو سب کے سب معززین تھے مگر اس کے باوجود ساحل ان سب کے لیے قابلِ رشک تھا۔



گروپ آف کمپنیز کی چیئر پرسن کا داماد یعنی قانونی بیٹا...... طبقۂ اشرافیہ کا نمایاں و قابلِ ذکر فرد...... آنے والے دنوں میں اس کے قیمتی دستخط سے لوگوں کے کھاتے متحرک ہونے جارہے تھے...... پھر کیوں نہ ایک اوتار کی طرح اس کا دیدار کیا جاتا۔

''میرا خیال ہے زارا تم اپنے بیڈ روم میں کچھ دیر ریسٹ کرو...... جب تک مہمان ڈنر کرلیتے ہیں۔'' تاجور نے زارا کا بازو تھام کر قدرے جھک کر سرگوشی کے انداز میں کہا جس پر ساحل نے اب چونک کر دونوں کی طرف دیکھا تھا...... ایک الجھن نے ستایا...... ''یہ بیڈ روم میں چلی گئی تو کوئی بات نہیں ہوسکے گی...... اتنے اہم موقع سے ابھی فون پر بات چیت ہے، میڈم کو ہمیں کچھ دیر کے لیے تنہائی میں بات چیت کا موقع تو دینا چاہیے۔''

خوشی میں کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے دال چاول کھاتے، کھاتے منہ میں کنکر آجائے۔

زارا تو جیسے رسی تڑا کر بھاگنے کے درپے تھی تاجور کے کہنے کی دیر تھی اس نے تو دائیں بائیں دیکھنے کا بھی تکلف نہیں کیا اور یوں سروقد کھڑی ہوگئی گویا اسے کسی نے کھینچ کر کھڑا کردیا ہو...... ساحل اور آپا دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے...... یہ جا وہ جا...... دلہن والا حلیہ تھا نہ ادا...... اپنی مخصوص رنگروٹ والی چال کے ساتھ چلتی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

آپا نے معنی خیز نظروں سے ساحل کی طرف دیکھا تو اس نے یوں نظریں چرائیں جیسے خفت مٹا رہا ہو۔

اور اب آپا کو خصوصاً اور مہمانوں کو روایتی انداز میں طعام خانے میں چلنے کے لیے کہہ رہی تھیں۔

تب آپا اور ساحل کو احساس ہوا کہ برتنوں کی کھٹر پٹر کے ساتھ بہت اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبوئیں بھی فضا میں بکھری ہوئی ہیں۔

☆☆☆

زارا نے کمرے میں داخل ہو کر پہلے دروازہ مقفل کیا پھر چادر اتار کر گولا بنایا اور دیوار پر دے مارا...... دوپٹا صوفے پر اچھالا......

''بس یہیں تک زور تھا میڈم تاجور...... آپ کی rulling کے دن ختم ہو گئے...... آپ کے احسانات بھی اتر گئے۔''
چند لمحے دونوں ہاتھوں سے کمر تھام کر کھڑی، گہری سانسیں لیتی رہی پھر یکایک آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو گرنے لگے...... عجیب و غریب منظر تھا...... کھڑے ہونے کا انداز فاتحانہ اور آنسو...... شکست خوردہ کے جذبات کے ترجمان بن رہے تھے۔

نیا گھر، نئی کار، اکاؤنٹ میں لاکھوں...... اور اس کے بعد لامحدود من مانیاں، پیدا ہونے والا بے اختیار بچہ...... اس کی تقدیر کے فیصلے کس بے رحمی سے کیے جاتے ہیں...... اور ان فیصلوں کے نتائج اس نے تاحیات تنہا بھگتنا ہوتے ہیں...... اور ایسے میں تمام ذمے داروں کا جینا حرام کر دینا چاہیے۔

''بچہ اپنی مرضی سے اپنی منتخب کردہ جگہ پیدا نہیں ہوتا...... پیدائش کسی ذی نفس کا اختیار نہیں، سونے، جاگنے کے اوقات پر اختیار نہیں، اپنی پسند کی کار خریدنے کا اختیار نہیں...... البتہ پسند کا کھانا کھایا جا سکتا ہے...... یہ کام تو درندے بھی جنگل میں کرتے ہیں، اپنی پسند کے جانور کو پھاڑ کھاتے ہیں پھر کئی گھنٹے بھرے پیٹ کے نشے میں ڈکاریں مارتے رہتے ہیں...... میں درندہ یا جانور نہیں ہوں...... انسان ہوں......'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک، بلک کر رو پڑی۔

یہ رونا دکھ کا رونا نہیں تھا...... احساسِ رعونت و برتری کے بت پاش، پاش ہوئے تھے...... کرچیاں اڑ، اڑ کر آنکھوں میں چبھن پیدا کر رہی تھیں۔

وہ اتنی جذبات میں مغلوب تھی کہ بھول گئی تھی کہ وہ بیٹھ کر بھی دل کی بھڑاس نکال سکتی ہے...... بس کھڑی روئے جا رہی تھی۔

☆☆☆

مہمان کھانا کھا کر رخصت ہو رہے تھے، کھانا بہت زبردست تھا، گھر کے شیف نے ہیلپرز کی مدد سے تھوڑی، تھوڑی مقدار میں انواع و اقسام کی ڈشز تیار کی تھیں۔ صرف میٹھے میں پانچ قسم کی ڈشز تھیں۔

آپا تو اس آؤ بھگت پر پھولے نہیں سما رہی تھیں۔

''ارے ایک فوٹو کھانے کی میز کی تو بناؤ...... چوبیس کرسیوں کی ڈائننگ ٹیبل...... تمہارے بھائی صاحب دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔'' اصل مدعا یہ تھا کہ طرح، طرح کے خوان ان کے شوہر نامدار ضرور دیکھیں......

بے چاری عورت ساری زندگی اسی جدوجہد میں لگی رہتی ہے کہ کس طرح شوہر کے سامنے برتری کا کوئی پہلو نکل آئے۔

''بہت آکورڈ لگتا ہے آپا...... لوگ کیا سوچیں گے...... نکاح پر دولھا، دلہن کے فوٹو بنتے ہیں...... کھانوں کی فوٹو تو فوڈ میگزین والے اتارتے ہیں۔'' ساحل چیں بہ چیں ہوا...... آپا نے پلیٹ پر جھک کر خفت مٹائی تھی...... ساحل کی بے قرار نگاہیں زارا کی متلاشی تھیں...... ایک خوش امیدی اور قوی امکان تو تھا کہ تاجور اس کی اور زارا کی ملاقات کا اہتمام تو ضرور کریں گی...... ماڈرن، روشن خیال اور اعلیٰ تعلیم یافتہ کھلے ذہن کی خاتون ہیں اس ''ضرورت'' کا ادراک تو انہیں ضرور ہو گا۔

''آپ مناسب سمجھیں تو یہیں رک جائیں......'' تاجور مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد آپا کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''بہت شکریہ...... بس اب تو آپ ہمیں بھی اجازت دیں...... کل صبح پنڈی واپس جانے کا پروگرام ہے...... اب آخر رخصتی کی تیاریاں بھی تو کرنی ہیں، دن ہی کتنے رہ گئے...... بچے تو منٹ سیکنڈ گن رہے ہیں...... کب سے ماموں کی شادی کے سپنے دیکھ رہے تھے۔'' آپا کا انگ، انگ مسرت سے جھوم رہا تھا...... نکاح ہو گیا...... پکی، پکی گارنٹی مل گئی تھی اب ان کو لامحدود خوشی محسوس کرنے سے کون روک سکتا تھا...... بات کرتے ہوئے کھلی پڑ رہی تھیں۔

اور ساحل محاورے والا سر پیٹ کر رہ گیا۔

''کیسی ''شقی القلب'' بہن ہے...... بھائی اب کسی کھاتے میں ہی نہیں تاجور سے یہ تو کہہ سکتی ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے زارا سے ساحل کی بات کرا دیں......'' ساحل اندر ہی اندر کوفت سے سلگ رہا تھا۔

اس نے تاجور کی طرف دیکھا وہ مکمل طور پر دونوں کی طرف متوجہ تھیں...... ''یا اللہ...... کوئی نوکر ہی ان کو آواز دے لے تاکہ وہ آپا سے کہے کہ وہ اس کی اور زارا کی ملاقات کا بندوبست کرائیں۔'' کیونکہ اس وقت آپا سے تو کوئی امید وابستہ کرنا پرلے درجے کی حماقت ہی محسوس ہو رہی تھی۔

''as you wish'' تاجور تھکی ہوئی بھی تھیں اور ذہن زارا کی طرف بھی لگا ہوا تھا...... سفینہ کی بھی تین چار مِڈ کالز دیکھ چکی تھیں...... شاید اصرار کرنے کی تب و تاب نہ رہی تھی فوراً اپنی دانست میں جانے کی اجازت دے دی۔

ساحل پر ایک قیامت گزر گئی......

وہ آئے بیٹھے اور چل بھی دیے......
میں جا ہی محفل میں ڈھونڈتا رہ گیا

کے مصداق حسرت بھری نگاہ در و دیوار پر ڈال کر رہ گیا اور یوں رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا جیسے جانے کی بہت جلدی ہو......

[illegible] زندگی ہر پل انا کے نقاب سے چہرہ ڈھانپے رہے تو ساری توانائی ایک ہی نکتے پر مرکوز رہتی ہے...... کہ طاقت یا قوت کا مظاہرہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔

انا درحقیقت انسان کی تمام تر توانائیوں کو چوسنے والا بلاٹنگ پیپر ہے اسی لیے انا پرست انسان کمزور شخصیت [illegible] ہوتا ہے۔ چڑچڑا، غصہ ور...... ہر دم الجھنے کو تیار، اپنے دفاع کے لیے تانے بانے بُنتا ہوا۔ اس نام و نمود کی خواہش [illegible] آج یہ دن دکھائے تھے کہ اپنا سودا کر بیٹھا تھا۔

''[illegible] زارا تو ایک دم غائب ہو گئی...... ہمارے ساتھ کھانا بھی نہیں کھایا...... چلتے، چلتے اسے پیار تو کر لوں......''
[illegible] زارا یاد آ ہی گئی...... ساحل کا دل بلیوں اچھلا...... اس نے بہن کی طرف تشکرانہ نگاہ کی۔

''[illegible] ریلیف رکھیے...... میں اسے لے کر آتی ہوں......'' تاجور کچھ متذبذب دکھائی دیں۔

''[illegible] اس حویلی کے صحن جتنے بڑے لاؤنج میں زارا سے الوداعی ملاقات ہو گی......'' ساحل کی جان جل کر خاک [illegible] خیال تھا کہ تاجور بڑے اور کھلے دل سے دونوں کو زارا کے بیڈروم کی طرف لے کر چل پڑیں گی......

[illegible] کا کہہ کر پل کو نہیں رکیں اور زینے کی طرف بڑھ گئیں...... وہ اس بہانے اپنے چہرے کے [illegible] بھی لاشعوری کوشش کر رہی تھیں...... نکاح کے بعد زارا کا سامنا کرنا جوکھم ہی لگ رہا تھا۔

[illegible] بددلی سے کرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا...... اتنی زبردست تیاری اس نے فوٹو کھنچوانے کے [illegible] کے لیے سترہ گیت گا، گا کر تیار ہوا اس نے تو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا۔

[illegible] بھی اپنا برانڈڈ جوڑا سنبھالتی طوہاً و کرہاً بیٹھ گئیں...... اب ان ضروری تکلفات سے تو گزرنا ہی تھا...... گھر [illegible] چار لاکھ ستر ہزار بیڈ کے میٹرس تلے دبکے پڑے تھے...... مگر اس کے باوجود ذہن چور

ڈاکو کی ذہانت سے سہا جاتا تھا...... ان کے خیال میں اس بڑے شہر میں تو ویسے ہی بہت شاطر، چالاک لوگ رہتے ہیں...... چور، ڈاکوؤں کی ذہانت کا تو کہنا ہی کیا...... ارے...... توبہ...... استغفار......

اب اندیشے واوہام تنگ کرنے لگے تھے۔ دل ہی دل میں آیت الکرسی پڑھنے لگیں...... ساحل نے صوفے کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندلی تھیں جیسے وقت ضائع ہونے کا ماتم کر رہا ہو...... ارمانوں پر تو اوس ہی پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

''وہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ میں formalities میں اپنا ٹائم ویسٹ کروں...... اور پھر ضرورت ہی کیا ہے، کام ختم ہوگیا اب اپنے گھر جا کر آرام کریں۔'' زارا نے ٹکا سا جواب دیا، وہ نگاہ چرا رہی تھی...... اسے اندیشہ تھا کہ اس کی آنکھیں رونے کی وجہ سے بوجھل اور متورم ہو رہی ہیں۔ اس طرح بات کر رہی تھی گویا آج کی تاریخ میں اس نے تاجور کی سات پشتوں پر اپنے احسان کا بوجھ لاد دیا ہو۔

''بری بات ہے...... اب وہ' ہیں...... تمہارے اپنے ہیں۔'' تاجور کو مصلحتاً اعلیٰ درجے کی برداشت کا مظاہرہ کرنا تھا۔

''میں صبح سے rest less ہوں...... آپ کہہ دیں کہ سوگئی......'' نکاح کے بعد گویا اس کا پلّہ بھاری ہوگیا تھا...... کھلی بلیک میلنگ پر اُتر آئی تھی...... درحقیقت زبردستی کرنے کی سکت تاجور میں بھی نہیں تھی......

''جب تک اس کی رخصتی نہیں ہوجاتی یہ تو چلے گا...... پہلے سے زیادہ قوت برداشت درکار ہوگی......'' وہ سوچتے ہوئے پلٹ رہی تھیں البتہ ایک خیال سے تقویت بھی پہنچ رہی تھی کہ بس اب تھوڑے دنوں کی تو بات ہے۔ جیسے آٹھویں منزل پر اینٹیں ڈھونے والا مزدور قدم گنتا ہے کہ سات ہوگئیں بس اب دو قدم کی بات ہے۔

لاؤنج میں داخل ہوئیں تو آپا انہیں تنہا آتا دیکھ کر بے ساختہ کھڑی ہوگئیں۔ ساحل نے بھی تاجور کے ملبوس کی مخصوص مہک محسوس کرتے ہی آنکھیں کھول دیں۔

''سوگئی...... آج تو صبح سویرے میں نے اسے جگا دیا تھا...... حالانکہ ایسی کوئی ضرورت تو نہیں تھی...... بس مجھے ہی آفت آرہی تھی۔'' تاجور منتشر ذہنی کیفیت میں بات بنانے کی کوشش کر رہی تھیں...... ان کی اپنی سمجھ میں خود ہی نہیں آرہا تھا کہ اس وقت مناسب الفاظ کیا ہوسکتے ہیں...... جھوٹ بولنے کی عادت تھی نہ پریکٹس، نہ ضرورت...... ملکہ کیوں جھوٹ بولے...... اسے تو احکامات صادر کرنا ہوتے ہیں کلی خودمختارانہ زندگی گزارنے والی عورت ملکہ ہی تو ہوتی ہے......

''سوگئی......؟'' ساحل کو حیرت کا جھٹکا لگ...... گویا رات گئے فون پر بھی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوسکتی۔

دونوں بہن، بھائی چہرہ ڈال کر چلتے بنے...... تاجور انہیں پورچ تک چھوڑنے آئیں...... آپا کی تو ڈیوٹی ختم ہوئی وہ مطمئن تھیں...... مگر ساحل ابھی تک 'سوگئی......' کے گرداب میں چکرا رہا تھا۔

☆☆☆

سفینہ کو حیرت ہو رہی تھی کہ اماں نے ابھی تک کال بیک نہیں کی...... رات کے گیارہ بج چکے تھے...... اسے نیند آرہی تھی اس نے بالآخر یہ طے کیا کہ زارا سے ماں کی خیریت پتا کر کے سوجائے...... پھر صبح، صبح ماں کو کال کرلے گی...... یہ اس کے معمولات کا ایک حصہ تھا۔ وہ شام کو لازمی تاجور کو کال کرتی تھی، خواہ ایک منٹ ہی بات کیوں نہ ہو...... اس نے زارا کا نمبر ڈائل کیا پہلی رنگ پر ہی کال ریسیو ہوگئی۔

''ہیلو...... !مجھے پتا ہے تم نے مجھے مبارک باد دینے کے لیے فون کیا ہے۔ پتا نہیں مبارک باد کا opposite کیا ہوتا ہے؟ اس وقت تو میرا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا...... البتہ تم مجھ پر لعنت ضرور بھیج سکتی ہو......'' ائرپیس سے زارا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''ار...... رے...... رے...... فل اسٹاپ نہ سہی کاما تو لگا دو بھئی۔'' سفینہ کی تو مارے حیرت کے گویا آنکھیں ہی باہر ابل پڑیں۔

''مبارک باد......؟ کیا مطلب...... کیا تم نے ٹاپ کیا ہے؟''

''ٹاپ......؟ تم لاہور میں بیٹھی ہو...... تمہیں لفظ ٹاپنا کا مطلب بھی پتا ہوگا۔ جی...... میں نے یہ گہرا کنواں ''ٹاپ'' لیا ہے...... اب میرے سامنے بس ایک کھلا میدان ہے...... جس طرف چاہے دوڑ سکتی ہوں...... ویسے فون کرنے کا شکریہ...... many many thanks'' زارا نے دانت پیس، پیس کر شکریہ ادا کیا تھا۔

''زارا کی بچی...... تم نے سیکنڈز میں مجھے پاگل بنا کر رکھ دیا ہے...... بھئی کچھ اچھا ہوا ہے تو بتاؤ تو سہی تا کہ میں تمہیں congrats بولوں......'' سفینہ حیرت کی انتہا پر لاچاری ہوگئی۔

اب حیران ہونے کی باری زارا کی تھی۔

''کیا مطلب......؟ تمہیں اماں نے نہیں بتایا ہوگا کہ وہ میری قربانی کر رہی ہیں...... نکاح ہوگیا ہے میرا...... مگر میں کیسے مان لوں کہ اماں نے تمہیں کچھ نہیں بتایا......؟ وہ تو اکھٹے دو گلاس پانی پئیں تو تمہیں فون پر ضرور بتائیں گی۔''

اتنی بڑی خبر تھی کہ سفینہ کی تو حالت غیر ہونے لگی...... اس کے حواس ساتھ چھوڑنے لگے۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے...... اتنی بڑی بات اماں مجھ سے شیئر نہ کریں؟'' وہ بدقت تمام گویا ہوئی۔

''مجھے فیل ہو رہا ہے تم اس وقت جوک کے موڈ میں ہو یا ایکٹنگ کر رہی ہو...... اماں تمہیں کیوں نہیں بتائیں گی بھئی...... تم ان کی سگی بیٹی ہو۔''

''اوہو تو...... تم کیا سوتیلی ہو......؟'' سفینہ نے برجستہ سوال کیا تھا۔ حیرت تھی کہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

سفینہ کے برجستہ سوال پر زارا کو بریک لگ گئے...... اور ایک دم ڈر سی گئی...... اسے یاد آگیا کہ تاجور نے اسے منع کیا تھا کہ وہ سفینہ کو اپنی طرف سے کچھ نہ بتائے...... وہ دور بیٹھی ہے خواہ مخواہ ڈسٹرب ہوگی، اس کی پڑھائی متاثر ہوگی...... اور وہ خود مناسب طریقے سے موقع محل دیکھ کر اسے سب کچھ بتا دیں گی۔

''سوتیلی تو نہیں...... مگر...... خیر چھوڑو......'' زارا اب قدرے سنبھل گئی...... اس نے خود ہی تو تاجور کو پابند کیا تھا، شرائط رکھی تھیں وعدے وعید لیے تھے کہ وہ کسی کو حتیٰ کہ سفینہ کو بھی کبھی نہیں بتائیں گی کہ وہ ان کی لے پالک بیٹی ہے۔ اتنی کڑی شرائط طے کرنے کے بعد ہی تو وہ تاجور کے قابو میں آئی تھی اور آج...... ''ساحل جیسے'' شخص کی منکوحہ بن گئی تھی ...... اس نے خیال ہی خیال میں گویا اپنا سر پیٹ لیا......

''توبہ...... یہ ایک دم منہ سے کیا نکل گیا......'' وہ متفکر ہوگئی کہ کہیں سفینہ...... کو شک تو نہیں ہو رہا اور وہ سگے سوتیلے پر غور کر رہی ہو۔

''اچھا ٹھیک ہے، مجھے اب تم سے کوئی بات نہیں کرنی...... اب میں اماں سے بات کروں گی تو مجھے سکون ملے گا ٹیک کیئر......'' اس سے بیشتر وہ کچھ بولتی ائرپیس میں سناٹا اتر گیا تھا۔

''اف...... یہ میں نے کیا کیا...... اب جتنا بگڑ چکا ہے اس سے زیادہ تو کوئی نہیں بگاڑ سکتا...... مگر خواہ مخواہ اماں کی کورٹ میں وقت تو ضائع ہوگا...... وہ یہی کہیں گی کہ منع کیا تھا بات کیوں نہیں مانی......'' وہ زبان پھسلنے پر بری طرح پچھتا رہی تھی۔

☆☆☆

سارے رومانس کا ستیاناس ہوگیا تھا...... سارا دن خوش، خوش گزارہ تھا کہ اب تو پرنس کے پاس سیل ہے وہ ...نکلے گا...... رات کو ضرور اسے کال کرے گا...... کلاک کی ٹک، ٹک، دل کی دھک، دھک ہم آہنگ ہو کر ایسی ...پیدا کر رہی تھی کہ روح ترنم کا پیکر بن رہی تھی...... اسی وجہ سے وہ تاجور کو کال کر رہی تھی کہ ماں سے بات

ہونے کے بعد وہ سکون سے پرنس سے بات کر سکے۔

ماہین برابر روم میں اپنی کلاس فیلو کے ساتھ کیرم کھیل رہی تھی۔ اس نے سفینہ کو بھی آفر کی تھی مگر تاجور سے بات نہ ہونے کے سبب اس کا ذہن کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

''ہیں...... زارا کا نکاح ہو گیا......؟ مائی گاڈ یہ تو اس نے بتایا ہی نہیں کہ نکاح ہوا کس کے ساتھ ہے۔''

اسے اب شدید بے چینی لاحق ہو گئی...... حالانکہ دل بار، بار یہی کہہ رہا تھا کہ زارا سے کچھ بعید نہیں وہ اس سے بھی زیادہ ''بھیانک'' مذاق کر سکتی ہے...... یہ کوئی چھوٹی بات تو نہیں ہے...... ''نکاح'' ہے۔ چودہ سال بامشقت سے بھی بڑی خبر......

وہ عجلت کے انداز میں تاجور کو ڈائل کر رہی تھی۔

☆☆☆

تاجور نے تقریباً آدھے گھنٹے تک شاور لیا تھا...... یوں جیسے وجود پر لوہے کے ذرات چپکے ہوئے ہوں، اترنے کا نام نہ لے رہے ہوں...... مگر یہ ہوا کہ کسل مندی اور اذیت ناک تھکن سے نجات مل گئی...... بڑے، بڑے پھولوں والی کھلی ڈلی بڑی، بڑی آستینوں والی نائٹی پہننے کے بعد تو واقعی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے زنجیروں کی جکڑن سے نجات مل گئی ہو۔

''آج سفینہ سے بات ہی نہیں ہو پائی...... شاید اب تو وہ سو چکی ہو۔'' انہوں نے گیلے بال ٹاول سے آزاد کرتے ہوئے سوچا ہی تھا کہ سیل کی وائبریشن سے چونک پڑیں...... دوپہر سے انہوں نے سیل سائلنٹ پر کیا ہوا تھا۔

انہوں نے ٹاول رکھنے میں بھی ٹائم ضائع نہیں کیا اور لپک کر سیل اٹھا لیا......

''اوہ...... سفینہ......'' ان کی نظریں بے اختیار وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔

''ہیلو...... !'' انہوں نے فوراً کال لی تھی۔

''السلام علیکم اماں......'' سفینہ کی نرم و دھیمی آواز کان کے پردے سے ٹکرائی۔

''وعلیکم السلام بیٹا...... جاگ رہی ہو...... گیارہ بج چکے ہیں، صبح جانا نہیں ہے؟'' تاجور نے ارادتاً اپنے لہجے سے خود کو پُرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

اگر آپ اب بھی کال نہ لیتیں تو صبح تک جاگتی رہتی......'' سفینہ اب قدرے آف موڈ میں کہہ رہی تھی۔

''ایسا کیا ہے...... کوئی خاص بات......؟'' تاجور پریشان ہو گئیں۔

''اماں...... six time ٹرائی کیا ہے آپ کو...... کہاں بزی ہیں؟ کال کیوں نہیں لے رہی تھیں۔'' سفینہ بے تابی کے باوجود بہت رکھ رکھاؤ سے گفتگو کی ابتدا کر رہی تھی۔

''وبس بیٹا...... آج کچھ مصروفیت زیادہ تھی...... میں نے سوچا تھا کہ تمہیں کال کروں گی پھر ٹائم دیکھا تو خود ہی ارادہ بدل دیا۔ لاہور کے حساب سے تو اب لیٹ نائٹ ہے ناں......'' تاجور کے لہجے میں ہمیشہ کا اعتماد اور ٹھہراؤ نہیں تھا...... ایک تذبذب کی کیفیت تھی جو سفینہ واضح طور پر محسوس کر رہی تھی۔

''اماں...... یہ زارا بڑی عجیب و غریب نیوز دے رہی تھی...... مگر میں تو ابھی تک جوک ہی سمجھ رہی ہوں...... اب وہ اتنے فضول مذاق بھی کرنے لگی ہے۔''

سیل تاجور کے ہاتھ سے پھسلتے، پھسلتے رہ گیا...... وہ جلدی سے بیڈ کے کونے پر ٹک گئیں...... دل بڑی زور سے دھڑکا...... کچھ اس انداز میں کہ پہلے پوری قوت سے سمٹا پھر اسی قوت سے پھیلا۔

''زارا سے تمہاری کب بات ہوئی......؟'' تاجور کا لہجہ بہت کمزور تھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے...... آپ کو ٹرائی کر، کر کے تھک گئی تو اسے ملایا کہ اسی سے پتا چل جائے گا کہ آپ کی کیا مصروفیت چل رہی ہے۔''

''کیا کہہ رہی تھی وہ......؟'' تاجور کی آواز سرگوشی نما تھی جیسے زندگی کی توانائی کم پڑ رہی ہو۔

''کہہ رہی تھی کہ آج اس کا نکاح ہو گیا ہے۔'' سفینہ نے تڑپ سے آخرکار نجات حاصل کی۔

''اوہ......'' تاجور کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

''آخر اس لڑکی سے صبر نہ ہوا...... حالانکہ کہا بھی تھا......'' تاجور ایک عجیب و غریب صورت حال سے دوچار ہو گئیں...... غم و غصہ، کوفت اور لاجواب سی کیفیت...... کہ آخر اب سفینہ کو کس طور مطمئن کر پائیں گی...... میلوں دور بیٹھی ہے اور واقعات کا ایک سلسلہ ہے...... اب اسے کیا بتائیں اور کیا نہ بتائیں...... وہ بولنے سے پہلے شل ہو گئیں۔

''ہاں، آج میں نے ساحل سے اس کا نکاح کر دیا ہے...... اس لیے کہ مجھے اس کا نکاح کرنے کی جلدی تھی......'' تاجور جیسے پھٹ پڑیں...... آخر وہ ان کی کوئی تو بات رکھے...... جب بات کھل ہی گئی ہے تو بالکل صاف ہونی چاہیے ''چونکہ چنانچہ'' میں وقت ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

''س...... س...... ساحل سے اماں......؟'' سفینہ کی آواز سے لگا جیسے وہ ہاتھ سے گرتی چھت روک رہی ہو۔

''کیوں...... یہ نہیں بتایا تھا اس نے......؟'' تاجور غصہ بھول کر حیران ہوئیں۔

''نہیں...... بس اس سے تو بہت کم بات ہوئی...... میں نے خود ہی بات اینڈ کر دی تھی کیونکہ مجھے لگ رہا تھا کہ وہ بہت بھونڈا مذاق کر رہی ہے...... میرا دل چاہا بس جلدی سے آپ سے بات کروں...... کیونکہ اس کی آواز سے یہ تو صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ اپ سیٹ ہے...... اماں آپ کو اس کا نکاح کرنے کی اتنی جلدی کیوں تھی......؟ اور پھر مجھے نہیں بتایا...... آخر میں اس کی سگی بہن ہوں...... ماہین کو پتا چلے گا تو وہ کیا سوچے گی؟'' سفینہ اپنی نرم دلی کے باعث بولتے، بولتے روہانسی ہو گئی۔

''دیکھو بیٹا...... میں زارا کی دشمن تو نہیں ہوں...... تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی نہیں ہونا چاہیے کہ میں نے اس کی بھلائی ہی سوچی ہوگی......''

تاجور کے اعصاب ایک ان دیکھے بوجھ سے لرزاں تھے...... تھکے، تھکے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''definitely...... آپ نے اچھا ہی سوچا ہوگا...... مگر میرا قصور تو بتا دیں...... میری بہن کا نکاح ہو گیا اور مجھے خبر ہی نہیں...... اگر آپ مجھے بتاتیں تو کیا ہو جاتا......؟ کوئی فرق پڑتا......؟'' سفینہ کی آواز پر آنسو غالب آ گئے...... درحقیقت وہ بری طرح الجھی ہوئی تھی، تاجور تڑپ کر رہ گئیں۔

''سفینہ میری جان...... میں تم سے بہت کچھ شیئر کروں گی مگر جب تم میرے پاس، میرے سامنے بیٹھی ہوگی تب...... ماں کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا مت سوچنا...... ریلیکس کرو...... اگر تم نہیں آ سکو گی تو میں ایک دن کے لیے تمہارے پاس آ جاؤں گی اور اس جلدی نکاح کی وجہ بھی بتاؤں گی...... اور...... بیٹا...... نکاح ہوا ہے شادی ابھی تو نہیں ہوئی...... زارا کی شادی پراپر طریقے سے ہی ہوگی...... اور تم ہر ایونٹ میں شرکت کرو گی۔'' تاجور پریشان حال بیٹی کو یوں چمکار رہی تھیں جیسے دودھ پیتے بچے کو بہلا رہی ہوں۔

''میں بہت تھک گئی سفینہ...... ریسٹ کرنا چاہ رہی ہوں...... اب تم بھی سو جاؤ اور یہ ذہن میں رکھو کہ ماں سے زیادہ بچوں کی بھلائی کا کوئی نہیں سوچتا...... شاباش میرا بیٹا...... تم ریسٹ کرو......'' تاجور کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ سفینہ کو بے چاری ماں پر رحم آ گیا۔

''اوکے اماں...... ٹھیک ہے پھر کل بات کرتے ہیں۔'' خبر کی تصدیق ہو جانے کے بعد ایک اذیت ناک......

بے چینی سے تو بہرحال نجات مل گئی تھی۔

لیکن اب پرنس سے بات کرنے کی لگن بھی دم توڑ چکی تھی...... اس نے ماں کو خدا حافظ کہنے کے بعد سیل پاورڈ آف کر دیا تھا۔

اور تاجور اپنے گیلے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچ رہی تھیں اب تو اتنی ہمت بھی نہیں کہ بال ڈرائی کروں اور برش کروں...... ایک اور حماقت...... ایک نئی اذیت......

''کیا میں نے ایک معصوم بچی پر رحم کھا کر غلطی کی تھی؟''

☆☆☆

''آج وہ کورٹ میں پیش ہوا تھا...... آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا...... پتا نہیں کیوں مجھے اب ہر وقت یہ خوف رہنے لگا ہے کہ جیسے وہ موقع کی تلاش میں ہے...... موقع ملتے ہی مجھے شوٹ کر دے گا۔''

پرنس کے کان سے ریسیور لگا ہوا تھا...... صندل کی محتاط سہی، سہمی آواز کان کے پردے سے ٹکرا کر عجیب سی سنسناہٹ پیدا کر رہی تھی۔

''آپ ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں مسز صندل...... ہمارے خیالات بے ربط، منتشر اور گمان اور اندیشے سے بوجھل ہو جائیں تو ہم انسان نہیں رہتے، زمین پر بوجھ بن جاتے ہیں...... آپ خود کو یقین دلائیں کہ یہ صرف گمان اور اندیشے ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں......'' پرنس بہت باوقار اور پُراعتماد انداز میں سمجھانے لگا...... وہ تو کچھ دیر پہلے سفینہ سے اسکائپ پر بات کرنے کا پکا، پکا موڈ بنا چکا تھا کہ اچانک صندل کی کال آگئی، وہ اس کال کو کسی صورت نظر انداز نہیں کر سکتا تھا اور اس کی وجہ صرف اور صرف احساسِ ذمے داری تھا۔

''یہ وہم اور اندیشے کہاں سے آتے ہیں پرنس، مجھے سمجھ نہیں آتی......؟'' صندل کے انداز میں لاچاری تھی۔

''انسان کی ایک کیمسٹری ہوتی ہے جیسے ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مخصوص امتزاج نتیجے میں پانی سے روشناس کرائے گا کیونکہ یہ فطرت نے طے کر دیا ہے...... اسی طرح انسان کے خون میں رچی بسی کیمیائی ترتیب اس کا طرزِ فکر compose کرتی ہے...... لیکن یہ کوئی بے بسی کا مقام نہیں...... اللہ نے انسان کو بہت طاقتور تخلیق کیا ہے۔ آپ فروٹ کھائیں...... عبادت پر توجہ دیں...... زیادہ وقت بند کمرے میں نہ بیٹھیں...... جتنا زیادہ ممکن ہو اوپن ائر میں وقت گزاریں...... کتاب سے زیادہ اچھا دوست کوئی نہیں ہوتا...... بہترین دماغوں یعنی شخصیات کو پڑھیں...... ثوبان کو زیادہ سے زیادہ وقت دیں...... اس کے ساتھ ان ڈور گیم کھیلیں...... چند ہی دنوں میں آپ خود کو بہت change پائیں گی۔ مصروفیت انسان کو خوش رکھتی ہے...... and thats all آپ میری ایڈوائس کو سیریس لیں...... یہ اسپیشل ریکوئسٹ ہے...... شب بخیر......''

پرنس نے دوسری طرف سے کچھ سننے کی تمنا ہی نہیں کی جیسے اسے آپ ہی آپ پتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اور کیا بات کر سکتی ہے۔

ریسیور رکھ کر اس نے دو تین مرتبہ سر جھٹکا۔

اس کے ذہن میں صندل کے لیے کوئی منفی خیال نہیں تھا...... وہ ایک آرٹسٹ تھا...... انسانی رویّوں، مزاجوں اور گہری نفسیات کو سمجھتا بھی تھا، محسوس بھی کرتا تھا...... اس دل میں رحم و انسانیت کے جذبات موجزن تھے جو اس کے خیال میں کسی انسان کے blessed ہونے کا آسمانی سرٹیفکیٹ ہوا کرتا ہے۔

اب وہ یکسو نہیں تھا...... دل آرام کا حق ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا......

''حیا ہے یا انا...... خود بھی تو کبھی آواز نہیں دیتی۔'' وہ زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

تُو نہیں تیرا خیال ہی سہی کے مصداق ایک خوشی کا احساس بہرحال اپنی جگہ تھا۔

☆☆☆

ساحل کی بدمزگی کا تو یہ عالم تھا کہ گھر پہنچتے ہی زور سے نیند آنے کا اعلان کر دیا۔ مبادا آپا آج کی عظیم الشان تقریب پر سیر حاصل گفتگو فرمانے بیٹھ جاتیں۔

''اے ہاں...... میں بھی بہت تھک گئی ہوں، سفر سوار ہے...... سویرے نکلنا ہے، انشاء اللہ تاریخ طے ہوتے ہی تقریباً ایک ہفتہ پہلے بچوں کو لے کر پہنچ جاؤں گی...... آپا نے اپنے نو لیے قیمتی جوڑے کی تہ بناتے ہوئے جمائیاں روک، روک کر بات مکمل کی۔

ساحل کسی اور وقت میں ایک ہفتہ قبل آمد کی نوید سنتا تو نئی، نئی سوجھتی مگر اس وقت تو یہ عالم تھا کہ جیسے پھٹ پڑنے کا بہانہ چاہیے تھا۔ ''نکاح ہوا ہے یا منّت کا کھانا ہوا ہے...... اس سے زیادہ رونق تو بچے کی روزہ کشائی میں ہوتی ہے...... دس پندرہ منٹ دولھا کو اس شترِ بے مہار اونٹنی جیسی دلہن سے بات کرنے کا بندوبست کر دیا جاتا تو کیا ٹیکس لگ جاتا......؟'' وہ صوفے پر بھناتے ہوئے کروٹیں لینے کا شوق بھی پورا نہیں کر سکتا تھا کہ بیڈ پر تو آپا محوِ استراحت تھیں ماشاء اللہ خوب مردانہ قسم کے خراٹے بھی لیتی تھیں...... شاید اسی وجہ سے بہنوئی کی قوتِ سماعت عین جوانی میں جواب دینے لگی تھی...... ببل گم جیسا آلہ کان میں پھنسائے نظر آتے تھے......

خودغرض اور مطلبی لوگوں کو نیند بہت بے ساختہ آتی ہے...... کیونکہ کھانا ڈٹ کر کھاتے ہیں اور خمار گندم کے نشے میں چُور ہو کر بیٹھے، بیٹھے بھی سو سکتے ہیں وہ جلد ہی گہری نیند میں چلا گیا تھا...... صبح آفس سے پہلے آپا کو ائرپورٹ بھی تو چھوڑنا تھا۔

☆☆☆

تاجور نے دن بھر کا شیڈول چیک کرنے کے بعد ذرا سی فراغت ملتے ہی لیڈی صوفیہ کو فون ملایا تھا...... دن کے ساڑھے دس بج رہے تھے...... ان کے خیال میں لیڈی صوفیہ اس وقت بہت فرصت اور اچھے موڈ میں ہوتی ہوں گی...... ویسے بھی عمر رسیدہ لوگوں کی نیند کا دورانیہ بہت کم ہوتا ہے۔ آپریٹر نے فوراً ہی رابطہ کرا دیا تھا۔

''ہیلو......!'' لیڈی صوفیہ کی نازک اور مدھم آواز سماعت سے ٹکرائی تو تاجور یوں مستعد ہو گئیں جیسے بارات والے دن سمدھن کے گلے میں ہار ڈالنے کو تیار کھڑی ہوں...... جب سے ان کے ہاؤس منیجر کا فون آیا تھا ذرا دیر کو بھی ان کا ذہن لیڈی صوفیہ کی طرف سے ہٹ نہیں سکا تھا...... وہ گھر آنا چاہتی ہیں...... یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی...... ان کو مدعو کرنا طے ہو رہا تھا۔

''السلام علیکم......'' تاجور نے مودبانہ سلام عرض کیا۔

''وعلیکم السلام...... میں بہت اچھا فیل کر رہی ہوں تاجور...... آپ خیریت سے ہیں؟'' لیڈی صاحبہ خوش اخلاقی سے پوچھ رہی تھیں۔

''جی اللہ کا شکر ہے...... بہت معذرت کل میں آپ سے ملاقات نہ کر سکی۔ بہت ٹائٹ شیڈول تھا اور میں آپ کو بہت سارا ٹائم دینا چاہتی ہوں۔''

"Oh doesn't matter" لیڈی صوفیہ کا انداز بچوں کی طرح پُرمسرت اور بے ساختہ تھا۔

''آج...... آپ رات کو میرے ساتھ ڈنر کر رہی ہیں......'' تاجور تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچھ زیادہ ہی ...ہی تھیں۔

''صرف میں......؟'' لیڈی صوفیہ نے اپنی دانست میں مزاح تخلیق کیا......

''میرا مطلب ہے آپ اور پرنس......'' تاجور نے فوراً مجوبانہ انداز میں وضاحت کی۔
''اوکے...... مگر ڈنر زیادہ لیٹ نہیں ہونا چاہیے...... آج مجھے آپ سے بہت ڈیٹیل میں بات کرنی ہے......''
لیڈی صوفیہ کے لہجے میں اب سنجیدگی واضح تھی۔
''جو ٹائم آپ دیں...... ڈنر اسی ٹائم پر ہوگا...... میں جانتی ہوں آپ اگر rest less ہوں تو طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔'' تاجور انہیں پرسکون کررہی تھیں مگر خود پہلے سے زیادہ بے چین ہوگئی تھیں لفظ ڈیٹیل نے آگے لامحدود سوالیہ نشان کھڑے کردیے تھے۔
''تھینک یو تاجور...... تمہارا نام بہت بیوٹی فل ہے...... تمہاری پرسنالٹی سے میچ کرتا ہے...... love you darling''لیڈی صوفیہ کے اظہار محبت وستائش سے تاجور کو خاطر خواہ تقویت پہنچی۔
''بہت شکریہ...... پھر ہم آج کتنے بجے مل رہے ہیں؟'' تاجور نے بہت باوقار انداز میں وقت کا تعین کرنا چاہا۔
''ہم سات بجے آپ کے گھر پہنچ جائیں گے اور ٹھیک آٹھ بجے ڈنر کریں گے، اوکے......'' لیڈی صوفیہ نے وقت طے کرکے تائید چاہی۔
''اوکے...... انشاءاللہ پھر ملتے ہیں باقی باتیں ملاقات پر......'' تاجور نے الوداعیہ کلمات ادا کیے۔
''باقی کہاں...... باتیں تو بس ملاقات پر ہی ہوں گی......'' لاشعوری طور پر لیڈی صوفیہ نے آتشِ شوق پر پھر تیل ڈال دیا۔
''جی...... take care اللہ حافظ......''
تاجور نے ریسیور رکھ کر سر تھام لیا۔
''آخر لیڈی صوفیہ کیا کہنے آرہی ہیں...... انداز سے تو لگتا ہے کہ وہ کوئی خاص بات کرنے آرہی ہیں...... سفینہ تو زارا کے نکاح کی خبر سن کر بہت اپ سیٹ ہوگئی ہے...... ویک اینڈ پر بلواتی ہوں اسے......'' وہ سارے کام بالائے طاق رکھ کر خیالات کے بھنور میں چکرا رہی تھیں۔

☆☆☆

''سلام صبح ہے سلام محبت ہے
وعلیکم السلام سنوں اب یہی حسرت ہے
جی بھر کر دیکھوں ٹوٹ کر چاہوں
خواہش ہے میری، کیوں کہوں حسرت ہے
آدابِ محبت سکھا کر ہی دم لوں گا
جانتا ہوں میں یہ کارِ مشقت ہے
محبوبہ بنانا چاہا تھا، بیگم بن گئیں
کیا تماشا ہے، کیسی میری قسمت ہے
چڑیا کے پر کاٹ کر رکھ دیے میں نے
اب کہتی رہے، بیزار ہوں، مجھے نفرت ہے''

زارا نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر voice note اوپن کیا تھا اور ساحل کی آواز سماعت سے ٹکرائی تھی۔ غزل تھی یا نظم...... مثنوی تھی کہ رباعی...... مدح تھی یا ہجو، زارا کو اس سے کام نہیں تھا...... اسے تو یوں لگا جیسے کسی نے اس کو ''ٹارگٹ'' کیا ہے......

''چڑیا......'' اس نے دانت پیسے۔
''یہ کچھ زیادہ ہی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوگیا......؟ ناگا پربت، ہمالیہ، کے ٹو نہیں ہوں جیسے تم سر کرلوگے...... مڈغاسکر کا پُراسرار غار ہوں...... اندھیرے میں چلتے چلے جاؤگے...... روشنی کی چاہ میں پاگل ہوجاؤگے...... اور پاگل اپنی اوقات میں نظر آتا ہے۔ کیونکہ اسے ''گیٹ اپ'' کا شعور نہیں ہوتا...... اور جب تم اپنی اوقات میں نظر آؤگے تو کتنے اچھے لگوگے...... اس نے quiLt ایک جھٹکے سے اتار کر خود سے دور کی...... اور ریموٹ اٹھا کر اے سی بند کیا۔
''two weeks ہیں خوب خوشیاں منالو...... میں آفٹر ٹو ویکس مناؤں گی......'' اس نے پھول کی طرح ہلکے میڈاِن اٹلی سلیپر پاؤں میں پھنسائے اور کھڑی ہوگئی۔
''کچھ بھی ہے...... لگتا ہے happy morning ہے...... big change جیسے کسی قیدی کے رہائی سے پہلے کے last moment'' اس نے طبیعت سے کھل کر انگڑائی لی...... مسکراہٹ بہت معنی خیز تھی۔ اس نے ہونٹ سکیڑ کر اپنے پسندیدہ انگریزی گیت کی دھن چھیڑی...... وہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔
''سب جھگڑے ختم...... کیا یاد کریں گی میڈم تاجور......'' شیطان کو آدم سے کوئی ایک طرح کا بیر نہیں تھا...... آدم کی ناز برداریاں تو پھر قابلِ برداشت ہوسکتی تھیں...... مگر آدم کو حوا کی صورت جو محبوبۂ دلنواز عطا ہوئی اس نے حسد کی وہ آگ بھڑکائی کہ کائنات میں آتش فشاں تخلیق ہوگئے۔
ای کے پیچھے لگ گیا...... آج بھی اسی کے پیچھے ہے......

☆☆☆

''پرنس آج تم ڈنر سوٹ کے ساتھ وہ ٹائی لگانا جو میں نے تمہیں، تمہاری اٹھارویں برتھ ڈے پر گفٹ کی تھی جب تم دو سال کے تھے تب میں فرانس سے لے کر آئی تھی...... مائی گاڈ...... وہ اولڈ مین...... فرینچ بڈھا اس کا ...اوڈلی کہا تھا کہ وہ ایک panny کم نہیں کرے گا......'' لیڈی صوفیہ بولتی ہوئی بیڈ روم میں داخل ہوئی ...ونلہ بیڈ روم کا دروازہ ادھ کھلا تھا اور پرنس دریچے سے باہر جھانکتا ہوا نظر آرہا تھا۔
''لیکن آج کے ڈنر میں سفینہ تو نہیں ہے پھر میں اتنی خوب صورت ٹائی کیوں پہنوں......؟'' پرنس نے پلٹ کر ...راہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
''ہم بہت اہم بات کرنے جارہے ہیں...... تاجور کو ٹرانس میں لے کر آنا ہے اپنی بات منوانی ہے...... looks سے ...پڑتا ہے...... اسی لیے ایک کہاوت ہے کہ فون پر قرضہ نہیں مانگنا چاہیے......'' اپنی بات کے اختتام پر وہ معصوم بچے ...کھلانیں...... انگ، انگ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی...... جیسے سفینہ کو رخصت کرا کر گھر لا رہی ہوں......
''آپ تاجور آنٹی کی فکر چھوڑیں...... سفینہ agreed ہے تو بس بات ختم، آخر ہماری بات کے بعد آنٹی، ...ملس کریں گی ناں......'' پرنس نے دادی کو تسلی دی۔
''...لیس...... میں بھول جاتی ہوں...... سوفٹ ویئرز کی میموریز کی بھی limits ہوتی ہیں...... میں تو ...نائٹی پلس میں ہوں...... آخر کیا، کیا یاد رکھوں......؟ فرسٹ ورلڈ وار کی تباہیاں...... سیکنڈ ورلڈ ...eyo witn'' لیڈی صوفیہ کی رو بہکنے لگی...... پرنس گھبرا کر آگے بڑھا۔
''...ایک مزے کی بات بتاتا ہوں...... مگر آپ میرے ساتھ اسٹوڈیو میں کافی پئیں گی۔''
''...تم ...فینہ کی کوئی بات مجھ سے شیئر کروگے......'' لیڈی صوفیہ پہلے چونکیں پھر بہت آرام سے گویا ہوئیں۔
''...پتا چلا......؟'' پرنس انہیں ماضی کے جھروکوں سے ہاتھ پکڑ کر دور ہٹانے کی کوشش کررہا تھا۔

''اس لیے کہ میں نے عشق کیا...... آج تک کر رہی ہوں...... تھوڑی دیر پہلے ہی تمہارے گرینڈ فادر کے rain coat کو برش کیا ہے...... اس پر معمولی سی بھی ڈسٹ ہو تو مجھے برداشت نہیں ہوتی۔''

''آپ نے خود برش کیا......؟'' پرنس کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا تھا۔

''you know...... میں ان کی کسی چیز کو چھونا allow نہیں کرتی...... میں نے اس پر شینل 22 اسپرے کیا...... حالانکہ یہ for men نہیں ہے مگر میرا تو فیورٹ ہے...... جس طرح لوگ اپنے بار روم میں پرانی شراب سجا کر پراؤڈ نظر آتے ہیں میرے پاس بھی شینل 22 کا ٹھیک ٹھاک اسٹاک ہے...... جو آج کے دور میں کسی جگہ نہ ملے گا، نہ دکھائی دے گا...... even کوئی نام بھی نہیں لے گا...... تمہارے گرینڈ فادر کے ڈریسز سے میری خوشبو آتی ہے۔'' پرنس کی تمام کوششیں بیکار گئیں...... عشق کے طاقتور جذبے نے اسے چاروں شانے چت کر دیا۔

''چلو آؤ آج میں تمہیں ان کا وہ ڈریس دکھاؤں جو انہوں نے اپنی زندگی کی آخری تقریب میں پہنا تھا...... ہملٹن کی ہاؤس وارمنگ پارٹی تھی...... بہت سے لوگ اس پارٹی میں تمہارے گرینڈ فادر سے آخری بار ملے تھے۔'' لیڈی صوفیہ کی آواز بولتے، بولتے ڈوبتی محسوس ہوئی پیشانی پر پسینے کی بوندیں موتیوں کی طرح چمکنے لگیں۔

پرنس نے دادی کو پیار سے بازوؤں میں یوں سمیٹا جیسے لوگ تبرکات سمیٹتے ہیں...... لیڈی صوفیہ کی مدھم سسکیاں خوفزدہ بچے کی سسکیوں کے مماثل تھیں۔

☆☆☆

''پرنس اور لیڈی صوفیہ آج ڈنر پر آ رہے ہیں...... لیڈی صوفیہ صاحبہ کوئی خاص بات کرنا چاہ رہی ہیں...... فون پر کچھ اشارہ نہیں ملا...... مگر مجھے عجیب سی فکر لگ گئی ہے۔''

تاجور، سفینہ سے فون پر بات کر رہی تھیں جو ابھی تک بہت اپ سیٹ محسوس ہو رہی تھی...... لیکن ''خبر'' ملتے ہی ذہن میں کچھ ہلچل سی مچی دل بہت زور سے دھڑکا...... ماں کی فکر مندی محسوس کرنے کے باوجود یہ حوصلہ نہ ہوا کہ ماں کو اپنی اور پرنس کی بات چیت سے آگاہ کر دیتی۔

''اب یہ تو رات کو ہی پتا چلے گا کہ وہ کیا خاص بات کرنا چاہتی ہیں۔'' سفینہ کو ہمیشہ سے صاف و سچی بات کرنے کی عادت تھی مگر اس وقت بہت متذبذب سی تھی...... جیسے کچھ منہ سے نکل گیا تو پرنس کو اس کی طرف سے بہت مایوسی ہوگی۔

''پرنس سے بات تو ہوتی ہوگی...... پرنس نے آج کے پروگرام کے بارے میں تم سے کوئی بات نہیں کی؟''

''ان سے روزانہ بات نہیں ہوتی اماں......!'' سفینہ نے مختصر بات کی۔

''اوکے...... میں اس saturday کے لیے تمہاری سیٹ کنفرم کرا رہی ہوں، واپسی کی monday morning کی بھی فلائٹ مل گئی تو تم کلاسز اٹینڈ کر لوگی۔'' تاجور کی بات سن کر سفینہ بری طرح چونک پڑی۔

''خیریت ہے ناں اماں...... ابھی تو آئی ہوں...... آج کل تو ٹکٹس بھی اتنے expensive ہو گئے ہیں......'' سفینہ اپنی دھن میں بولی۔ تاجور بے ساختہ مسکرا پڑیں۔

''یہ مہنگا، سستا...... تمہارا مسئلہ نہیں...... مجھے پتا ہے تم زارا کے نکاح کی وجہ سے بہت اپ سیٹ ہو...... میں کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں...... یا یوں سمجھو مجھے تمہاری ضرورت ہے......'' ''میں بہت Lonely فیل کر رہی ہوں۔'' تاجور کے سینے سے نکلنے والی آہِ سرد بہت بے ساختہ اور غیر ارادی تھی۔

''اماں......؟'' اسے تشویش نے آ لیا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... کبھی، کبھی ایسا ہوتا ہے تمہیں بہت مس جو کرتی ہوں...... لو یو......''

تاجور نے فوراً خود کو سنبھالا...... ان کی آنکھوں میں نمی اتر رہی تھی۔

''اوکے اماں...... میں آ جاؤں گی...... نو پرابلم...... آپ ریلیکس کریں۔'' سفینہ دور بیٹھی ماں کے اظہارِ محبت پر جیسے تڑپ اٹھی...... اور پھر ماں غلط تو نہیں کہہ رہی تھی، وہ واقعی رات سے بہت اپ سیٹ تھی اور کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ماہین سے دور، دور تھی۔

تاجور کو بھی فون بند کرنے کی جلدی تھی، مبادا آنسو لہجے میں اتر آئیں۔

☆☆☆

''اوہ...... بڑی زبردست خوشبوئیں آ رہی ہیں...... لگتا ہے آج کوئی special guest آ رہے ہیں......'' زارا کو لان کی طرف مڑتے ہی بہت اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبوؤں نے متوجہ کیا، وہ رخ بدل کر کچن میں چلی آئی۔ سینٹرل کاؤنٹر پر سیخوں میں سیخ کباب پروئے جا چکے تھے...... شیف سویٹ کی تیاری میں جتا ہوا تھا اور بڑے ماہرانہ انداز میں کریم بلینڈ کر رہا تھا۔

زارا کو دیکھ کر وہ اور ہیلپر زچوکنے ہو گئے...... ''بھاگو بچو آفت آئی۔'' بچوں کے مقبول نعرے کے مصداق ان کی شکلوں سے ظاہر تھا۔

''جی...... مس صاحبہ کے سسرال والے آ رہے ہیں......'' کک نے مودبانہ عرض کی۔

زارا یوں چونکی جیسے چلتے، چلتے اچانک پاؤں گڑھے میں جا پڑا ہو، ساری طمانیت وطمطراق رخصت ہو گیا۔

''اوہ......'' اس کے منہ سے نکلا...... پھر وہ کچن میں رکی نہیں اور اپنی عادت کے مطابق مینیو چیک کرنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کی۔ سیدھی چلتی چلی گئی...... پھر راہداری میں پڑی آرائشی کرسی پر یوں بیٹھ گئی جیسے پگڈنڈی سے گزر کر کسی درخت کی چھاؤں میں ستاتے ہیں۔ ''کیوں آ رہے ہیں؟'' ویسے ہی......؟ مگر ایسے لوگ ''ویسے ہی'' کب آتے ہیں؟ جاننا ضروری ہے...... آج کل تو packs پر لکھا ہوتا ہے کہ جاننا اچھا ہے۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ مہمانوں کے ساتھ ڈنر کیا جائے......'' منفی جذبے انسان کو کتنا بے آرام رکھتے ہیں...... اس کا ذہن اب ایک نکتے پر مرکوز تھا۔

''میڈم تاجور نے تو مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا...... آہستہ، آہستہ کھل رہی ہیں......'' اس کے لبوں پر زہر خند کے سائے لرزاں تھے...... پرنس اور ساحل کا کوئی مقابلہ نہیں...... پرنس کو مزید آگے بڑھنے سے روکنا ہوگا۔

''جس بچے کو اس کے پیرنٹس ''disown'' کر دیں...... اس کا فرض بنتا ہے وہ جس کو مرضی اور جب چاہے disown کر دے...... میں اب freedom انجوائے کروں گی......'' وہ بے قرار تھی بیٹھ کر چین نہ ملا تو کھڑی ہو گئی...... ڈنر ٹائم کے لیے اسے پل، پل گننا تھا۔

☆☆☆

''یہ...... یہ...... آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' تاجور ہکا بکا لیڈی صوفیہ کی شکل تکنے لگیں...... پرنس نے نظارہ کرنے کے بجائے نظریں جھکا لیں...... لیڈی صوفیہ پرنس کے ہمراہ ٹھیک سات بجے تاجور کے گھر آ چکی تھیں...... اس سے پہلے تاجور سے جتنی ملاقاتیں ہوئی تھیں وہ اتنی خوش کبھی نظر نہیں آئی تھیں۔ فرطِ مسرت سے آنکھیں جگمگا رہی تھیں...... مسکرانے کی جگہ ہنس پڑتی تھیں اس لیے آج پرپل شیفون کی ساڑی میں وہ بہت تر و تازہ اور زندگی سے بھرپور محسوس ہو رہی تھیں۔

''بھئی میں نہیں کہہ رہی...... پرنس نے اپنی خواہش کا اظہار سفینہ سے کیا اس کی کچھ reservations تھیں جو پرنس نے فوراً remove کر دیں تو سفینہ کی طرف سے خاموشی ہو گئی جس کا مطلب اس کی طرف سے

اوکے ہے۔" لیڈی صوفیہ نے ہاتھ میں تھاما ہوا فریش جوس کا نازک سا پیانہ نما گلاس ٹیبل پر رکھ دیا...... تاجور کے دماغ کے تو سارے نٹ بورڈ ڈھیلے پڑ چکے تھے...... الفاظ مرتب نہیں کر پا رہی تھیں...... سفینہ ایک شاندار تعلیمی کیریئر کے اختتامی مرحلے سے گزر رہی تھی...... ایک ہوش رُبا انویسٹمنٹ ہوئی تھی۔ گھر سے دور ایک بے آرام زندگی قبول کیے بیٹھی تھی...... اور یہ ایک دم درمیان میں شادی آ گئی تھی...... یہ کیا ہو گیا......؟ تاجور درحقیقت اس وقت ماؤف ذہن کے ساتھ کبھی پرنس کو دیکھتی تھیں کبھی لیڈی صوفیہ کو......

پرنس بڑی مہارت سے ان کا ذہن پڑھ رہا تھا...... اور ان کی کیفیت پر قدرے ندامت بھی محسوس کر رہا تھا...... بالآخر گویا ہوا۔

"ہم نیچرل لائف کی طرف جا رہے ہیں آنٹی...... جیسے بادل برستے ہیں، پھول کھلتے ہیں...... بیج سے کونپل پھوٹتی ہے...... یہ سوسائٹی کی آرٹیفیشل پابندیاں یا مصلحتیں...... زندگی کے قیمتی لمحات ضائع کر دیتی ہیں۔" پرنس کی بات سنتے ہوئے تاجور نے اپنے اوسان بحال کرنے کی مسلسل کوشش کی۔

"اور پھر آپ نے ضرور سنا ہوگا کہ شادی کرتے نہیں ہیں، شادی ہوتی ہے۔ جیسے قدرتی طور پر چاند کو جب نکلنا ہوتا ہے تب ہی نکلتا ہے...... دنیا کی تمام ماڈرن ٹیکنالوجی بھی چاند کو اپنی مرضی سے سامنے نہیں لا سکتی......" لیڈی صوفیہ کی حاضر دماغی اور نکتہ رسی پر تاجور حیران ہی تو ہو گئیں...... اس عمر میں بھی اتنی مرتکز و مستعد...... دونوں دادی پوتا کتنی نرالی بات کرتے تھے...... اور لاجواب کرتے تھے۔ واقعی ان دلائل کا ان کے پاس مناسب جواب نہیں تھا۔

"آپ کی خواہش سر آنکھوں پر...... مگر میرے لیے یہ بات نہیں، خبر ہے...... میں باقاعدہ سفینہ سے بات کروں گی...... شادی اس کا پرسنل میٹر ہے اس کا right ہے...... مگر......"

"اچھی، اچھی باتیں اگر، مگر کے ساتھ اچھی نہیں لگتیں۔" لیڈی صوفیہ نے گلے میں پڑی سفید دودھیا دُرِ نجف کی مالا کو سیٹ کرتے ہوئے بڑے لطیف انداز میں مسکرا کر کہا۔

تاجور لیڈی صوفیہ کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔

ساڑی کا ہم رنگ کیچ، سینڈل، جیولری، ڈائمنڈ جڑی گولڈ کی رسٹ واچ ہونٹوں پر پربل لپ اسٹک کی چمک، پلکیں مسکارے سے بوجھل...... ہیرے کی کنیوں کی طرح جگمگاتی شربتی اور نیلے رنگ کی جھلک دیتی آنکھیں...... علم، قابلیت، ذہانت، دانائی، تجربہ، مال وغنا...... جھریوں میں دفن قدرتی حسن کی نشانیاں...... ایک غیر معمولی عورت...... اس عہد میں کسی عورت کا اتنی طویل عمر پانا ہی ٹھٹکنے کے لیے کافی تھا...... تاجور نے زندگی میں پہلی بار خود کو بڑا بے بس محسوس کیا۔

"جی جیسے ہی میری سفینہ سے بات ہوتی ہے، میں فوراً آپ سے کانٹیکٹ کر کے coming ups پر ڈسکس کروں گی......"

تاجور ستر فیصد خود پر قابو پانے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔

"شیور...... یہ تو آپ کو کرنا ہی ہے...... مگر میں یہ بتانا ضروری خیال کرتی ہوں کہ ہم شادی اسی ماہ کریں گے۔" لیڈی صوفیہ نے پہلے سے بڑا دھماکا کر دیا۔

"اسی منتھ......؟" بے اختیار ان کے منہ سے نکل گیا تھا۔

"یس...... آف کورس...... سیٹرڈے، سنڈے کو اس کی چھٹی ہوتی ہے، تین دن کی چھٹی لی جا سکتی ہے...... پانچ دن بہت ہیں...... دو برائیڈل ڈریسز تیار ہوں گے...... شادی کے بعد سفینہ، پرنس کے ساتھ اپنی شاپنگ کرے گی۔" لیڈی صوفیہ بچوں کی سی مگن کیفیت میں یوں بولے جا رہی تھیں جیسے بچے کوئی کھیل کھیلتے ہوئے ساتھیوں کی

ranking کرتے ہیں اور فوراً کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔

تاجور نے بے بسی سے پرنس کی طرف دیکھا جیسے غائبانہ اسے مدد کے لیے پکار رہی ہوں...... مگر وہ تو یوں خاموش بیٹھا تھا جیسے دو ممالک کے سربراہان جو ایک دوسرے کی زبان سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، اپنے درمیان ترجمان بٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں اور ترجمان مستعدی سے ان کے الفاظ اچک رہا ہوتا ہے پھر بڑے ادب سے مدعا منتقل کرتا ہے مگر وہ اس وقت صرف لیڈی صوفیہ کا ترجمان تھا...... تاجور کے احساسات سمجھنے کے باوجود دادی کو منتقل کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ جو بظاہر بہت شائستہ کلام کر رہی تھیں اور لفظ "نہیں" ذہن میں یوں گردش کر رہا تھا جیسے بگولے میں خس و خاشاک چکرا رہے ہوتے ہیں۔

"میرے پاس...... بے تحاشا جیولری ہے، پرنس کی دادی کی، پرنس کی ماں کی اور میری...... ہم اپنا قیمتی ٹائم شاپنگ میں ضائع نہیں کریں گے...... تاجور ہمارے بچے جب خوشیوں میں کھیلتے نظر آئیں گے تو ہم کتنا خوش ہوں گے...... ہم اپنے بچوں کو ترسا، ترسا کر خوشیاں کیوں دیں...... کیا میری اور تمہاری زندگی کا مقصد یہ نہیں کہ ہم ہر پل اپنے بچوں کو خوش دیکھیں......؟" اب لیڈی صوفیہ نے وہ بات کہی کہ تاجور کی بے بسی چوٹی کو چھو کر واپس آنے لگی۔

"جی...... بالکل...... ہماری زندگی کی بھاگ دوڑ کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو خوش دیکھیں......" ناچار انہیں کہنا پڑا۔

"ٹھیک ہے وہ MBA کر لے...... مگر ہم اسے بزنس وومن نہیں بنائیں گے......" لیڈی صوفیہ نے گویا تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔

شہتیر و پھونس سے بنا چھپر ٹوٹ گیا...... دھول، تنکے، کنکر، آنکھوں میں چبھنے لگے۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں ڈنر کرنا چاہیے...... ٹھیک آٹھ بج چکے ہیں۔" تاجور نے پرنس کی طرف دیکھا جو بہت باوقار انداز میں بیٹھا ہوا تھا اور بہت چوکس نظر آ رہا تھا۔

"آنٹی کی پریشانی اس وقت تک ہے جب تک سفینہ سے ان کی بات نہیں ہو جاتی......" وہ اس نشست کے متوقع نتیجے سے مکمل طور پر مطمئن تھا۔

"شاید زارا ہمیں ڈنر پر جوائن کر لے گی؟" لیڈی صوفیہ، تاجور کے اٹھتے ہی خود بھی کھڑی ہو گئیں۔ پرنس نے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

تاجور چونک پڑیں۔

"زارا؟" ایک نئی پریشانی...... انہوں نے خود کو سنبھالا۔

"شام کو وہ بہت زیادہ engaged ہوتی ہے...... میں معلوم کرتی ہوں وہ available ہے یا نہیں......" تاجور نے اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے بہت شائستگی سے جواب دیا...... اور دونوں کو قدم بڑھانے کے لیے لطیف سا اشارہ کیا۔

☆☆☆

زارا نے رائل بلیو سلک کا لانگ ڈریس زیبِ تن کیا تھا...... پرل کی نازک سی جیولری پہنی تھی۔ ہونٹوں پر میٹ ...لک لگائی تھی، ہونٹ سرخ انار کا استعارہ تھے مگر چمک بالکل نہیں تھی...... بالوں کا onion اسٹائل میں چھوٹا ...جوڑا بنایا تھا۔

وہ پورچ میں پرنس کی مرسڈیز دیکھ چکی تھی...... نوکر سے ڈنر ٹائم بھی پتا کر چکی تھی...... اب اس انتظار میں تھی کہ ...ڈنر میں مصروف ہو جائیں تو وہ نیچے اترے اور تاجور کو "ہاؤ" کہہ کر ڈرا دے۔

"گھر میں special guest آئے ہوئے ہیں اور ہماری socalled اماں نے ہمیں ہوا بھی نہیں لگنے دی......" اس نے طنزیہ مسکرا کر وال کلاک کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆

ساحل نے پچیسویں مرتبہ ٹرائی کیا تھا...... اور اب بھی زارا کا نمبر بند جا رہا تھا۔ اپنی گراں قدر شاعری ارسال کرنے کے بعد اسے خوش فہمی تھی کہ کسی بھی وقت اس کی ناز و ادا سے لبریز یا گرجتی، برستی آواز سنائی دے گی......اور اس روز کے بعد سے جب زارا نے خود اس سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس کے کان ہر وقت ہی کھڑے رہتے تھے......اور پھر کل تو وہ اسے قبول کر چکی تھی۔ اب بات نہ کرنے کی کیا وجہ نکل سکتی ہے۔

نمبر مسلسل بند مل رہا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا......کوئی فائل بغل میں دبا کر بہانے سے تاجور کے گھر پہنچ جائے......تاکہ حقیقت تو کھلے کہ اس کا نمبر بند کیوں جا رہا ہے......اتنی ہمت بہر حال نہیں تھی کہ تاجور کو براہ راست فون کر کے زارا کی خیریت دریافت کرے......رخصتی تک تو اسے بہت پھونک، پھونک کر قدم رکھنا تھا اور اپنا امیج قائم رکھنے کے لیے پہلے سے زیادہ محنت کرنا تھی......تاکہ وہ درست انتخاب ثابت ہو اور پکی مہر لگ جائے اور جیسے اس کے بعد خزانے کی چابیاں اس کو تھما دی جائیں، اس نے چشمے کی طرح ابلتے جذبات کو بہ مشکل کنٹرول کیا اور اس خیال سے دل کو بہلایا کہ ابھی تو رات پڑی ہے......دیکھتے ہیں......اس نے بے دلی سے سیل ایک طرف ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

"زندگی ایک بار ہے......ہمارے پاس وقت ضائع کرنے کا تو مارجن ہی نہیں ہوتا پھر بھی اگر......مگر کے ساتھ اس طرح جیتے ہیں جیسے ہم زندگی کو نہیں زندگی ہمیں گزار رہی ہو......یہی fantasy اور romance کی عمر ہوتی ہے......جیسے، جیسے عورت پریکٹیکل ہوتی جاتی ہے......اس کی روح سے گلابی رنگ دھیرے، دھیرے اترنے لگتا ہے۔"

لیڈی صوفیہ کی پلیٹ میں ملازم دم کا قیمہ ڈال رہا تھا۔ وہ اسے اشارے سے روکتے ہوئے تاجور سے مخاطب تھیں......جو اُن کی فلسفیانہ باتیں سن کر دم بخود تھیں اور حیران تھیں کہ دنیا میں ایسا کچھ بھی ہے جس کے سامنے وہ لاجواب ہو سکتی ہیں۔

"گرینڈ مام بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں......میری ممی سمیت میرے خاندان کے تمام لوگ ایک، ایک کر کے ایسے منظر سے غائب ہوئے کہ بس ہم دیکھتے ہی رہ گئے......ان کے بجائے ہم بھی تو جا سکتے تھے مگر اللہ کا فیصلہ تھا کوئی کچھ نہ کر سکا......" پرنس کی بھاری پُراثر مگر دھیمی آواز نے تاجور کو گویا ہلا کر رکھ دیا......ایک جھماکا سا ہوا......انہیں وہ شب یاد آگئی جب اسپتال میں وہ اپنے مرحوم شوہر کی آخری سانسیں گن رہی تھیں اور ہر سانس دعا کی صورت سینے سے گزر رہی تھی......پھر ڈاکٹر نے سوری کہہ کر معذرت کی......ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور ایک طرف چل پڑا۔

وہ لمحوں میں سرد ہو جانے والے وجود کو وحشت بھری آنکھوں سے تکتی رہ گئیں......وہ اس وقت مبہوت سی تھیں......مگر عین اسی وقت زلزلہ سا آ گیا......

"السلام علیکم ایوری باڈی......" زارا کی پُراعتماد اور بلند آواز بہت قریب سے سنائی دی تھی......ان کا دل پل پل مر کر کسی اتھاہ میں اترا......وہ جو ان کے سامنے پرنس سے محبت کا اعتراف کر چکی تھی......اس کا پرنس کے سامنے آنا ان کے لیے اذیت ناک تھا۔

"اوہ......زارا کیوٹ!"

طرح دار لیڈی صوفیہ بنی سنوری زارا کو دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سمائیں۔ زارا نے پشت کی طرف سے آکر

بساط لر علامتی بوسہ دیا......

"کتنی پیاری لگ رہی ہو......بہت اچھی ڈریسنگ کی ہے۔" لیڈی صوفیہ نے گردن موڑ کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

پرنس نے ایک ملاقاتی پُرتکلف مسکراہٹ پر اکتفا کیا تھا۔

"تم کہاں غائب تھیں اور ایک دم سے اتنا اچھا سا تیار ہو کر آگئیں......amazing" لیڈی صوفیہ کی اب تمام توجہ زارا کی طرف تھی......جو بڑے اعتماد سے ان کے برابر والی چیئر کھینچ کر بیٹھ رہی تھی......تاجور پر کڑی گزر گئی۔

"میں کچھ بزی تھی......سرونٹ سے آپ کے آنے کا پتا چلا تو سوچا آپ گھر آئے ہیں تو لازمی ملنا چاہیے۔"

"سرونٹ سے پتا چلا......؟" پرنس اور لیڈی صوفیہ چونک پڑے۔

"کیوں......؟ تمہیں تاجور نے انفارم نہیں کیا تھا۔" لیڈی صوفیہ نے اسی طرح حیرت ظاہر کی جس طرح وہ خوشی کا بے ساختہ اظہار کرتی تھیں۔ پرنس کو شاید لیڈی صوفیہ سے زیادہ حیرت تھی مگر اسے خود پر قابو رکھنا آتا تھا۔

"اوہ......سوری......میں بھول گئی......اماں نے بتایا تھا......میں تو آپ کو یہ بتا رہی تھی کہ جیسے ہی گھر آئی سرونٹ نے بتایا کہ گیسٹ آچکے ہیں۔" زارا نے منجھے ہوئے فنکار کی طرح کمال اداکاری کی۔ تاجور کی جان میں جان آئی۔

"اوہ......اچھا......یہ گھر پر نہیں تھی۔" پرنس نے سوچا، لیڈی صوفیہ کی الجھن بھی دور ہو گئی۔

"آپ کیسے ہیں پرنس......؟" زارا نے کھانے کے بجائے کولڈ ڈرنک گلاس میں انڈیلنا شروع کر دی......تاجور کے صبر و ضبط کا نئے سرے سے امتحان شروع ہو گیا۔

"so fine......" پرنس نے مٹن چانپ میں knife گھونپتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

"اب تم بہن کی شادی کی تیاریاں شروع کر دو......تمہیں زیادہ ٹائم نہیں ملے گا......" لیڈی صوفیہ نے اپنی ہمدرد دوست کی طرف بہت اپنائیت سے دیکھا۔ گلاس ہاتھ سے گرتے، گرتے بچا تھا۔

"شادی......؟" اس کی نظریں پرنس کی طرف اٹھ گئیں اور پرنس نے سرخوشی کی کیفیت میں زارا کی طرف مسکراہٹ ارسال کی۔

زارا کا چمکتا دمکتا چہرہ لمحے بھر کو سنولا کر رہ گیا جیسے پورے چاند کو گرہن لگنا شروع ہو گیا ہو۔

"آج ہم تمہارے گھر یہی پروگرام ڈسکس کرنے آئے ہیں......

my dear little friend" لیڈی صوفیہ کے انداز و ادا پر تاجور حیران پریشان تھیں......لیڈی صوفیہ تو سر سے پاؤں تک زارا کی محبت میں مبتلا دکھائی دے رہی تھیں۔

"اوہ......یہ تو......گڈ نیوز ہے......"

ڈیٹ......ڈیسائڈ کر لی ہے آپ لوگوں نے؟" زارا کا "آپ لوگوں" کہنے کا انداز ایسا تھا جیسے اس کی تاجور سے دور پرے کی رشتے داری ہو۔

"ڈیٹ تو آپ لوگ ہمیں دیں گے۔" پرنس نے فورک پلیٹ میں رکھ کر ٹشو پیپر نکال کر ہونٹ صاف کیے۔

تاجور جس طرح غم و غصے کی کیفیت کو کنٹرول کر رہی تھیں ان کا اللہ ہی جانتا تھا۔ ٹھنڈے یخ پانی میں انہوں نے برف کے ڈو کیوبز مزید ڈالے اور ہلا کر ایک سانس میں پی گئیں۔

"ارے تم کچھ نہیں لو گی......" لیڈی صوفیہ نے اسے کولڈ ڈرنک پیتے دیکھ کر ٹوکا......پرنس نے بھی لاشعوری طور پر اس کی طرف دیکھا، وہ پرنس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔

شیشے کی طرح چمکتے ہاتھ......چاند کی طرح دمکتا شفاف چہرہ......زندگی و ذہانت سے جگمگاتی آنکھیں...... استغنا، اعتماد......زارا کے دل کو کچھ ہوا......

''شاید اماں بتا بھی چکی ہوں کہ کل انہوں نے ساحل سے میرا نکاح کر دیا ہے۔''

''انہوں نے......''میں صدیوں، قرنوں کا بعد چھپا ہوا تھا۔

''میں نے شام کو ٹھیک ٹھاک اسنیکس لیے تھے......بالکل بھی بھوک نہیں ہے......پلیز......گرینڈ مام آپ یہ لیں ناں......ہمارا کک بہت زبردست بناتا ہے......''زارا نے مغلائی تکہ، لیڈی صوفیہ کو پیش کیا۔

''شاید نہیں بتایا......ورنہ یہ لوگ congrats ضرور کرتے......لیکن اب بتانے نہ بتانے سے فرق کیا پڑتا ہے......میرے لیے اماں نے پاکستان کا جانثار اختر ڈھونڈا ہے۔''

تاجور کہنا چاہ رہی تھیں کہ زارا تم منظر سے ہٹ جاؤ......مگر اس وقت تو یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی عزت اب زارا کے ہاتھ ہو......اس کی طرف سے دل اتنا خراب ہو رہا تھا کہ وہ خاص مہمانوں کے سامنے بھی تکلفاً اس سے مخاطب نہیں ہو پا رہی تھیں۔

☆☆☆

''کیا بات ہے سفینہ......تم کل رات سے بہت ڈسٹرب ہو......''ماہین بغور اس کی آنکھوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس لیے سفینہ کو خود کو سنبھالنے میں وقت ہوئی۔

''نہیں تو......''وہ پاس پڑی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

''یہ تو ''جون ایلیا'' والا ''نہیں تو'' ہے......تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہے؟''''نہیں تو......''دل پر کوئی ملال سا ہے؟''''نہیں تو......''''تم نے پنک ڈریس پہنا ہے؟''''نہیں تو......''''یہ دو رنگ کی سلیپر کیوں پہنی ہیں......؟''''نہیں تو......''''کل سنڈے تھا آج منڈے ہے۔''''نہیں تو''ماہین نے اس کے بال سمیٹ کر پھر بکھیر دیے اور کھلکھلا کر ہنسی......اور سفینہ کو اس دوران سنبھلنے کا موقع مل گیا۔

''تم تو بس......''اس نے ماہین کا ہاتھ پکڑ کر زور سے جھٹکا......

''یار......کوئی proper بات کرو......نہیں تو......تم تو بس......ہاں یہ وہ نہیں......کون......تم......میں......دریا، سمندر، ندی، آبشار، جھیل، کنواں، نہر، نالے......''ماہین اب چڑ کر بولی۔

''وہ......آج ہمارے گھر ڈنر پر لیڈی صوفیہ آئی ہوئی ہیں۔''

اس نے جان تو چھڑانا تھی......بس سیدھی سی بات کر دی۔

''اوہ......تو یہ بات ہے......ظاہر ہے وہ اپنے grand son کے ساتھ ہی آئی ہوں گی اور تم یہاں بیٹھی تڑپ رہی ہو کہ کاش میں بھی اس ڈنر میں شریک ہوتی......اور پرنس......''

''stop......میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہی تھی......''اس نے اٹھ کر ماہین کی گردن دبوچ لی۔

''ارے تم تو جان لینے پر تل گئیں......مجھے تمہارے دکھ کا اندازہ ہے......یہ ہزاروں کلو میٹرز کے فاصلے......اور دو چاہنے والے......''

''جو بہت جلد قریب ہونے جا رہے ہیں......''اس نے ماہین کی بات کاٹ کر کہا اور دھپ سے بیڈ پر اوندھی ہو گئی......درحقیقت اس وقت وہ اپنے بارے میں نہیں، زارا کے بارے میں سوچ رہی تھی......مگر نہ جانے کیوں ماہین سے اس موضوع پر بات کرنے میں ایک جھجک سی مانع تھی۔

''ہیں......؟ کیا مطلب......؟''ماہین نے بیٹھ کر سفینہ کی کمر سے اپنی کمر ٹکائی......واقعی اس کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔

''اس وقت کراچی میں میرے گھر میں میری شادی کی ڈیٹ......''

''سفینہ کی بچی......اتنا چھوٹا سا پیٹ ہے تمہارا......پزا کے دو سلائس نہیں کھا سکتیں اور اتنی bang news اں ممنے سے پیٹ میں دبا کر پھر رہی تھیں......''ماہین کی خوشی دیدنی اور حیرت اس سے سوا تھی۔ ''لیکن......یہ سب نو فائنل کے بعد ہی possible ہے......''ماہین کو شک گزرا کہ سفینہ اسے بیوقوف بنا رہی ہے۔

''نہیں......پرنس فائنل سے پہلے مجھے ٹیوشن دیں گے تا کہ میں ذرا اچھے سے نمبر لے کر پاس ہو جاؤں......''

یہ کہہ کر سفینہ نے تکیے میں منہ گھسا لیا......اب اسے ماہین کی شرارت کا جواب شریر بن کر دینا پڑا۔

''ارے......یہ تو بڑے مزے کی نیوز ہے......ایگزام اور ہنی مون ساتھ، ساتھ لیکن یہ زبردست آئیڈیا کس کا ہے؟''ماہین اب پوری توانائی کے ساتھ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

''ظاہر ہے پرنس کا......''سفینہ اب سیدھی ہو گئی......ماہین بہت محبت اور چاہ سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تم بہت لکی ہو سفینہ......ہمارا والا تو یورپ میں برگر کھاتا پھر رہا ہے ذرا ہوش نہیں......شادی بھی ایسے پلان کر رہا ہے جیسے دریا کے بجائے سمندر میں ڈیم بنانے جا رہا ہو......پتا ہے کیا کہتا ہے، ہم شادی کے فوراً بعد babies پلان کریں گے......کہ اتنے سالوں میں ہمیں اتنے kids چاہئیں......جب تک پروموشنز نہیں ملیں گی ہم نیا بے بی پلان نہیں کریں گے......کبھی، کبھی تو اس کی باتیں سن کر اتنا غصہ آتا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ جاپان والوں سے کہوں خدا کے لیے اس روبوٹ کو اٹھا کر اپنی کنٹری میں لے جاؤ......اور کسی ہیوی انڈسٹری میں فٹ کر دو......proper maintainance کے ساتھ......خبردار ہلنے نہ دینا۔''ماہین اپنی فطری بے ساختگی کے ساتھ بولتی جا رہی تھی۔ سفینہ، ہنس، ہنس کر لوٹ رہی تھی......ماہین کی خوشیوں کے اظہار کے مختلف روپ تھے، ہر روپ سفینہ کو بھاتا تھا......صاف گو، سادہ، مخلص، بڑے دل والی اپنی یہ دوست......سفینہ کو بہت عزیز تھی......جو کبھی اسے اداس ہونے نہیں دیتی تھی......جیسے کہ پل میں اس نے ماحول بدل کر رکھ دیا تھا۔

''اب جلدی سے اماں کو کال ملا کر پوچھو کون سی ڈیٹ فکس ہوئی ہے۔''اس نے بیڈ پر تکیے کے قریب پڑا سفینہ کا سیل اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ارے ابھی تو وہ لوگ گھر میں ہوں گے......مجھے پتا ہے اماں مجھے خود فون کریں گی۔''اس نے سیل واپس رکھ دیا۔

''میں تمہاری شادی کے تمام ایونٹس میں غرارے پہنوں گی......جینز......پہن، پہن کر مسلز ڈیڈ ہو رہے ہیں۔''ماہین اب اٹھ کر بیڈ روم ریفریجریٹر سے پانی کی بوتل نکال رہی تھی......اور بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''شرارے پسند نہیں تمہیں......؟''سفینہ نے چھیڑا۔

''نہیں بھئی......وہ تو میں اپنی شادی پر پہنوں گی......ماہین نے ڈائریکٹ بوتل سے منہ لگا کر پانی پینا شروع کر دیا۔

☆☆☆

''تم کب آ رہی ہو مجھ سے ملنے......میں تو daily تمہارا انتظار کرتی ہوں۔''لیڈی صوفیہ وقتِ رخصت زارا کا ہاتھ تھامے بہت پیار سے کہہ رہی تھیں۔ زارا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ تاجور کی طرف دیکھا تھا۔

''اسٹوڈنٹس بہت busy ہوتے ہیں......انشاء اللہ میں اسے اپنے ساتھ لے کر آؤں گی......''تاجور نے اس کے ہاتھ زارا کے اڑان بھرنے کے تمام راستے مسدود کر دیے۔

''I hope......آپ میری بات رکھیں گی......مجھے تو آپ چراغ سحری سمجھیں کہ اب بجھا کہ تب اتنی لمبی عمر اور ایک اکلوتی خوشی کی آس......''لیڈی صوفیہ نے تاجور کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر

اتنی رقت و معصومیت سے کہا کہ تاجور کے حساس دل پر ایک ضربِ کاری سی لگتی محسوس ہوئی۔ پرنس اپنی پشت پر ہاتھ باندھے سر جھکائے الوداعی کلمات ادا کرنے کا منتظر تھا اور بہت صبر سے دادی کے کار میں بیٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''انشاءاللہ...... آپ ایک نہیں پرنس کی بہت ساری خوشیاں دیکھیں گی۔'' تاجور کو جواب میں کہنا پڑا......

''انشاءاللہ......'' وہ پھر زارا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''اماں کے ساتھ ضرور آنا...... مجھے تمہاری باتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے زارا کی پیشانی پر بوسہ دیا...... زارا نے یوں فخریہ تاجور کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ پتا چلا میں کتنی خاص ہوں...... جو خاص نہیں ہوتے ان کو ہر پل خاص ہونے کی خوش فہمی رہتی ہے، اکثر انسانوں کی خوشیاں پانی کے پودوں کی طرح ہوتی ہیں، کمزور، بے بنیاد اور اس کی وجہ صرف اور صرف فطرت سے دوری ہے۔

لیڈی صوفیہ کار میں بیٹھ کر شیشہ نیچے کر کے ہاتھ ہلا رہی تھیں۔ ڈرائیور دوسری طرف کا ڈور کھولے پرنس کا منتظر تھا۔ پرنس نے تاجور کے سامنے مودبانہ انداز میں سر کو ہلکا سا خم دیا۔ تاجور نے شفیق انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اللہ حافظ کہا...... زارا ایک ٹک پرنس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

پرنس کی چھٹی حس متحرک ہوئی...... اس نے زارا کی نگاہ میں ایسا کچھ پایا کہ بے نام سی بے چینی محسوس ہوئی...... وہ مسکراہٹ کا سہارا لے کر آگے بڑھا اور کار میں بیٹھ گیا اور لاشعوری طور پر زارا کی طرف دیکھا جو اَب بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی، اس بات سے بے خبر کہ تاجور اس کے دیکھنے کو دیکھ رہی ہیں۔

کار اسٹارٹ ہوئی اور زارا کو اچانک ہوش آیا کہ اب تاجور کے ہاتھوں اس کی شامت آنے والی ہے...... وہ کار باہر نکلنے سے پہلے ہی اندر دوڑ گئی...... تاجور کی توجہ اب کار کی طرف سے ہٹ چکی تھی...... اندر ایک غبار اڑنے لگا تھا...... وہ بلا ارادہ گردن نفی میں ہلا رہی تھیں۔

☆☆☆

''جی اماں...... پرنس نے مجھ سے بات کی تھی...... میں...... convinced ہوں۔'' سفینہ نے اپنی نرم اور دھیمی آواز میں اتنے آرام سے کہہ دیا کہ وہ حیرت سے پتھرا سی گئیں۔ ان پڑھ عورتیں ایسے موقع پر کہتی ہیں کہ ''لڑکی ہاتھ سے نکل گئی......''

مگر ماحول، تربیت، اور تعلیمی قابلیت کے باعث متوازن خود اعتمادی اگر شخصیت کا حصہ بن چکی ہو تو معاملات و بات چیت مبہم نہیں ہوتی......

''او کے...... بیٹا...... مجھے تو کوئی اعتراض نہیں بس اس بات کی فکر ضرور ہے کہ تم ہمیشہ سے distinctions لیتی رہی ہو۔''

''آپ فکر نہ کریں اماں...... میری تیاری complete ہے۔'' سفینہ نے شاید پوری زندگی میں پہلی بار ان کی بات کاٹی تھی یا قطع کلامی کی تھی۔ اس بے ساختگی پر تاجور بے اختیار مسکرا پڑی تھیں۔

''اسی month شادی کا کہہ رہی ہیں لیڈی صاحبہ......'' انہوں نے جیسے فیصلے سے پہلے مزید تصدیق چاہی اور سفینہ سے واضح جواب سننا چاہا تھا۔

''ٹھیک ہے اماں......'' سفینہ کی طرف سے پھر سادہ سا جواب آیا۔

''ہمارے پاس صرف چھبیس دن ہیں......'' تاجور کے منہ سے نکلا......

''کافی ہیں اماں......'' یہ سفینہ کہہ رہی تھی......؟ انہیں جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

(جاری ہے)

رسمِ قربانی

ہاجرہ عمران خان

اشفاق صاحب کے گھر میں یہ سالوں سے ہوتا آرہا تھا۔ ہر سال بقرعید سے ایک روز قبل ایک یا دو بکرے خرید کر گھر کے پچھلے دالان میں باندھ دیے جاتے اور انہیں اگلے روز صبح سویرے سنتِ ابراہیمیؑ کی بجا آوری کے طور پر قربان کردیا جاتا۔

ارقم نے جب سے ہوش سنبھالا اس رسم کا نام قربانی سنا تھا البتہ اصل قربانی کس چڑیا کا نام ہے وہ نہیں جانتا تھا۔

اس سال وہ اپنے ممی، بابا اور اپنے سے چار سالہ بڑے بھائی کے ساتھ گاؤں جارہا تھا تاکہ وہاں سے قربانی کا جانور لاسکے۔

''یہ کیا بات ہوئی کہ جانور لانا ہے مگر قربانی کے لیے؟ ابا کے دماغ میں یہ کوئی نئی بات ہی سمائی تھی۔'' اس کا نوجوان ذہن اس سوچ میں ہی گم رہا۔ ارقم کے لیے یہ سب کچھ نیا تھا۔ اس نے حیرت اور گومگو میں لاہور سے گجرات تک کا سفر کیا تھا۔ ارقم کو اپنے بابا کے فرسٹ کزن کے اس گھر کے کھلے اور مٹی سے لیپا پوتی کیے صحن و دالان بہت پسند آئے۔ جس میں چچا کی بارہ، تیرہ سالہ ماہ نور سارا دن بکریوں کے بچوں اور مرغی کے کالے سفید چوزوں کے ساتھ اِدھر اُدھر بھاگتی نظر آتی۔ وہ اور اس کا بھائی فرقان زیادہ دیر اس کھیل سے خود کو دور نہ رکھ سکے۔

بچے، پالتو جانوروں سے بہت جلد مانوس ہو جاتے ہیں شاید اس کی وجہ اُن کے درمیان قدرِ مشترک ''بے ضرر'' ہونا ہے۔ بڑے سے دالان کے دوسرے سرے پر کھرلی سے بندھی فربہی مائل بکری ہر وقت مضمحل اور سست سی رہتی۔ ماہ نور اکثر اسے چارا کھلاتی اور کبھی پانی پلاتی نظر آتی۔ اتنی محبت اور توجہ دیکھ کر ارقم کا دل پگھلنے سا لگتا۔ ماہ نور کے اِدھر اُدھر ہوتے ہی وہ بکری کے قریب جاتا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر اندازے لگاتا۔

''بیچاری چھنو کے دن تھوڑے لگتے ہیں، ہر وقت سست سی ایک جگہ بیٹھی رہتی ہے۔'' ماہ نور کی دیکھا دیکھی وہ بھی بکری کو چھنو کہنے لگا تھا۔



ایک روز آدھی رات کو ارقم کو عجیب بے چینی محسوس ہوئی تو وہ بستر سے نکل کر دالان میں آگیا۔ گھر کے سارے مرد بستروں میں دبکے ہوئے تھے۔ ماہ نور بہت بے چینی سے دالان میں چکر کاٹ رہی تھی اور اندر طویلے سے چھنو کے تکلیف میں ڈکرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ارقم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے طویلے کی طرف بڑھنا چاہا مگر ماہ نور نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دالان کے دوسری طرف لے جا کر چھوڑا۔

''اُدھر مت جاؤ ارقم۔'' اپنے خالص دیسی لہجے میں اس نے ارقم کو مخاطب کیا۔

''کیوں؟''

''بس ویسے ہی۔'' وہ ہونٹ کاٹ رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ تذبذب کا شکار ہے، بتانا چاہتی ہے مگر بتا نہیں سکتی۔ ارقم اتنی سی عمر میں جھجک اور حجاب نہیں سمجھتا تھا۔ اسے شہر کی عادت تھی، وہ تو دھڑلے سے ہر بات کہہ سن لینے کا عادی تھا۔ البتہ اپنے ہاتھ پر جہاں ماہ نور کے ہاتھ کا لمس جا واں تھا وہاں وہ اپنا ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔

''ماہ نور، ایک طرف تو تم چھنو سے اتنی محبت دکھاتی ہو اور دوسری طرف جب وہ اتنی تکلیف میں کراہ رہی ہے تو بے حس بن کر کھڑی ہو، تم کچھ کرتی کیوں نہیں ہو؟'' وہ تلخ سا پوچھ رہا تھا۔

''میں اُدھر نہیں جا سکتی...... جھلے۔'' وہ جھلائی، جیسے اپنی بات سمجھا نہ سکنے پر الجھ سی گئی ہو۔ ''ویسے بھی اُدھر طویلے میں چھنو کے پاس سب ہیں۔ ماں، مامی اور تائی...... اور انہوں نے بچوں کو اُدھر آنے سے منع کیا ہوا ہے۔'' ماہ نور نے ایک بار پھر ارقم کو سمجھانے کی اپنی سی سعی کی۔ دالان کے کونے میں لگے بڑے سے بلب سے چھن کر آتی زرد روشنی دونوں کے وجود روشن کر رہی تھی۔ ارقم کے کانوں سے ابھی تک چھنو کی درد بھری کراہیں ٹکرا رہی تھیں۔

''پھر تو ہمیں ابا کو جگانا چاہیے۔ میری تیری ماں اور مامی کون سی ڈاکٹر لگی ہوئی ہیں۔ ہمیں چھنو کو ڈاکٹر کے ہاں لے جانا پڑے گا یا ڈنگر ڈاکٹر گھر بلانا پڑے گا۔'' وہ مڑ، مڑ کر دالان کی طرف دیکھتا۔ اس کی نظر میں ماہ نور اور گھر کی عورتوں کی عقل ماری گئی تھی۔ اس نے تیزی سے اندر کی طرف جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ ماہ نور ابھی تک اپنا مدعا سمجھانے میں ناکامی پر ہاتھ مسل رہی تھی۔ ایک دم سے ہی اسی لمحے طویلے کے اندر سے خوشی کی چہکاریں بلند ہوئیں۔

''مبارک ہو، پورے چار بکروٹے تولد ہوئے ہیں، دو نیانیاں، دو نیانے (دو نر اور دو مادہ)'' ماہ نور اس کا راستہ چھوڑ کر طویلے کے قریب جا کر کان لگا کر سننے لگی۔

ارقم کے پاؤں جیسے تھم سے گئے اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں ماہ نور کو دیکھا اور پھر طویلے سے اٹھتی چہکاروں کی سمت دیکھا۔

☆☆☆

اگلی صبح بے حد نکھری اور تازی تھی۔ بقیہ رات وہ اپنی ناسمجھی پر شرمندہ ہوتا رہا تھا۔ چھنو کا بھری، بھری وکھیاں اور مضمحل وجود دیکھ کر ہی اسے سمجھ جانا چاہیے تھا کہ چھنو ماں کے عہدے پر فائز ہونے والی ہے۔ سب سے زیادہ خجالت اسے اپنی اور ماہ نور کی رات ہونے والی گفتگو پر تھی۔ ماہ نور کی اسے سمجھانے کی کوشش اور اس کی ناسمجھی کی باتیں ...... اسے یاد آتا تو وہ خود بخود مسکرانے لگتا۔ اس وقت وہ چھنو کی کھرلی کے پاس اسے پیار سے ساتھ لپٹا رہی تھی۔ چارپائی پر گدا بچھا کر چھنو کا سر گود میں لیے اس کا سر سہلا رہی تھی۔ وہ قریب آیا تو اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتی ہوئی آہستگی سے چھنو کو خود سے الگ کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی کہ کہیں چھنو کی نیند خراب نہ ہو۔ ارقم کا ہاتھ پکڑے وہ طویلے میں لے آئی۔ وہاں چھنو کے چار تازہ نومولود، ننھی منی چوکڑیاں بھرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ دو بالکل کالے جن پر اِکا دُکا سفید دھبے پڑے تھے۔ ایک بالکل سفید دھنکی ہوئی روئی کے گالوں جیسا جبکہ چوتھا آدھا کالا آدھا سفید۔ ماہ نور نے وہاں لا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اُن سب کو ایک ساتھ اپنی گود میں بھرنے کی کوششوں میں مگن تھی مگر دو کے بعد ہی اس میں ناکام ہو جاتی پھر بھی کھنکھناتی ہوئی ہنسی کے ساتھ وہ کتنی ہی دیر

...ں میں مصروف رہی۔

''تمہیں پتا ہے ان میں سے تین نیانے ہیں اور ... نیانی، یہ جو بالکل دودھ کی طرح سفید ہے ناں یہ ... ہے اور باقی تینوں بکرے۔'' وہ مُسک خرام جھرنے ... بہاؤ جیسی ہنسی ہنس دی تھی۔ ارقم دلچسپی سے اس کا ... چہرہ دیکھتا رہا پھر خود بھی اس کی طرح گھٹنوں کے بل ... کے بالکل قریب بیٹھ گیا اور چھنو کے دو بچے اٹھا کر ... گود میں بھر لیے۔

''اب ٹھیک ہے؟ دو تمہارے، دو میرے......'' وہ ... انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ ماہ نور کے ... ہونٹ لرزے۔ چہرے پر سرخی سی چھا گئی۔ ارقم کی ... نہیں اور لہجے کی تپش نے ماہ نور کے جسم و جان کو جھلسا کر ... دیا۔ شرم سے سر جھکا دیا۔ اس لمحے ارقم کو لگا جیسے وہ ... میں اُگی تازہ سلاد سبزی ہو...... کوری کوری اور ... ہوئی لال مولی جیسی اور اس دن کے بعد ہر دن وہ ... مختلف چیزوں میں دکھائی دیتی۔

جب چاچی بڑے سے مٹی کے مٹکے میں پڑی ... کو دھاگے کی ڈوروں سے ہلا ہلا کر مکھن دریافت ... تو وہ اسے مکھن کے پیڑے میں نظر آتی۔ نرم اور ... گرم سفید دودھیا۔ وہ تازہ ہوا کے لمس میں اسے ... کرتا اور بے ساختہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتا ... کو وہ اکثر بے ساختہ تھام لیتی تھی۔ وہ سرسبز کھڑی ... فصلوں میں اس کی اٹھان دیکھا کرتا۔ اپنی سولہ سال کی ... میں وہ محبت کی واردات دل پر محسوس کر رہا تھا۔ ٹیوب ... کے پانی کی روانی دیکھ کر وہ اس کی چال یاد کرنے ... وہ اسے ''نیچرل'' لگتی تھی بالکل قدرتی سی۔ جیسی ... گاؤں کی فضا ہوتی ہے بالکل دیسی اور نیچرل سی۔ جیسے وہ ... میں اگی ہو یا فضا سے جنمی ہو۔ کچھ بھی تھا مگر وہ ... سی تھی۔ مکئی کے سٹے جیسی جو سبز دوشالہ میں لپٹا ہوتا ... وہ بھی اپنی شرم، حجاب اور جھجک کے دوشالے میں ... ہوئی سی رہتی۔

جس وقت وہ گاؤں سے بڑے جانور لے کر قربانی ... لیے شہر جا رہے تھے تو بابا نے چچا سے کہا۔

''چھنو کے دو بلونگڑے میری امانت ہیں تیرے پاس اور ساتھ ہی دھی رانی ماہ نور بھی۔ دو سال بعد اپنی امانتیں لینے آؤں گا۔'' ارقم اس خیال سے ہی شاد رہنے لگا کہ دو سال بعد ماہ نور کو بھی لے آئیں گے اور چھنو کے بکروٹوں کو بھی۔

وہ واقعی جھلا تھا۔ بقرعید آئی اور گزر گئی۔ گاؤں سے لایا جانور قربان کر دیا گیا۔ اس کے لیے یہ سب روٹین تھی۔ وہ کہاں جانتا تھا قربانی کا اصل مطلب......؟

قربانی جب تک دل و جاں سے گزر کر ادا نہ کی جائے اپنا مفہوم واضح نہیں کرتی۔ وہ خوش تھا دو سال بعد ماہ نور شہر کی ہو جاتی۔ وہ ہمیشہ کے لیے شہر آنے والی تھی۔ وہ ہر روز اسے دیکھ سکے گا۔ محسوس کر سکے گا۔ وہ شہر آ جائے گی تو ایسا لگے گا جیسے پورا گاؤں ہجرت کر کے شہر آ بسا ہو۔ وہ لمحہ لمحہ گن کر کاٹتا رہا۔ دو سال بعد تو نہیں تین سال بعد جب وہ انیس اور اس کا بھائی...... تیئس سال کا ہوا اور ماہ نور سولہ سال کی ہوئی تو بقر عید سے کچھ روز قبل چچا اپنے خاندان سمیت ان کے ہاں آئے۔ ماہ نور ویسی ہی تھی ''نیچرل'' سی مگر اب وہ قدرت کا شاہکار ہو گئی تھی۔ دراز قد، مست خرام چال، لسّی جیسی دودھیا رنگت اس پر نین نقش جیسے میٹھی لسی پر مکھن کے تیرتے ٹکڑے۔ وہ اسے دیکھ کر مبہوت ہوا تھا۔ ہر وقت چھنو کے شانو، بانو کے جو تین، تین سال کے ہو چکے تھے اور قربانی کے لیے شہر لائے گئے تھے، پیچھے لگی رہتی اپنے آپ اور ارد گرد سے بے نیاز سی۔

ارقم کو اب وہ اپنی کتابوں کے صفحات پر متحرک سی نظر آتی اور کبھی چلتی موٹر سائیکل پر اس کے کاندھوں پر پیشانی ٹکائے بیٹھی محسوس ہوتی۔ وہ اسے اور خود کو ساگ، مکھن کی نظر سے دیکھتا آپس میں گھل مل کر یکجان ہو جائیں تو مکھن کا بس ذائقہ باقی رہ جاتا ہے۔

ارقم کی خوش گمانی تب ٹوٹی جب ماہ نور کو اس کے بڑے بھائی باقر کے ساتھ منسوب کر دیا گیا۔ عید کے بعد دونوں کا نکاح ٹھہرا دیا گیا۔ چھن کر کے سارے خواب چکنا چور ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خوابوں کا خون اُتھل پتھل کرتا رہتا۔ اس نے ماہ نور کو اپنے علاوہ کسی کے ساتھ کبھی سوچا ہی نہیں تھا مگر وہ سدا کی بے نیاز ٹھہری۔

☆☆☆

عید آنے میں ابھی دس روز باقی تھے۔ ماہ نور، شانو اور بانو کے گلے میں بانہوں کا ہار ڈالے اداس سی بیٹھی رہتی۔ دونوں اب مکمل بکرے بن چکے تھے۔ اچھی دیکھ بھال سے دونوں کی صحت بھی قابلِ رشک ہو چکی تھی.... ماہ نور اداس دل کے ساتھ دن رات شانو اور بانو کی خدمت میں حاضر رہتی۔ وہ اس کی سیٹی کی آواز پہچانتے تھے۔ سیٹی کی آواز سن کر فوراً ہشاش بشاش ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے جیسے اس کے عوض انعام میں گڑ کی ڈلی کے بجائے سونے کا نوالہ مل جائے گا۔ بلاشبہ ماہ نور کو وہ جان سے پیارے تھے۔ مگر ارقم کو وہ کچھ خاص اچھے نہیں لگتے تھے۔ ماہ نور عیدِ قربان پر ان دونوں کی قربانی کے خیال سے کمزور اور چپ، چپ ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی شرارتیں کہیں گم سی ہو چکی تھیں۔ جیسے ہفت اقلیم کا خزانہ کھو چکی ہو۔ ارقم سے ماہ نور کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ چاند پہلی تاریخوں سے بڑا اور روشن ہو رہا تھا ویسے، ویسے ماہ نور کا دل جیسے کوئی مٹھی میں دبوچ رہا تھا۔ چاند کو روز بروز روشن تر ہوتا دیکھ کر اس کی اپنی رنگت ماند پڑ رہی تھی۔ آٹھویں روز آنکھوں میں یاسیت سی بھر کر وہ شانو، بانو کو دیکھ رہی تھی جب ارقم سے رہا نہ گیا وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

''اگر تم ان کی جدائی پر اتنی دکھی ہو تو میں یہ قربانی روک دوں گا۔'' ارقم لہجے کی ترشی پر قابو نہیں رکھ سکا..... ماہ نور نے افسردہ سا سر اٹھا کر ارقم کو دیکھا۔

''جب شانو، بانو پیدا ہوئے تھے اسی وقت تایا ابو نے ان کی قربانی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایک بار جس چیز کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا سوچ لیا جائے پھر وہ چیز اس کی امانت ہوتی ہے اور امانت جتنی دیر مرضی اپنے پاس رکھ لیں اسے لوٹانا ہی پڑتا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہم ان کی جگہ بہتر اور بڑے جانور قربان کر دیں گے۔'' ارقم اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ وہ کسی صورت ماہ نور کو دکھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''آپ کو پتا ہے......؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیسے پتا چلایا کہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں ان سے کس چیز کی قربانی مانگی ہے؟'' ماہ نور سر جھکائے پُرنم لہجے میں بولی۔

''نہیں......'' ارقم نے اپنی اب تک کی زندگی میں کبھی اتنی باریکی سے مذہب اور اس سے متعلق چیزوں کو نہیں سوچا تھا اور نہ کبھی ضرورت محسوس کی تھی۔ اس کے

...پن سے لے کر اب تک عید پر جانور قربان کرتے تھے۔ اس کے لیے یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں تھی۔

''جو چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے ...ی تھی اس کی قربانی مانگی گئی تو انہوں نے اپنا سب ...پیارا بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی ٹھانی۔ اسی ...ہمارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک ...میں سے ہر ایک اپنی پسندیدہ چیز اللہ کی راہ میں قربان ...نے کا حوصلہ پیدا نہ کر لے۔ عیدِ قرباں تو ایک نشانی ...ہمیں ہمیشہ اپنے رب کی طرف لوٹ جانے پر مائل ...نے آتی ہے۔ ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ہمیں اپنی زندگی ...ب سے عزیز ترین شے اپنے مالک کی مرضی پر ...ان کرنی ہے۔ یہی عشق ہے۔ بازار سے جانور لا کر ...لی راہ میں قربان کر دینے سے قربانی کی رسم تو پوری ہو ...جاتی ہے مگر عشق کا امتحان ادھورا رہ جاتا ہے میں بھی اس ...متحان سے گزر رہی ہوں۔ اپنا حوصلہ آزما رہی ہوں۔ ...ے اپنی محبت کی آزمائش کی پیمائش کر رہی ہوں...... ...آپ کو پتا ہے کہ اس قربانی کے بدلے اللہ ہمیں بہت ...انعام سے نوازتا ہے۔ اللہ کبھی ہماری قربانی ...کاں نہیں جانے دیتا۔ جس طرح اس نے حضرت ...ہیم علیہ السلام کے درجات بلند کر دیے اور قیامت ...ان کا ذکر لازم و ملزوم کر دیا۔ اللہ اپنی راہ میں دی گئی ...بانی کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔'' وہ اپنے موقف پر ڈٹی ...ہی۔

''تو پھر تم اتنی مغموم کیوں ہو؟'' ارقم نے ہاتھ ...باندھ کر پوچھا۔ وہ قربانی کے اس فلسفے سے ...متاثر ہوا تھا کہ ایک چیز آپ کو پسند ہے پھر اسے ...ے جدا کر دینے سے بڑی سزا کیا ہو گی...... وہ سمجھ ...پا رہا تھا۔

''اپنے افسردہ ہونے پر مجھے اختیار نہیں مگر قربانی ...اس راہ پر آپ میرے قدم ڈگمگاتے نہیں دیکھیں ...بابا نے پچھلے سال ہی شانو اور بانو کو یہاں شہر بھیجنے کا ...ارادہ کیا تھا مگر مجھے افسردہ دیکھ کر ایک سال مزید انتظار ...کر لیا۔ اس سال بھی شاید میں ہمت جتا نہ سکتی مگر پھر حوصلہ کر ہی لیا کہ اگر دیر کر دی تو کہیں میری نیت میں فتور نہ بھر جائے۔ کبھی، کبھی خود کو بھی آزمائش کی کسوٹی پر پرکھنا پڑتا ہے۔'' وہ کسی بڑے فلسفی کی طرح کہہ رہی تھی۔

بقر عید پر قربانی سے پہلے اور بعد میں بھی وہ نہ روئی اور نہ ہی شور کیا۔ اس نے بڑے صبر سے شانو اور بانو کو اپنے ربِ ذوالجلال کے حضور قربان کیا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا مگر اب شانو، بانو کی جگہ خالی تھی۔ وقت پر چارا کھلانے کی فکر تھی اور نہ پانی پلانے کا خیال۔ جس تسلے میں وہ انہیں پانی پلاتی تھی وہ سوکھا پڑا تھا۔ ارقم کو محسوس ہوتا تھا جیسے سب کچھ ادھورا سا رہ گیا ہے۔

''کبھی ایک لمحہ وہ اس کے لیے بھی اداس ہو؟'' ارقم کا دل چاہتا مگر وہ جیسی بے نیاز آئی، ویسی ہی واپس چلی گئی تھی۔ ارقم کا دل بھی صحن میں لگے کھونٹے کی طرح

تشدد

''میں عینک لگوانے کے لیے اپنی آنکھوں کا معائنہ کروانا چاہتا ہوں۔'' اس نے ڈاکٹر کو مخاطب کر کے کہا۔

ڈاکٹر نے اسے ایک کرسی پر بٹھا لیا اور کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر ایک کارڈ اس کے سامنے لاتے ہوئے پوچھا۔

''کیا آپ یہ کارڈ پڑھ سکتے ہیں؟''

''جی نہیں ڈاکٹر صاحب......''

اب ڈاکٹر پانچ فٹ مریض کی طرف بڑھا اور کارڈ اس کے سامنے لاتے ہوئے پوچھنے لگا کہ......

''کیا اب آپ کارڈ پڑھ سکتے ہیں؟''

''مریض نے کہا۔ ''بالکل نہیں......''

ڈاکٹر کچھ گھبرا سا گیا اور اب کارڈ بالکل مریض کی ناک کے نیچے رکھ دیا اور غصے سے کہنے لگا ''اور اب......؟''

مریض نے کہا۔ ''میں آپ کو اس سے قبل دو دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ میں نہیں پڑھ سکتا...... میں آخر کیسے بتاؤں کہ مجھے پڑھنا آتا ہی نہیں۔''

انتخاب: ایمن، اسلام آباد

خالی ہو چکا تھا۔

☆☆☆

وھان پان سی لڑکی کتنے آرام سے اسے قربانی کا فلسفہ سکھا گئی تھی۔ ذہنی طور پر وہ اس بات کو قبول نہیں کر سکا تھا مگر اس نے خود میں عجب تبدیلی دیکھی تھی۔ وہ غیر محسوس طریقے سے اپنے ارد گرد لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھنے لگا تھا۔ اس کا کلاس فیلو غریب تھا، اسے کپڑوں کی ضرورت تھی تو ارقم نے اسے اپنی سب سے قیمتی اور فیورٹ شرٹ گفٹ کر دی۔ کام والی ماسی کی بیٹی کی شادی میں اپنی پاکٹ منی سے مدد کی۔ وہ چپ چاپ خاموشی سے سرتاپا بدل چکا تھا۔

اس کا بھائی اسے جان سے پیارا تھا۔ کیا وہ اس کے لیے اتنی سی قربانی نہیں دے سکتا؟ اب وہ پورے دل سے چاہتا تھا کہ ماہ نور اس کے بھائی کی زندگی کا حصہ بن جائے۔ وہ پورے دل سے اس دن کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ اس نے خود کو اس کیفیت میں محسوس کیا جب ماہ نور ..... شانو اور بانو کو عید قرباں پر قربان کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس وقت وہ خود کو مغموم ہونے سے نہیں بچا سکتی تھی اور آج ارقم اپنے دل کو افسردہ ہونے سے روک نہیں پا رہا تھا۔ وہ تیار تھا، اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی اپنے بھائی کے نام کر دینے کو..... برضا..... بخوشی..... ہنستے ہنستے۔ اسے قربانی دینے کا ڈھنگ آ چکا تھا۔

گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ باقر نے تعلیم مکمل کرنے کے لیے دو سال کا عرصہ مانگا تھا جو اب ختم ہو رہا تھا۔ چچا، چچی زیادہ دیر تک بیٹی کو گھر نہیں بٹھا سکتے تھے۔ وہاں رواج تھا بیٹیوں کو جلد از جلد پیا دیس سدھارنے کا مگر جیسے، جیسے شادی کا وقت قریب آ رہا تھا باقر کے ہوش اُڑ رہے تھے۔ پھر ایک روز اچانک وہ اپنے ساتھ اپنی کلاس فیلو شہنیلا کو لے کر گھر آ گیا۔ وہ شہنیلا سے شادی کا وعدہ کر چکا تھا۔ وہ اس کی پسند تھی۔

ماں باپ پر قیامت ٹوٹی بہت سمجھایا، زور دیا مگر اولاد کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔ باقر سے مایوس ہو کر باپ نے ارقم کے سامنے دستِ سوال رکھ چھوڑا۔ وہ کب انکار کر سکتا تھا جب قدرت سب کچھ ٹھیک کر رہی تھی تو اسے کیا ضرورت تھی بگاڑ پیدا کرنے کی۔

''رب اپنے بندوں سے اتنا پیار کرتا ہے کہ اپنے بندوں کے لیے دی گئی قربانی پر بھی خوش ہوتا ہے اور اسے رائگاں نہیں جانے دیتا۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ رب کو راضی کرنا ہو تو اس کے بندوں کو راضی کرنا چاہیے...... رب بندے کا خود پر کیا گیا مان کبھی نہیں توڑتا۔'' ارقم نے سجدۂ شکر بجالا کر دل میں سوچا۔

آج وہ اس کی زندگی میں شریکِ حیات کی حیثیت سے شامل ہو کر اس کے سامنے تھی۔ اتنی ہی معصوم اور پور پور اس کی محبت میں بھیگی ہوئی سی۔ اسے اس سے مطلب نہ تھا کہ باقر کیوں نہ آیا تھا اس کی زندگی میں، وہ تو ماں، باپ کی مرضی میں اور رب کی رضا میں راضی تھا۔

''چھنو کو اللہ نے پھر سے دو نیانے اور دو نیانیاں دی ہیں۔'' میں نے ان کا نام شانو، بانو۔ اور شاذو، بادو رکھا ہے۔'' ماہ نور خوشی سے بتا رہی تھی۔ ارقم اس کا کھلتا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''تم نے سچ کہا تھا...... اللہ اپنی راہ میں قربان کی گئی نعمتوں کا بڑا اجر اور بدلہ دیتا ہے۔'' سرشار سا اعتراف کیا گیا۔

''ہے ناں؟ جیسے مجھے نئے شانو، بانو دے کر اللہ نے کرم کر دیا۔'' دلہن بنی وہ وفورِ شوق سے پوچھتی اور بھی دل میں اترتی محسوس ہوئی۔

''اس کا جواب تو میرے سامنے بیٹھا ہے۔'' ارقم نے اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے سرشار لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے آنکھیں پٹپٹائیں تو وہ بے اختیار دل پر ہاتھ رکھ بیٹھا۔ ''اپنی اداؤں سے کیا آج ہی مار ڈالو گی؟ میں تو قطرہ، قطرہ زندگی کا لمس اپنے بدن میں اتارنا چاہتا ہوں تاکہ مکمل جی سکوں۔'' وہ شوخ ہوا۔

''کیا؟'' وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ساری عمر پڑی ہے سمجھانے کے لیے۔'' وہ شوخ ہوا۔ زندگی ان کی نوک جھوک پر کھلکھلا کر مسکرانے لگی۔

ملکیت

نظیر فاطمہ

''ابا! ان کاغذوں پر سائن کر دے۔'' مجید کے ... بڑے بیٹے نے چند کاغذات اس کے سامنے ... اس کے پیچھے اس کے دونوں چھوٹے بھائی ... تھے۔

مجید کو اب کمر جھکانے والے بڑھاپے نے آلیا تھا۔ اس کی طبیعت اب بہت خراب رہنے لگی تھی اور اس کے تینوں بیٹے یہ چاہتے تھے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی اپنی جائداد، ان کے نام کر جائے تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ



نہ ہو۔اس کا بڑا بیٹا مامون، اس کے پاس بیٹھ کر سائن والی جگہوں پر انگلی رکھتا گیا اور مجید چپ چاپ وہاں سائن کرتا گیا۔تمام کاغذات پر سائن ہو گئے تو اس کا بیٹا اٹھ کھڑا ہوا۔مجید نے سر اٹھا کر اپنے بیٹوں کے تمتماتے چہروں کو دیکھا جو بڑے جوش سے ایک دوسرے کو اس بات کی مبارک باد دے رہے تھے کہ وہ اپنے ابے کے بارہ مربعوں کے مالک بن گئے تھے۔وہ سب کمرے سے باہر چلے گئے تو مجید نے اپنے خالی ہاتھوں کو غور سے دیکھا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

کتنا نادان ہے انسان ،زمین کے چند ٹکڑے حاصل کر کے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ زمین ہمیشہ کے لیے اس کی ملکیت ہو گئی۔حالانکہ یہ زمین تو وہیں کی وہیں رہتی ہے ہاں مگر اس کے مالک بدلتے رہتے ہیں۔انسان اپنے لالچ اور حرص میں ڈوب کر اس زمین کو پانے کے لیے ہر جائز اور ناجائز ذریعہ استعمال کرنے پر تل جاتا ہے۔مگر جب حقیقت کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو خالی ہاتھ رہ گیا بالکل خسارے میں۔

آہ!''میں بھی تو اسی غلط فہمی کا شکار تھا کہ اپنے باپ کی ساری زمینوں کا میں تنہا مالک ہوں۔''مجید کے آنسو اس کے گالوں سے پھسل، پھسل کر اس کی داڑھی کو بھگونے لگے اور اس کا دھیان برسوں پیچھے چلا گیا۔

☆☆☆

''زینت! زینت پتر یہ دیکھ میں تیرے لیے کیا لایا ہوں۔'' ابا گھر میں داخل ہوتے ہی بیٹی کو پکارنے لگے۔

''جی ابا!'' اٹھارہ سالہ زینت سر پر دوپٹا جماتے ہوئے کمرے سے آئی۔

''یہ لے دھی، تیرے لیے جلیبیاں لایا ہوں۔ تجھے بہت پسند ہیں ناں!'' ابا نے جلیبیوں سے بھرا ہوا کاغذی لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔جو اس نے مسکرا کر تھام لیا۔

زینت جلیبیاں پلیٹوں میں نکال کر صحن میں لے آئی جہاں اماں، ابا، پا (بھائی) مجید اور بھابی چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔مجید کا سات سالہ بیٹا قریب ہی کھیل رہا تھا اور تین سال کا کاکا بھابی کی گود میں چڑھا بیٹھا تھا۔

''مجید پاجی اور بھابی یہ لو جلیبیاں کھاؤ۔'' زینت نے ایک پلیٹ اماں ابا کے سامنے رکھ کر دوسری بھائی بھابی کی طرف بڑھائی جسے بھابی نے خوش دلی سے تھام لیا۔محبت میں بھیگا خاندان اکٹھے بیٹھ کر جلیبیوں سے لطف اٹھا رہا تھا۔

☆☆☆

مجید ابا..... اماں کی پہلوٹھی کی اولاد تھا جو پندرہ سال تک اکلوتا رہا تھا اور خوب جی بھر کر لاڈ اٹھوائے تھے۔اس طرح اس کی فطرت میں خود غرضی شامل ہو گئی تھی۔وہ ہر معاملے میں صرف اپنی ''میں'' کو مطمئن کرتا باقی جائیں بھاڑ میں۔پندرہ سال بعد اللہ نے دوبارہ اماں پر کرم کیا تو اماں جھینپ گئیں مگر قدرت کے کاموں میں کس کو دخل ہے۔

اس بار اماں کی گود میں رحمت آئی تو بیٹی کو پا کر ابا سب سے زیادہ خوش تھے۔وہ زینت کے خوب ناز اٹھاتے ،انہوں نے اپنی بیٹی کو بہت لاڈ سے پالا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ابا کو خوب زمین جائداد سے نوازا تھا۔پورے بارہ مربعے ان کی ملکیت تھے جو خوب پیداوار دیتے تھے۔اللہ نے ان کو بہت رزق دیا تھا اور انہوں نے اس رزق کو ضرورت مندوں کے لیے کھول رکھا تھا۔

''جہاں تک ہو سکے دوسروں کے ساتھ بھلائی اور نیکی ہی کرنی چاہیے اس سے دوسرے کو تو جو فائدہ ہوتا ہے سو ہوتا ہے مگر بھلائی کرنے والے کا کام بھی بن جاتا ہے۔صرف اپنے فائدے کا کشکول پکڑ کر کھڑا رہنے والا شخص بھی ایک بھکاری ہی ہوتا ہے۔'' جب کوئی ان کو ان کی سخاوت پر ٹوکتا تو وہ یہ بات دُہرا کر اسے خاموش کروا دیتے۔

انہوں نے بیٹے اور بیٹی میں کوئی فرق نہیں رکھا تھا۔دونوں کو بہت محبت اور لاڈوں سے پالا۔مگر پھر بھی انہیں زینت اپنے دل سے زیادہ قریب محسوس ہوتی۔وہ اس کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ جاتے۔مجید کی شادی ہوئی تو زینت کی عمر آٹھ نو سال ہو گی۔مجید کی بیوی بہت نیک فطرت عورت تھی۔وہ زینت کو ایک ماں کی طرح چاہتی تھی۔اب بھی جبکہ اس کے اپنے تین بیٹے تھے وہ اپنے

پ ۔ اور زینت میں کوئی فرق نہیں کرتی تھی بلکہ وہ بیٹی کی ا زینت کے لاڈ اٹھا کر پوری کرتی تھی۔پورا گھرانا خوشحال اور مطمئن تھا۔

☆☆☆

آج کل اماں ابا زینت کی شادی کرنے پر غور کر رہے تھے۔ان کا خیال تھا کہ اب زینت کی اتنی عمر ہو گئی ہے اس کی شادی کر دی جائے۔آج وہ اسی سلسلے میں کہیں سے ہو کر آئے تھے۔

''میں چاہتا ہوں کہ زینت کے فرض سے فارغ ہو جاؤں اور یہ زمین شرعی طریقے سے تم دونوں بہن، بھائی میں تقسیم کر دوں۔'' رات کو مجید، ابا کے پاؤں دبا رہا تھا تو انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''ابا! کیا مطلب ہے تیرا؟'' مجید نے ہاتھ روک لیے۔

''میرا مطلب ہے زینت کی شادی کر دوں اور پھر اس زمین میں اس کا جو حصہ بنتا ہے وہ اس کے نام کر دوں۔'' ابا نے اطمینان سے حقے کا کش لیا۔

''جانے دے ابا! بیٹیوں کو جائداد میں سے کون دیتا ہے بھلا۔بس دھوم دھام سے اس کی شادی کر۔اچھا سا جہیز دے، دے اور لاکھ دو لاکھ روپے دے کر اسے فارغ کر۔کیا ضرورت ہے اسے زمین میں شرعی حصہ دینے کی، ایویں تین چار مربعے زمین اس کے ساتھ چلی جائے گی۔'' مجید اپنے ابے کی بات سے ذرا سا بھی متفق نہیں تھا۔

''نہ پتر! نہ! یہی تو ہم لوگ غلط کرتے ہیں کہ بیٹی کی شادی پر خرچہ کر کے اسے باپ کی جائداد میں سے حصہ نہیں دیتے اور سمجھتے ہیں کہ اس کی شادی پر جو خرچہ ہوا ہے وہ ہی اس کا حصہ تھا۔'' ابا اب ٹانگیں سمیت کر بیٹھ گیا تھا۔

''چھوڑ بھی ابا، یہ کن چکروں میں پڑ رہا ہے تو؟'' مجید نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

''پتر میرے! میری بات غور سے سن، یہ جو زمین اور مال و دولت ہے ناں، یہ بھی انسان کی آزمائش ہے اور اس آزمائش میں انسان اس وقت ہی کامیاب ہو سکتا ہے جب وہ اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے پر چلے ورنہ یہی مال و دولت انسان کی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔یہ زمینیں جو ہیں ناں یہ کسی انسان کی ملکیت نہیں ہیں، پتر ان کا اصل مالک وہ اوپر بیٹھی ہوئی ذات ہے۔باقی ہم جیسے انسان تو چند دنوں کے لیے اس زمین کے نگران بنا دیے جاتے ہیں اور نگران سے پوچھ بھی ہو گی تو میں نہیں چاہتا کہ جب میں مروں تو میرے کندھوں پر کسی کے حق کا بوجھ ہو۔اس لیے میں اپنی بیٹی کو اس کا حصہ ضرور دوں گا۔'' ابا کے لہجے میں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

مجید کی زندگی کا مقصد صرف حصولِ زر تھا اور جب کوئی آدمی حصولِ زر کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے تو پھر اس کے لیے ہر قسم کی پابندی اور حد بے معنی ہو جاتی ہے۔سو اس کے لیے بھی اللہ کی مقرر کردہ حدیں بے معنی ہو گئی تھیں اور وہ بلا خوف و خطر ان کو توڑنے چلا تھا۔یہ سوچے بغیر کہ آخر میں وہ اللہ کے سامنے کس منہ سے حاضر ہو گا۔

غزل

ہمیں دریافت کرنے سے ہمیں تسخیر کرنے تک
بہت ہیں مرحلے باقی ابھی زنجیر کرنے تک

ہمارے ہجر کے قصے سمیٹو گے تو لکھو گے
ہزاروں بار سوچو گے ہمیں تحریر کرنے تک

یہ جگنو رقص بھی کرتے نہیں گو شب اندھیری ہے
ستارے گردشوں میں ہیں کسے تقدیر کرنے تک

تمہارے حسن کے جلوے نئے رنگوں میں ڈھالیں گے
ہمیں کچھ ہوش تو آئے تمہیں تصویر کرنے تک

ذرا میں بھی تو یہ دیکھوں، کہاں تک جاؤ گے آخر
بہت ہیں پستیاں حائل مری تحقیر کرنے تک

جہانِ خواب سے اکثر ہمیں تم نے پکارا ہے
چلو نکلیں سفر پہ اب اسے تعبیر کرنے تک

بہت انمول ہوتا ہے مگر صورت ہے اک باقی
تم اپنی زندگی دو گے، یہ دل جاگیر کرنے تک

کلام: یمنیٰ احمد، کراچی

’’بس کردے ابا! اور کان کھول کے سن لے۔ تیری زمینوں کا مالک صرف میں ہوں۔ میرے علاوہ یہ زمینیں کسی کو نہیں مل سکتیں۔‘‘ مجید کی خود غرض طبیعت عود کر آئی تو وہ باپ کا احترام بھی بھول گیا۔ وہ جھٹکے سے ابا کی چارپائی سے اٹھا اور چپل پیروں میں گھسیٹتے ہوئے باہر نکل گیا۔ ابا اس کے رویے پر چند لمحوں کے لیے ساکت ہوا اور پھر سر جھٹک کر حقہ گڑگڑانے لگا۔

☆☆☆

اماں جو اس معاملے میں مجید کی ہم خیال تھیں ان کے سمجھانے اور مجید کے کئی بار بحث کرنے کے بعد بھی ابا اپنے ارادے سے باز نہ آیا تو مجید جیسے انگاروں پر لوٹنے لگا۔ دن رات اسے یہ سوچ بے چین رکھتی کہ اگر زینت کو اس کا شرعی حق ملا تو تین چار مربعوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ وہ مسلسل اس امر پر غور کر رہا تھا کہ ابا کو اس عمل سے کیسے روکے۔

مجید نے اپنے دل کو حرصِ دنیا کا گھر بنا لیا تھا اور جہاں یہ گھر بن جائے وہاں اچھے برے، اپنے پرائے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ انسان شیطان کے راستے پر چلنے لگتا ہے۔ مجید پر بھی اس حرص اور لالچ کی وجہ سے شیطان ایسا سوار ہوا کہ جب کسی طرح بات نہ بن پڑی تو اس نے زینت کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔

’’زینت! زینت!‘‘ مجید جلیبیوں کی پلیٹ لیے کمرے میں آیا۔

’’مجید پا! میں آ رہی تھی آپ نے کیوں تکلیف کی۔‘‘ زینت نے اپنے ماں جائے کو محبت سے دیکھا۔ وہ اپنے جس بھائی کے پیچھے جان دیتی تھی۔ آج وہی بھائی اس کی جان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

’’موسم بہت اچھا ہو رہا تھا تو میں نے سوچا تیرے لیے جلیبیاں لے لوں۔ تجھے جلیبیاں بہت پسند ہیں ناں تو یہ ساری پلیٹ تو ہی کھا لینا۔ اماں ابا اور تیری بھابی کو میں دے آیا ہوں۔‘‘ مجید نے اس کا سر تھپتھپایا تو وہ بھائی کے لاڈ پر کھل اٹھی۔ بادل گھر گھر کر آ رہے تھے۔ بارش اب برسی کہ تب، ایسے موسم میں جلیبیاں، زینت کی تو جیسے عید ہو گئی۔

’’اماں، اماں!‘‘ آدھی رات کا وقت ہو گا جب زینت نے گہری نیند سوئی اماں کو ہلایا۔ تکلیف سے اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا پیٹ دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔ باہر زور کی بارش ہو رہی تھی اور ہوائیں شور مچا رہی تھیں۔

’’کیا ہوا؟‘‘ اماں آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھیں۔

’’اماں! میرے کلیجے میں بہت درد ہو رہا ہے۔‘‘ وہ تکیے پر سر پٹکنے لگی۔

’’شام کو جلیبیاں زیادہ کھا لی ہوں گی، صحیح طرح ہضم نہیں ہوئی ہوں گی اسی لیے درد ہو رہا ہے۔‘‘ اماں نے اس کی تکلیف کا سرا پکڑا۔

’’اچھا ٹھہر، میں تیرے لیے پودینے اور الائچی کا کاڑھا بنا کر لاتی ہوں۔‘‘ اماں اسے پیار کر کے اٹھ گئیں۔ بجلی زور زور سے کڑک رہی تھی۔ اماں بجلی کڑکنے کے انداز پر دہل گئیں۔

ان کا دل ’’رب خیر کرے، رب خیر کرے‘‘ کا راگ الاپنے لگا۔ وہ کاڑھا لے کر کمرے میں آئیں تو زینت کو الٹیاں ہونے لگیں۔ وہ گھبرا کر ابا کو اٹھا لائیں۔ زینت کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ الٹیاں کر، کر کے و[ہ] بے جان سی ہو گئی۔

’’مجید پتر! جلدی باہر آ، تیری بہن کی طبیعت بہت خراب ہے۔‘‘ ابا نے اس کے کمرے کا دروازہ زور سے بجا کر آواز لگائی۔ مجید اور اس کی بیوی لپک جھپک باہر آئے۔ بادل زور سے گرجے اور بجلی یوں چمکی جیسے کسی کو جلا کر بھسم کر دینا چاہتی ہو۔ مجید کی بیوی نے ڈر کر اس کا بازو تھام لیا۔ دونوں کمرے میں آئے تو زینت تقریباً بے ہوش تھی۔ مجید کی بیوی زینت کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئی۔

’’آپ جاؤ جی، جلدی سے حکیم صاحب کو بلا لاؤ۔ اس کی حالت تو بہت ہی خراب ہے۔ اللہ خیر کرے۔‘‘ اس نے مجید کو دوڑایا۔ اماں رو، رو کر بے دم ہو گئیں۔ بیٹی کی حالت دیکھ کر ابا کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ مجید برستی بارش میں حکیم صاحب کے گھر گیا تو معلوم ہوا ک[ہ]

...ان کے لیے شہر گئے ہوئے ہیں۔ وہ اکیلا لوٹ آیا۔

’’ابا اب کیا کریں، اس برستی بارش میں اسے شہر کے اسپتال کیسے لے جائیں۔‘‘ مجید پریشان صورت باپ سے مخاطب تھا۔

اتنے میں فجر کی اذانیں ہونے لگیں۔ اچانک زینت کو زوردار ہچکی آئی اور خون کی الٹی ہوئی مانو کہ اس کا ...ٹکڑے، ٹکڑے ہو کر باہر آن گرا۔ اماں اور بھابی کی ...نکل گئی۔ وہ بھاگ کر اس تک پہنچیں مگر زینت بہت ... جا چکی تھی۔ صبح جس، جس نے سنا انگلیاں دانتوں ...داب لیں کہ بھلی چنگی لڑکی راتوں رات یوں چٹ ...ہو گئی۔ گاؤں والے دنوں اداس رہے اور زینت کے اماں ابا کی تو گویا دنیا ہی لٹ گئی۔

دکھ ہو یا سکھ، وقت اڑا چلا جاتا ہے۔ عمریں ختم ہو جاتی ہیں۔ کسی کے مرنے سے کسی کا کام اٹکا نہیں رہتا۔ ...آہستہ، آہستہ اپنی ڈگر پر چلنے لگتے ہیں۔ دکھ کا ...آیا اور نکل بھی گیا۔ ہر آنے والے دن کے ساتھ ...کی موت پر افسوس کرنے والوں کی تعداد کم ہونے ...لوگ اس کی موت کو بھولنے لگے۔ مگر ابا کے دل پر ...لگا تھا وہ کبھی نہ بھرنے کے لیے تھا۔ اس دکھ نے چھ ...وں میں ان کی جان لے لی کہ ان کی لاڈلی ان کے ...تڑپ، تڑپ کر مر گئی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔

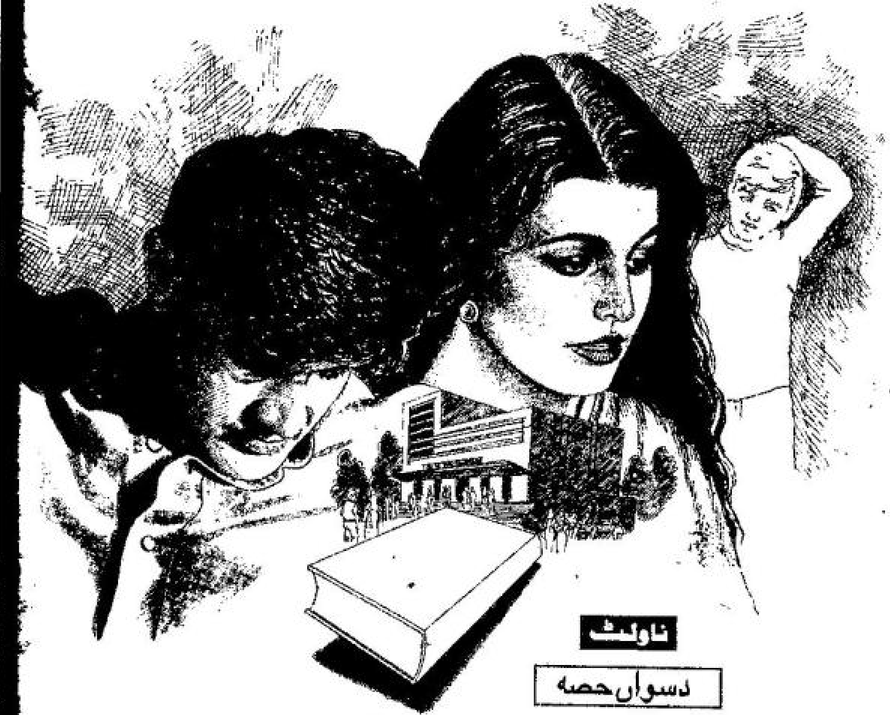
سب کچھ ویسا ہی ہوا جیسا مجید نے چاہا تھا۔ اس ...اس نے سب کو جلیبیاں کھلائی تھیں مگر صرف زینت ...وں میں زہر ملا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ حکیم ...گاؤں سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ پھر بھی وہ برستی ...ان کے گھر گیا تھا تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔ اس کی ...ندی اتنی مکمل تھی کہ کسی اور کو تو کیا اماں ابا تک کو ...نہ ہو سکا کہ یہ سب کیا دھرا مجید کا ہے۔ ساری کی ...ین اس کی ملکیت میں بہ آسانی آ گئی۔ وہ مالک ...پنے ابے کی بارہ مربعے زمینوں کا۔ اپنے باپ کی ...تنہا وارث...... اسے ایک بار بھی اپنے کیے پر ...دم نہ ہوئی تھی۔

☆☆☆

مجید نے مالک بن کر پچھلے پچیس سالوں میں ان بارہ مربعوں سے خوب فائدہ اٹھایا اور یہی سمجھتا رہا کہ یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے اس کی ہو گئی ہیں۔ مگر وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ جس زمین کو حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنے ہاتھ اپنی معصوم بہن کے خون سے رنگے تھے، وہ کچھ سال بعد اس کی اولاد کی ملکیت ہو جانے گی کہ یہی قانونِ قدرت ہے کہ ہر بیس پچیس سال بعد اس زمین جائداد جسے ایک انسان صرف اپنی ملکیت سمجھتا ہے، اس کے مالک بدل جاتے ہیں۔

وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ یہ زندگی کسی اور زندگی کے لیے تیاری کا وقت ہے۔ اس نے یہ وقت مال و دولت کے پیچھے گنوا دیا اور اب جب عمر کی نقدی ختم ہونے جا رہی تھی تو اس کا دامن بالکل خالی تھا۔

اب جبکہ مجید بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور جسم بیماریوں کی پوٹ بن چکا تھا۔ اسے اپنا گزرا کل یاد آنے لگا تھا۔ اپنے اماں، ابا اپنی بہن سب یاد آنے لگے۔ بیوی دس سال پہلے اللہ کے پاس جا چکی تھی۔ تینوں بیٹے اپنی زندگیوں میں مگن...... وہ فالتو پرزے کی طرح اکیلے کمرے میں پڑا رہتا۔ بیٹے اس کے لیے چوبیس گھنٹے کے لیے ایک نوکر رکھ کر اپنے ہر فرض سے فارغ ہو چکے تھے۔ اب اس تنہائی میں اسے اپنے ابا کی باتیں یاد آتیں کہ یہ زمین جائداد کوئی بھی اپنے ساتھ لے کر نہیں جاتا۔ سب کچھ یہی چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔ سو اب اپنے بیٹوں کے لائے ہوئے کاغذات پر دستخط کر کے مجید اس جائداد سے محروم ہو گیا تھا جس کے لیے اس نے اپنی معصوم بہن کی جان لی تھی۔ جائداد تو اس کے ہاتھ سے نکل گئی مگر اپنی بہن کے قتل کا طوق ابھی تک اس کے گلے میں تھا۔ یہ وہ طوق تھا جو مرنے کے بعد بھی اس کے گلے میں رہنا تھا۔ اب اسے احساس ہوتا تھا کہ اس نے دنیا کے لالچ میں بڑے خسارے کا سودا کیا تھا کہ انسان کی اصل ملکیت زمین جائداد نہیں بلکہ اس کے اعمال ہیں جو ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے اس کے ساتھ رہیں گے۔



ناولٹ

دسواں حصہ

محبت لفظ ہے لیکن......

”ماں باپ کے سامنے بہت سوچ سمجھ کے بولا کرو کیونکہ کبھی کبھی ان کے سامنے بولا گیا کوئی بھی برا یا اچھا کلام ہماری پوری قسمت پہ حاوی ہوجاتا ہے۔“

خوب صورت جذبوں کی باریکیاں بیان کرتی حیا بخاری کی ایک دل نشیں تحریر

اس کی چیخ سے سارا تہ خانہ زنجیروں کی چھنکار سے گونج اٹھا۔ وہ نہ جانے کن لوگوں کے آرام میں مخل ہوئی تھی۔ وہ شاید نیند میں کسمسائے تھے۔ کیونکہ فوراً ہی دوبارہ وہی خاموشی چھا گئی......

موت کے جیسی خاموشی......

خوف سے آنکھیں بند کیے وہ دوبارہ چیخنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن آواز جیسے گلے میں ہی کہیں پھنس گئی تھی۔ نہ ہی وہ اپنے وجود کو حرکت دے پا رہی تھی۔ وہ خوف سے جیسے پتھر کی ہوگئی تھی......

”تو یہاں کیوں آگئی؟“ اور جیسے چھن سے شیشہ ٹوٹا تھا۔ سارا خوف ایک لمحے میں زائل ہوا تھا۔ اس آواز میں جو اپنائیت تھی وہ کبھی اس کی زندگی کی اساس رہی تھی اس نے آواز کی سمت نگاہیں پیچھے کی تھیں۔ لمبے اجڑے بکھرے بالوں میں وہ چہرہ اب بھی گم تھا لیکن اب وہ اسے مکمل طور پہ پہچان چکی تھی۔ وہ بے شک اللہ لوک تھی۔

اس کی اللہ لوک......

اس کی ماں جیسی اللہ لوک......

''اللہ لوک۔'' اسے پہچانتے ہی وہ تیزی سے زمین پہ اس کے سامنے بیٹھتی چلی گئی۔ اللہ لوک نے اب کی بار دھیرے سے چہرہ اٹھایا۔ اس کی لال آنکھیں اس کے رتجگوں کا پتا دے رہی تھیں اور ہونٹ سوکھ کے پھٹ سے گئے تھے۔ اس عمر میں ان کا یہ حال دیکھ کر اوزگل کی آنکھیں بھر آئیں۔

''اللہ لوک۔'' اس نے سلاخوں کے اندر ہاتھ بڑھا کر نرمی سے ان کے ضعیف چہرے کو چھوا۔ جسے اتنی ہی نرمی سے اللہ لوک نے واپس کر دیا۔

''تو یہاں کیوں آئی ہے؟ کس نے تجھے یہاں کی راہ دکھا دی۔ جا چلی جا...... ورنہ وہ تجھے بھی ساری عمر کے لیے اس جگہ قید کر لے گا......'' وہ محبت سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

''کون...... کون قید کر لے گا اور کیوں اللہ لوک؟'' وہ واقعی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اس کے بابا کے ہوتے ہوئے یہ جرأت کون کر سکتا تھا۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کیا تھا وہ جا کر یہ سب بابا کو بتا دے گی۔

''ہاں ہاں...... جا...... جا کر بتا دے اپنے باء جی کو کہ تو نے اللہ لوک کو زندہ دیکھا ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں کو پڑھنا جانتی تھیں۔ یہ اسے بھی معلوم تھا۔

''ہاں اللہ لوک...... میں ابھی جا کر بتاتی ہوں۔'' وہ فوراً سر ہلا گئی۔

''اور اس سے یہ ضرور پوچھنا...... کہ اللہ لوک تو زندہ ہے پھر اس کے سامنے مرا کون...... کس کو دفنا آیا وہ......'' وہ جو باپ تک بات پہنچانے کے خیال سے پُر جوش سی ہوئی تھی یک دم چونکی......

''باء جی......''

''ہاں...... تیرا باپ......'' اللہ لوک کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ اسے غصہ آ رہا تھا۔ وہ جلال میں آ چکی تھی۔

دور کہیں مرغ نے بانگ دی تھی۔ اللہ لوک نے سر گرا دیا۔ اس کے چہرے پہ بال بکھر گئے تھے۔

''پلیز اللہ لوک مجھے پوری بات بتاؤ...... ہمارے شہر جانے کے بعد تمہارے ساتھ کیا ہوا......؟ باء جی نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا......؟ اور کیا وہ بھی واقعی باخبر ہیں کہ تم یہاں ہو......؟'' وہ ایک ہی سانس میں کئی سوال پوچھ گئی تھی۔ کیونکہ اوزگل جانتی تھی۔ اللہ لوک جب بھی جلال میں آ جاتی تو کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔

''حد مُک گئی تیری۔'' اس کی آواز بلند تھی۔ (جب حد ختم ہو جاتی ہے تو کچھ نہیں رہتا، سب کچھ الٹ ہو جاتا ہے)

''تے جدوں حد مک جاندی اے...... کَکھ نئیں رہیندا اے......

سب کچھ اوکھا پیندا اے......'' وہ بار، بار الفاظ دُہرانے لگی تھی۔ بے بس ہو کے اوزگل اٹھنے لگی۔ جب اچانک اس نے اوزگل کا ہاتھ تھام لیا۔

''ہو سکے تو کل رات یہاں آ جانا...... بہت کچھ میرے پاس ہے۔ تجھے لوٹانا ہے لیکن ایسے ہی آنا جیسے راستے سے...... ورنہ تو بھی کچھ نہیں کر پائے گی...... کبھی نہیں۔'' وہ اب پشتو میں اسے کہہ رہی تھی۔ اس نے سر ہلایا اور ایک نظر دوسرے قدرے تاریک زندانوں کی ڈال کے اس روشندان کی طرف بڑھ گئی جہاں سے اندر آئی تھی۔ باہر سے آتی فجر کی اذان بھی اس کے دل کا بوجھ کم نہ کر سکی تھی۔

☆☆☆

زندگی ان کے لیے کچھ آسان تو نہیں رہی تھی لیکن اس قدر مشکل بھی کبھی نہ تھی کہ سانس لینا دوبھر ہو گیا تھا...... پھر اس بار بات اُن کی لالہ کی تھی۔ ان پہ بیتی شاید ہمیشہ کی طرح لب سیئے سہہ جاتیں لیکن اب کی دل نہ جانے کیوں پھٹا جا رہا تھا۔ شاویز کا یوں اچانک بدل جانا مزید دکھ کا باعث تھا۔ لیکن وہ انہیں جس قدر عزیز تھا۔ وہ اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔ اور لالہ کی اب سمجھ آ رہی تھی۔

ناانصافی سہنا تو جیسے اُن کی عادت تھی اور اسی سے شاید وہ اسی قدر آرام سے لالہ اور زرینہ کی باتیں سن کر سہہ جاتی تھیں۔ شاویز کے معاملے میں بھی ان کی

...ل تھا۔ وہ الٹا اسے ہی صبر کا کہتیں۔ شاویز کے سامنے ...ں۔ بات برداشت سے باہر ہو جاتی تو اس جگہ سے ...چلی جاتیں لیکن کبھی شاویز کو روک نہ پاتیں۔ لالہ کا ...مزید بکھرنے لگا تھا۔ گھر سے مایوس ہو کے امی، دادو ...جلد سے جلد باہر کا کوئی رشتہ تلاش رہی تھیں۔

خالہ زہرہ بھی نہ جانے کہاں، کہاں سے رنڈوے، ...بیدہ کنوارے اور دوسری، تیسری شادی والے نکال، ...کے لانا شروع ہو گئیں۔

''زندگی کا کیا ہے لالہ...... ہر صورت گزر ہی جاتی ...ں عزت کے بغیر نہیں گزرتی......'' سبین اس کے ...اس کے باپ کی عمر کے مردوں کی تصویریں رکھتیں، ...بھائے جاتیں اور لالہ خالی خالی نظروں سے اُن کے ...کو تکے جاتی۔ سبین دل ہی دل میں اس کی چپ پہ ...کے آنسو روئے جاتیں لیکن اس کے سامنے خود پہ ضبط ...اور اسے بھی مضبوط بننے کا کہتیں۔ حالانکہ اس کی ...ان کا سینہ چاک کیے جاتی تھی۔ ایسی چپ تو اسے اجڑ ...کی نہ لگی تھی جتنا گھر والوں کا رویہ اسے بخش گیا تھا۔ ...ی اس سے دور ہی رہنے لگی تھیں۔ نہ جانے کیوں ...یکھتے ہی ضبط کھو بیٹھتیں اور یوں پھوٹ پھوٹ کے ...لالہ مزید بکھر جاتی۔

''تم یہ تصویریں دیکھ لو۔ انہوں نے تو بنا دیکھے ہی ...ئی ہے۔ پری جیسی لڑکی کے لیے بھلا کون نہ ...گا۔'' وہ تصویریں اس کے سامنے ڈالتے ہوئے ...ت کرتے ہوئے پیار سے کہتیں تو لالہ کا دل کرتا ...گلے لگ کے خوب روئے اور کہے کہ بے شک ...دیں لیکن اس طرح ذلیل نہ کریں۔ لیکن وہ ...تی۔ خالی نگاہوں سے ان تصویروں کو دیکھتی ...عکس دھندلاتے اور ماں کے کمرے سے ...سسک اٹھتی......

...ون ہو گا جو یہ بوجھ اٹھائے گا۔ گناہ کا یہ بوجھ ...ٹھا پا رہی کوئی اور کیسے اسے سہارے گا، قبول ...''

...ی جیسے شکست کھا چکی تھی۔ اب تو یہی خواہش بچی تھی۔ کوئی بھی ہو بس اس کی ماں اور دادو کی پریشانی ختم کر دے۔ اسے پناہ دے دے۔ اس کا اپنا آپ تو جیسے مر چکا تھا۔ نہ اسے کسی اپنی کسی خواہش کی چاہ تھی نہ ہی اب کسی بہترین ساتھی کی چاہ...... بس کوئی ہو جو اس گناہ کی پوٹلی کو اس سے دور کر دے۔ اور اس دن روتے، روتے نہ جانے اسے کیا ہوا تھا۔ وہ اچانک ہی چیخنے چلانے لگی تھی۔ دادو اور سبین دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی تھیں۔ وہ بری طرح اپنے پیٹ میں مکے جڑ رہی تھی۔

''لالہ......'' وہ دونوں تیزی سے اس کی طرف بھاگیں۔

''لالہ...... میرے بچے......'' دادو نے اسے خود میں سمیٹ لیا۔

''سنبھالو خود کو لالہ...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سبین نے روتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ بیٹی کا دکھ اُن کی روح تک کو گھائل کیے جا رہا تھا لیکن وہ بے بس تھیں۔ کسی بھی طرح اس کی اجڑی ہستی کو سمیٹ نہیں پا رہی تھیں......

''امی مجھے مار دیں۔ پلیز مجھے مار......'' لالہ چلاتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے اس گند کو نہیں پالنا امی، پلیز اس سے میرا پیچھا چھڑوا دیں پلیز۔'' وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے ماں سے بولی تھی اور سبین اس کے ہاتھ تھامتی انہی ہاتھوں پہ سر ٹیکتے خود بھی رو دی تھیں...... اب وہ اسے کیا بتاتیں کہ وہ زندگی کے اس موڑ پہ تھیں جہاں صرف قدرت کی چلتی ہے۔ انسان بالکل بے بس ہو جاتا ہے۔ وہ بھی بے بس تھیں۔ اپنی جان سے پیاری بیٹی کے لیے بھی چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہی تھیں...... انہوں نے اب سب کچھ رب پہ چھوڑ دیا تھا...... اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ نہ رہا تھا...... اور بے شک اللہ ہی بہترین مددگار ہے۔

☆☆☆

''باری! اِدھر دیکھو...... یہ ڈریس کیسا ہے؟'' وہ تین دن کے لیے اسلام آباد آئے ہوئے تھے۔ امن کی کوششوں کی وجہ سے کئی بڑے ہوٹلز کے اونرز سے وہ بات کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ بلکہ اسے اچھے انویسٹرز بھی

ملے تھے۔ یہاں آ کے تین دن وہ مسلسل آفس کے کاموں میں بزی رہے تھے۔ اور آج فری ہوتے ہی امن ضد کر کے مارکیٹ لے آئی تھی۔

''کتنے کنجوس ہو تم باری، اتنی اچھی اسٹارٹنگ کے بعد بھی ابھی تک کوئی گفٹ نہیں دیا مجھے...جبکہ میرے خیال میں تمہاری اکلوتی بیسٹ فرینڈ ہوں میں۔'' خوشگوار میٹنگ کے اختتام پہ بلڈنگ سے باہر آتے ہی امن نے اس سے گلہ کیا تھا اور اس نے فوراً اس کی ناراضی ختم کرنے کے لیے ہامی بھر لی تھی اور اب پچھلے ایک گھنٹے سے سینٹرز میں کتنی ہی شاپس چھان لینے کے باوجود وہ کچھ بھی پسند نہیں کر پائی تھی۔ باریال جلد ہی بیزار ہو گیا تھا۔ اس کے بدلتے موڈ کو دیکھتے ہی اس نے کچھ سوٹ پسند کر کے اسے دکھاتے ہوئے پوچھا۔ باریال بس سر ہلا گیا تھا جیسے اسے اس سب سے کوئی مطلب ہی نہ ہو۔ امن نے اس بار بے دلی سے وہی دو ڈریسز پیک کروائے اور مزید شاپنگ کا ارادہ ملتوی کرتی باہر کی طرف بڑھی۔

''بس ان دو ڈریسز کے لیے اتنی دیر ادھر، اُدھر گھومتی رہیں تم؟'' باریال کو حیرانی ہوئی۔

''نہیں......صرف تمہارے ساتھ رہنے کے...... لیے۔ وہ رکے بِنا بولی اور گلاس ڈور سے باہر نکل گئی۔ باریال ٹھہر سا گیا تھا۔ نہ جانے کیوں سایہ سا اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا۔ وہ تیزی سے سر جھٹکتا باہر آیا۔ امن گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ بھی اس طرف آیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''اگر اتنی سی بات تھی تو صاف بتا دیا ہوتا کہیں بیٹھ کر وقت بتا لیتے۔ یہاں تو تھکن سے برا حال ہو گیا۔'' اس کے لہجے سے دبی مسکراہٹ صاف ظاہر تھی۔

''پلیز باری...... میں نے تمہیں کئی بار کہا ہے۔ میری فیلنگز کا مذاق مت بنایا کرو۔ یک طرفہ سہی لیکن یہ ایک حقیقت ہے تمہارا ساتھ میرے لیے بہت اہم ہے۔ تم ساتھ ہوتے ہو ناں تو کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی مجھے۔ شاپنگ تو بس بہانہ تھا۔ مجھے تمہارا ساتھ چاہیے تھا۔ ورنہ تو ہوٹل جاتے ہی تم اپنے روم میں بند ہو جاتے ہو۔ دس دفعہ کال کرو تب کہیں جا کر بات کرتے ہو اور اگر کہیں گھومنے کا کہو تو صاف جواب......'میں کام کر رہا ہوں۔'' وہ آج جیسے سارے پرانے کھاتے بے باق کرنے والی تھی۔ بات کے آخر میں اس نے باریال کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے کہا تھا۔ باریال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''توبہ امن......تم تو بھری بیٹھی ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا......

''شکر ہے تمہیں بھی خبر ہوئی۔'' وہ منہ بنا گئی۔

''اچھا اب بتاؤ، ڈنر کہاں کریں۔ آج کی شام صرف تمہارے نام۔'' وہ مسکرایا۔ لیکن اس کی مسکراہٹ بھی امن کا موڈ درست نہیں کر پائی تھی۔ اس نے سیدھا ہوٹل جانے کی ضد برقرار رکھی تھی۔ ہار مانتے ہوئے باریال نے گاڑی ہوٹل کی طرف موڑ دی تھی۔

☆☆☆

لال حویلی کے پرانے کنویں کی ٹوٹی لال اینٹوں والی منڈیر پہ بیٹھے' چاندنی روشنی میں وہ بس اسے تکے رہی تھی اور وہ حیا کے دیس کا شہزادہ نگاہیں کنویں کے اندر نظر آتی سیاہی پہ جمائے یوں باادب بیٹھا تھا۔ جیسے اگر اٹھائے گا تو اس محبت کی دیوی کے حسن کو ناپاک کر دے گا......اور اس کی یہی ادا تو تھی جس نے گل مینہ کو پاگل کر دیا تھا۔ وہ اس پہ نظر ڈالتا بھی تو جیسے سو بار نظر کا وضو کر کے۔ اسے خود پہ رشک آتا......

''خانزادی......'' رات کے سناٹے میں جیسے کوئی مقدس سُر جاگا تھا۔

مینے نے کنویں کی منڈیر پہ لگا وہ واحد زرد پھول جڑ سے اکھاڑا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ ابراہیم نے اس کی طرف دیکھے بِنا ہی وہ پھول تھام لیا تھا۔

''میں نے سنا ہے خانزادی، حویلی کی بیٹیوں کو محبت راس نہیں آتی۔ اب بھی وقت ہے اس راہ سے پلٹ جائیں۔''

''تم پلٹ سکتے ہو......؟'' اس نے الٹا سوال کیا

ابراہیم نے اس بار اس کی طرف دیکھا اور پھر گل مینہ کی ...وں سے نظریں ملتے ہی وہ فوراً نظریں جھکا گیا تھا۔

''میری حیثیت کیا ہے، آپ اچھی طرح جانتی ...ادب کی راہ ہمیشہ میرے لیے محبت کی راہ سے مقدم ...کی۔'' وہ بولتے ہوئے دور کہیں خلا میں دیکھنے لگا تھا گل مینہ کھلکھلائی۔

''توبہ......تم بھی ناں' بادشاہ اکبر کے دور میں پیدا ...تم سے کبھی کبھی مجھے ایسے لگتا ہے کسی شاہی غلام ...روح گھس گئی ہے تم میں۔''

''میں نے اپنے بڑوں سے سنا تھا خانزادی...... ...لی عورتوں کو محبت راس نہیں آتی۔'' وہ اس کے لیے ...ند تھا۔

''پھر میں خان بابا کے ساتھ، ساتھ ضیا کو بھی اچھی ...جانتا ہوں۔ وہ بھی اس بات کے لیے راضی نہ ...کے کہ ایک ملک کا رشتہ اپنی بیٹی کے ساتھ طے ...یں......'' اس کی بات میں سچائی تھی گل مینہ بھی جانتی ...ن ایسی باتوں کو جھٹلانا جانتی تھی۔

''جو قدرت کو منظور ہوتا ہے ناں تو اسے کون روک ...ہے ابراہیم......لال حویلی کی عورتوں کو بھی محبت ...آتی ہے۔ یہ میں دنیا کو دکھاؤں گی۔'' وہ ایک ادا ...اس کا ہاتھ تھام گئی تھی۔ اس نے جھٹکے سے ہاتھ ...یا اور کپڑے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''رات ڈھل رہی ہے۔ میرے خیال میں اب ...جانا چاہیے۔'' اس نے حویلی کے اندرونی حصے کی ...یکھتے ہوئے مینے سے کہا تھا۔ یہ حصہ حویلی کے ...اُن مہمانوں کے استعمال میں رہتا جو شہر سے ...ن کے آتے تھے۔ ابراہیم اور ضیا کے دوسرے ...بھی اکثر یہیں قیام کیا کرتے تھے۔

...یہ ایک حقیقت تھی کہ اس طرف عورتوں کا آجانا ...ن تھا لیکن اس پاگل لڑکی کے جنون کے آگے وہ ...و جاتا تھا۔

...نہ کسی طرح ان دو حصوں کی درمیانی حد پار ...تی۔ اس کے اسی جنون سے کبھی، کبھی اسے سخت خوف آتا تھا۔ وہ احسان فراموش ہرگز نہ تھا لیکن لال حویلی کی اس پری میں ایسا کچھ تھا جو اسے بھی مجبور کر دیتا تھا کہ وہ اس کی محبت کے آگے سرنگوں ہو جائے۔ خود پہ اختیار تو وہ کب کا کھو چکا تھا۔ بس اب اس پری کی عزت کا پاس تھا۔ محبت پہ اختیار نہیں ہوتا لیکن نفس پہ اختیار مضبوط مرد کی شان ہے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ نفس کے کسی ایسے ہی کمزور لمحے کی زد میں آ کے وہ اس مقدس رشتے کو داغدار کر لے۔

''جائیں خانزادی...... اور خدارا کل اس طرف مت آیئے گا۔'' وہ چند قدم دور جا ٹھہرا تھا۔ مینے نے خفا سی نگاہ اس کی چوڑی پشت پہ گاڑ دی۔ پھر دھیرے، دھیرے چلتی کنویں کے قریب آ گئی۔ کنویں کے پانی میں چاند اور اس کا عکس آپس میں گڈمڈ ہونے لگے تھے۔

''میں تو کل رات بھی آؤں گی۔ مجھے بھلا کون روک سکتا ہے۔'' وہ پانی میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے دل فریبی سے مسکرا دی۔

''ٹھیک ہے......آپ کی مرضی۔'' ابراہیم ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔

''لیکن پھر آپ کو اکیلے اس خوفزدہ مقام پہ وقت گزارنا ہو گا کیونکہ کل رات میں یہاں نہیں آؤں گا......'' وہ کہہ کے آگے بڑھا۔

''ابراہیم حیات کو جب، جب گل مینہ بلائے گی اسے آنا پڑے گا۔'' وہ اس کی طرف مڑی۔ ابراہیم کے بڑھتے قدم رکے۔

''اور اگر نہ آئے تو......؟'' مڑے بغیر ہی اس نے سوال کیا۔

''تو حویلی کی تاریخ ایک اور گواہی دے گی کہ لال حویلی کے پرانے کنویں کے سیلن زدہ پانی نے ایک اور خوب صورت خانزادی کو نگل لیا تھا۔'' اس کے لہجے میں موت کی سی سچائی تھی۔ ابراہیم کا جسم جیسے پتھر کا ہو گیا...... وہ مڑ نہیں سکا تھا۔ گل مینہ نے قدم بڑھائے۔

''اور تم جانتے ہو ابراہیم حیات...... مینہ موت سے بھی نہیں ڈرتی۔'' چلتے، چلتے وہ اس کے قریب سے

گزرتے ہوئے بولی تھی۔ ابراہیم ساکت کھڑا اسے حویلی کے دوسرے پار غائب ہونے تک دیکھتا رہا تھا۔

☆☆☆

"میرا موبائل دیکھا ہے تم نے؟" وہ صبح سے موبائل ڈھونڈ، ڈھونڈ کے تھک گئی تھی۔ آغا گھر آیا تو اقرا نے اس سے پوچھ لیا۔

"کیوں؟ موبائل کی کیا ضرورت پڑ گئی تمہیں۔" وہ واسکٹ اتار کے اسے پکڑاتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب ضرورت پڑ گئی......؟" اس نے آغا کے ہاتھ سے واسکٹ تھامتے ہوئے کہا۔

"کالز کرنا ہوتی ہیں۔ امی نانو سب سے بات کرنا ہوتی ہے۔" وہ اس کے لیے کپڑے نکالتے ہوئے بولی تھی۔ لہجہ تیز تھا۔

"تو میرے موبائل سے کر لیا کرو ناں۔ خالہ کا نمبر بھی سیو ہے اور تمہارے اس کھڑوس بھائی کا نمبر بھی۔ نانو کا سیو کر لو...بات ختم۔" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولا جیسے واقعی سارا کام نبٹا لیا ہو۔

"نہ مطلب کیا ہے تیرا؟" کپڑے لیے وہ تیزی سے اس کی طرف آئی تھی۔ تمہارے سے تیرے پہ آنے سے صاف ظاہر تھا اس کا موڈ بگڑ چکا ہے۔ آغا نے تفصیلی نگاہ اس کے خوب صورت چہرے پہ ڈالی اور پھر اچانک ہی آگے بڑھ کے اس کے گال دبوچ لیے۔

"مطلب یہ کہ تیرا موبائل میں نے بیچ دیا اور سم ضائع کر دی۔ اب تجھے جس سے بھی بات کرنی ہو میرے موبائل پہ کر لینا۔" اس کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ اقرا کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس کے آنسو دیکھ کے آغا کے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے فوراً ہاتھ ہٹا لیے اور اس کے ہاتھوں سے اپنے کپڑے لینے لگا......

"ویسے بھی ابھی تیری عمر ہی کیا ہے۔ یہی سترہ، اٹھارہ کی ہو گی مشکل سے۔ اور میں نہیں چاہتا میری طرح تو کسی اور سے بھی عشق معاشقہ کر لے۔ عورت کی عقل تو ہوتی ہی گٹوں میں ہے...... چل جا کھانا نکال میرے لیے۔" اسے ایک طرف...دھکا دیتا وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ اور وہ بس اس کے آخری جملے کو سوچتی وہیں کھڑی رہ گئی تھی......

"عورت کی عقل تو گٹوں میں ہوتی ہے۔"

اس کی غلطی تھی یا اماں کی لالہ کے بارے میں باتیں سامنے آ رہی تھیں۔ وہ اندازہ نہیں لگا پائی تھی۔

☆☆☆

کل رات اس نے جو کچھ بھی تہ خانے میں دیکھا تھا۔ وہ اس کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھا۔ بات معمولی نہیں تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ حویلی میں پر مارنے والے پرندے تک کی خبر ہوتی ہے باء جی کو...... تو ایسا کیسے ممکن تھا کہ اللہ لوک زندہ ہو اور باء جی کو خبر نہ ہو۔ اس کے سامنے وہ اللہ لوک کے لیے کس قدر اداس تھے۔ رو رہے تھے۔

"تو کیا یہ سب باء جی کے حکم پہ......"

"نہیں......نہیں......" وہ فوراً نفی کر گئی۔

"باء جی تو اتنی پیاری فطرت کے مالک ہیں۔ بھلا ایسا کس طرح کر سکتے ہیں۔" وہ اس نہج پہ سوچنا نہیں چاہ رہی تھی لیکن دل تھا کہ بار، بار باء جی کے خلاف ہی ہوا جا رہا تھا۔

"کیا میں کسی اور سے یہ سب ڈسکس لوں......؟" اس نے جیسے خود سے سوال کیا۔

"ضیا یا مینے سے؟" ان کے علاوہ اعتماد کے قابل اور کوئی تھا بھی نہیں۔

"نہیں......نہیں۔" اس نے فوراً اپنی بات نفی کی تھی۔ "اللہ لوک نے کہا تھا کسی کو پتا نہ چلے۔ چور راستے سے آنا......" اس نے جیسے خود کو باور کروایا۔

"مجھے فی الحال اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کرنا گا۔ ورنہ ہو سکتا ہے ایک بار پھر میں اللہ لوک کو کھو دوں اس بار شاید ہمیشہ کے لیے۔" اس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے فیصلہ کیا۔ دن نکل آیا تھا۔ اسے رات کا انتظار تھا۔ ساری رات جاگتے رہنے سے اب سر میں بھی درد رہا تھا۔ وہ رات کا پلان مرتب کرتی بیڈ پہ لیٹ گئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

☆☆☆

شادی کا گھر تھا۔ ڈھول کی تیز تھاپ اور پٹاخوں کے شور سے کان پھٹے جا رہے تھے۔ وہ مسلسل کانوں پہ ہاتھ رکھے جیسے اس شور سے بچنا چاہ رہا تھا۔ سر درد تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔ تبھی شور اٹھا تھا۔

''دلہن...... ہائے دلہن......'' کیا ہوا تھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ وہ بھی ماجرا دیکھنے کو ذرا سا آگے ہوا تو حیرت سے اسے شدید جھٹکا لگا۔ دلہن کے خوب صورت روپ میں وہ بلاشبہ لالہ تھی۔ اس کے لبوں اور ناک سے خون کی لکیر سی بہہ رہی تھی۔ تبھی اچانک اس کے سر سے زرتاش دوپٹا کسی نے زور سے کھینچا تھا اور اس کے بال بکھر گئے تھے۔ تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے تھے۔ تبھی وہ اچانک اٹھ کر بھاگی تھی اور نہ... جانے کس چیز سے ٹھوکر کھا کے گرنے لگی تھی جب باریال کے مضبوط بازوؤں نے اسے تھام لیا تھا۔

''لالہ۔'' وہ بے اختیار پکارا تھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا...... اس نے اپنے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھا اپنے بیڈ پہ۔

''لالہ......'' اس نے زیر لب وہ نام دُہرایا تھا۔ دل نے بے اختیار ہی ایک بیٹ مس کی تھی۔

وہ اس پری پیکر کو سوچتا سیدھا لیٹ گیا۔ نیند اب آنکھوں سے بہت دور تھی۔ فجر کی نماز ادا کر کے وہ سیدھا دیدے کے پاس چلا آیا۔

''آج تو بڑا بختاور دن ہے باری خود جاگا ہے نماز کے لیے۔'' اسے رات کو دیر سے سونے کی عادت تھی۔ تبھی ہمیشہ فجر کے لیے دیدے ہی اسے جگاتی تھیں۔ آج اسے جاگا دیکھ کے خوشگوار حیرت سے بولی تھیں۔

''کہیں میری ہونے والی بہو نے تو نہیں جگا دیا۔'' ان کے لہجے میں شرارت تھی۔ باریال کی نگاہوں میں دلہن بنی لالہ کا سراپا لہرا گیا۔

''بہو......؟'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

''ہاں ناں امن نے کال شال کر کے تو نہیں جگایا۔''

ان کی بات پر نہ جانے کیوں باریال کا منہ بن گیا۔

''نہیں دیدے، خود جاگا ہوں۔ اور وہ آپ کی ہونے والی بہو نہیں ہے۔ میں بتا چکا ہوں آپ کو۔'' اس نے یاد دہانی کروائی۔ دیدے کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''کتنی پاگل ہے وہ تمہارے پیچھے۔ تمہیں تو ویسے بھی کوئی اور نہیں پسند۔ اسے ہی تسلیم کر لو۔ مجھے بھی چین ملے۔'' وہ اٹھ کر کچن میں آ گئیں۔ باریال بھی اُن کے پیچھے تھا۔

''ایک بات بتائیں دیدے۔'' انہوں نے چائے کے لیے پانی رکھا تو وہ سلیب سے ٹیک لگا کر پوچھنے لگا۔

''ہاں..........''

''اگر کسی کا دکھ آپ کو پریشان کرے تو آپ کو کیا کرنا چاہیے؟''

اس نے ماں کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سادہ سی بات ہے۔ اس کا دکھ بانٹ لینا چاہیے۔'' اُن کا چہرہ ہمیشہ کی طرح پُرسکون تھا۔

''اور اگر دکھ بہت بڑا ہو۔'' وہ مطمئن نہ ہوا۔

''تب تو اور بھی جلدی کرنی چاہیے......'' وہ اس کی طرف مڑتے ہوئے مسکرائیں۔

''کیونکہ بانٹ لینے سے بڑے سے بڑا دکھ بھی چھوٹا ہو جاتا ہے...... ہاں مگر خلوص شرطِ اوّل ہے۔'' ان کے لہجے میں بھی ان کی شخصیت کے رنگ بولے تھے۔ اسے ماں پہ فخر ہوا۔

''اچھا...... اب جلدی سے اس کا نام بتا دو جس کے رنگ تمہاری آنکھوں میں لو دینے لگے ہیں۔'' وہ جیسے اس کی چوری پکڑ چکی تھیں۔ وہ سر کھجا گیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں دیدے بس کسی کی پریشانی سہی نہیں جا رہی۔''

''تب تو بالکل صاف ہے۔ جا کے اس کا دکھ بانٹ لو۔ دونوں کے لیے سہنا آسان ہو جائے گا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے حل بتایا۔ وہ اب آملیٹ بنا رہی تھیں۔

''یہ آسان نہیں ہے دیدے۔'' وہ پاؤں سے زمین پہ نہ جانے کیا تراشے جا رہا تھا......

''دکھ بہت بڑا ہے اور میرا ظرف بہت چھوٹا۔''

''کاش لالہ کے لیے یہ فیلنگز پہلے جاگی ہوتیں۔''

ی بات اس نے جیسے خود سے کہی تھی۔

''اچھا۔'' انہوں نے آملیٹ پلیٹ میں ڈالتے ئے حیرت سے کہا۔

''میرے خیال میں تو تم اب بالکل تیار ہو...... یکھنا یہ ہے کہ تم خود کو کب سمجھتے ہو۔'' مسکرا کر اس گال تھپتھپاتے ہوئے وہ اس کے لیے ناشتا ٹیبل پہ لگیں۔ وہ بس سُن کھڑا انہیں دیکھے گیا......

☆☆☆

جب سے وہ اس حادثے سے گزری تھی۔ زندگی جیسے تاریکی اتر آئی تھی۔ آج بھی سر شام گھر آتے بادلوں نے ہر طرف اندھیرا سا پھیلا رکھا تھا اور اب اندھیروں سے خوف سا آنے لگا تھا۔ وہ جائے لیے اندر کمرے میں آ گئی اور سارے بلب آن کر کمرا روشنیوں میں نہا سا گیا تھا۔ اس نے ے اور کھڑکیوں پہ پردے گرا دیے اور کھڑکی کے ہی جائے نماز بچھا کے نماز پڑھنے لگی۔ تیز ہوا اور شروع ہوئی تو پردوں سے بوچھاڑ سی اندر آئی اور ہلکے سے بھگو گئی۔ اِک سکون سا اس کی ذات کا نے لگا اور رب کا ذکر کرتی وہ بے آواز رونے آنسو جیسے روح کی ساری غلاظت دھوتے محسوس وہ نہ جانے کتنی دیر ایسے ہی آنسو بہاتی رہتی کہ لزور آواز پہ چونک پڑی...... وہ اس کے قریب ہی بیٹھی اسے پکار رہی تھیں۔

''اتنی گم صم کیوں ہو جاتی ہو لالہ کہ سب ویران سا لگنے لگتا

زندگی میں بہت کچھ ایسا ہوتا ہے جس کے ہم سوچنا بھی نہیں چاہتے لیکن اس سب کا نا ہی اصل ہے زندگی کی۔ سب کچھ ہار کے بیٹھ کوئی حل نہیں۔'' اس نے نم آنکھوں سے ماں کے ڑتے چہرے کو دیکھا۔

''امی...... وہ حادثہ گزر جاتا تو میں بھی شاید سنبھل جاتی۔'' اس کے گال مسلسل بھیگ رہے تھے۔

''لیکن یہ حادثہ تو جیسے ٹھہر سا گیا ہے میری زندگی میں...... زندگی چھوٹے تو کہیں جا کے امان ملے امی...... اور آپ بتائیں اب اس زندگی سے ہاتھ چھڑاؤں تو کیسے......؟''

''نہ میرا بچہ نہ......'' سین نے فوراً اسے خود میں سمیٹ لیا۔

''ایسی باتیں نہیں کرتے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس کا سر آہستگی سے تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگیں۔

''شاویز بتا رہا تھا۔ ایک بہت اچھا رشتہ ملا ہے تمہارے لیے۔ اپنا کماتا ہے۔ الگ گھر ہے کوئی اتنی بڑی فیملی بھی نہیں ہے۔ دو بھائی ہیں وہ بھی اپنی، اپنی فیملیز کے ساتھ دوسرے شہر میں ہیں۔ پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی تو طلاق ہو گئی۔ اگر تم کہو تو کل انہیں گھر پہ بلا لیں؟'' انہوں نے ڈرتے، ڈرتے اصل مدعا بیان کیا۔ لالہ ان کے سینے میں منہ چھپائے خاموش رہی۔

''پرایا بوجھ بھی اپنا سمجھ کے دل سے لگا لے گا۔ شاویز تو کل ہی نکاح کا کہہ رہا ہے تاکہ اور دیر نہ ہو اور کسی طرح ہمارا پردہ رہ جائے۔ اسے پتا نہیں چلے گا کہ......'' وہ جیسے شاویز کے ہی لہجے میں سارا منصوبہ بتا رہی تھیں۔ لالہ کا دل کٹنے لگا۔ وہ آہستگی سے ان سے الگ ہو گئی۔

''میں تیار ہوں امی۔ آپ انہیں کل شام کا کہہ دیں۔'' دھیرے سے انہیں اقرار سونپتی اس نے جیسے ان کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتارا تھا۔ وہ اسے دعائیں دیتی باہر نکل گئیں اور وہ سارا بوجھ دل پہ لیے دوبارہ رونے لگی تھی۔ باہر برستی بارش میں ایک دم تیزی آئی تھی۔ بوچھاڑ اب بھی پردے سے ٹکراتی اسے بھگو رہی تھی......

☆☆☆

سمندر کی تیز لہریں اس کے قدم چھوتیں اور اتنی ہی تیزی سے واپس بھی پلٹ جاتیں اور وہ بیزاری سے چند قدم ان کے پیچھے آگے بڑھتا اور پھر ان کے واپس آتے ہی خود بھی پیچھے ہو جاتا۔ اس عمل میں وہ اس قدر محو تھا کہ قریب موجود لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگتے۔ بلیو جینز پہ وائٹ شرٹ کی آستینیں فولڈ کیے وہ نہ جانے کتنے وقت

سے اس مشغلے میں مصروف تھا۔ قریب سے گزرتی لڑکیاں اس کی شخصیت کے سحر میں جیسے گرفتار ہوتی اسے پلٹ، پلٹ کے دیکھنے پر مجبور ہو جاتیں۔ اور وہ خود سے بے نیاز سمندر کی لہروں سے وہی کھیل جاری رکھے ہوئے تھا۔ یہ کھیل نہ جانے اور کتنی دیر چلتا جب اس کے موبائل پہ ہونے والی تیز بیپ نے اسے چونکا دیا۔ اس نے دور سمندر کے بیچوں بیچ ڈوبتے اس نارنجی گولے پہ نظریں جماتے ہوئے فون نکالا اور بنا نظر ڈالے ہی کال پک کرلی۔

"کہاں ہیں خان؟" زمزمہ کی پریشان آواز پہ اس نے نچلا لب ہلکے سے دانتوں تلے دبایا تھا۔ یوں جیسے اس وقت اس کی کال اسے سخت ناگوار گزری ہو اور وہ ناگواری چھپانے کی کوشش کررہا ہو۔

"کراچی آیا ہوا ہوں دوستوں کے ساتھ......" اس نے دوستوں کے بارے میں جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ جبکہ وہ یہاں اکیلے ہی آیا تھا۔

"اتنے دنوں سے غائب ہیں اور کال بھی نہیں اٹھا رہے۔ بندہ ایسے تھوڑی کرتا ہے۔ میں پریشان ہوگئی تھی۔"

"اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے؟" وہ اب پانی کو پاؤں سے دور اچھال رہا تھا۔

"اصل میں خان یہاں......" وہ اسے کچھ بتانے لگی تھی لیکن پھر خاموش ہوگئی تھی۔ ضیا کو لگا جیسے وہ اپنے آس پاس دوسری طرف کسی کے نہ ہونے کی تسلی کررہی تھی۔

"کیا بات ہے زمزمہ......؟ کھل کے بتاؤ۔" وہ فوراً پریشان ہوا تھا۔

"خان صبح میں نے آپ کے خاص ملازم کو فون پہ بڑے خان سے بات کرتے سنا تھا۔ وہ بتا رہے تھے کہ کوئی سیاسی رقیب لالہ والے واقعے تک پہنچ گیا ہے اور وہ لالہ کو بڑے خان کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو......؟" آدھی بات سن کر ہی ضیا گاڑی کی طرف چل پڑا تھا۔

"اور کیا بات ہوئی...... جلدی بتاؤ؟" وہ صرف چند سیکنڈز میں گاڑی تک آیا تھا۔ اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے بے تابی سے بولا تھا۔

"خان، وہ بڑے خان کو کہہ رہا تھا کہ یہ لڑکی ان کے لیے کوئی بڑا خطرہ بن سکتی ہے پھر بڑے خان نے پتا نہیں اسے کیا حکم دیا وہ بس جی خان، جی خان کرتا رہا۔"

"اچھا...... ٹھیک ہے۔ تم فون رکھو میں رات تک پہنچتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے خان...... خدائے پہ امان۔" اس نے فوراً کال کاٹ دی تھی۔ ساحلِ سمندر پہ گاڑی دوڑاتے ہوئے اس نے کال ملائی تھی۔

"سنو مجھے ابھی پشاور کے لیے نکلنا ہے۔ میری ٹکٹ کنفرم کروا کے مجھے اطلاع دو۔" اس نے دوسری طرف اپنے ملازم کو ہدایت کی تھی اور اس کا جواب سنے ہی فون ڈیش بورڈ پہ اچھال دیا تھا۔ سڑک پہ آتے ہی اس کی کار فراٹے بھرنے لگی تھی۔

☆☆☆

اسلام آباد سے واپس آتے ہی وہ سب سے پہلے شاویز سے ملنے اس کے گھر گیا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ دل مسلسل اس لڑکی کو سوچ کے پریشان تھا۔ اس کے بارے میں وہ اپنے جذبات کو اب بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا لیکن وہ یہ ضرور جاننا چاہتا تھا کہ اب وہ کیسی ہے؟ شاویز نے اپنی ضد چھوڑی یا اس لڑکی نے ہتھیار ڈالے۔ لیکن شاویز کی بیٹھک میں قدم رکھتے ہی اسے کچھ انہونی ہونے کا احساس سا ہوا تھا۔ بیٹھک کھلی تھی۔ تبھی وہ شاویز کے اشارے پہ اندر چلا آیا۔ بیٹھک میں ایک ادھیڑ عمر شخص پہلے سے موجود تھا۔ اس کا رنگ کافی گہرا تھا۔ سر کے سامنے سے بال غائب تھے اور دائیں طرف چہرے سے لے کر گردن تک مکمل جلنے کے نشان تھے۔ اسے دیکھ کے نہ جانے کیوں باریال کو اس سے کوفت محسوس ہوئی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ کم صورت لوگوں سے نفرت کرنے والوں میں سے تھا لیکن اس شخص میں کچھ تو ایسا تھا جو اسے وہ اچھا نہیں لگا تھا۔

"دیکھیں، اس لڑکی کو ہم نے پال پوس کے بڑا کردیا لیکن اب مجھے کہیں اور شفٹ ہونا ہے اور اسے اکیلے چھوڑ کے نہیں جا سکتا۔ اور اسی لیے ہمیں آپ جیسے سمجھدار اور اچھے آدمی کی ہی تلاش ہے جو ہمارے اپنوں کی طرح اس کا خیال رکھے۔" شاویز اس آدمی سے بات کرنے میں مصروف تھا اور باریال اس آدمی کا جائزہ لینے میں۔ اسے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد معاملہ طے ہوا اور وہ شخص جانے کے لیے اٹھا تو باریال نے سکون کی سانس لی......

"کچھ عجیب نہیں تھا یہ شخص...... اور اس کی شادی سے تمہارا کیا لنک...... میرج بیورو تو نہیں کھول لیا۔" اس کے جاتے ہی وہ اپنی اسی دوستانہ جون میں واپس آیا تھا۔

"نہیں یار...... وہی لالہ والا معاملہ سیٹ کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔" شاویز بیزار سا صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"لالہ...... مطلب کیا ہے تمہارا......؟ اس شخص کا تعلق لالہ کے معاملے سے؟" شاویز کی بات پہ اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔ جو بات اسے سمجھ آرہی تھی وہ اسے جھٹلانا ہی چاہتا تھا۔

"مطلب صاف ہے یار، لالہ کی شادی طے کردی اس شخص سے اور کل شام کو نکاح ہے سادگی سے۔"

"تم ہوش میں تو ہو شاویز...... لالہ کی شادی اور اس سے۔ دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا...؟" وہ ضبط سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جس طرح کے حالات ہیں ناں اس میں یہ رشتہ ایک نعمت سے کم نہیں پھر یہ سب خود لالہ کا کیا دھرا ہے اب بھگتے ساری عمر۔" وہ خودغرضی کی انتہا کو چھونے لگا۔ باریال کو اس کی دوستی پہ پہلی بار افسوس ہوا۔

"اور آنٹی...... وہ اس بات کے لیے مان گئیں؟"

"انہیں ماننا ہی پڑا باری۔ لالہ از پریگننٹ...... اور زیادہ عرصہ یہ بات چھپائی نہیں جاسکے گی۔" اس نے بم پھوڑا تھا۔ باریال شاکڈ کھڑا رہ گیا تھا۔

"اسی لیے میں نے اسے اپنی کوئی مجبوری بتا کے کل شام ہی نکاح اور سادگی سے رخصتی کے لیے تیار کیا ہے تاکہ لالہ کو بھی آگے کوئی مسئلہ نہ ہو۔" شاویز کا لہجہ مطمئن تھا۔ باریال کو اس وقت اس پر شدید غصہ آرہا تھا لیکن وہ خود پہ ضبط کیے کھڑا رہا۔

"پھر بھی شاویز...... یہ آدمی اور وہ بھی لالہ کے لیے۔ ہم کوئی اچھا آپشن بھی تو ڈھونڈ سکتے ہیں۔"

اس کی بات پہ شاویز کی آنکھوں میں طنز سا جاگ اٹھا۔

"تم نے شاید میری پوری بات سنی نہیں...... شی از...... مائی ڈیئر اور ایسی حالت میں اس سے بہتر آپشن بھلا اور کون ہوگا۔ کون ہے جو کسی اور کا تھوک اپنے دامن سے صاف کرے گا۔ میں یا تم......؟" اس کے لہجے میں طنز تھا...... زہر تھا۔ باریال لب کاٹ کے گیا۔

"یہ شخص بھی اس بات سے لاعلم ہے ورنہ شاید یہ بھی راضی نہ ہو۔ لالہ اب وہ لالہ نہیں رہی۔ پاک صاف چمکتی سی لالہ۔ اس کے ماتھے پہ سجا داغ ابھی نہیں تو چند دن بعد واضح ہو جائے گا اور اسی لیے میں نے ان صاحب کا انتخاب کیا ہے۔ ورنہ یہ ساری سچائی جاننے کے بعد لالہ کو کون اپنا سکتا ہے...... ہاہ۔" کہتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ یوں نیچے گرائے تھے جیسے اسے باریال کی لالہ کے لیے ہمدردی پہ بھی افسوس ہوا ہو۔ باریال نے تب بس ایک نظر اس پہ ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں اپناتا ہوں اسے...... اس کے ہر گناہ، ہر داغ کے ساتھ۔ آج رات کل نہیں آج آٹھ بجے نکاح کا انتظام کرو میں اپنے آدمی لے کر پہنچ جاؤں گا۔" اس کا لہجہ بالکل صاف تھا۔ ذرا سی لغزش ذرا سا تذبذب نہ تھا اس کی آواز میں۔

شاویز جیسے ساکت رہ گیا تھا۔

"اور ہاں رات آٹھ بجے ہی میں اسے ساتھ لے جاؤں گا...... سادگی لیکن پوری ایمانداری کے ساتھ۔" کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ باہر نکل گیا تھا۔ دروازے سے لگ کے کھڑی سین کی جیسے خدا نے سن لی تھی۔ وہ وہیں زمین پہ سجدہ ریز ہوگئیں۔

☆☆☆

سرِ شام گھر آنے والے بادلوں کی وجہ سے آج

اندھیرا قدرے زیادہ تھا پھر بھی اس کے انداز سے کل والا خوف مفقود تھا۔ وہ آج بے خوف سی حویلی کے اس ویران بیرونی حصے کی طرف آئی تھی......اور ٹھیک اس جگہ آئی جہاں اس نے کل نشانی رکھی تھی۔ کل رات جاتے ہوئے اس نے ایک ٹوٹی ہوئی لمبی شاخ یہاں سوراخ کے سہارے کھڑی کردی تھی تاکہ اس کا وقت ضائع نہ ہو اور وہ سیدھا زندان کے اسی روشندان سے اندر جائے جس کے سرے پہ اللہ لوک کا کمرا تھا۔

وہاں پہنچ کے اس نے وہ لکڑی وہاں سے نکال کے پاس ہی رکھ دی۔ پھر قریب رکھی بوسیدہ سی سرخ اینٹ اٹھائی اور آہستہ سے سائڈ پہ ابھرے نوکیلے کیلوں پہ مارتے ہوئے انہیں اندر دھکیل دیا۔ اب جگہ صاف تھی اور وہ آسانی سے اندر جاسکتی تھی۔ اس نے کچھ دیر وہیں بیٹھ کے اردگرد کا جائزہ لیا۔

"جدوں حدمک جاندی اے......

ککھ نئیں رہندا......

سب کیتا ای اوکھا پیندا......"

اللہ لوک کی بڑبڑاہٹ واضح ہونے لگی تھی۔ اس نے اینٹ ایک طرف اچھالی اور خود سمٹ کے روشندان کے اندر پھسل گئی۔ اس بار وہ آسانی سے اندر آگئی تھی۔ ورنہ کل رات ان کیلوں کی وجہ سے اس کے پہلو اچھے خاصے چھل گئے تھے۔ نیچے آکے اس نے اپنے کپڑے آہستگی سے جھاڑے اور اللہ لوک کے تنگ و تاریک کمرے کی طرف آگئی۔ اللہ لوک دیوار کے سہارے ٹیک لگائے لیٹی ہوئی تھی لیکن پھر بھی پیر سلاخوں سے باہر آرہے تھے۔ اسے مکمل لیٹنے میں کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی۔ یہ سوچ کر ہی اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

اللہ لوک کا سر جھکا تھا اور لمبے کھلے بکھرے بالوں نے اس کا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ مسلسل وہی الفاظ دہرا رہی تھی جو وہ اکثر کہتی رہتی تھی۔ وہ اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی کہ اللہ لوک جاگ رہی تھی یا نیند میں تھی۔

"اللہ لوک ......" اس نے دھیرے سے پکارا۔ تاکہ اگر وہ سو بھی رہی ہے تو ڈسٹرب نہ ہو۔ اس نے طے کرلیا تھا اگر وہ سو رہی ہوئی تو وہ ایسے ہی واپس چلی جائے گی۔ لیکن اس کی اس دھیمی پکار پہ ہی اس نے فوراً سر اٹھایا تھا۔ اوزگل نے ایک لمبی سانس بھری۔ اللہ لوک کچھ دیر بالوں کے اندر سے ہی اسے گم صم سی گھورتی رہی پھر ایک جھٹکے سے آگے آئی۔ اوزگل بے اختیار کچھ پیچھے ہوئی۔

"آنکھیں کھول دے اس سے پہلے کہ کالک تجھے بھی کالا شاہ کردے۔" وہ سلاخوں کے اندر سے سر اس کے قریب لاتے ہوئے یوں سرگوشی میں بولی جیسے کوئی گہرا راز بتارہی ہو۔

"اللہ لوک، میں نے بابا کی ڈائری پڑھ لی۔ لیکن میں حیران ہوں۔" وہ اللہ لوک کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے بتانے لگی۔

"اس ڈائری میں اتنے سارے لوگوں کا ذکر ہے اوران میں سے کچھ مجھے تھوڑا، تھوڑا یاد بھی ہیں۔ لیکن اب وہ سب کہاں ہیں۔ ہمیں اور باء جی کو انہوں نے کیوں چھوڑ دیا۔ کیا آپ جانتی ہیں......؟" اس نے ان سے پوچھا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اللہ لوک ہی ایک ایسی ہستی تھی جسے سب پتا ہوسکتا تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اللہ لوک صرف اس سے ہی بات کرتی تھی ورنہ عام لوگ انہیں پاگل ہی مانتے تھے۔ صرف اوزگل ہی جانتی تھی کہ وہ نہ صرف عام لوگوں کی طرح بات سمجھتی اور بولتی تھی بلکہ کبھی، کبھی اس کی باتیں خود اوزگل کو بھی حیران کردیتی تھیں۔ حلیے اور حرکات سے وہ واقعی اللہ لوک ہی لگتی تھی لیکن اوزگل ہی صرف اس بات کی گواہ تھی کہ جب وہ بولنے پہ آتی۔۔۔تو انتہائی کام کی بات کرتی۔ اب بھی اوزگل کی بات سن کر اس نے چونک کر پہلے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بے اختیار ہنسنے لگی۔

"حدمک گئی پردے چکن دا ٹیم آگیا اے۔" وہ تالیاں بجاتے ہوئے بولی۔ اس کا مطلب ابھی وہ بات کرنے کے لیے راضی نہ تھی۔

"اللہ لوک......اس طرح کروگی تو میں چلی جاؤں گی۔ اور پھر کبھی یہاں نہیں آؤں گی۔" وہ خفا ہوئی۔

"ہاہاہا......سب کچھ تو ننگا ہونے والا ہے۔

سب ظاہر ہوجائے گا۔

حدمک گئی اے۔

ککھ رہ جائے گا۔

سب واپس پلٹ جائے گا۔

ہاہاہا۔۔۔" وہ اور زور سے ہنسنے لگی۔ اوزگل مایوسی سے کچھ دیر اسے ہنستا دیکھتی رہی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تجھے کیا بتاؤں؟" روتے، روتے وہ اچانک سسک اٹھی۔ اوزگل کے بڑھتے قدم رکے تھے۔

"کیا، کیا حساب باقی ہے؟ کیا کچھ نگل گیا ایک سنپولیا۔" وہ رونے لگی تھی۔ اوزگل مڑ کے دوبارہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"سب بتادے اللہ لوک، اپنے اندر اترا کچھ زہر مجھے بھی دان کردے۔ کچھ تو آسانی ہو۔" وہ اس کا کمزور سا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی تھی۔ اور اللہ لوک دھاڑیں مارنے لگی تھی۔

زندان کا بند علاقہ دردناک آواز سے گونج اٹھا تھا۔ اوزگل اب بھی اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

☆☆☆

یہ لال حویلی کا وہی لال اینٹوں والا کنواں تھا۔ جس کی منڈیر پہ سر ٹکائے لمبے کالے بال کھولے وہ پری پیکر ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کے خوب صورت چہرے پہ محبت لودے رہی تھی۔ اس کی خوب صورت نیلی آنکھیں سامنے بیٹھے شاہ عیسیٰ پہ جمی تھیں۔ جو ایک نظر اس پہ ڈالتا اور فوراً یوں آسمان کی طرف پھیر لیتا جیسے اس نے اس پری پیکر کے حسن کی توہین کردی ہو۔

"لگتا ہے تمہیں واقعی مرنے کا شوق ہے شاہ عیسیٰ جو روز اس طرف آجاتے ہو۔" اپنے لمبے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے وہ ایک غرور سے بولی تھی۔

"جبکہ تم جانتے ہو اس لال کنویں کے سیاہ پانی نے کتنے ہی اجلے رنگین آنچل اپنے دامن میں سمیٹے ہیں۔ کتنے ہی خوب صورت جوان اس کنویں کے سامنے اپنی زندگی ہارے ہیں۔ کیوں اپنی اور میری جان کے درپے ہو......پلٹ جاؤ۔" اس شہزادے نے ایک نظر اس وجود پہ ڈالی اور جھکالی تھی۔

"یہ کنواں اس لال حویلی کی ہر محبت کا گواہ ہے۔ یہ میری بھی گواہی دے گا کہ شاہ عیسیٰ نے محبت کی تھی اور جان لٹادی تھی۔"

"اور اس سب کا فائدہ؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"محبت فائدہ یا خسارہ کب دیکھتی ہے۔ یہ تو بس ہوجاتی ہے۔ کاش کاکا کی شادی پر یہ سونے جیسا روپ میرے سامنے نہ آتا ورنہ خدا کی قسم شاہ عیسیٰ ایسے مات کھانے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس کے لہجے میں کردار کا غرور تھا۔ شہزادوں جیسی شان رکھنے والا وہ شخص اس کے پیچھے دیوانہ تھا۔ جس کے پیچھے پانچویں کلے کی لڑکیاں بھی پاگل تھیں۔ وہ دل ہی دل میں خود پہ نازاں تھی۔

"تمہارا یہ کردار ہی تو مجھے یہاں تمہاری بات سننے کے لیے آنے پہ مجبور کردیتا ہے۔ میں خود کو لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی تمہاری راہ پہ قدم دھرنے سے نہ روک سکی۔ لیکن خدا گواہ ہے شاہ عیسیٰ مجھے ہماری محبت سے زیادہ تمہاری جان عزیز ہے۔ پلٹ جاؤ اس سے پہلے کہ دیر ہوجائے۔" وہ جانے کے لیے مڑ چکی تھی۔

"میں کل زریاب لالا سے ہماری شادی کی بات کرنے آرہا ہوں۔ اپنے کاکا کی کے ساتھ۔" اس پری پیکر کے پاؤں پتھر کے ہوئے تھے۔ وہ پلٹ نہ سکی تھی۔

"وقت طے کردے گا بہت جلد...... محبت یا موت...... مجھے تمہارے لیے یہ دونوں بخوشی قبول ہیں۔" کوئی کہتے ہوئے ذرا سا ادب سے جھکا تھا......پھر اس نے بھاری قدموں کی چاپ الٹی جانب دور، بہت دور جاتی سنی تھی لیکن وہ خود اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی۔

☆☆☆

لکڑی کے ٹوٹے پھوٹے دروازے کو دھکیلتے ہوئے نہ جانے کیوں ان کا دل زور، زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ دروازہ اس قدر زور سے چرچرایا تھا کہ سامنے ہی صحن میں بیٹھی شاہدہ نے فوراً نگاہ اسی طرف پھیری تھی اور زرینہ بیگم

پہ نظر پڑتے ہی ان کے چہرے پہ ناگواری رقم ہوتی گئی۔
زرینہ نے زبردستی مسکراہٹ چہرے پہ سجاتے ہوئے سلام کیا تو مجبوراً انہیں بھی اٹھ کر بیٹھنا پڑا۔ ماں کی آواز سن کر اقرا بھی فوراً باہر آئی تھی اور ماں سے لپٹ گئی تھی۔

''تم تو بھول ہی گئیں ہمیں...... میں نے سوچا خود ہی حال چال پوچھنے آؤں۔'' زرینہ کا لہجہ خود بہ خود نم سا ہوا تھا۔

''بیٹیاں تو ہوتی ہی پرایا مال ہیں۔ پیچھے مڑ کے دیکھنے کا وقت ہی کہاں ہوتا ہے اُن کے پاس۔''

''پھر بھی ایسی بھی کیا مصروفیت کہ بندہ بھائی کی منگنی بھی اٹینڈ نہ کر سکے۔ ابھی تک ناراض ہو کیا ہم سے؟'' وہ اسے مٹھائی اور دوسرا سامان پکڑاتے ہوئے اداسی سے بولیں۔

''نہیں امی...... میں کیوں ناراض ہونے لگی۔ آپ بیٹھیں، میں چائے بنا کے لاتی ہوں آپ کے لیے۔'' اقرا کی آنکھیں بھرنے لگی تھیں وہ تیزی سے سامان لیے وہاں سے ہٹ گئی۔ زرینہ وہیں چارپائی پہ بیٹھ گئیں۔

''سچ کہوں تو اقرا نے تو بہت ضد کی بہن لیکن آغا نے اجازت ہی نہیں دی۔'' شاہدہ نے کمینی سی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔ زرینہ چونکیں۔

''آغا اب تک حمزہ کی بات کو دل پہ لیے بیٹھا ہے۔ میں نے اس کی طرف سے معافی مانگ تو لی تھی۔ آپ اسے سمجھائیں ناں کہ اب دل صاف کرلے جب رشتہ بنا ہی لیا تو کیسی اکڑ کیسی ناراضی۔'' وہ دل ہی دل میں اقرا پہ طیش کھاتے ہوئے بہت ضبط سے بولیں۔

''مرد ذات ہے بہن، اپنی کوتاہی کو ہمیشہ ریت اور دوسروں کی کوتاہی کو پتھر پہ لکھتا ہے۔'' شاہدہ کا لہجہ مٹھاس بھرا تھا پھر بھی زرینہ ان کے اندر بھرا زہر بخوبی محسوس کر رہی تھیں۔

''لیکن خیر یہاں بات ناراضی کی نہیں۔ اعتبار کی ہے۔ آغا تو اب جیسے اقرا پر سے اعتبار ہی کھو چکا ہے۔'' وہ تیلی پھینک کے اب مزے سے پان بنانے لگی تھیں۔

''مطلب کیا ہے آپ کا......؟'' زرینہ جیسے جل اٹھی تھیں۔

''لو، اس میں ایسا کیا مشکل ہے جو آپ کو سمجھ نہیں لگ رہی۔ پسند کی شادی کی ہے اور وہ بھی تھوک کے آئی ہے گھر والوں کے لیے آغا کے لیے جو اس کے لیے قطعی انجان تھا۔ ایسی لڑکی کا آگے بھی کیا بھروسا۔''

''شاہدہ، زبان کو لگام دو۔'' زرینہ کا صبر جواب دے گیا تھا۔ وہ چلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ چائے لاتی اقرا کے ہاتھ کپکپائے تھے۔

''لے، میرا کیا قصور۔ میں تو بس بتا رہی تھی۔ آئندہ بھی رسموں پہ آغا سے امید کم ہی رکھنا۔ مرد ذات ہے۔ ایک بار بات ذہن میں آجائے تو مشکل سے ہی مٹتی ہے اور سچ کہوں بہن تو غلطی تمہاری بھی ہے۔ جب لڑکا لڑکی راضی تو کیا کرے گا قاضی...... تم اگر اس دن میری بات مان کے عزت سے یہ رشتہ طے کر دیتیں تو آج اقرا کو وہ سب سننا سہنا نہ پڑتا۔ لیکن خیر...

اب پچھتاوے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔'' شاہدہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

''اقرا ذرا ماں کی خاطر مدارات کرو۔ میں ذرا نماز پڑھ لوں۔ حق ہاہ...... کرے کوئی بھرے کوئی۔'' کہتے ہوئے وہ اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''امی چائے......'' اقرا ماں کی طرف آئی اور چپ چاپ چادر سنبھالتی زرینہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھنے کا بھی حوصلہ نہیں کر پائیں۔ ان کی پھول جیسی نازوں سے پلی بیٹی کیا کچھ سہہ رہی تھی۔ وہ بچی نہ تھیں کہ نہ سمجھ سکتیں۔ انہیں اب احساس ہوا تھا۔ بیٹیاں تو سب کی پیاری ہوتی ہیں۔ اپنی بیٹی کی عزت فرض ہے تو اپنوں کی بیٹیوں کی عزت بھی ایک قرض۔ جتنا بھروگے اتنا چکانا بھی تو پڑے گا۔

''امی...... چائے تو پی لیں...... کہاں جا رہی ہیں۔'' اقرا آوازیں دیتی رہ گئی اور وہ بس ایک ہی فقرے کی بازگشت لیے دروازہ پار کر گئیں......

''کرے کوئی بھرے کوئی......'' سب کچھ بہت واضح تھا۔

(باقی آئندہ)

کیا میں بدچلن ہوں؟

سلمیٰ غزل



جب روشنی کو پتا چلا کہ افنان سے اس کے رشتے کی بات پکی ہوگئی ہے تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے زمین کا سینہ چیر کر ارمانوں نے سر اٹھا لیا ہو، چٹانوں میں پھول اُگ آئے ہوں ویسے ہی اس کے سینے میں برسوں سے مدفن خوابیدہ ارمان اور جذبات انگڑائی لے کر بیدار ہوگئے۔ انگ، انگ مستی سے جھوم اٹھا، گھر کے نہاں خانوں میں سوئے ہوئے جذبات چراغ کی طرح لو دینے لگے، خزاں رسیدہ شاخوں پر مسرتوں کی

نئی کونپلیں پھوٹ گئیں، وہ خوش تھی بے حد خوش......

☆☆☆

جب وہ اٹھارہ برس کی ہوئی تو اس کے جذبات میں عجب طرح کی ہلچل تھی۔ خواہشات کی تکمیل کے خیال سے ہی اس کے گال اور کان کی لوئیں سرخ ہوجاتی تھیں اور وہ تنہائی میں بھی خود سے نظریں چرانے لگتی مگر حالات نے احساسات پر برف کی سل جمادی تھی جو...اب دس سال بعد پگھلنے لگی تھی، مدفن تمنائیں، ارمانوں کے مزاروں سے پھر سر اٹھانے لگی تھیں کہ اب وہ معتبر ہونے والی تھی شادی شدہ کہلانے والی تھی۔

☆☆☆

روشنی کا تعلق ایک متوسط طبقے سے تھا جہاں لڑکیاں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے ساری زندگی ماں، باپ کی دہلیز پر شادی کے انتظار میں بیٹھے، بیٹھے بوڑھی ہوجاتی ہیں۔ باپ نے ساری زندگی حق حلال کمایا اور کھلایا پھر بحیثیت کلرک ریٹائرمنٹ کے بعد جو رقم ملی اس سے اپنے لیے دو کمروں کا گھر بنالیا اب یہی خواہش تھی کہ بیٹی عزت سے اپنے گھر کی ہوجائے۔ ان کی پنشن کا بیشتر حصہ تو کچن کی ضروریات پر ہی اٹھ جاتا تھا پھر جہیز کے بغیر شادی کیسے ہو۔ روشنی نے جیسے تیسے گریجویشن تو کرلیا مگر اسے اپنے والدین کی محرومیوں اور کم مائیگی کا احساس تھا۔ کچھ شارٹ کورسز کر کے اس نے ایک آفس میں جاب کرلی کیونکہ اسکول والے اتنی کم تنخواہ دیتے تھے جیسے اونٹ کے منہ میں زیرہ اور کام دبا کر لیتے تھے اس لیے اس نے ہاتھ پاؤں مار کر ایک آفس میں نوکری کرلی مگر جب سے اس کی افنان سے بات طے ہوئی تھی اس کے دل میں زندہ رہنے کی امنگ جاگ اٹھی تھی، وہ جب بھی شادی شدہ عورتوں کی باتیں سنتی تو اس کے سینے میں ہوک سی اٹھتی۔ ان کو بچوں اور شوہر کے ساتھ بن سنور کر جاتا دیکھ کر اس کا دل دہائیاں دینے لگتا۔ لیکن اب خوابیدہ پھولوں کی کلیاں کھلنے کو بے تاب تھیں اب ایسے بے شمار شوق اس کے سینے میں انگڑائیاں لینے لگے تھے۔ رات کو بستر پر لیٹتی تو ان گنت خواہشات اس کا احاطہ کرلیتیں۔ ''اپنے شوہر سے ڈھیر سارا میک اپ کا سامان منگواؤں گی اگر والدین کی استطاعت نہیں تو کیا شوہر پر تو حق ہوگا۔'' روشنی کو فلمیں دیکھنے کا بھی بہت شوق تھا خاص طور پر وہ فلمیں جو صرف بالغوں کی دیکھنے کی ہوتی ہیں۔ ''شادی کے بعد تو وہ دیکھ سکوں گی ناں.....'' وہ شرما کر سوچتی۔

☆☆☆

بورڈ آفس میں اسے کام کرتے ہوئے دس سال ہوگئے تھے۔ اس دوران اس کی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مردوں سے بات چیت ہوتی رہتی تھی اکثر گھر سے لایا ہوا لنچ بھی سب مل کر کھاتے تھے مگر اس کی اپنی حد بندیاں تھیں، بے تکلفی کا مطلب آزادی یا عیاشی نہیں تھا، اس کے رکھ رکھاؤ اور نسوانی وقار کی وجہ سے سب اس کا احترام کرتے تھے اور اس کی شادی کی خبر سے بہت خوش بھی......روشنی کو یہ سن کر کافی خوشی اور تسلی ہوئی تھی کہ افنان کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے اس لیے دونوں کی تنخواہ میں اچھا گزارہ ہوجائے گا بلکہ اگر افنان نے اجازت دی تو وہ ماں، باپ کی بھی کچھ نہ کچھ مدد کردیا کرے گی۔ اب تو اماں نے اس کے جہیز کے لیے بھی کافی کچھ پس انداز کرنا شروع کردیا تھا لیکن ایک شام وہ دفتر سے گھر لوٹی تو گھر میں غیر معمولی سناٹا اور خاموشی تھی اور پھر جو کچھ اماں نے بتایا وہ سن کر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے سہانا خواب دیکھتے، دیکھتے اچانک نیند سے بیدار ہوگئی ہو۔ وہ شاخ ہی کٹ گئی جس پر ارمانوں کی کونپلیں ابھی، ابھی پھوٹی تھیں جس پر بسیرا کرنے کے وہ خواب دیکھ رہی تھی ماں نے بتایا کہ ''افنان نے شادی سے انکار کردیا ہے۔''

''مگر کیوں......؟'' وہ بے ساختہ چیخ اٹھی۔

''وہ کہتا ہے کہ تم اچھی لڑکی نہیں ہو، تمہارا کردار مشکوک ہے۔'' اماں کی آواز بھرا گئی اور وہ دوپٹے میں منہ چھپا کر رونے لگیں اس سے زیادہ سننے کی اس میں ہمت نہیں تھی وہ کمرا بند کر کے زارو قطار رونے لگی۔

دوسرے دن وہ فائلوں پر اس طرح جھکی ہوئی تھی جیسے اس کی کمر میں ہڈی ہی نہ ہو اور روح پر کسی نے بھاری سل رکھ دی ہو، کھانے کا ٹفن جوں کا توں پڑا رہا اس نے کسی سے بات بھی نہیں کی اور ناسازی طبع کی درخواست دے کر دو گھنٹے پہلے ہی دفتر سے اٹھ گئی اور سیدھی افنان کے دفتر پہنچ گئی۔

''آیئے مس روشنی آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں، کیسے زحمت کی؟'' افنان یوں تصنع و بناوٹ سے پیش آیا جیسے پہلی مرتبہ مل رہا ہو حالانکہ منگنی کے بعد کئی مرتبہ آفس سے باہر ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

''میں ایک ضروری کام سے آئی ہوں......''

اسے کچھ کہنا کافی مشکل لگ رہا تھا۔

''تو پھر باہر چلتے ہیں، دفتر کام کرنے کی جگہ ہے۔ باتوں کی نہیں کسی ریسٹورنٹ میں چل کر اچھی سی چائے یا کافی پییں گے۔''

''سوری، مجھے ابھی اور یہیں بات کرنی ہے میں صرف یہ پوچھنے آئی ہوں کہ آپ نے رشتے سے انکار کیوں کیا؟'' روشنی نے بدقت جملہ مکمل کیا۔

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔'' افنان نے بے رخی سے جواب دیا۔

''اس کی کوئی وجہ تو ہوگی......؟'' روشنی نے پوچھا۔

''وجوہات تو بے شمار ہیں مگر مجھے آپ اتنا بتائیں آپ اپنے آفس میں کسی سلیم کو جانتی ہیں؟'' افنان نے سوال کیا۔

''بالکل جانتی ہوں۔'' روشنی نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اس اوباش سے آپ کا کیا تعلق ہے؟'' افنان بھنا کر بولا۔

''کچھ بھی نہیں......بس وہ میرا کولیگ ہے۔''

''ہر کسی کے ساتھ آفس میں لنچ کرنا سب کے ساتھ ہوٹلوں اور پکنک پر جانا یہ سب کیا ہے۔ اچھا، اچھا آپ دانش کو کیسے جانتی ہیں؟'' اب ایک اور سوال داغا گیا۔ ''آپ کتنی بار دانش کے گھر گئی ہیں؟'' افنان جھنجلا کر سوال پر سوال پوچھ رہا تھا اور وہ اس کے جوابات دیے جارہی تھی۔

''جب سے میری نوکری اس آفس میں ہوئی ہے، میں تو اُن کی شادی میں بھی شریک ہوئی تھی۔ ان کی بیوی میری دوست ہے، ایک دو مرتبہ ان کی عیادت کو یا بچے کی پیدائش پر مبارک باد دینے ضرور گئی ہوں۔'' روشنی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ ''انہوں نے مجھے اپنی بہن بنایا ہوا ہے۔''

''خیر اسلام میں کہنے سے کوئی بہن یا بھائی نہیں بن جاتا۔ آفس کا کوئی ایسا فرد ہے جو آپ کو نہیں جانتا ہو اور جس سے کھل کر آپ گھریلو باتیں نہ کرتی ہوں۔''

''دیکھیں معاشرے میں رہ کر ہم لوگوں سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔'' روشنی متانت سے بولی۔

''مگر مجھے بیوی چاہیے، معاشرے کی ٹھیکدار نہیں اور معاشرے کا یہ ٹھیکدار اکثر آپ کے گھر آتا رہتا ہے اور آپ کے والد کو پارٹ ٹائم جاب بھی اسی نے دلوائی ہے۔ اکثر آپ گھر سے اس کی پسند کا کھانا بھی بنا کر لاتی ہیں، آفس کا ہر شخص آپ کو اتنا جانتا ہے کہ شاید میں دس برس میں بھی نہ جان سکوں۔'' افنان بگڑ کر بولا۔

''اگر آپ کو یہ پسند نہیں تھا تو آپ نے رشتہ کیوں دیا؟'' روشنی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اس لیے کہ میں نے سوچا تم ایک اچھی لڑکی ہوگی۔'' افنان تم......پر اتر آیا۔

''لیکن ان تمام باتوں سے آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں اچھی لڑکی نہیں ہوں؟''

''تمہاری اس طرح یہاں موجودگی ...... یوں بے دھڑک منہ اٹھائے میرے آفس میں آنا، سب کی موجودگی میں بے باکی سے گفتگو......کوئی بھی اچھے کردار، اچھے خاندان کی لڑکی کسی غیر شخص سے باز پرس کرنے اس طرح دفتر نہیں آتی۔'' عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی تھا۔ افنان کے لہجے میں حقارت تھی۔

''میں یہاں اپنی صفائی دینے نہیں بلکہ آپ کو

آئینہ دکھانے آئی ہوں، آپ کے خیال میں اگر میرے گھر میں آگ لگ رہی ہو تو میں چھت پر چڑھ کر چیخ پکار بھی نہ کروں کہ یہی میری شرافت کا ثبوت ہے، آپ کو مجھے شریکِ حیات بنانے میں یہی خوبی نظر آئی کہ میں ملازم ہوں، کماتی ہوں مگر ایک ملازم کو آپ وہ حق دینے پر تیار نہیں جس کے آپ خود مستحق ہیں۔ آپ یہ بتائیں، آپ اس آفس میں کام کرتے ہیں، یہاں پر کام کرنے والی لڑکیوں سے آپ کی بات چیت نہیں؟ یا آپ کے ساتھ بات کرنے کی وجہ سے وہ بدکردار یا بری لڑکیاں بن گئیں؟ آپ کو یہ اندازہ تو ہوگا کہ آفس میں لڑکیاں اگر زیادہ لیے دیے رہیں تو سب سے زیادہ انہی پر کیچڑ اچھالی جاتی ہے، ریمارکس پاس کیے جاتے ہیں، گھنی ہے، میسنی ہے اتنی نیک پارسا تھی تو گھر میں بیٹھتی یہاں کیا لینے آگئی... وغیرہ، وغیرہ...... اسے اتنا تنگ کیا جاتا ہے کہ یا تو وہ زچ ہو کر ملازمت چھوڑ دے یا آپ کے قدموں میں آگرے...... تو کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم ایک دوسرے سے غیر مضر سا رابطہ اور راہ و رسم رکھ کر شرکی اس دھار کو کند کر دیں۔ کسی کے ہمراہ جانے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آپ نے خود کو تر نوالے کی طرح پیش کر دیا ہو، کیا آپ اپنے آفس کی کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھ کر کبھی کھانا نہیں کھاتے، خوش اخلاقی سے بات نہیں کرتے؟'' روشنی کی آواز کافی بلند تھی۔

''مسٹر افنان...... آپ جیسے مردوں کے پاس جب دلیل نہ ہو تو اسلام کا حوالہ دے کر خود کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسلام کا ہر حوالہ اور حدیث آپ کے اپنے مطلب کے لیے ہوتا ہے خواہ چار شادیوں کا ہو...... گھر میں بٹھانے کا ہو یا دبا کر رکھنے کا ہو...... اسلام میں عورت کو زیبائش چھپانے کا حکم ہے تو مردوں کو بھی نظریں نیچی رکھنے کو کہا گیا ہے۔ تو ذرا بتائیں نظریں نیچے رہتی ہیں آپ جیسے مردوں کی؟'' وہ مضبوط لہجے میں بول رہی تھی اور افنان دم بخود اسے دیکھ رہا تھا۔

''لڑکی کو ونی کر کے جائیداد سے محروم کرنے کے لیے کاری قرار دینے اور قرآن سے شادی کرتے وقت آپ کو قرآن اور حدیث کے حوالے کیوں نہیں یاد آتے؟ اللہ نے تو انسانی جان کو زندہ رہنے کے لیے حرام کو بھی حلال قرار دیا ہے، اگر میں گھر سے مجبوری میں باہر نکلی ہوں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ عیاشی کے لیے گھر سے نکلتی ہوں بلکہ اپنے بوڑھے ماں، باپ کی ضرورتوں کے لیے نکلی ہوں، مجھے اپنی نیک نیتی، پاکیزگی اور پاکدامنی کی گواہی نہ آپ سے لینی ہے نہ ہی اس دنیا سے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے اور میرے والدین کو مجھ پر یقین بھی ہے اور اعتماد بھی......'' روشنی نے اعتماد کے ساتھ سر اٹھا کر افنان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سختی سے کہا۔

افنان کو آئینہ دکھا کر وہ جانے کو مڑی ہی تھی کہ اس کی آواز پر رک گئی۔

''سوری! میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی، میں بہت شرمندہ ہوں، آئندہ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' افنان نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''مگر میں آپ کی معذرت قبول کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں۔'' روشنی ایسے بھڑک اٹھی جیسے اس کے سینے میں دبا ہوا بم پھٹا ہو۔

''مجھے ایسے شوہر کی ضرورت نہیں جو میرے سینے میں شک کی سلاخ گھونپ کر مجھے شک و شبہات کے دہکتے انگاروں پر بھونتا رہے، میں شادی سکون کے لیے کرنا چاہتی تھی، شک کی سولی پر لٹکنے کے لیے نہیں، مجھے دو دھاری تلوار پر چلنا منظور نہیں، میری زندگی میں سکون بھی ہے اور اطمینان بھی۔''

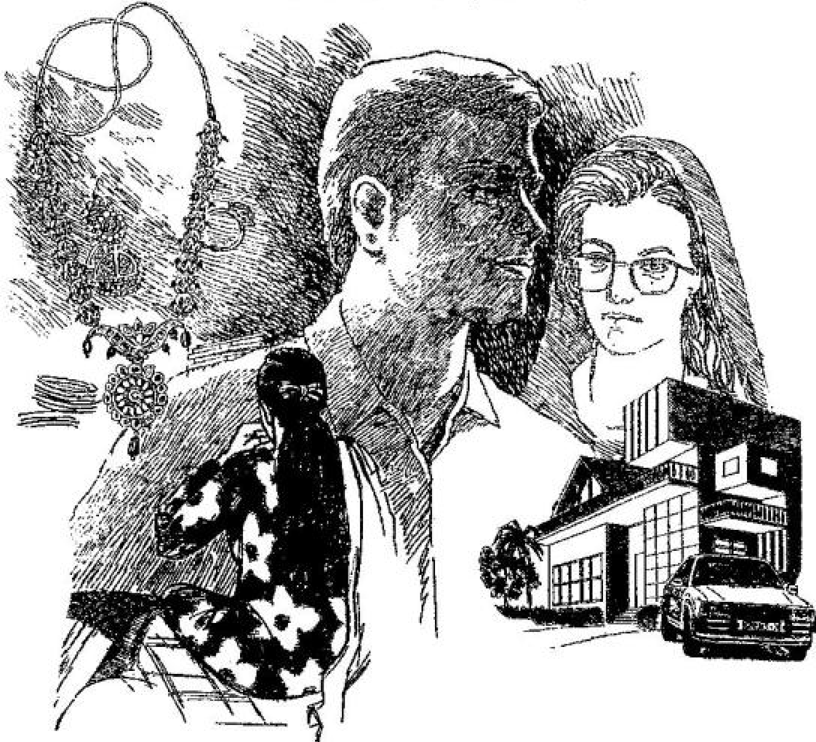
اس نے غصے سے تلملاتے ہوئے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر افنان کے آگے پھینک دی جو لڑھک کر دور تک چلی گئی۔ افنان شرمندہ، شرمندہ سا اس کے پیچھے لپکا لیکن اس نے اس زور سے دروازہ بند کیا کہ اگر افنان سر پیچھے نہ کرتا تو یقیناً سر پھٹ جاتا۔ سارا آفس ملامت بھری نظروں سے آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

▲▲

مامازیبے بی

ناہید فاطمہ حسنین

''نغمی، اماں کے زیور کا باکس لے آؤ۔'' میں نے بیوی کو آواز دی۔ میری آواز نڈھال تھی اور میں اس کا نڈھال ہونا بہت اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ میں اس میں توانائی کا کوئی انجیکشن نہیں لگا سکتا تھا۔ نہ ہی کوئی کیپسول لے سکتا تھا جو میری آواز کو قوت عطا کرے۔ گھر میں اب بھی موت کا سا سناٹا طاری تھا۔ ہاں، موت کا سا...... جس گھر سے ماں رخصت ہو جائے وہ گھر یتیم و بے مکین ہو جاتا ہے۔ جیسے تن سے



روح کا نکل جانا تن کو مردہ کر دیتا ہے۔ کمرے میں بس ایک ہی دودھیا بلب روشن تھا۔ اسپاٹ لائٹس سب میں نے بند کر رکھی تھیں۔

ایک سایہ دھیرے، دھیرے چلتا مجھ تک آیا۔ یہ نغمی تھی جو زیورات کا بھاری بھرکم بیگ مجھے تھما کر چلی گئی۔ بیگ میں زیورات تھے، میری ماں کے زیورات......

☆☆☆

وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھیں اور سسرال کی اکلوتی بہو...... انہیں میکے اور سسرال سے بھر، بھر کر سونا ملا تھا۔ پاپا کی آمدن میں بھی وہ سونا گڑھتی رہتی تھیں پھر انہوں نے خود بھی جو کچھ کمایا سونا ضرور بنایا۔

وہ بہت دور اندیش خاتون تھیں۔ میں یہ اس لیے نہیں کہہ رہا کہ وہ میری ماں تھیں...... نہیں...... بلکہ ان کی دور اندیشی کے بہت سارے ثبوتوں میں ایک ثبوت یہ چار سو گز کا پُرتعیش گھر بھی ہے جو انہوں نے... نامعلوم کتنا سونا بیچ کر صرف میرے یعنی اپنی اکلوتی اولاد کی آسائش کے لیے بنایا۔

☆☆☆

شادی کے بعد میرے والد نے انہیں دنیا بھر کے عیش کروائے، ان کا شاید ہی کوئی ایسا ارمان ہو جو پورا نہ کیا ہو۔ سوائے ایک کے...... اور وہ تھا ان کا ذاتی گھر...... نہ جانے کیوں میرے والد، دادا، دادی ایک پُرتعیش کرایے کے گھر میں رہتے رہے، اپنا ذاتی گھر بنانے کا کبھی نہیں سوچا، کھایا پیا عیش کیے...... وہ شاید میں "آج" میں زندہ رہنا چاہتے تھے جبکہ میری ماں کی ضد ذاتی گھر کی تھی۔ جسے بالآخر والد نے اگلے سال پر ٹال دیا کہ وہ اپنے والدین کو حج کرانے کے بعد ذاتی گھر کی کوشش کریں گے۔ پھر یوں ہوا کہ ان کی یہ خواہش حسرت بن گئی، وہ حج کی غرض سے اپنے والدین کو پاسپورٹ آفس لے گئے، راستے میں ایکسیڈنٹ ہو جانے کے سبب تینوں موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ میں گیارہ سال کا تھا...... نہ جوان، نہ بچہ...... جب میری جوان جہان ماں نے جیتے جی سفید کفن اوڑھ لیا انہوں نے پوری زندگی سفید کپڑے پہن کر گزار دی۔

☆☆☆

میں نے زیورات سے بھرا بیگ کھولا تو حیران رہ گیا، نامعلوم کتنے جھمکے، گلے کے ہار، بالیاں، ٹاپس، چوڑیاں، بنگلیاں، چندن ہار نہ جانے کیا، کیا...... جن کے تو مجھے نام بھی نہیں آتے۔

میں دھندلائی آنکھوں سے سب دیکھ رہا تھا۔ مگر میرے نزدیک ان سب کی کوئی اہمیت تھی اور نہ ہی حیثیت...... انہیں خریدنے والی، انہیں برتنے والی اب اس دنیا میں نہیں رہی تھی اور میرے دل کو یہی ایک بات کچوکے لگا رہی تھی حالانکہ آج انہیں مرے تین ہفتے ہونے کو آ رہے تھے مگر میرے اندر کا خالی پن کسی طرح ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

وہ سامنے تھیں، وہ پاس تھیں تو احساس تک نہ ہوا، وہ نہیں رہیں گی وہ بچھڑ جائیں گی یا وہ مر بھی سکتی ہیں، ہم آئے دن اپنے اردگرد لوگوں کو مرتا دیکھتے ہیں مگر اپنے پیاروں کے حوالے سے کبھی یہ نہیں سوچتے کہ یہ لوگ بھی مر سکتے ہیں شاید یہی ہمارے ایمان کی کمزوری ہے کہ ہمیں اپنے پیاروں کے ابدی بچھڑنے کا کبھی خیال ہی نہیں آتا۔

عدت کے بعد میری ماں نے میرے ہی اسکول میں ملازمت کر لی تھی۔ جہاں بہت اچھا پے اسکیل تھا۔ میری ماں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں۔ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

باپ کے اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم تھی۔ ماں نے دو کمروں کا انتہائی چھوٹا اپارٹمنٹ خرید ڈالا اور ہم اتنے بڑے کرایے کے گھر سے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں منتقل ہو گئے۔ بہت سامان ماں نے بیچ ڈالا اور جو اس گھر کی ضرورت تھی وہ ساتھ لے آئیں۔

میرا او لیول مکمل ہوتے ہی ماں نے اسکول کی ملازمت چھوڑ کر ایک انٹرنیشنل فرم جوائن کر لی۔ تب مجھے سمجھ آیا کہ ماں نے اس وقت اسکول کی نسبتاً کم آمدنی کو محض اس لیے قبول کیا کہ میں بچہ تھا گھر میں اکیلے کیسے رہتا، کیا کھاتا کیا پیتا...... کیونکہ وہ جس

فرم میں بھی جاب کرتیں ان کے ٹائمنگ ایسے ہوتے کہ مجھے بہت دیراُن کے بغیر وقت تنہا گزارنا پڑتا۔

میں اب بھی ماں کی تحریر سے گہری سانس کشید کر کے اپنے وجود کی بھٹی میں جلا رہا تھا۔ بہت دوراندیش تھی میری ماں......

عورت تھی مگر مردانہ وار زندگی جی......

☆☆☆

اماں نے دودھ کا لبالب بھرا گلاس مجھے پکڑا دیا۔ ساتھ ہی اوپر سے بادام، پستے چھڑکے، دو چار بادام کی گریاں اپنے منہ میں ڈالیں۔

''اماں آپ نے دودھ پینا کیوں چھوڑ دیا؟''

''حالات اچھے ہوتے ہی پھر سے شروع کردوں گی۔'' بہت صاف گوئی سے بغیر کسی پس وپیش کے انہوں نے کہا۔ وہ کم ہی الٹے سیدھے بہانے بناتی تھیں۔

مجھے دودھ کا گلاس تھما کر بہت پیار سے انہوں نے میرے بال سنوارے۔

''ابھی ان چیزوں کی تمہیں ضرورت ہے۔''

''اماں آدھا، آدھا ہم دونوں پی لیا کریں گے ناں......'' میں ٹھنکا۔

''جتنی ضرورت مجھے ہے اتنی ہی آپ کو بھی......''

''بقراط......'' انہوں نے میرے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔ ''دودھ پی کر نائٹ سوٹ پہنو۔'' وہ میرا کالج یونیفارم استری کرنے لگیں۔ وہ مشین کی طرح کام کرتی تھیں۔ میں نے ہمیشہ انہیں round the clock کام کرتے دیکھا تھا۔ ان کے پاس بہت calculated time ہوتا تھا۔

☆☆☆

میں ان کے پیر دبا رہا تھا، ان کی ''سی'' نکل گئی۔ مجھے عادت ڈالنے کے لیے اپنے پاؤں دبواتی تھیں۔ مگر آج ان کی ''سی'' پر میں تڑپ اٹھا۔

''درد ہو رہا ہے؟'' میں نے اُن سے تصدیق چاہی۔

''ہوں......'' انہوں نے اتنے پر ہی اکتفا کیا۔

تعلیم مکمل ہوتے ہی انہوں نے مجھے اس فرم میں لگوادیا جس کے ایڈمن بلاک میں وہ خود تھیں۔ میں......کیمیکل انجینئر ان کی ضرورت تھا پھر وہاں اماں کی عزت بھی بہت تھی سو مجھے بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

''اماں پلیز، آپ کل سے جاب پر نہیں جائیں گی۔'' چند ماہ بعد ہی میں نے ان سے کہا۔

''پاگل...... پہلے اپنے پیر تو جما لو......'' وہ ہنسیں۔

''نہیں اماں......'' میں نے اصرار جاری رکھا۔

وہ کچھ دیر چپ ہوئیں پھر گلا کھنکھار کر بولیں۔

''آج گیارہ تاریخ ہے، مہینہ پورا کرلوں پھر فرم میں قبل از وقت بتانا بھی ضروری ہوتا ہے۔''

''نہیں اماں......'' میں ضد پر اڑا ہوا تھا۔

''ایسا ہو نہیں سکتا کہ میں منہ اٹھا کر کہہ دوں میرے بیٹے صاحب کا آرڈر ہے کل سے نہیں آؤں گی۔ پیشگی اطلاع ضروری ہے۔''

میں خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گیا......کھانا گرم کرنے۔ کیونکہ کھانا پکانا اماں کی اور کھانا لگانا میری ذمے داری تھی۔

☆☆☆

اماں نے فلیٹ بیچا اور ایک بہت خوب صورت چار سو گز کا بنگلا خرید لیا۔ اس میں انہوں نے اپنی مرضی کی آلٹریشن کروا کر اسے کئی گنا قیمتی بنا دیا۔

اب انہوں نے میرے لیے لڑکیاں ڈھونڈنے کی غرض سے شادی دفتروں میں دستک دی۔

''اماں ان دفتروں کا کوئی بھروسا نہیں۔'' میں نے انہیں سمجھایا۔

''میرا تو کوئی حلقۂ احباب ہے نہیں......پھر تم خود دیکھ لو...... اگر کوئی لڑکی تمہیں سمجھ آجائے تو بہت اچھا ہے، کم از کم میری ٹینشن تو دور ہو جائے گی۔'' انہوں نے میری بات بہت سنجیدگی سے سن کر گلا کھنکھارتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

اور پھر اتفاق سے انہیں ایک دن شاپنگ مال میں اپنی کولیگ بیٹی سمیت مل گئی اور انہیں ان کی بیٹی پسند

بھی آ گئی۔ گھر آ کر انہوں نے بہت خوش ہو کر مجھے بتایا۔
''میں نے تمہارے لیے نائمہ مقصود کی بیٹی پسند کر لی ہے۔''
''ہیں......؟'' میں زور سے چونکا۔
''اس میں اتنا چونکنے کی کیا ضرورت ہے۔'' میں نے سر جھکا لیا۔
''ابھی تم نے وہ بچی دیکھی ہے نہیں...... اور منہ اتنے برے، برے بنانے شروع کر دیے۔''
''وہ ایک دفعہ آپ نے مجھ سے کچھ کہا تھا ناں......'' میں جھجکا پھر ایک دم جملہ مکمل کیا۔ ''تو بس میں نے آپ کی ٹینشن دور کر دی۔''
وہ کچھ نہ بولیں بس مجھے دیکھے چلی گئیں۔
''آپ کو برا لگا؟ آپ نے خود ہی تو کہا تھا ناں؟ یاد نہیں آپ کو......؟'' میں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔
''ہوں......'' انہوں نے لمبی ہوں کی۔
''چلو، مجھے دکھا دو......'' وہ مجھ پر میرے معاملے میں زبردستی کی قائل نہ تھیں۔ میں نے بہت پیار سے انہیں دیکھا۔

☆☆☆

''مجھے تو یہ لڑکی بہت تیز لگی......'' گھر آتے وقت راستے میں انہوں نے کہا۔
''ساسوں کو بہویں تیز ہی لگتی ہیں۔'' میں نے شوخی دکھائی۔
انہوں نے گاڑی کے شیشوں کے پار دیکھنا ایک دم روکا اور سر گھما کر مجھے دیکھا۔ جب میری ہنسی کو بریک لگ ہی نہیں رہے تھے تب وہ خود ہی ہنس پڑیں۔
''شریر...... ابھی آئی ہے نہیں اور اس کا فیور شروع......'' بڑبڑانے والے انداز میں کہہ کر انہوں نے دوبارہ کھڑکی کے پار دیکھنا شروع کر دیا۔ اس دوران اُن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی نظر آئی۔

☆☆☆

بہت زور شور سے انہوں نے میری شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جو، جو جمع تھا نکالا گیا۔ بری کی تیاریوں میں وہ نڈھال ہو ہو گئیں۔ اپنا زیور والا بیگ نکال کر نہ جانے کتنا سونا بیچ ڈالا تین بڑے اور مختلف چھوٹے سیٹ بری کے لیے بنوائے۔ ساتھ، ساتھ مجھے حکم دیا......
''بس اب میں جب، جب تمہاری بیوی کو سونے کے سیٹ دوں اسے وہی پہننا ہوں گے...... یہ نہیں کہ جا کر تڑوا اُتڑوا کر نئے بنوا لے۔'' میں ہنس دیا۔
شادی سے ایک ہفتہ قبل انہوں نے ایک نئی گاڑی خرید کر چابی میرے ہاتھ میں تھما دی۔
''دلہن کو اس میں رخصت کروانا......'' میں مسکرا دیا۔
''اماں کچھ اگلے پچھلے وقتوں کے لیے بھی رکھ لیتیں۔'' میں نے انہیں بغور دیکھا۔
''وہ بیگ ہے ناں...... اب بھی اس میں بہت سا سونا پڑا ہے۔'' وہ میری شادی سے بے پناہ خوش تھیں۔
''اب میرا تو وقت ختم......'' ان کی اس بات سے میں کانپ اٹھا۔ میں ایسا خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔
''ایسا مت کہیں...... مجھے لگتا ہے آپ کے بنا میں مر جاؤں گا۔'' میں نے ان کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
''چل پاگل......'' وہ بے ساختہ ہنس پڑیں۔
''جب بیوی آ جائے تو ماں، محبت میں ایک قدم پیچھے چلی جاتی ہے۔''
''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' میں نے پورے وثوق سے کہا۔
''ہونا تو واقعی نہیں چاہیے...... مگر ہوتا ایسا ہی ہے۔'' میں نے بہت غور سے انہیں دیکھا۔ ان کی اجلی پیشانی اسی طرح روشن تھی۔
''ایسا کبھی نہیں ہوگا، انشاء اللہ......''
''آمین......'' وہ پھر مسکرا دیں۔
''دیکھو......'' انہوں نے میرے دونوں ہاتھ تھام کر فضا میں بلند کیے۔
''یہ دو ہاتھ قدرت نے اسی لیے دیے کہ ایک

ے بیوی کو اور دوسرے سے ماں کو سنبھالو...... کسی ایک ہاتھ کو چھوڑ مت دینا۔ نہ ہی گرفت کمزور ہونے دینا...... ہر معاملے میں میانہ روی اختیار کرنا...... میں یہ ہرگز نہیں چاہتی کہ شادی کے بعد تم چکی کے دو پاٹوں میں پس جاؤ۔''
''اماں......'' بے ساختہ میں نے اُن کے ہاتھ آپس میں ملا کر چوم لیے۔

☆☆☆

نغمی دلہن بن کر ''راج محل'' میں آ گئی۔ میرے نام کی نسبت سے اماں نے گھر کو راج محل کا نام دیا تھا۔ اماں کی امیدوں کا محور میں ہی میں تھا۔ میں نے صدقِ دل سے دعا کی کہ میں کبھی اپنی ماں کی نافرمانی یا دل آزاری کا مرتکب نہ ہوں۔
زندگی کی گاڑی نئے میزبان کو لے کر چل پڑی۔ شروع میں سب ٹھیک چل رہا تھا۔ جو اکثر ہوتا ہے، بہت آہستگی سے تبدیلی آتی ہے اور وہی ہوا۔

☆☆☆

نغمی نے کچھ ہی دن بعد اماں کی وارڈ روب میں رکھے رہ جانے والے میرے چند جوڑے نکالے اور اپنے کمرے والی جہیز کی وارڈ روب میں رکھ دیے۔ جہاں اب میرے کپڑے بھی ہینگ ہوتے تھے۔
''نغمی یہ کہاں لے جا رہی ہو؟'' اماں کیوں پیچھے رہتیں۔
''وہ اماں...... میں راج کی وارڈ روب سنبھال رہی تھی۔ سوچا ان کے کپڑے ایک ہی جگہ رکھ دوں۔'' عورت کتنی بھی نئی ہو، بہانے اس کے پاس صدیوں پرانے ہی ہوتے ہیں۔ میں چپ چاپ سب دیکھ رہا تھا۔
''دوسرا پٹ کھولو وہاں راج کے کچھ شوز بھی رکھے ہیں، وہ بھی لے جاؤ۔'' میں نے اب اماں کو دیکھا۔
''نہیں اماں، وہ پرانے شوز ہیں۔'' گویا نغمی پہلے ہی سب کچھ دیکھ چکی تھی۔
''نہیں......'' اماں کی آواز میں سختی در آئی تھی۔
''وہ بھی اٹھاؤ...... راج کو لینا ہے تو پورا لو، آدھے، آدھے میں اسے مت بانٹو۔'' میں سر جھکائے سب سن رہا تھا۔ مجھے بھی اندازہ ہو چلا تھا۔ شادی ہو کر جب عورت آتی ہے تو تب وہ اپنے شوہر کی ایک، ایک چیز بین بٹور کے اپنے پاس لے جاتی ہے۔ جو اشارہ ہے کہ ''اب یہ ہمارا ہے۔''
گھبرا کر نغمی نے شوز بھی اٹھا لیے۔
''ہونہہ...... پورا گھر ہی راج کا ہے تم اسے ایک کمرے تک محدود کرنا چاہتی ہو تا کہ ''حجرہ شریف'' بنا سکو۔'' اماں بھی کوئی دبنے والی عورت نہ تھیں۔ نغمی نے بنا کوئی جواب دیے جاتے، جاتے ڈھٹائی سے مسکراہٹ اچھالی۔

☆☆☆

''اصل میں تو تم ماماز بے بی ہو۔'' وہ بہت دیر سے مجھ سے الجھ رہی تھی، میں بنا کوئی جواب دیے کتاب پر نظریں گاڑے تھا۔ پڑھا تو اب خاک جا رہا تھا...... مگر ایکٹنگ بھرپور کر رہا تھا۔ نہ میں نے زندگی بھر مباحثہ کیا، نہ اپنے گھر ہوتے دیکھا۔
میری دادی بہت سیدھی سادی خاتون تھیں۔ وہ الٹا اماں کی ہر بات محبت سے مان لیتی تھیں۔ دادا البتہ سخت مزاج تھے تو لہٰذا کبھی اماں ان سے منوا لیتیں، کبھی ناچار ان کی مان لیتیں۔ پاپا اپنے من کے تھے مگر وہ بیوی اور دادا دونوں کی سنتے تھے تو میں نے اپنے گھر میں لڑائی، جھگڑے یا فساد و مباحثے کا ماحول نہیں دیکھا جیسے نغمی create کر رہی تھی۔ لہٰذا مجھے خاموش رہنے کے سوا دوسرا کوئی حل نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔
''تو تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہاری ماں کا.... بے بی بن جاؤں؟'' بات جب برداشت سے باہر ہوئی تو میں نے بالآخر بھنا کر جواب دے ہی دیا۔
''تو کبھی میرے بھی بن جاؤ......'' وہ تو الٹا بپھر گئی۔
''سوری، رشتہ ایسا ہے کہ میں تمہارا بے بی بن ہی نہیں سکتا۔ ہاں البتہ لوگ مجھے ''زن مرید'' کہتے ہیں۔'' میں نے پوری طبیعت سے اسے چڑایا۔
''زن مرید......'' ''معنی جانتے ہو اس کے......'' حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹیں۔

"زمانے بھر کے جھوٹے ہی تم کو "زن مرید" کہتے ہوں گے۔" وہ تڑخ کر کمرے سے نکل گئی۔
"یہ تمہاری اماں کی جوانی کب رخصت ہوگی؟" نغمی استہزائیہ ہنسی۔
"نہا دھو کر نئے کپڑے پہنیں گی تو زیور تک بدل کر نیا پہن کے بیٹھ جائیں گی۔"
"یہ تم نہیں، تمہارا جلاپا بول رہا ہے۔" میں کھلکھلا کر ہنسا تو نغمی بل کھا کے رہ گئی۔

☆☆☆

"ہم تو بہو لا کر بھی اکیلے کے اکیلے رہے۔" میرے آفس سے آنے کے بعد شام کی چائے ساتھ پیتے ہوئے اماں نے شوشا چھوڑا۔
"کیوں اماں......؟" میں نے پہلے ہی سرزنش بھری نگاہ نغمی پر ڈالی۔
"ادھر تم آفس گئے، اُدھر تمہاری بیگم کمرے کو پیاری ہوئیں۔"
"اماں آپ کو کیا پتا میں کمرے میں ہوں یا گھر کے کام کر رہی ہوں۔ اگر میں سارا، سارا دن کمرے میں رہوں تو گھر کا کام کوئی جن کر جاتا ہے۔" بات تو معقول تھی مگر لہجہ درست نہیں تھا، انتہائی کڑوا کسیلا زہریلا......
اماں نے منہ دوسری طرف کر لیا...... وہ منہ در منہ یا دو بدو لڑنا نہیں جانتی تھیں۔ جب نغمی نے غصیلی نگاہ مجھ پر ڈالی تو میں نے چائے کا کپ منہ سے لگا لیا۔

☆☆☆

میری ترقی کا لیٹر مجھے ملا تو میں سیدھا اُن کے کمرے میں آیا۔ یہ میرا معمول بھی تھا۔ میں آفس سے آتے ہی ان کے کمرے میں آتا کچھ دیر اُن کے پاؤں دباتا جو انہوں نے مجھ میں بچپن سے عادت ڈال دی تھی۔ جو اب اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ اگر کبھی پاؤں نہ دباؤں تو لگتا کچھ کام ہے جو ہونے سے رہ گیا ہے۔ کوئی کمی ہے جو پورے دن کے حساب کتاب میں رہ گئی ہے۔
جونہی میں نے ان کے پاؤں دبائے ان کی سی نکل گئی۔
"کیا ہوا اماں......؟ بہت درد ہے؟"
"ہوں...... مگر درد بہت بھی نہیں...... درد اور دوا اس عمر کے تقاضے ہیں۔ تم چھوڑو...... یہ بتاؤ آج چہرے پر انوکھی چمک کیسی؟"
میں ہنس دیا سر اُن کے قدموں سے لگا کر اٹھ بیٹھا۔
"کون سا الارم آپ کے دل میں فٹ ہے جو میری خوشی، غمی پر بج اٹھتا ہے۔" وہ ہنس دیں۔ جب میری ترقی کا سنا تو فوراً اٹھ کر میری پیشانی کا بوسہ لیا۔
"یہ سب اس خدمت کا صلہ ہے۔" انہوں نے میرے پاؤں دبانے کی جانب اشارہ کیا۔
"جو اتنی کم عمری میں ترقی کی اتنی منازل طے کرتے جا رہے ہو۔"
"بے شک...... بے شک اماں......" میں دوبارہ ان کے قدموں سے اپنی آنکھیں مس کرنے لگا۔
"اب جلدی سے مٹھائی کھلا دیجیے......" میں اسی طرح ان سے بات کیا کرتا تھا۔
"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔" وہ بھی ہمیشہ کی طرح فراخدلی سے بولیں۔

☆☆☆

کمرے میں داخل ہوا تو، نغمی ٹسوے بہا رہی تھی۔
"تمہیں کیا ہوا؟ خوشی کے موقع پر آنسو......" میں نے رسانیت سے پوچھا۔
"یہ نہیں کہ خوشی کی خبر پہلے مجھے سنا دی جاتی...... میں تو اس گھر کی ملازمہ ہوں۔" وہی عورتوں والے ہتھکنڈے۔
"اچھا، گویا تم چھپ، چھپ کر ہماری باتیں سنتی ہو۔" میں نے اسے اس کے ہی جال میں پھانسنا چاہا۔ میں جھگڑا کرنا تو جانتا نہ تھا، دونوں کو خوش رکھنے کے چکر میں ہر روز مجھے کچھ نیا کرنا پڑتا تھا۔
"کوئی نہیں، میں تو گزر رہی تھی تو آواز کان میں پڑی۔" وہ الٹی صفائیاں دینے لگ گئی۔ میں سنجیدہ ہو گیا۔
"بیٹھو......" میں نے اسے بہت پیار سے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔ وہ بھی خوش ہو گئی۔
"دیکھو، ایک تو تم سے زیادہ ان پر میرا حق اسلام سے ثابت ہے۔"
"میرا نہیں ہے؟" وہ پھر ٹھنکی۔
"کیوں نہیں...... دوسرے نمبر پر......"
"مگر ہم عورتوں کے لیے......" ابھی وہ یہیں تک پہنچی کہ میں نے بات اچک لی۔
"عورت کے لیے پہلا حکم شوہر کا ماننا فرض ہے دوسرے نمبر پر اپنے والدین کا...... جبکہ مرد پر پہلا اپنی والدہ کا دوسرے نمبر پر بیوی، بچے کا......"
"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔" اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔
"یا خدا!" میں نے سر پیٹا۔ "یہ تمہارا جھگڑا مجھ سے ہے یا اللہ سے۔" وہ چپ ہو رہی۔
"اب ایک اور بات سنو......"
شکر ہے وہ سننے کے موڈ میں تھی۔ ہمہ تن گوش ہو گئی۔
"دیکھو اماں سے کسی بھی قسم کی برابری مت کیا کرو...... میں ان دو ہاتھوں سے دونوں کو برابر تھامنے کی کوشش کرتا ہوں اگر کہیں گرفت کمزور ہو جائے تو نظر انداز کر دیا کرو...... بظاہر دیکھا جائے تو تم میرے ساتھ طویل عمر گزارو گی۔ اماں کا ساتھ جلد ختم ہو جائے گا تو کیا یہ بہتر نہیں کہ میں انہیں ہر طرح خوش رکھوں؟" اس میں انسانیت تھی... سو میری باتیں توجہ سے سنتی رہی۔ میرے ترقی کے لیٹر کو لے کر خوشی، خوشی پڑھنے لگی۔
مگر بس چند دن ہی وہ انسانیت کے لبادے میں رہی پھر وہی دن...... وہی رات...... وہی شکایتیں، وہی ناراضیاں...... میں جانتا بھی تھا انسانی سرشت تبدیل نہیں ہوا کرتی۔

☆☆☆

بستر سے اترتے ہوئے اماں کا پاؤں مڑا اور وہ گر گئیں، ٹانگ میں ہیئر لائن فریکچر ہو گیا۔ اب انہوں نے خود کو بستر تک محدود کر لیا۔ ہم نے ان کے پاس گھنٹی رکھ دی تا کہ انہیں ہمیں بلانے میں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ان کی آسانی نغمی کو مشکل میں ڈال گئی۔
"جب تم نہیں ہوتے تو بلاتے رہو، گھنٹی بجاتے رہو، انہوں نے نہیں سننا......" اماں نے نغمی کی شکایت کی۔

''اماں یہ نہیں سوچتیں، مجھے آتے جاتے ٹائم لگے گا۔'' نغمی اپنی دلیل دیتی...... میں وہیل لا دیتا ہوں۔'' میں نے بہت اطمینان سے کہا۔

''وہیل...... یا وہیل چیئر......؟'' نغمی کی تیوری پر بل آگئے۔

''وہیل......'' میں نے پھر ادھوری بات کی۔

''وہ کیوں؟''

''تم اسکیٹ پہن کر رکھنا۔ اماں آواز دیں گی تو تم گولی کی طرح ان تک پہنچ جاؤ گی۔ اس میں وہیل لگے ہوتے ہیں ناں......'' مجھے ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

بس پھر کیا تھا نغمی کا ریکارڈ بجنا شروع ہوگیا۔ مجھے کمرے سے نکلتے ہی بن پڑی۔

''بھئی یہ نہیں سمجھتیں کہ انسان ضرورتاً گھنٹی بجا کر بلاتا ہے، تو سن لو ایک بے بس کی بات...... مگر نہیں...... بات سننا تو ان کی کتاب میں لکھا ہی نہیں ہے۔'' اماں نے منہ پر شکایت کی۔

''ارے اماں...... بیل بجانا تو آپ کے لیے ایک مشغلہ ہے سو کھیلتی رہتی ہیں۔'' نغمی کبھی ہاری نہ تھی۔

میں نے اسے سرزنش بھری نگاہ سے دیکھا۔ وہ ہونہہ کرکے جانے کو مڑی۔

''توبہ، توبہ......'' اماں نے گالوں کو ہاتھ لگائے۔

''میں نے تو ایک نظر دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ بہت تیز ہوگی۔ سو اب ساری عمر تمہیں بھگتنا ہوگی۔ ہم تو آرام سے سو جائیں گے۔''

آخری جملے سے میں بے چین ہوگیا۔ میں ان سے جدائی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ مگر اس وقت میں نے سر جھکا لیا۔ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

☆☆☆

آفس کا انتہائی اہم کام تھا۔ جو میں لیپ ٹاپ پر کر رہا تھا۔

اماں کی بیل سنائی دی، فوراً ہی دوسری...... میں نے سوچا یہ پیج پورا دیکھ لوں پھر جاتا ہوں مگر نہیں...... اماں نے گھنٹی پر سے ہاتھ نہ ہٹانے کا عہد کرلیا تھا، میں لمحے بھر کو اچھا خاصا جھنجلا گیا۔ غصے میں لیپ ٹاپ پٹخا تیزی سے کمرے سے نکلنا چاہا کہ اُدھر دروازہ آڑے آگیا، اس قدر زور کی چوٹ پاؤں کے انگوٹھے میں لگی کہ میں بلبلا اٹھا، ناخن نے گوشت چھوڑ دیا تھا مگر خون بہت ہلکا، ہلکا نکلنا شروع ہوا تھا، میں درد میں کراہتا بلبلاتا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

''اماں آتا ہوں، میرے چوٹ لگ گئی ہے۔'' بہ مشکل میں نے آواز بلند کرکے کہا۔ لمحے بھر میں ماضی میں جا پہنچا تھا۔

میں بے حد شریر تھا، اماں روک رہی تھیں اور میں رک نہیں رہا تھا، اچانک میرا پیر پھسلا اور میں سیڑھیوں سے نیچے گرنے لگا تھا کہ اماں جانے کیسے عقاب کی طرح پہنچیں اور انہوں نے مجھے گر کر چوٹ لگنے سے بچالیا۔ اس اثنا میں وہ خود اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے گر پڑیں اور مجھے اپنے اوپر گرالیا۔ میں تو بچ گیا مگر اُن کو ڈاکٹر کے چکر لگانے پڑے۔

''ٹھک، ٹھک کی آواز پر میں نے گردن موڑ کر کمرے کے باہر دیکھا، اماں ہڑ بڑا کر واکر گھسیٹتی خدا جانے کتنی مشقت جھیل کر میرے دروازے کے باہر کھڑی تھیں۔

''کیا ہوا میرے راج کو......'' صرف انہوں نے میری درد میں ڈوبی آواز سنی تھی کہ میرے چوٹ لگ گئی ہے اور وہ خود تکلیف اٹھا کر مجھ تک پہنچ گئی تھیں۔

تبھی نغمی بھی آ پہنچی تھی۔ اماں کو دیکھ کر اس نے مجھ پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ اچھالی یوں جیسے کہہ رہی ہو، دیکھ لو چل سکتی ہیں مگر گھنٹی بجانے کا شوق ہے۔ میں اماں کو دیکھ کر اپنی تکلیف بھول کر کھڑا ہوگیا۔ اگر ذرا بھی میرا ارستا خون دیکھ لیتیں تو قیامت ہی ڈھا دیتیں۔ میری چھوٹی سے چھوٹی چوٹ اُن پر قیامت کی طرح گزرتی تھی۔

''اماں آپ کیوں آگئیں، میں آرہا ہوں ناں......'' درد برداشت کرتا میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا ہوا مجھے دکھاؤ...... خون تو نہیں نکلا......'' وہ

مسلسل میرے پیر پر نظر جمائے تھیں، میں نے کھڑے ہوتے ہی زخمی پاؤں دروازے کی آڑ میں کرکے ٹھیک ٹھاک پیر اُن کی طرف کیا۔

''نہیں اماں میں بالکل ٹھیک ہوں، میں بال، بال بچ گیا۔''

''چلو اللہ کا احسان......'' نہ وہ خود بہانے بناتی تھیں نہ بہانوں کو پکڑ پاتی تھیں۔ بہت سادگی سے رب کا شکر ادا کرکے مڑیں، میں نے بڑھ کر سہارا دیا، ان کے کمرے تک انہیں پہنچا دیا۔

اماں کو بیڈ پر لٹا کر میں نے دروازے پر بہت ممنونیت سے ہاتھ پھیرا۔ مجھے سچ مچ اس پر بہت پیار آیا وہ جاندار ہوتا تو میں یقیناً اسے چوم لیتا۔ اگر آج تو میرے راستے میں حائل نہ ہوتا تو نہ جانے میں آفس کی جھنجلاہٹ میں اماں سے کیسی زبان کیسے لہجے میں ان کی بے ادبی کر جاتا۔ جس سے میری عمر بھر کی کمائی نیکی غارت ہوجاتی۔ اور میری ماں کے دل پر کیسے آرے چل جاتے۔ ''شکریہ دروازے۔'' میں نے عقیدت سے اس سے سر ٹیک دیا۔

☆☆☆

ایک بار چند نوجوان مسجد کا چندہ مانگنے آئے، چندہ دینے کے بجائے اماں نے گاڑی نکالی اور اس جگہ کا معائنہ کرنے پہنچ گئیں۔ تصدیق کے بعد انہوں نے پوری مسجد بنوانے کی ذمّے داری قبول کرلی۔

جب مجھے بتایا تو پہلے تو میں ششدر رہ گیا۔ پھر ایک دم سنبھل کر بولا۔

''آپ کا پیسہ...... آپ کی مرضی......'' کمرے میں آیا تو وہی سوال جواب کا سیشن شروع ہوگیا۔

''کیا ضرورت تھی مسجد کو اتنا پیسہ دینے کی...... جب تم حقدار موجود ہو؟ چلو بھئی تھوڑا بہت دے دیں، آخرت بھی کمانی ہے مگر کچھ پتا بھی ہے مسجد کے بننے میں کتنے لاکھ لگتے ہیں۔'' نغمی تو چپ ہونے میں نہیں آرہی تھی۔

''دیکھو، یہ چار سو گز کا پُرآسائش گھر انہی کی دین ہے۔'' میں نے خود کو کمپوز کیا۔

وہ بیچ میں کچھ بولنے لگی تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک کر اپنی بات جاری رکھی۔

''ان کے اکاؤنٹ میں کافی پیسہ ہے، ماں، باپ کی اکلوتی، سو ساری جائداد کی تنہا وارث...... سسرال کی اکلوتی بہو، سو پاپا کی ہر چیز کی وہی مالک، میرے ساتھ ان کا جوائنٹ اکاؤنٹ ہے۔ عید، بقرعید شادی بیاہ تمام خرچہ وہ خود اٹھاتی ہیں ہمارا...... ہمیں کچھ خرچ نہیں کرنے دیتیں، سوائے کھانے کے...... یہاں تک تمہیں شادی کی سالگرہ پر ہر بار اپنا کوئی نہ کوئی زیور دے دیتی ہیں۔''

''ہونہہ...... کیا زیور......؟ اتنی اجازت نہیں کہ توڑ کر نیا بنوالوں......'' اس نے پھر ناشکرے پن کا مظاہرہ کیا۔

''تمہاری دوسری بہن کو اس کی ساس کیا دیتی ہیں؟ تم ہی آئے دن رونا دھونا مچاتی ہو کہ اس کی ساس عید تک کا جوڑا نہیں دیتیں۔'' نغمی لاجواب ہوگئی۔

''سچ ہے عورت بہت ناشکری ہوتی ہے۔'' میں نے منہ دوسری طرف پھیرلیا۔

نغمی دم سادھے چپ چاپ بیٹھ کر چینل بدلنے لگی۔ یہ سچ تھا کہ اماں کو اپنا زیور تڑوانا پسند نہیں تھا۔ اس میں کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں اُن کی چیز ان کی مرضی...... وہ کہتیں کہ اگر اس کو تڑوا دیا تو بہتر ہے مجھے واپس کردو...... سونا عورت کی کمزوری ہے، ناپسند ہونے کے باوجود بھی نغمی نے انہیں واپس تو نہیں کیا۔

☆☆☆

''میں جب میکے جانے کا نام لوں تمہاری اماں بیمار بن جاتی ہیں۔'' اس نے اونچی آواز میں کہا۔ لگتا تھا نغمی کو اس بات کا ڈر ختم ہوگیا ہے کہ اس کی آواز اماں تک پہنچ رہی ہے۔

''دیکھو نغمی وہ سچ مچ بیمار ہیں، ان کی عمر کے سبب ان کی صحت کا خانہ کمزور ہوتا جارہا ہے۔'' میں نے اسے سمجھانا چاہا مگر اس عورت کی ایک ہی رٹ تھی

”تمہاری اماں کو میرا میکے جانا پسند نہیں۔“ (ممکن ہے یہ بات درست ہو مگر میں انہیں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔)

”مہینے میں ایک آدھ چکر تو تمہارا لگ ہی جاتا ہے۔“ میں نے رسانیت سے کہا۔

”تم میرے چکر ہی گنتے رہنا۔“ وہ تو آستینیں چڑھا کر مجھ پر آ گئی۔

”مذہب کی طرف سے بھی ان کی خدمت میری ذمّے داری نہیں۔“ اب وہ مذہب کو درمیان میں لے آئی۔

”تمہارا ان کے ساتھ کیا گیا حسنِ سلوک تمہاری نیکیاں بڑھائے گا نغمی۔“

”کچھ نیکیاں تم بھی کما لو......“ وہ ترکی بہ ترکی بولی۔

”اچھا ٹھیک ہے، جاؤ تم دفع ہو جاؤ۔“ مجھے کم ہی غصہ آتا تھا۔ اور جب آ جائے تو آ ہی جاتا تھا۔

”میری ماں میری ذمّے داری ہیں، اب آئندہ نہ تم ان کی خدمت کرو گی اور نہ ان کی دی چیزوں میں تصرف کرو گی۔“ میرے دل پر نغمی کی بات تیر کی طرح لگی تھی۔ میری تربیت اس نہج پر کی گئی تھی کہ میں لڑنے بھڑنے والا شخص نہ تھا۔ میں اپنے کمرے سے نکل کر اماں کے کمرے کی طرف بڑھا۔

”ہونہہ......اب گئے اماں کی قدم بوسی کو...... ماماز بے بی......“ نغمی کی آتی طنزیہ آواز نے میرا پیچھا کیا جو پے در پے میرے دل پر کچوکے لگا رہی تھی۔

”میں نہ کہتی تھی یہ لڑکی بہت تیز نکلے گی۔ پس گئے ناں...... دو پاٹوں کے بیچ......“ نغمی کی ساری آواز ان تک پہنچ گئی تھی۔ کمرے میں گھسا تو اماں شروع ہو گئیں۔

”اماں پلیز......آپ تو میرا سکون غارت نہ کریں۔“ میں نے ان کے آگے انتہائی پریشانی میں ہاتھ جوڑ دیے۔

ایک لمحے میں اماں نے اپنی بات کو وہیں بریک لگا دیا۔

☆☆☆

اس واقعے کے بعد سے اماں نے نغمی سے بات کرنا ترک کر دی تھی۔ میں نے اماں ہی کو سپورٹ کیا۔

اس روز ہم باہر کھانا کھانے گئے، حسبِ معمول اماں نے بل پے کرنا چاہا۔

”نہیں اماں......بس آج میری طرف سے۔“

میں نے اماں کا پرس ایک ہاتھ سے بند کر کے دوسرے ہاتھ سے ان سے بل لے لیا۔

”میں چاہ رہی تھی آج آخری بار میں ہی پے کر دوں۔“

”آخری بار......؟“ میں چونکا۔ اسی لمحے میری نغمی پر بھی نظر پڑی تو لگا جیسے اس کے چہرے پر ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوں۔

”ہاں، اب میری ہمت نہیں کہ باہر نکلوں، گھوموں پھروں......“

”کیوں کیا ہوا......؟ آپ بالکل ٹھیک تو ہیں فٹ فاٹ...... باہر نکل کر آپ مزید فریش ہو جاتی ہیں۔“ میں نے thumbs up کیا۔

”ہم......م یہ تو ہے......“ وہ مسکرا دیں۔

☆☆☆

اس رات وہ سونے لیٹیں تو نہ جانے رات کے کس پہر انہیں ہارٹ اٹیک ہوا۔ وہ تہجد کے لیے اٹھی ہوں گی تو اٹھا نہ گیا ہوگا تو آدھی بستر پر آدھی بستر سے نیچے گر پڑیں۔ اور ان کی روح ان کے جسم کا ساتھ چھوڑ گئی۔

میں نمازِ فجر کے وقت ان کے کمرے میں آیا کرتا تھا۔ اور اب جب آیا تو انہیں اس حال میں دیکھا تو میرے تو اوسان خطا ہو گئے، اسپتال کی ایمرجنسی میں بتایا گیا انہیں مرے دو گھنٹے ہو چکے ہیں۔

میرے اردگرد اندھیرا چھا گیا۔

☆☆☆

آج انہیں مرے تین ماہ ہو گئے مگر مجھے یہی لگتا ہے جیسے وہ مری ہی نہیں...... میرے اردگرد موجود ہیں، کبھی لگتا ہے کل ہی مری ہیں، ایک دم سے زندگی بے کیف، بے رنگ ہو گئی۔ میں اماں سے بہت اٹیچ تھا، گیارہ سال کی عمر میں یتیم ہو گیا تو اماں نے یوں پالا جیسے پرندہ اپنے بچوں کو پروں میں رکھتا ہے۔

نغمی شاید ٹھیک ہی کہتی ہے، میں ماماز بے بی ہی

تھا۔ اور مجھے اس پر فخر تھا۔ اس میں برائی بھی کیا ہے، جب مائیں، بچے ہو جانے کے بعد تمام رشتے پیچھے کر دیتی ہیں اپنے سب سگوں سے دستبردار ہو جاتی ہیں وہ بھول جاتی ہیں کہ ان کے ماں، باپ بھی ہیں، وہ وقت، وقت سے ان سے ملتی ہیں، انہیں نہیں یاد رہتے اپنے بھائی، بہن، انہیں یاد رہتے ہیں تو صرف اور صرف اپنا گھر، اپنے بچے......تو پھر ماما کا بے بی ہونا، کون سا گھاٹے کا سودا ہے۔

☆☆☆

”دیکھیں یہ سیٹ کیسا ہے؟“ نغمی نے مجھے چمچماتا گولڈن سیٹ دکھایا۔

”بہت خوب صورت...... کس کا ہے؟“

”میرا......“ مختصراً کہا گیا۔

”تمہارے پاس کہاں سے آیا؟“ اب مجھے تشویش لاحق ہوئی تو میں نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

”ارے یہ وہ سیٹ ہے جو اماں نے مجھے تین سال پہلے دیا تھا ناں...... میں نے اسے تڑوا کر نئے ڈیزائن کا بنوا لیا۔“

مجھے لگا میرے اردگرد کہیں بہت زور کا بلاسٹ ہوا۔ یا شاید کوئی بلٹ سیدھی میرے دل پر آ کر لگی اور میرا دل پھٹ گیا۔

وہ کام جو نغمی اماں کی زندگی میں نہ کر سکی ان کی موت کے ڈیڑھ ماہ میں کر گئی۔

میں جانتا ہوں کوئی بھی عورت پرانے سیٹ پہننا پسند نہیں کرتی اس کی خواہش ہوتی ہے وہ جدید طرز کے سیٹ خریدے یا پہنے......مگر دنیا داری بھی کوئی چیز ہوتی ہے، جس کے دیے سیٹ تھے اسی کے بیٹے کے سینے میں نشتر چبھانے چلی آئی۔

”تم اماں کی زندگی میں تو یہ کام کر نہ سکیں......“ میری آواز بہ مشکل نکلی...... مجھے لگا ماں کو قبر میں لٹاتے ہوئے میرا ساؤنڈ باکس وہیں ان کے ساتھ دفن ہو گیا۔

”تو اور کیا...... وہ کب کرنے دیتی تھیں۔“ نغمی نے میری بات کو بہت ہلکا لیتے ہوئے جواباً کہا۔

دل چاہتا ہے

دل یہ چاہنے لگا ہے
بن کر پُروا آؤں
اور تجھے
چھو چھو کر
مسکراؤں
دل یہ چاہنے لگا ہے......
بن کر سرخ گلاب کا پھول
تیرے آنگن میں کھل جاؤں
تیرے لبوں پر ہنسی لاؤں
دل یہ چاہنے لگا ہے
ادھ کھلی کلی بن کر آؤں
تیرے کوٹ کے کالر پر ٹنک جاؤں
تیرے ساتھ، ساتھ مسکراؤں
دل یہ چاہنے لگا ہے
بن کر بارش آؤں
تیرے اوپر برس جاؤں
محبتوں بھری چھاؤں بن جاؤں
مرا دل یہ چاہنے لگا ہے
تیری چاہت میں پور، پور
بھیگ جاؤں
جہاں جاؤں تم کو ہی پاؤں

کلام: فائزہ فاروق سحر، لاہور

آج تین ماہ گزرنے کے باوجود مجھے اس کی یہ حرکت بھلائے نہیں بھولی تھی۔

☆☆☆

میں آفس سے آیا، فریش ہو کر اماں کے کمرے میں ان کے بستر پر لیٹ گیا۔ مجھے لگا مجھے اماں نے بازوؤں میں بھر لیا۔ پھر مجھے ہر طرف ان کی خوشبو محسوس ہوئی۔ جانے کیوں میری آنکھوں میں آنسو تیر گئے، تبھی آہٹ پر میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے بازو ہٹائے۔

سامنے دیکھا نغمی جھانک کر چلی گئی تھی۔ میں نے دوبارہ ہاتھ موڑ کر آنکھوں پر رکھ لیے، کچھ دیر لیٹا رہا،

سکون ملتا رہا۔

اچانک مجھے آفس کے شیراز صاحب کو فون کرنا یاد آیا، میں موبائل لینے کمرے تک گیا۔

اندر نغمی اپنے موبائل پر میکے میں کسی سے بات کر رہی تھی۔ دروازے کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ اسے میری آمد کا علم نہ ہوسکا۔ اور میں اس کے منہ سے اماں کا نام سن کر جہاں کا تہاں رک گیا۔

''بڑھیا تو مر گئی مگر آج تین ماہ بعد بھی راج کے غم میں کمی نہیں آئی ہے۔ اللہ جانے مرتے، مرتے بڑھیا کیا گھول کے پلا گئی ہے۔''

اپنی ماں کے لیے بڑھیا کا لفظ سن کر مجھے لگا میری رگوں میں دوڑنے والا خون اتنا گرم ہوگیا ہے کہ رگیں پھاڑ کر باہر ابل آئے گا۔ میری رگیں کھنچنے لگیں، میں جبڑا بھینچ کر کمرے میں گھسا۔

میری آہٹ پر وہ ایک دم گھبرا گئی۔ اب بات میری برداشت سے باہر تھی۔ اس نے اس عورت کے لیے نازیبا الفاظ کہے تھے جو میری ماں تھی۔ اور اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ اب وہ اس دنیا میں موجود ہی نہیں تھیں۔ جو اس کو جواب دیتیں، مقابلہ کرتیں۔ نغمی نے ایک مری ہوئی عورت سے بیر باندھا تھا جو میری ماں تھی۔ مجھے سب سے زیادہ عزیز تھی۔ کوئی عورت اتنا اور اس حد تک گر بھی سکتی ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے دل میں اس کی یہ بات بھی ترازو ہوگئی۔

میں نے اس سے موبائل چھین کر غصے میں دیوار پر دے مارا...... اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔

''الو کی ......'' شاید زندگی کی پہلی گالی تھی جو میں نے اس کو دی۔ اور بہت زوردار دھکا بھی...... وہ بیڈ پر کاغذ کی طرح لڑھکتی چلی گئی اس کا منہ فق ہوگیا تھا۔

''جاؤ...... اب میکے جا کر مرو...... ورنہ تو تم کو ہر وقت میکے کی یاد ستاتی تھی، اب تم تین مہینے سے اپنی منحوس شکل لیے مجھ پر سوار ہو۔ ''بڑھیا'' تو وہ ہے جس نے تم جیسی نجس عورت کو جنم دیا۔'' میں آپے سے باہر تھا۔ میں نے اسے بیڈ پر کھینچ کر کئی مرتبہ دھکے دیے، بس مارنے کی کسر باقی تھی کہ یہ میری ماں کی تربیت کا حصہ نہ تھا۔ نغمی پتھر کی ہوگئی تھی لگتا آج اس کے منہ میں زبان نہ رہی تھی۔ میں مٹھیاں بھینچتا کمرے سے باہر آگیا۔

مجھے یاد آیا۔ جب ہم چھوٹے سے فلیٹ میں پاپا کی ڈیتھ کے بعد شفٹ ہوئے تب اماں دو میاں، بیوی کو روزانہ رات کا کھانا کھلاتی تھیں، وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ کر کھاتے اور دعائیں دے کر چلے جاتے۔

ایک روز میں گیم کھیلنے میں مشغول تھا وہ اپنے مخصوص وقت پر آئے اور ڈور بیل دی۔ اماں نے دیکھنے کو کہا۔

''اماں وہی بڑھیا، بڈھے ہوں گے۔'' میں نے گیم اسکرین پر نظریں جمائے جماتے بے پروائی سے کہا۔

اماں نے تیزی سے قریب آکر مجھے جھنجوڑ پھینکا۔ میں نے کبھی انہیں اتنا آگ بگولا نہ دیکھا تھا۔ گھبرا گیا۔

''کیا ہوا اماں......؟''

''کچھ تمیز ہے؟ اس عمر کو پہنچوں تو مجھے بڑھیا ہی پکارنا......'' انہوں نے اپنی بڑی، بڑی آنکھوں کو حلقوں سے باہر کرتے ہوئے دانت کچکچائے۔

''آئندہ انکل اور آنٹی کہنا......'' انہوں نے بمشکل میرے کندھے چھوڑ دیے۔

''یہی ادب ہے...... یہی تہذیب......'' اور آج نغمی کے الفاظ کی کڑواہٹ نے مجھے سرتاپا زہریلا کر دیا تھا۔

وہ بڑھیا نہیں...... نغمی کی ماں جیسی تھیں...... ساس تھیں، اس سے دگنی بڑی...... اور سب سے بڑھ کر اس وقت وہ دنیا میں موجود نہ تھیں۔ میں رہ، رہ کر اسی نقطے پر سوچے جا رہا تھا۔ یہ بات کئی دن میرے ذہن کے پردے پر لرزاں رہی اور میں نے کئی دن تک نغمی سے بات نہ کی...... مگر بہت سوچ بچار کے بعد میں ایک فیصلہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

☆☆☆

اتنے دنوں کی جاری داخلی جنگ کے بعد آج

میں نے نغمی سے اماں کی سیف میں موجود زیور والا بیگ نکلوالیا۔

اماں نے گھر کے تہ خانے میں سیف رکھا ہوا تھا۔ اور تہ خانے کے دہانے پر چھوٹا کارپٹ پڑا رہتا۔ جس سے کسی کو شبہ تک نہ ہوتا کہ اندر کتنا زیور ہے، اماں نے زندگی بھر کبھی لاکر میں اپنا زیور نہیں رکھا اور یہ بھی اللہ کی بلیسنگ رہی کہ کبھی کوئی چور زیور تک نہ پہنچا۔

نغمی کی بے چینی دیدنی تھی۔ ان تین ہفتوں میں...... یعنی اماں کے انتقال کے بعد سے آج تک میں نے اماں کے زیور تک نغمی کی رسائی نہ ہونے دی تھی۔ نہ اس کی اتنی جرأت تھی کہ وہ خاموشی سے زیور تک رسائی حاصل کرے۔ شروع میں تو اس نے مجھ سے اشاروں کنایوں میں بات کرنا چاہی مگر میری سختی کی وجہ سے کھل کر کچھ نہ کہہ سکی پھر غالباً یہ سوچ کر مطمئن ہوگئی ہوگی کہ آخر زیور جانا کہاں ہے، اسے ہی ملنا ہے۔ سو وہ مجھے دے کر چلی گئی۔ میں بہت دیر بت بنا زیور کے بیگ کو سامنے رکھے بیٹھا رہا۔ بہت دیر اس کی جاسوسی جھانت پھرت جاری رہی۔ پھر شاید وہ بھی تھک گئی تھی۔ اب اس کی کوئی سن گن نہ تھی۔

اس بیگ میں اب بھی کافی زیورات موجود تھے، مختلف ڈیزائن کی ڈھیروں چوڑیاں، ہار، بالیاں، جھمکیاں نہ جانے کیا، کیا مگر جس چیز نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کروالی وہ میری ماں کی تحریر تھی جو تھا یادداشت مگر تحریر انہی کی تھی۔ دیر تک میں نے اسے اپنی آنکھوں سے لگا کر محسوس کیا جیسے میں اپنی ماں کو مجسم دیکھ رہا ہوں اور اپنی گہری سانسوں سے انہیں اپنے دل میں اتارتا جا رہا ہوں۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ لفظ دھندلے بونوں کی طرح منہ چڑا رہے تھے، جب دو چار آنسوؤں کی لڑیاں آنکھوں سے بہہ نکلی تب کہیں جا کر میں خط پڑھنے کے قابل ہوا۔ مجھے بار، بار لگ رہا تھا۔ میں ایک بار پھر گیارہ سال کا بچہ ہوں، جس کو اب کی بار اپنے نہیں ماں چھوڑ گئی ہے۔

وہ خط کیا تھا پور، پور میری محبت میں ڈوبا، جس کا مخاطب میں ہی تھا۔ اس کے علاوہ اس میں اماں نے بہت سے حسابات لکھ رکھے تھے مگر توجہ طلب دو باتیں تھیں ایک تو مسجد کے لیے بقایا کتنی رقم ادا کرنی رہ گئی ہے۔ اس کے علاوہ زیور کو میری امانت کہا گیا تھا میں اس کے ساتھ جو سلوک کروں انہوں نے مجھے اجازت دی ہوئی تھی۔ آخری سطور میں ایک ایڈریس لکھا تھا اور لکھا تھا ''اس پتے پر ہر ماہ راشن بھجوا دینا...... وہ سارا سامان خورد و نوش جو تم اپنے گھر کے لیے لاتے ہو، دیکھو ڈنڈی نہ مارنا۔'' تحریر کے اس موڑ نے مجھے جھنجوڑ دیا۔

میری ماں کوئی ہر وقت مصلے پر بیٹھنے والی عورت نہ تھیں۔ ہاں وقت پر نماز پڑھتیں اکثر تہجد بھی پڑھتیں۔ رمضان میں روزے بھی رکھتیں...... مگر ان کا یہ رخ مجھ پر آج کھلا کہ وہ حسب استطاعت کسی کے گھر کا چولھا جلانے کا سبب بھی تھیں۔

مجھے فکر دامن گیر ہوئی کہ یہ فیملی اماں کے مرنے کے بعد سے su ffer کر رہی ہوگی۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک نظر زیورات پر ڈالی، گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ ساڑھے سات کا عمل تھا۔ گردن موڑ کر کمرے سے باہر نگاہ دوڑائی۔ نغمی بولائی بلی کی طرح لاؤنج کے چکر لگا رہی تھی۔ میرے دیکھنے پر سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دروازہ بند کرنے کی واضح آواز سنائی دی۔ وہ کسی طرح میری نیت سے واقف نہیں ہوئی تھی۔

اسے قطعاً یہ علم نہیں تھا کہ میں دیے گئے ایڈریس پر راشن پہنچانے کے ساتھ، ساتھ زیورات کو اماں کے نام پر صدقہ کرنے جا رہا ہوں، میں جانتا تھا یہ عورت کسی طرح میری ماں کے زیورات استعمال کرنے کے لائق نہیں تھی۔

والٹ میں اے ٹی ایم کارڈ کی موجودگی کا یقین کر لینے کے بعد میں زیورات کا بیگ لے کر گاڑی میں آبیٹھا۔

اب مجھے اس گھر کی تلاش تھی جہاں سودا پہنچانا تھا۔

▲▲▲

تو قصۂ زیست

منعم ملک





سورج غروب ہوئے کافی وقت بیت چکا تھا۔ دھیرے، دھیرے اترتا اندھیرا اجالے کی کرنوں کو تیزی سے نگل رہا تھا۔ گو ابھی شام پوری طرح بیتی نہیں تھی مگر رات اس پر قبضہ کرنے کی پوری تیاریوں میں تھی۔ وہ اوائل سرما کے دن تھے......اور سردی کی شدت نہ ہونے کے باعث اس شام فضا میں ہلکی، ہلکی ٹھنڈ سانسیں لے رہی تھی۔ وہ سڑک کے کنارے تیزی سے چلتی جارہی تھی۔ اندھیرا فی الحال پھیلا نہیں



تھا مگر اسے پھر بھی گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ پرس میں پڑا موبائل تھرتھرا اٹھا۔

چلتے، چلتے موبائل پرس سے نکال کر کان سے لگاتے ہوئے وہ رک گئی۔ راستہ بدلنے کے لیے اسے سڑک پار کرنی تھی۔

''ہیلو......ہاں جی......؟'' وہ رک کر سننے لگی، مما کی کال تھی۔ اور اسے اندازہ تھا کہ وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔

''جی مما...... کچھ دیر ہوگئی ہے، میں بس پہنچنے والی ہوں۔'' حسب توقع مما کو پریشان دیکھ کر اس نے تسلی دی۔ وہ دوپہر سے اپنی ایک دوست کے گھر آئی ہوئی تھی۔

''جی بس آئی ہوں......'' پھر اس نے عجلت میں جواب دیتے ہوئے بنا سوچے سمجھے سڑک پر قدم رکھ دیے۔ مما کی پریشانی کا سوچ کر وہ سب کچھ بھول گئی۔ سڑک پر چلنے کے اصول بھی...... تیزی سے چلتے ہوئے وہ آدھی سڑک ہی بہ مشکل کراس کر پائی تھی کہ مخالف سمت سے آتی کار اسے زوردار ٹکر مار کر اڑاتی ہوئی بے ہنگم ٹریفک میں گم ہوگئی۔

ایک لمحے میں، آندھیوں کی زد میں آئے اپنے وجود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتی اس لڑکی کو سمجھ میں نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے؟ موبائل ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا اور وہ خود موبائل سے بھی دور...... زمین سے ٹکراتے ہوئے اسے اپنی سانسیں راستے میں ہی ٹوٹ جانے کا گمان گزرا...... کمر ٹوٹ چکی اور ٹانگوں کا حصہ مفلوج ہوتا ہوا...... آنکھوں میں دھند آئی تو شام مزید سرد و تاریک لگنے لگی۔

''وہ اس کی زندگی کا بھیانک ترین حادثہ تھا۔ اپنی مرضی سے ہلنا تو دور وہ اوپر سانس کھینچنا بھی دشوار محسوس کر رہی تھی۔ اردگرد مچتی افراتفری میں گاڑیوں کے رکنے اور لوگوں کے جمع ہونے کا شور اٹھ رہا تھا۔ اس کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے، پھٹتے سر کے ساتھ اس نے موبائل کی تلاش میں اٹھنا چاہا تب ہی دھندلی سی اس شام میں ایک وجود اس کی سمت بھاگتا ہوا چلا آرہا تھا۔ شام کی تاریکی اس کا چہرہ تاریک کیے دے رہی تھی۔ بند ہوتی آنکھوں کو بہ دقت کھولے رکھنے کے جتن کرتی، وہ اس شخص کو پوری طرح دیکھ لینے کی خواہش رکھتی تھی۔ مگر پلکیں مقناطیس کی طرح ایک دوسرے میں مل رہی تھیں۔ وہ جانتی تھی وہ قریب آچکا ہوگا...... پوری طاقت صرف کر کے اس نے دوبارہ پلکیں وا کیں...... وہ واقعی بہت پریشانی سے اس پر جھک رہا تھا...... مگر اب دھند کچھ زیادہ ہی بڑھ چکی تھی۔

تاریک سی شام میں ایک مدھم نامکمل سی اس چہرے کی شبیہ اس کی آنکھوں کے کانچ میں ٹھہر گئی۔ دماغ کا سورج غروب ہوا تو آنکھوں میں بھی مکمل طور پر اندھیرا بکھرتا چلا گیا۔

☆☆☆

سیاہ مائع تیزی سے دھرتی پر بہتا جارہا تھا اور جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں، سیاہی خوب صورت تھی اور سیاہی میں گھلتا آتشی رنگ خوب صورت تر، شہر کی عمارتوں کے ہر، ہر روزن میں دیے کی لوئیں ٹمٹماتی تھیں۔

''محبت نبھانا بہت مشکل کام ہے۔'' کندھے اچکا کر کہا گیا، یوں جیسے یہ کھیل کھیلنا ہمارے بس کی بات نہیں......

''وہ مشکل کام ہم سے ہوگیا......'' کیفیت میں سرشاری تھی۔ انداز میں اعتماد......

''محبت رسکی چیز ہے...... بہت بری......''

''بالکل غلط......'' فوراً نفی کی گئی۔ ''محبت اب نہیں ہوگی۔'' اکتا کر کہا گیا یا اداس ہو کر...... اندازہ مشکل نہیں تھا۔

''نہ ہو...... کبھی بھی نہیں......'' بات دوٹوک ہی نہیں، سنجیدگی سے بھی بھری تھی۔

''نہیں ہوگی...... کبھی نہیں......'' جواب میں قطعی پن۔

''اچھی بات ہے مت کرنا۔'' اچھی بات لب بھینچ کر کہی گئی۔ اور چند لمحے سکوت چھا گیا۔

''صرف مجھ سے کرنا......'' خوب صورت سا انداز تھا...... دلکش سی التجا...... درختوں، پھولوں میں نئی جان سی بھرتی گئی۔

''تم سے بھی نہیں......'' اتنی بے دردی سے کہا گیا کہ اسے لگا مذاق کیا جارہا ہے۔

''پر کیوں؟'' سوال کا جواب معلوم تھا، ہونٹوں پر محظوظ کن مسکراہٹ...... درخت تیزی سے پتے برسانے لگے، آنکھیں فینسی لائٹس ہوگئیں۔

''کیونکہ...... تم ایک مشکل انسان ہو...... ایک پہیلی۔'' جواب، جواب کے برعکس تھا، ہونٹوں سے ہنسی

ئی...... آنکھوں سے روشنی، دل کو لگا دھکا زوردار تھا، ل کے روزن میں رکھے دیے کی لو دھیمی اور مدھم پڑتی ئی۔ آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔

''کیا...... تمہیں واقعی محبت نہیں رہی؟'' سوال ندھیوں میں رکھا ''دیا'' بن گیا...... آنکھیں بے یقینی کی یادتی سے آخری حدوں تک پھیلتی گئیں۔ موبائل کی ا رین تاریک تھی۔

''نہیں...... ختم ہوگئی۔'' موبائل اسکرین روشن ئی، چہرہ تاریک ہوگیا...... دل کہیں گہرائیوں میں ہی ا بتا گیا۔ اور وہ جو معکوس لیٹا تھا، موبائل ہاتھوں سے یوں پھسلتا گیا گویا ہاتھوں میں جان باقی نہ رہی ہو۔

محبت کھیل تمام ہوا...... اور فریب محبت بھی...... پھر رگِ جاں تھے...... ''پشیماں'' بن گئے، اتنی آسانی سے؟

☆☆☆

کافی دنوں بعد بے موسمی سی دھند سارے ں چھائی تھی۔ معمول کی سردی پر دھند...... کچھ بے معنی ں، یوں جیسے جاتی سردیاں پلٹنا چاہتی ہوں، فضا کے نگ عجیب پھیکے تھے اگر وہ دھند نہیں تھی تو مٹی کی تہ بھی ہیں تھی۔ سفید دھوئیں کی سی دھیمی رفتار سے...... سوسن ی نرم کلیوں پر اترتی ہوئی ملائم پھول سکڑ، سکڑ کر خول ں سمٹتے تھے۔

سامنے نگاہ کی آخری حد تک سیاہ تارکول بچھی ڑک...... جس پر قدم دھرے وہ مضبوط چال مگر قدرے کھوئے، کھوئے انداز میں چلتی جارہی تھی۔ ڑک جتنی کشادہ تھی۔ اتنی ہی گاڑیوں سے بھری...... ں پر ٹریفک بہتی نہیں اڑتی تھی۔

ایسے میں اٹھتے شور سے بے نیاز، وہ نظریں ھکائے، کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گم صم سی آگے ڑھتی جارہی تھی۔ اردگرد سے بے خبر اور کسی گہری سوچ یں الجھی ہوئی...... اسے تیکھے اور مضبوط قدموں سے چلتا دیکھ کر، دھند الٹے پاؤں اس سے دور بھاگتی جارہی تھی۔ وہ جیسے سکتے کی سی کیفیت میں ڈوبی تھی۔ ایسا سکتہ جسے توڑنے میں کوئی چیز کامیاب نہیں ٹھہر رہی

تھی...... جاتی سردیوں کی ٹھنڈ سے اس کا چہرہ خشکی کے باعث قدرے سخت سا دکھتا تھا۔

''لاریب......'' چلتے، چلتے اسے اپنے عقب سے اپنا نام پکارے جانے کی آواز سنائی دی۔ وہ ہلکا سا چونکی مگر رکی نہیں...... اس آواز کو وہ اچھی طرح پہچانتی تھی مگر فی الحال کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''لاریب...... سنو......!'' اب کی بار وہ آواز اسے تیزی سے اپنا پیچھا کرتی محسوس ہوئی۔ مجبوراً سر جھٹک کر ہر خیال کو پرے دھکیلتی وہ رکی اور مڑ کر دیکھا اندازے کے مطابق وہ فرحین تھی...... اور تیز، تیز چلنے کی کوشش میں باقاعدہ بھاگ سی رہی تھی۔

''کہاں گم ہو یار...... کب سے آوازیں دے رہی ہوں...... ہائے۔'' اس تک آتے، آتے وہ پھولی سانسوں کے ساتھ بہ مشکل ناہموار سا بول پائی۔ عادت کے مطابق پہلے بات کر کے پھر ہائے کہنے اور ہاتھ ملانے کا خیال آیا۔ لاریب نے ہاتھ ملاتے ہوئے چہرے سے ہر تاثر مٹایا۔ اور بے ساختہ سی مسکراہٹ سجالی۔ ہاتھ ہلکا سا دبا کے چھوڑ دیا۔

''کب سے؟ اچھا...... میں نے سنا ہی ابھی، ابھی۔'' بے پروائی سے شانے اچکاتے ہوئے اس نے بظاہر اطمینان سے جواب دیا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کی اونچی پونی ٹیل نے جھٹکا سا کھایا تھا۔ دیکھنے والوں کو ہمیشہ اس کی اس ادا پر بے اختیار پیار آیا کرتا تھا۔ فرحین نے رشک سے اسے دیکھا۔ اور اس کے برابر چلنے لگی۔

''یہ مت کہو کہ سنا ہی نہیں...... تم کیوں مجھے اگنور کر رہی ہو؟'' فرحین نے خفگی سے شکوہ کرتے ہوئے اسے جتا دیا کہ اسے اس کی بات پر یقین نہیں، نظریں جھکا کر چلتی لاریب نے فوراً سے بیشتر لبوں پر سجائی مصنوعی مسکراہٹ کو واپس سمیٹ لیا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں...... میں ایسا کیوں کروں گی......'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ بنا اس کی طرف دیکھے ناک کی سیدھ میں چلتی رہی، دماغ پھر سے الجھنے لگا۔

''ایسی ہی بات ہے، کیوں کررہی ہو، اس کا جواب اب تم دو گی...... اندازہ ہے تمہیں تم نے میرا چین چرا رکھا ہے، بتاؤ مجھے...... میری کس بات پر ناراض ہو؟'' آواز دھیمی رکھ کر اس نے بات مکمل کی اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ سپاٹ تاثرات لیے، کچھ دیر خاموش رہی، جانتی تھی فرحین کچھ غلط نہیں کہہ رہی۔ وہ گزشتہ تین دنوں سے یہی کررہی تھی اور اس کا جواب بھی اس کے پاس نہیں تھا۔

''ایسا واقعی کچھ نہیں ڈیئر...... تم غلط سوچ رہی ہو، تم جانتی ہو کہ میں دوستوں سے ناراض نہیں ہوتی۔''

''شاید اس لیے کہ تم ہمیں اس قابل نہیں سمجھتیں......'' یہ فرحین کی ٹھیک ٹھاک ناراضی کی علامت تھی...... وہ تاسف سے اسے دیکھنے لگی۔

''تمہیں کیسے بتاؤں؟'' وہ مجبور ہوکر بیچارگی سے کہتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ چلتے، چلتے دونوں کے متحرک قدموں کو بریک لگ گئی۔ فرحین نے اس کی شفاف آنکھوں میں تیرتی شفاف نمی دیکھ لی، وہ حقیقتاً پریشان ہوگئی تھی۔

''جو بات ہے مجھے بتاؤ لاریب، میں بیسٹ فرینڈ ہوں تمہاری اور ہم دونوں ہر اہم بات ایک دوسرے سے ڈسکس ضرور کرتے ہیں، تم اچھا محسوس کرو گی، کہیں بیٹھ کر بات کریں؟ لیکن رکو اس سے پہلے بتاؤ تم جا کہاں رہی ہو؟''

''نہیں، یہیں ٹھیک ہے، میں میڈیکل اسٹور تک جارہی ہوں۔'' ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے زیادہ سادگی سے جواب دیا۔ وہ خود کو کافی حد تک کمپوز کرچکی تھی۔

''خیریت......؟''

''ہاں، بس...... سر میں درد تھا اور فلو بھی...... ٹیبلٹ ختم ہوچکی تھیں تو وہی لینے......'' اس نے تفصیل بتائی۔

''اچھا...... آنٹی اسپتال نہیں گئیں؟''

''نہیں...... اُن کا آج آف تھا۔''

''اچھا گڈ...... کیا خیال ہے چل کر کافی پئیں...... وہیں پھر......'' فرحین نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے اس کی رائے جاننا چاہی مگر اس سے قبل ہی اس نے بات کاٹ دی۔

''رہنے دو...... تمہیں یونی سے دیر ہوجائے گی، آؤ چلیں......'' سہولت سے انکار کرتے ہوئے وہ دونوں ایک بار پھر برابر میں چلنے لگیں...... گھر قریب ہونے کے سبب وہ دونوں پیدل ہی یونی جایا کرتی تھیں۔

''چلو پھر بتاؤ، بات کیا ہے...... تم اس دن سے یونی نہیں آرہیں اور اس دن بھی......'' فرحین کچھ کہتے، کہتے ایک دم چپ ہوگئی، لاریب کی خاموشی نے بری طرح سے چونکا۔

یوں جیسے یک لخت بات کا سرا ہاتھ آگیا ہو۔

''ہاں وہی بات ہے......'' لاریب نے سر جھکا کر شکست خوردہ انداز میں جواب دیا۔ دھند اب ٹوٹتی لگ رہی تھی...... اور اس ٹوٹتی دھند سے سڑک کی سیاہی مدھم پڑتی محسوس ہوتی تھی۔

''واٹ میں سمجھی نہیں...... ایک منٹ، تم جانتی ہو اسے؟'' فرحین کو سمجھ نہیں آیا، اس نے کیا سنا ہے؟ مارے تجسس کے اس نے خاصا بے چین ہوتے ہوئے سوال کیا۔

''نہیں......؟'' لاریب نے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا۔

''کیا نہیں، صاف بتاؤ ناں......'' فرحین کو اس کے ''نہیں'' پر ذرا بھی یقین نہیں آیا اور اندر ہی اندر اس نے خود سے کئی قیاس قائم کر ڈالے، بنا منزل کا تعین کیے وہ دونوں کافی آگے نکل آئی تھیں۔

''صاف بتارہی ہوں، میں واقعی نہیں جانتی اس کو......''

''اچھا اگر جانتی نہیں تو اسے دیکھ کر اس طرح کیوں چونکیں...... اور اتنے سارے لوگوں میں اسے دیکھتے ہی بھاگ گئیں......'' اس نے برا سا منہ بنا کر کہا، لاریب کے پاس اسے بتادینے کے سوا کوئی چارہ نہیں بچا تھا۔ چند لمحے بعد دھند میں کچھ کھوجتے ہوئے اس نے جو بات اسے بتائی، اسے سنتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے بری طرح اچھلی۔

''کیونکہ میرے سامنے ہو بہو وہی شکل تھی...... جو میں کافی عرصے سے پینٹ کرتی آرہی ہوں۔''

''کیا......؟'' پھٹی، پھٹی آنکھوں سے اسے تکتے ہوئے، اس کے کھلے منہ سے بے اختیار نکلا تھا، وہ بھی اسے رک کر دیکھنے لگی، اسے فرحین سے اسی بے یقینی کی توقع تھی۔

''ہاں، مجھے سمجھ نہیں آیا کہ میں کیا دیکھ رہی ہوں...... وہ چہرہ جو میں کئی ہفتوں سے تصور میں رکھ کر اسے پینٹ کرنے کی کوشش کرتی ہوں یا وہ شخص جو میں سوچتی تھی کہ کبھی ملوں گی اس سے؟ کبھی تو میں اسے اپنے سامنے دیکھوں، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری دعا اس طرح مقبولیت کی سند پاکر میرے سامنے آکھڑی ہوگی۔ مجھے اب سے پہلے معلوم ہی نہیں تھا کہ میری دعائیں اس طرح بھی قبول ہوسکتی ہیں...... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرا تصور ہی حقیقت بن کر مجھ سے آملے گا میرے سان گمان میں دور، دور تک نہیں تھا۔

اور اب، اب جبکہ یہ سب ہوگیا تو میں بے حد خوفزدہ ہوگئی تھی فری...... اور تم نے دیکھا ناں وہ کیسے مجھے دیکھ کر میری طرف بڑھنے لگا تھا...... یوں جیسے مجھے پہچانتا ہو...... یوں جیسے کہتا ہو، دیکھو میں آگیا...... تمہارے لیے آگیا، تمہاری دعاؤں کے واسطے آگیا...... تمہارا تصور، تمہارا سوچنا، تمہارا الجھنا، چہرے کا نقشہ بنا، بنا کر مٹانا...... مٹا کر پھر بنانا...... پہروں مجھے سوچنا کچھ بھی ضائع نہیں گیا...... دیکھو میں اپنی تصویر مکمل کرانے کی خاطر آگیا...... تم نے آنکھیں دیکھیں اس کی...... جسے میں خوب صورت سے خوب صورت کرکے بھی مطمئن نہیں ہو پاتی تھی۔ میں نے دیکھیں کیسی چمک تھی ان میں...... اور مجھے دیکھتے ہی بنا کوئی لمحہ ضائع ہوئے اس [illegible] کی جگہ شناسائی نے لے لی...... کیوں، کس لیے؟ وہ تو مجھے جانتا ہی نہیں...... پتا ہے تمہیں، میں پورا دن کمرے میں پڑی روتی رہی، فری وہ جو میری تصوراتی دنیا کا ہیرو تھا، وہ حقیقت میں آکر میرے سامنے کیسے کھڑا ہوگیا، جانتی ہو تم؟ جواب ہے تمہارے پاس، نہیں ناں...... میرے پاس بھی نہیں ہے۔'' کچھ خفگی سے کہہ کر اس نے رخ موڑ لیا...... اس ساری گفتگو میں اس نے پہلی بار لمبی سی سانس لی تھی۔ ہکا بکا سی فرحین نے دیکھا اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ رہے تھے۔

''ایسا کیسے ممکن ہے لاریب...... ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟'' فرحین نے بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ زیرلب کہا، اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ لاریب سے زیادہ شاکڈ ہوئی ہے...... دھیرے، دھیرے سانس لیتی لاریب نے ہاتھوں کی پشت سے اپنی پلکیں خشک کیں۔ ٹریفک اس وقت خاصی کم ہونے لگی تھی اور سڑک پرشور بھی......

''میں یہ بھی نہیں جانتی......'' اس کا لہجہ مدھم تھا، ایک جگہ رک کر وہ سڑک کے دونوں طرف دیکھنے لگی...... سڑک کے اس پار میڈیکل اسٹور کا بورڈ نظر آرہا تھا۔

''لاریب تم جذباتی ہورہی ہو...... ممکن ہے کہ تم اسے مل چکی ہو پہلے......؟''

''تمہارا مطلب ہے، میں اپنی یادداشت کھو چکی ہوں؟'' وہ خود کو سنبھال چکی تھی، ہنس کر بولی۔

''نہیں مگر کہیں دیکھا ہو اسے اور تمہیں یاد نہ ہو...... تمہیں اس سے مل لینا چاہیے...... ذہن پر زور دو شاید معاملہ حل ہوجائے؟''

''پانچ ہفتوں میں جتنے دن ہوتے ہیں، دنوں میں گھنٹے اور گھنٹوں میں منٹس...... میں ایک لمحہ بھی اسے نہیں بھول پائی اور کتنا سوچوں؟ میں اسے کبھی نہیں ملی...... میں اسے بالکل نہیں جانتی......''

اس نے اتنی سختی سے اس کی بات رد کی کہ فرحین کچھ لمحے کے لیے بول نہیں سکی...... درحقیقت لاریب اسے اس وقت فیری ٹیل کا کوئی کردار محسوس ہورہی تھی۔ جو سالوں سے جانتی آرہی ہو کہ اس کے لیے کوئی شہزادہ آنا ہے...... اسے معلوم ہو کہ اس کے لیے وہی آنا ہے جو اس کی پسند ہو، جو خاکہ وہ خود تیار کرچکی ہو،

ہو بہو بالکل ویسا......اور وہ اس شہزادے کے لیے دعائیں کرتے ہوئے اس کی آمد کی منتظر ہو...... پھر ایک دن یوں ہوا کہ پری اس کی آمد سے باخبر ہوگئی...... وہ اگر اس کے پاس نہیں آیا تھا تو اس کے لیے ضرور آیا تھا...... اور اسے دیکھتے ہی پری کی سمت لپکا...... جیسے فوراً پہچان گیا ہو، اسے اپنی منزل نظر آگئی ہو......اور خود پری کی منزل بھی تو وہی تھا......یعنی شہزادہ......لیکن پھر منظر ایک دم بدل گیا۔ وہ پری اس سے دور بھاگتی گئی، فوراً غائب ہوگئی...... شہزادہ خالی دامن پیچھے رہ گیا......اور ''دی اینڈ'' منظر تاریک ہوا اور بجتی تالیوں میں اداسی کا گہرا شور بپا ہونے لگا......آنسو کی لڑیوں سے چھنکارسی پیدا ہوگئی...... اتنا بے مقصد اینڈ......سامنے کھڑا فیری ٹیل کا یہ ''کردار'' فرحین کی سمجھ سے بالکل باہر تھا......وہ کردار جسے پری کا درجہ حاصل تھا، وہ نہیں سمجھ سکتی تھی کہ پری نے یوں کیوں کیا......اسے کس چیز کا ڈر تھا۔

''اوکے ٹیک اٹ ایزی......'' فرحین نے خود ہی اپنی آواز سے خود کو چونکایا......''میں مانتی ہوں تمہاری بات......لیکن اس سے کیوں دور بھاگ رہی ہو، اس سے ایک بار بات کرلو، ہوسکتا ہے ساری الجھنیں دور ہوجائیں......وہ انسان ہے کوئی جن بھوت نہیں...... جس سے تم یوں ڈرو......'' فرحین نے اپنائیت سے سمجھایا۔ وہ سمجھانا جو قطعی بے معنی تھا۔

''وہ واقعی انسان ہے اور میرا دل کرتا ہے فری کہ مجھے اس سے ڈرنا چاہیے......اگر جو میں ایک بار اس سے ملی تو وہ میرے سارے بھید پالے گا......اور میں سب کچھ کھودوں گی۔'' وہ کبھی اس قدر جذباتی نہیں ہوتی تھی کہ بات، بات پر آنکھیں نم کرلے، اب ہوگئی تھی تو یونہی نہیں ہوئی تھی۔ فرحین کو اس کے لہجے میں غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

''میں تمہاری اس بات کو...... کس رنگ میں لوں......؟'' اس نے تحمل سے پوچھا۔

''میں اس مقام پر آکھڑی ہوں جہاں لب سی لیے جائیں تو آنکھوں کو زبان مل جاتی ہے......آنکھیں موند بھی لو تو چہرہ وہ آئینہ بن جاتا ہے جس کی شفاف سطح پر دل کی کیفیات رقم ہونے لگتی ہیں......اور جانتی ہو چہرہ ایسے آئینے تب دکھایا کرتا ہے جب وہ ''احساس'' ہر حد سے بڑھ جائے، میں اس سے صرف محبت کرتی تھی۔ اب وہ محبت ہر حد سے بڑھ گئی ہے، فیری ٹیل کا وہ کردار...... جسے پری کا لقب حاصل تھا، وہ پری، شہزادے پر ختم ہوگئی ہے، اتنا تو تم جانتی ہو ناں......دل کے بغیر انسان زندہ نہیں، مردہ ہوجاتا ہے۔ لیکن ستم کی انتہا ''دی اینڈ'' اب بھی نہیں ہوتا......'' بھری آنکھوں کے ساتھ پری نے زخمی مسکراہٹ اس کی سمت اچھالی اور کسی پری کی طرح ہی سیاہ تارکول عبور کرکے شیشے کی دیواروں میں گم ہوگئی اور پیچھے وہ......عام سی انسان جو نہ پری تھی نہ پرستان سے تھی......اس دھچکے کو سہنے کی کوشش میں شل سا چہرہ لیے وہاں دیکھے جارہی تھی جہاں چند لمحے قبل وہ غائب ہوچکی تھی۔ آسمان سے ٹوٹتی دھند شیشے کی دیواروں کے گرد پھیلتی جارہی تھی۔

☆☆☆

وہ واپس شہر پہنچا تو نارنجی شعاعیں، پیلی دھوپ سے گلے مل رہی تھیں اور سورج مکھی کے پھول پوری طرح مغرب کی سمت جھکے ہوئے تھے، گاؤں کے برعکس یہاں کی دھوپ ہلکی تپش لیے ہوئے تھی۔ مگر ہواؤں میں خنکی کا احساس برقرار تھا......جاتی سردیاں اپنا رنگ جماتے ہوئے موسم خوشگوار بنائے رکھتیں۔ اسے اس بار کچھ جلدی میں گاؤں جانا پڑ گیا تھا، بات کچھ ایسی تھی کہ اس سے رہا نہیں گیا۔ شبنم اور مانو کے مشترکہ خط کے مطابق اماں کی طبیعت جو چند دنوں سے اچھی نہیں تھی، بارش سے ہوئی ٹھنڈ سے مزید بگڑ گئی تھی۔ اس نے سنا تو بے چین ہوگیا۔

وہ اماں کی عین بارش کے وقت باہر بھاگ بھاگ کر صحن سے چیزیں جمع کرنے والی عادت سے خوب واقف تھا۔ اگرچہ یہ کام شبنم بھی نمٹا سکتی تھی......مگر

اماں کبھی نہ مانتیں...... ہمیشہ کہتیں......''بچوں کے ہاتھ ہوئے کام مجھے پسند نہیں...... وہ بھی میرے بچوں کے ہاتھوں......نہ، نہ یہ تو گھی کا گھڑا بھی الٹا ہوگیا ہو تو ذمے داری سے سیدھا نہ کریں...... باقی کا کیا کریں گے......'' اماں کی شکل ذہن میں رکھ کر سوچتے ہوئے وہ زیرِلب مسکرا رہا تھا، اماں کے نزدیک مہنگی چیز کی مثال دینے کے لیے گھی ہر چیز سے بہترین تھا۔

وہ ان دنوں کچھ مصروف تھا اور مفت ٹائم گزار رہا تھا......صبح یونی وہاں سے واپسی پر مختصر سا وقت......اپنے ذاتی کام اور کچھ لمحے آرام کی نذر کر کے پارٹ ٹائم جاب...... جاب سے واپس آکر اسے اسٹڈی بھی کرنی پڑتی تھی۔ ایسے میں وہ اتنا تھک جاتا کہ دل چاہتا سب کچھ چھوڑ کر بس بستر پر دراز ہوجائے......اس وقت پر اسے شبنم اور اماں کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔

اس پر وہ سعد کا بھی بہت شکرگزار تھا جو بن کہے اس کے بہت سے کام کردیا کرتا تھا......اسی مصروفیت کے سبب وہ جو ہر دو ہفتوں بعد گاؤں کا چکر لگا آیا کرتا تھا، اس بار چار ہفتوں کے بعد بھی نہ جاسکا......اماں کی بیماری کی وجہ بھی یقیناً یہی رہی ہوگی......وہ سوچ کر پھر سے مسکرا دیا تھا۔

مانو نے شبنم کی بات لکھتے ہوئے کہا۔ ''اماں آپ کو بہت یاد کرتی ہے، تب ہی بیماریاں ان کو یاد کرنا نہیں بھولتیں۔'' خط تہ کرکے دراز میں ڈالتے ہوئے اس نے سعد کو میسج کرکے اپنے گاؤں جانے کی اطلاع دی......اور اسی وقت گاؤں روانہ ہوگیا۔ شبنم کی تسلی کے مطابق اماں کی طبیعت کوئی پریشانی والی بات نہیں تھی......لیکن وہ اسے دیکھتے ہی چنگی بھلی ہوگئیں...... وہ خود بھی وہاں جاکر تازہ دم ہوگیا تھا اور اس وقت خاصا ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔

☆☆☆

فلیٹ بند نہیں تھا......یعنی سعد گھر پر تھا۔ وہ غالباً اس سے قبل واپس لوٹ آیا تھا......اور فلیٹ میں پھیلا سناٹا بتاتا تھا کہ وہ نیند میں ہے، اس کے آرام کا خیال کرکے وہ دبے قدموں پانی پینے کی غرض سے کچن میں آگیا۔

''ہائے بڈی......'' پانی کی بوتل ہاتھ میں اٹھائے وہ پلٹا چونکے مڑا...... نیند سے بوجھل لہجہ...... یقیناً سعد کے علاوہ کسی اور کا نہیں تھا۔ بوتل کا ڈھکن گھماتے ہوئے اس نے پیاری سی مسکراہٹ اس کی سمت اچھالی اور اسٹول پر اونچا ہوکر بیٹھ گیا۔

''ہائے اٹھ گئے تم...... کیسے ہو؟'' بوتل منہ کے اوپر رکھ کے اس نے اونچائی سے منہ میں پانی گرایا۔ سعد سامنے پڑے صوفوں میں سے ایک پر لمبا دراز ہوچکا تھا۔

''تمہارے سامنے ہوں......تم سناؤ......ہاں میں دیکھ رہا ہوں، خاصے کھلے، کھلے لگ رہے ہو؟'' سعد نے عام لہجے میں کہتے ہوئے آخری بات پر بھویں سکیڑیں۔

ہونٹ معنی خیز انداز میں گھمائے، پانی منہ میں بھر کر، گال غبارے کی طرح پھلائے منظر حسین کو اس کے انداز پر اچھو لگا...... پانی کی بوچھاڑ سی منہ سے نکلی...... اور وہ ہنسی روکنے کی کوشش میں منہ پر ہاتھ رکھے بری طرح کھانسنے لگا......اسے اس طرح کھانستا دیکھ کر سعد نے بھی دانت نکال لیے۔

''توبہ سعدی......'' وہ کھانسا ''تم بھی ہر بات...... الٹے انداز میں لینا......خدا معاف کرے اور بچائے تمہاری اس زنانی عادت سے......'' ہنستے، ہنستے وہ گلا صاف کرنے کے دوران بہ مشکل بول پایا......سعد کا منہ بن گیا۔

''اس میں الٹا تو کچھ نہیں......تم نہ بتاؤ اور بات ہے......ویسے بھی ایسی باتوں میں راز برتنا بھلا لگنے لگتا ہے پھر وہ چاہے میرے جیسے دوست سے ہی کیوں نہ ہو...... مجھے بھی کہتے ہیں شاید...... [illegible] پھر میں دنیا جہاں کا دکھی لڑکا لگنے لگا......'' کپڑوں سے پانی جھاڑتے منظر کو اس کی شکل دیکھ کر قہقہہ لگانے کا جی چاہا۔

''دیکھو بہت ہوگیا...... میں مانتا ہوں تم جو کر

ہو...... مگر میرا مزید ہنسنے کا کوئی موڈ نہیں...... چلو فوراً شرافت سے سنجیدہ ہو جاؤ۔‘‘

’’کیا......؟ یو مین...... یو مین...... میں شرافت حسین سے سنجیدہ بانو ہو جاؤں......؟ کیسے۔‘‘ سعد بچ مچ ہکا بکا ہوتے ہوئے حیرت کی زیادتی سے چلّایا۔ اسٹول سے کھڑے ہو کر منظر حسین نے حلق پھاڑ کر قہقہہ لگاتے ہوئے پانی کی بوتل پوری قوت سے اس کی سمت پھینکی تھی...... سعد نے خوشی، خوشی داد سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے وصول کی۔

’’بدتمیز باز آ جاؤ...... مجھے جاب سے دیر ہو رہی ہے، پہلے ہی لیٹ ہو چکا ہوں...... اماں جان نے تمہارے لیے سوئیٹر کے ساتھ کچھ بھیجا ہے، دیکھ لینا۔‘‘ اس نے بال سیٹ کرتے ہوئے سرسری اطلاع دی...... سعد حسب توقع بے حد خوش ہوا۔

’’اوہ یار...... اچھا اب کیسی تھیں وہ؟‘‘

’’بالکل اچھی...... تمہیں بہت دعائیں دے رہی تھیں......‘‘ اس نے کچھ شرارت سے ہونٹ کا کونا دبایا۔

’’کیوں......؟‘‘ سعد نے یونہی پوچھ لیا۔

’’اس لیے کہ تم ان کے بیٹے کے لیے بھی ان کی بہو کے فرائض انجام دیتے رہتے ہو......‘‘

’’کیا مطلب......؟‘‘ وہ بری طرح چونکا۔

’’یہی مطلب کہ میں نے انہیں بتایا...... تمہارے ساتھ فلیٹ شیئر کرتے ہوئے مجھے بہت سہولتیں میسر ہیں جیسا کہ تم کھانا بہت اچھا بنا لیتے ہو، مجھے تھکا دیکھ کر کسی نہ کسی بہانے سے کافی بنا کر لے آتے ہو، تھکن کی زیادتی سے میرا موڈ آف دیکھ کر خوب ہنسا، ہنسا کر رُلا ڈالتے ہو، کبھی میری شرٹ بھی پریس کر دیتے ہو، مجھ سے نوٹس بھی شیئر کرتے ہو...... آئے روز مجھے شہر کی نئی، نئی جگہوں کے بارے میں بتا کر گھما لانے کی فرمائش بھی کرتے ہو...... اور ہاں...... کتابوں کی الماری بھی تو سیٹ کرتے ہو اور......‘‘ دیوار پر لگے آئینے میں دیکھ کر بال بناتے منظر نے آئینے میں ہی اپنے پیچھے بیٹھے سعد کے عکس کو دیکھا۔ ہنسی بہ مشکل ضبط کی۔

’’اور...... اور پھر......؟‘‘ سعد نے جیسے ہونق بن کر پوچھا۔

’’نہیں بس یہی...... اور پھر وہ خوش ہو کر تمہیں دعائیں دیے گئیں......‘‘ وہ اب سعد کی طرف سے کیے جانے والے حملے سے بچاؤ کی تیاری کرنے لگا۔

’’کیا......؟ وہ بجائے تمہیں تمہاری کاہلی پر ڈانٹنے کے مجھے دعائیں دیے گئیں...... اور تمہاری ہمت کیسے ہوئی بات بڑھا چڑھا کر بتانے کی......‘‘ سعد حیرت کی انتہا پر پہنچ کر صوفے سے اچھلا...... اور اس کی سمت دیکھتے ہوئے خونخوار لہجے میں چیخا تھا...... اس سے قبل کہ وہ تیر کی طرح اُڑ کر منظر تک پہنچتا...... منظر نے ایک منہ چڑاتا قہقہہ اس کی سمت اچھالا...... اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆☆☆

یہ وہ وقت تھا جس سے اسے وحشت بھی ہوتی تھی...... اور کبھی یہی گھڑیاں اسے سہانی بھی بہت لگتی تھیں، کبھی ڈھیروں ہراس، گھبراہٹ، بے چینیاں بخشتیں...... کبھی طمانیت، سکون، طرب انگیزی اور فرحت بخش احساس عطا کرتیں...... بات کچھ عجیب تھی لیکن وہ خود اس سے زیادہ عجیب تھی۔

سُبک روی سے چلتی ہوائیں اتنی زور آور تھیں کہ ساگ کے پتے پورے کے پورے جھک کر زمین پر ماتھا ٹیک دیتے تھے، انہیں اپنی اس عاجزی سے خار تھی کہ وہ پل بھر میں مرجھائے، مرجھائے نیم جاں محسوس ہوتے...... یا اپنے وجود سے پیار کہ ٹوٹ جانے کے ڈر سے بار، بار جھک جاتے تھے، جنگلی ہوائیں مٹی کی باریک چادر کا سرا پکڑے دور، دور تک منظر دھندلا کر دیتی تھیں۔ سبزے کی رنگت پر دھول پوری شان سے جم کر بیٹھ جاتی۔

’’وہ پھر سے چلا گیا...... اتنی جلدی......؟ سبزے کے بیچوں بیچ سے پکار کر کہا گیا تھا، ہوائیں گواہ تھیں، زبان سے نکلا سوال وہ نہیں تھا جو دل میں تھا...... دل کے حرف زبان پر چڑھنے لگیں تو بڑی ہمت درکار ہوتی ہے انسان کو...... وہ ہمت نہ اس میں تھی نہ ساگ کے پودوں میں...... اسی کمزوری پر ساگ کے پتے مزید سکڑے اور اس کا دل بھی...... ساگ کی بھینی، بھینی خوشبو اطراف میں بکھری تھی۔

’’وہ آتا ہی جانے کے لیے ہے......‘‘ شبنم اس سے زیادہ ناخوش تھی...... یوں کہا جیسے تصور میں کسی سے خفگی کا اظہار کیا ہو...... مبینہ ارشاد رخ موڑ کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پُرسوچ نگاہیں سبزے پر جمی دھول کے گرد بھٹکتی رہیں۔

’’وہ ایسا ہی کرتا ہے ہمیشہ...... دو دن آ کر دو ماہ غائب...... وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟‘‘ سبزے کی دھول کو گھورتے، گھورتے وہ کسی اور سے زیادہ خود سے سوال کر رہی تھی۔ کالی آنکھوں میں جھنجلاہٹ کے آثار پھیلے...... اور اس نے جھک کر زور سے مونگرے توڑے...... یہ وقت آج پھر اسے وحشت میں مبتلا کرنے والا تھا۔

’’لیکن مجبوری ہے ناں اس کی...... میرا بھائی یونہی تو نہیں دور جا بیٹھا اپنوں سے...... خود بھی وہاں اکیلا رہتا ہے پھر ہماری دوری و پریشانی الگ...... کچھ پانے کے لیے کھونا بھی تو پڑتا ہے ناں......‘‘ شبنم، بھائی سے جتنی مرضی خفا ہوتی لیکن وہ ایک بہت اچھی بہن تھی اور اس کے نزدیک اچھی بہن وہی تھی جو بھائی کی طرف داری کرے...... مبینہ کو اس سے شکایت نہیں تھی، شکایت تو اس کے بھائی سے بھی نہیں رہی تھی۔

’’میں سب باتیں مانتی ہوں...... لیکن سب کے مابین ایک میں ہی کیوں نظر نہیں آتی اسے......؟‘‘ وہ سمٹ کر اپنی جگہ بیٹھ گئی مونگرے توڑتے ہوئے اسے کبھی تکلیف کا احساس نہیں ہوا تھا جتنا کہ اس وقت، انگلیاں سرخ سی پڑ رہی تھیں۔ اس نے نظریں اٹھا کر گھمائیں، مغربی سورج زردی پھیلاتا...... ٹاہلی کی شاخوں میں پھنسا تھا۔

’’تم سلیمانی ٹوپی نہیں پہنے رکھتی کہ کسی کو نظر نہیں آؤ...... بات یہ ہے کہ تم خود ہی سامنے نہیں آتیں...... اب اس میں بھی میرے بھائی کا قصور......؟‘‘ شبنم نے منہ پھلا کر کہا۔ وہ دوپٹے کی جھولی بنائے...... قطار میں لگے پودوں سے مونگ چن رہی تھی۔

’’میں سامنے نہ آؤں تو نظر آنا بند ہو جاؤں گی کیا؟ اس کے دل میں میرا خیال کیوں نہیں آتا...... شبو کیا میں اتنی بری ہوں؟‘‘ اس کی کالی آنکھوں میں شفاف تہ آ گئی۔ کالی آنکھوں نے چمک کھو دی۔

’’ارے کیسی باتیں کرتی ہو؟‘‘ شبنم بری طرح بے چین ہوئی۔ ’’اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم سامنے نہیں آتیں تو اسے یاد نہیں رہتیں؟‘‘

’’ہاں مجھے یہی لگتا ہے......‘‘ اس نے بنا چھپائے صاف لہجے میں کہہ دیا۔ وہ جیسے تھک چکی تھی...... اس کا اجنبی رویہ سہہ، سہہ کر۔

’’بالکل غلط لگتا ہے......‘‘ شبنم فی الفور بولی...... ’’تمہیں پتا ہے، وہ کتنا چاہتے ہیں تم کو...... بلکہ صرف تم کو...... پھر بھی ایسی باتیں کرتی ہو؟‘‘

’’بس شبی ہر دفعہ یہی کہہ کر مت بہلایا کرو مجھے...... میں بچی نہیں ہوں سب سمجھتی ہوں، وہ نہیں کرتے پیار مجھ سے اگر کرتے تھے تو اب نہیں کرتے...... ورنہ وہ ضرور میرا پوچھتے، ان کی نگاہیں میرے لیے بے قرار ہوتیں...... وہ مجھ سے بات کرتے۔‘‘ اس نے روہانسی ہو کر کہا تھا، کتنا کٹھن تھا ایسا سوچنا، ایسا بولنا، اس کی آنکھوں میں دھول سمائی اور آواز میں شوریدہ ہواؤں کا شور بپا ہوا...... شبنم چپ کی چپ رہ گئی تھی۔

’’افسوس ہے تم پر...... جانے کیوں سوچتی ہو ایسا...... میرا بھائی ایسا ہی ہے، وہ محبت کرنا جانتا ہے، نبھانا بھی جانتا ہے مگر اسے اظہار کا طریقہ نہیں آتا۔ وہ اس لیے تمہاری طرف نہیں بڑھتا کیونکہ اسے تمہاری اور اپنی بلکہ اپنے خاندان کی عزت عزیز ہے، وہ محتاط رہتا ہے، نہیں چاہتا کہ اس کی وجہ سے کسی پر بھی حرف آئے...... میں گواہ ہوں مانو...... میں نے اسے تنہائی

میں کھویا، کھویا دیکھا ہے...... خود سے باتیں کرتے دیکھا ہے، تمہیں چاہتے دیکھا ہے، میرا بھائی ایسا ہے جو گاؤں کی کسی لڑکی کو بھی آنکھ بھر کر نہیں دیکھتا...... اگر وہ تمہیں بھی نہیں دیکھتا تو اس لیے کہ وہ تب تم پر ساری چاہتیں لٹانا چاہتا ہے جب جائز طریقے سے اور سب کی رضا و خوشی سے تمہیں اپنا بنا لے...... اس کی سوچیں بہت پاکیزہ ہیں...... اس کی محبت بھی اتنی ہی پاکیزہ ہے...... اور ایسی محبتیں ٹوٹا نہیں کرتیں...... ایسے لوگ بدلا نہیں کرتے...... اس کے مقدر میں تم ہی ہو...... تقدیر نے تم دونوں کو ایک دوسرے کے لیے بنا کر بھیجا ہے۔ جب اس محبت کا نصیب ہی ملن ہے تو تم اتنی سی دشواری نہیں سہہ سکتیں......؟“

”ہاں...... میں کبھی، کبھی یونہی وہمی ہونے لگتی ہوں......“ اس نے جھینپ کر اعتراف کیا۔ اس نے محسوس کیا یہ وحشت بھرا وقت اسے طمانیت دان کرنے جا رہا ہے۔

”محبت وہمی کر دیتی ہے مگر تم بے یقین ہو جاتی ہو۔“ اس نے ماتھے پر بل ڈال کر مانو کو گھورا...... دونوں دھوپ کی مدھم پڑتی گلابیت کے ساتھ گھاس سے ہٹ کر واپسی کی راہ پر چلنے لگیں۔

”ہاں تو بے یقین بھی تمہارے بھائی جان ہی کرتے ہیں ناں......“ مانو نے چڑایا اسے۔ ”بڑا ستاتا ہے، اتنی بھی کیا بے رخی...... بندہ حال چال ہی پوچھ لیتا ہے......“

”کوئی بات نہیں فکر مت کرو...... ایک وقت میں تم بھی ستانے کے سارے بدلے لے لینا۔“ شبنم نے اس کے منہ بنانے پر شوخ موڈ میں آتے ہوئے اسے چھیڑا...... وہ اس شوخی پر کھلکھلاتی چلی گئی۔ گالوں پر سرخ رنگ جم گئے، شبنم جانتی تھی یہ اس کی سہیلی کی اصل [illegible] والی۔

[illegible] ہے اماں اس بار ذکر کر رہی تھیں [illegible] تمہارا [illegible] اس نے پاؤں زور سے [illegible] ہوئے دھول جھاڑ کر اطلاع دی۔ مبینہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

”کیسا ذکر......؟“ وہ ایک دم لمحے میں ساکت ہوئی۔

”یہی بھئی...... کہ وہ جلدی سے جو کرنا چاہتے ہیں کر لیں تاکہ پھر جس کام کے انتظار میں وہ رکی ہیں...... اپنا کام شروع کریں وہ......“

”کون سا کام......؟“ وہ چونکی...... شبنم کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

”ارے پاگل ان کا کام بھئی...... بہو لانے والا......“ شبنم کا کھنکتا لہجہ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب کر گیا، خوشگوار حیرت سے گنگ وہ اسے دیکھے گئی۔

”کک کیا...... کیا کہہ رہی ہو تم؟“ وہ بے یقین رہ گئی، درحقیقت وہ اس جملے کو بار، بار سننے کی خواہش رکھتی تھی۔ شبنم نے اس کی بے یقینی سے پورا، پورا لطف اٹھایا۔ کالی شفاف آنکھیں چمک سے بھرتی گئیں۔

”وہی جو تم سن رہی ہو...... تمہارا، میرا، ہمارے والدین کا خواب سچ ہونے والا ہے، بہت جلد یہاں مرچیاں، (سرخ و سبز چھوٹی لائٹس) جلا کریں گی...... شہنائیاں بجا کریں گی...... جگنو یہاں رقص کریں گے...... تتلیاں اِدھر کا نظارہ کرنے آیا کریں گی...... آسمانی پریاں تمہیں جھولیاں بھر کر دعائیں دیں گی...... اور رات کی رانی تم دونوں کی محبت کو ہمیشہ سلامت رکھنے کی چاہ کرے گی...... ایک تم ایک بھائی...... کتنے پیارے لگو گے تم دونوں...... میں تصور کرنے سے ڈرتی ہوں کہ کہیں نظر نہ لگا دوں...... اوہ میرے اللہ......!“ شبنم ان کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

وہ جیسے آنے والے وقت کا سوچ کر چٹخارے لے رہی تھی۔ اور کھوئی ہوئی مانو...... اس کے خطوط نہیں مبہوت تھی۔ وہ کسی اور ہی لفظوں کے حصار میں تھی۔

”ایک تم ایک بھائی......“ وہ کسی اور [illegible] میں بھٹکنے لگی۔

”کیا ہوا...... اپنی شادی دیکھنے لگیں کیا؟“ شبنم نے اسے چونکاتے ہوئے قہقہہ لگایا، مانو شرمائے ہوئے اسے تیکھی نظروں سے گھورنے لگی۔

”سنو شبی...... انہوں نے صرف بہو کا ذکر کیا ناں؟“

”ہاں تو......؟“ وہ اس کی سنجیدگی کو کوئی نام دینے سے قاصر رہی۔

”تو شادی کا ذکر تو ہر ماں اپنے بیٹے سے کرتی ہے؟“

”بالکل کرتی ہے......“ شبنم نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔

”تو اس میں کون سی بڑی بات ہے مطلب انہوں نے میرا نام واضح تو نہیں لیا ہوگا ناں؟“

”ہاں، وہ......“ شبنم بنا سوچے بولتی فوراً ٹھٹکی...... مانو کے لہجے میں بھری مایوسی وہ یک لخت سمجھ پائی تھی۔ اسے سنجیدہ دیکھ کر وہ سٹپٹائی۔ ”ہاں مطلب نام نہیں لیا مگر سارا گاؤں جانتا ہے کہ تم دونوں کی نسبت بچپن سے ٹھہری ہے، ہاں باقاعدہ کبھی بات نہیں ہوئی مگر دونوں گھروں کی محبت، تعلق، رضامندی کا منہ بولتا ثبوت ہے...... ویسے بھی اس پوری بستی میں اپنی مبینہ ارشاد جیسی کوئی نہیں...... نہ اپنے بھائی کے جوڑ کی کوئی...... ایسے میں میرا نہیں خیال کہ واضح نام لے کر بات کرنا ضروری ہے۔“

مانو کا ہاتھ دباتے ہوئے اس نے بھرپور تسلی دی تھی...... اس کے بھائی سے محبت کے بعد وہ بہت چھوٹے دل کی ہو گئی تھی اور لمحہ بہ لمحہ اس کے ساتھ شبنم اسے کبھی کمزور نہیں پڑنے دیتی تھی۔

☆☆☆

سورج آنکھیں بند کرنے کے مراحل میں داخل ہو رہا تھا لیکن اجالے ختم ہونے میں کافی وقت تھا۔ دھوپ کو تپش کھوئے تو عرصہ ہو چلا تھا یہاں گھروں کی بہ نسبت درختوں کی تعداد لاتعداد تھی...... ایسے میں اس وادی کے کھلے آسمان تلے، اس ٹھنڈے میٹھے موسم میں بھی ہوائیں سرد ہو جایا کرتی تھیں۔

”میں سوچ رہی ہوں، تم ایک کام کیوں نہیں کرتیں......“ وہ دونوں چلتی ہوئی گھر کے قریب آئیں تو شبی ایک دم دبے، دبے جوش سے اس کے آگے آ گئی۔

”کیسا کام......؟“ اس نے ایک نگاہ گھر کی پچھلی دیوار سے سوکھے اپلے اتارتی اماں پر ڈال کر دریافت کیا۔ اپلے تھاپنا اور اتارنا اس کا کام تھا، اسے گھر آنے میں دیر ہوئی تھی...... تبھی اماں اس کا کام کر رہی تھی۔

”تم بھائی کو خط لکھ لو......“ وہ چمکتی آنکھوں سے بولی۔ مانو اس کی بات پر یوں اچھلی جیسے سامنے شبنم نہیں، اژدھا آ ٹھہرا ہو......

”دماغ ٹھیک ہے تمہارا......“ تیز چلتی سانسوں کے ساتھ وہ بدقت آواز مدھم رکھ پائی۔

”میں خط لکھوں تمہارے بھائی کو...... کیا سوچے گا وہ؟ ناراض ہوا پھر...... ایسی فضول باتیں اپنے پاس ہی رکھا کرو......“ انتہائی خفگی سے کہہ کر اس نے شبنم کو جھاڑا...... اس شبنم کو جس کا سارا جوش اس کا ردِعمل دیکھ کر جھاگ کے مانند بیٹھ گیا تھا۔

”رہو پھر تم بھی انہی فضول سوچوں میں اٹکی...... وہ کیوں ناراض ہوگا...... الٹا وہ تمہارے دلی جذبات سے آگاہی حاصل کرے گا...... ہو سکتا ہے وہ تمہاری محبت دیکھ کر خوش ہو جائے، ورنہ وہ یہ ہی نہ سوچتا رہے کہ تم اس میں دلچسپی نہیں لیتیں...... اور اس میں کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے، دیکھنا وہ ضرور تمہیں واپس خط لکھے گا...... لیکن نہیں، میں تو ہوں ہی فضول اور بے تکا بولنے والی...... آئندہ مجھے کچھ مت کہنا۔“ شبنم نے بنا آواز نیچی رکھنے کی زحمت کیے، اسے بے طرح سنائی اور لاتعلق سا انداز اپنائے وہاں سے جانے لگی۔ اماں اپلے بوری میں سمیٹ رہی تھی۔

”شبی سنو ناں...... میری مجبوری بھی تو سمجھو......؟“ ملتجی لہجے میں اسے روک کر وہ انگلیاں چٹخاتی شش و پنج کا شکار نظر آنے لگی۔ چہرے پر بیچارگی تھی۔ آنکھوں میں درخواست......

”تمہاری مجبوری کا بعد میں سوچتے ہیں...... پہلے وہ کرو جو کہہ رہی ہوں، تمام شکوک دور ہو جانے ہیں...... فی الحال چلتی ہوں۔ اماں سبزی کا انتظار

کررہی ہوں گی اور ابا جائے گا...... تم سوچ کر
دیکھنا......؟'' تھوڑی نرمی سے کہہ کر وہ چلی گئی اور مانو سر اٹھائے اس گھر کو دیکھنے لگی...... جس کی دیواروں سے اوپر جامن کا سبز تناور درخت تفاخر سے گردن تانے شاخیں پھیلائے شان سے سر اٹھائے کھڑا تھا۔
وہ درخت بڑا خوش نصیب تھا......اس کی خوش نصیبی کی وجہ کوئی مبینہ ارشاد سے پوچھتا۔
''محبت ایسا روپ بھی رکھتی ہے کہ جس میں محبّ کا تا حال پیاسا ہی رہنا پڑے...... پانی ملے بھی تو بجائے خشکی کے خاتمے کے آگ مزید بھڑک اٹھے، جلانے کے لیے، پیاسے کو پیاس سے ہی مار دینے کے لیے...... تمہیں بھی ایسی محبت ہوئی تھی مانو ارشاد......؟'' جامن کے درخت کی آخری چوٹیوں پر چند ثانیے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے وہ افسردگی سے مسکرائی۔ اماں اب اسی سمت آرہی تھی۔
''شبنم شاید کچھ غلط نہیں کہتی...... ہمت کرنے میں ایسا بھی کوئی حرج نہیں...... مانا وہ کچھ لاتعلق بنتا ہے مگر مجھ سے محبت بھی تو کرتا ہے۔'' اس نے کھڑے، کھڑے سوچا۔ اور زیر لب مسکراتی، سر جھٹک کر وہ اماں کے پیچھے اندر داخل ہوگئی۔

☆☆☆

اس کے چھوٹے سے اسٹوڈیو کا دروازہ کلک کی آواز سے کھولنے پر ڈاکٹر رابیل اسی کی سمت بڑھتی دکھائی دیں۔ اُن کے قدموں سے پیدا ہوتی چاپ خاموشی کی ساعتوں پر نہایت گراں گزری...... اتنی کہ وہ پل بھر میں دم توڑ گئی۔ بھاپ اڑاتی کافی کے دو مگ ہاتھوں میں تھامے وہ لاریب کے پاس آئیں تو وہ ہلکا سا چونکی۔ ایک طویل سانس اندر کھینچتے ہوئے وہ...... بے اختیار پیچھے ہوئی تھی۔ پتھر کے مجسمے میں زندگی کے آثار دوڑنے لگے...... رات کوئی ایسی بھی آگے نہیں بڑھی تھی مگر تاریکی سے یہی گمان گزرتا تھا۔ سامنے وہ آدھی، ادھوری تصویر والا لڑکا مدھم روشنی میں جیسے مسکرا رہا تھا۔
مما اس پر نگاہ ڈال کر حسبِ عادت پُرسکون ہی رہیں...... یہ بھی معمول تھا۔
''تم نے آج ڈنر نہیں کیا...... خیریت......؟'' ان کی شخصیت کی طرح ان کے لہجے میں بھی ٹھہراؤ تھا...... وہ کچھ دیر قبل اسپتال سے لوٹی تھیں...... اور غالباً ملازمہ سے باخبر ہو کر آئی تھیں۔ کافی پکڑتے ہوئے وہ اٹھی اور چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتی کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ کھڑکی کھولتے ہوئے اس نے سیاہی کو اندر آنے دیا۔ ٹھنڈی ہوا کی لہر اسے چھو کر استقبال کرتی واپس پلٹ گئی۔ مما اس سارے میں خاموش رہیں۔
''مما بھوک نہیں تھی......'' اس نے بچوں کے سے معصوم انداز میں جواب دیا۔ اور سیاہی میں آنکھیں کھولے جانے کیا کھوجنے لگی۔ روشنیوں میں ڈوبا ہوا شہر سیاہی کی چادر اوڑھے انتہائی خوب صورت دکھائی دیتا تھا۔ مما قدم، قدم اٹھاتیں کھڑکی کے پاس آئیں...... اور لاریب کا کھیل کھیلنے لگیں۔ اس انوکھے کھیل میں شریک ہوگئیں، اس لیے کہ کبھی وہ بھی لاریب تھیں۔
''چندا کی بھوک کیوں اُڑ گئی ہے......'' مما نے اسے بچوں کے سے انداز میں ہی پچکارا...... وہ اسی انداز کی عادی تھی۔ چندا سیاہی کی چادر پر جڑے نگینے گن رہی تھی۔
''اس کیوں کی کوئی وجہ نہیں ہے مما...... شام میں شاید اسنیکس لے لیے تھے......'' وہ ہنوز چندا بنی رہی وہ نہ بن سکی جو در اصل تھی...... یہ کٹھن تھا، وہ دل نہیں کھول سکی...... رات کی فضا میں خوشگواریت تھی۔ مدھم، مدھم سی ٹھنڈی خوشبو لاریب کے اندر اتر کر جلتے دل پر بیٹھنے لگی۔ ٹھنڈی خوشبو جلی...... دل میں ٹھنڈک اتار کر اپنا وجود کھو گئی...... ان کی پشت پر تصویر والا لڑکا اب بھی مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نہیں تھیں...... مگر کون کہتا تھا کہ وہ مکمل نہیں۔
''میرا تم سے کیا رشتہ ہے؟'' ڈاکٹر رابیل نے اسے دیکھے بھی استفہامیہ دیکھا۔ وہ کافی سے اٹھتی بھاپ کو انگلیوں سے چھو رہی تھیں۔ نمی پھیلنے لگی۔

''میرے سبھی رشتے آپ سے ہیں مما...... میرا عشق ہیں آپ......'' اس کے لہجے میں اول روز والی روانی اتری، وہ کپ کو تھامے ہوئی تھی۔ تپش پھیلنے لگی...... کپ سے ہاتھ تک، ہاتھ سے دل تک۔
''تم پریشان لگتی ہو......'' دوستانہ سوال ادا ہوا۔
''میں اپنی کیفیت سمجھنے سے خود قاصر ہوں۔''
اس نے دوست کو جواب سے نواز دیا۔ وہ دوست جو ''عشق'' تھی۔ اور ایک عشق وہ بھی تھی...... دوست کے ہاتھوں کی بنی کافی...... جو قطرہ، قطرہ ٹھنڈی ہو کر اپنی لذت کھونے جا رہی تھی۔
''اتنی الجھن تمہیں تب بھی نہیں تھی جب تم یہ چہرہ بار، بار پینٹ کرنے کی جدوجہد کرتی تھیں۔'' اس کا دل سکڑ کر پھیلا...... وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ لاریب ماں کی محبت جان گئی۔
''تب وہ میرے دماغ پر سوار ہوتا تھا...... حواسوں پر نہیں......'' اس نے پلکیں جھکالیں...... نظریں چرالیں، وہ حواسوں پر حاوی تھا۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔
''لاریب۔'' مما نے یوں پکارا کہ وہ بے اختیار ٹھٹھر گئی۔ باہر کی سرد لہر تاریکی کے ساتھ مل کر اندر لپکی اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اتر گئی۔ وہ اپنے راز نہیں چھپا سکتی...... وہ جان گئی یا مما کو یہ کمال حاصل تھا۔ وہ بھید پا گئیں۔
''ملی ہو اس سے......؟'' مما نے تصویر کی سمت اشارہ نہیں کیا...... یوں لگا جیسے وہ اس کا دل فلم کی طرح دیکھ رہی تھیں۔ کتاب کے مانند پڑھ رہی تھیں۔ دونوں ہاتھوں سے کپ تھامے لاریب نے بازو کھڑکی میں رکھ دیے۔ تپش سے اس کا چہرہ ریت اڑانے لگا۔ کمرے میں تاریکی اپنی جگہ بنائی رہی۔
''وہ ملا ہے...... میں ایسا نہیں چاہتی۔'' لاریب نے مما کی نفی کرنی چاہی...... لہجہ نقاہت زدہ تھا۔ کپ سے بھاپ اُڑ گئی۔ کافی سانسیں نہیں لے رہی تھی...... مگر اس میں زندگی باقی تھی۔ اس کے مومی ہاتھ نم ہوگئے۔
''ہاں تم نہیں چاہتیں، میں جانتی ہوں......'' انہوں نے اسے معتبر کردیا......'' میں اس بات کی وضاحت مانگتی ہوں تم سے......'' لاریب کے ہاتھوں میں کپ لرزا۔
''میں خود کو اس دنیا میں نہیں پاتی...... کیسا حسین مذاق ہے یہ۔'' وہ چاہ کر بھی ''بھیانک'' لفظ استعمال نہیں کر پائی۔ لبوں کے راستے تک ہی نہ لاسکی بس......
''تم پسند کرتی ہو اسے......اس سارے میں مین پوائنٹ یہی ہے اور مجھے اپنی بیٹی کے نقطۂ نظر پر بھی شک نہیں رہا...... تم ذہین کے ساتھ ایک نہایت سمجھدار لڑکی ہو۔'' انہوں نے نرم، میٹھی مسکان کے ساتھ اسے حوصلہ نہیں دیا...... حقیقت سے آگاہ کیا، سمجھدار لڑکی کی سنہری آنکھیں نمکین پانیوں میں کھونے لگیں۔
''میں یقین کرنے سے ڈرتی ہوں...... سمجھدار لوگوں کو ڈرنا چاہیے۔''
''یہ بے یقینی کس لیے ہے؟'' انہوں نے سابقہ انداز اپنائے رکھا...... چند ثانیے وہاں سکوت چھایا۔
پھر لاریب نے نمی زدہ پلکیں اٹھائیں اور مما کو دیکھا۔ جواب کی منتظر، ڈاکٹر رابیل نے اس کی نظروں کا مفہوم جانا...... تو ایک لخت چہرے کی رنگت بدل گئی۔
''لاریب......؟'' ان کے لبوں کی جنبش سرگوشی میں بدلی...... اور سرگوشی، سرسراہٹ میں...... وہ سناٹے میں رہ گئی تھیں۔
''اس وجہ سے......؟'' وہ شاکڈ تھیں۔
''یہ وجہ کافی نہیں......'' اس کی پھنسی ہوئی آواز نکلی۔ گلے میں نمکین پھندا تھا...... دکھ کو راستہ نہ ملتا تو ممکن ہے اس کی شریانیں پھٹ جائیں۔ آنسو پلکوں کی باڑ سے سر پٹخ، پٹخ کر دل میں برف بن جائیں۔ اسے پروا نہیں تھی...... رونا اسے ناپسند تھا۔ وہ ڈاکٹر رابیل کی بیٹی تھی۔ ایک بہت بہادر لڑکی...... ہر حرکت خاموشی کی قید میں چلی گئی۔ فضاؤں میں ٹھنڈ منجمد ہوئی۔
''لاریب...... تم ہماری غلطی کی سزا خود کو

دوگی؟'' وہ حیرت زدہ تھیں۔ بلکہ صدمے سے چور...... یہ تھی ان کی سمجھدار بیٹی؟

''مما، غلطی؟ محبت غلطی کب سے ہوگئی۔ اگر ہو گئی...... تو آپ مجھے یہ غلطی کیوں کرنے دینا چاہتی ہیں؟'' اس کی آواز بھرا گئی مگر وہ روئے گی نہیں...... یہ تو بس...! مما نے بے لگام آنسو بے دردی سے نوچ لیے۔

''غلطی محبت نہیں، غلط وہ فیصلے ہوتے ہیں جو انسان کرتا ہے، مجھے اپنی محبت پر کوئی پچھتاوا نہیں ہے لاریب...... پچھتاتے کمزور لوگ ہیں! اپنی سچی محبت کو غلطی جان کر اس لازوال جذبے کی توہین کرتے ہیں...... تمہاری ماں ہرگز کمزور نہیں، تمہارا باپ بھی بے حس نہیں تھا بس قسمت میں ہمارا سفر یہیں تک لکھا تھا...... تمہارے باپ نے میرا ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ جانا تھا اور مجھے وہیں رک کر ایک ادھ کھلا پھول توڑ لینا تھا...... میں نے وہ پھول توڑا نہیں بلکہ اسی راہ پر رہ کر اس کی حفاظت کرنے لگی، اس کی آبیاری مجھے بے حد عزیز ہونے لگی...... مجھے اس پھول سے محبت ہوگئی...... یہاں تک اس پھول نے بڑی خوش نما شکل لے کر مجھ تک اپنی خوشبو پہنچانی شروع کر دی۔ اس کی مسحور کرتی مہک میری سانسوں میں برسوں کے لیے جم گئی۔ اور جانتی ہو اس پھول نے ایک وقت پر آ کر مجھ سے اپنی پہچان مانگی...... تب وہ پھول ''لاریب'' بن گیا...... اور اس پھول کی سائبان ''مما'' کے درجے پر فائز ہوئی۔ جب تم نے پہلی بار اپنی توتلی زبان سے مجھے ٹوٹا پھوٹا ''ما...... ما......'' کہا۔ اس دن میں سکتے میں آگئی۔ وہ احساس، لاریب وہ احساس، تم نہیں سمجھ پاؤ گی۔ کھڑکی سے سنہری روشنی میرے دل کو منور کرتی تھی اور میں نہ ہنس سکتی تھی نہ رو سکتی تھی...... بس میں نے خود کو زمین پر گرتے پایا...... شاید میں سجدے میں گئی تھی۔ تمہارے باپ کی محبت کے بعد مجھے تمہاری محبت نے بہادر بنایا۔ اتنا بہادر کہ ڈاکٹر رابیل اپنی بیٹی کے ساتھ ایک بہت پُروقار اور سر اٹھا کر زندگی گزار رہی ہے...... یہ تمہارے باپ کو ٹوٹ کر چاہنے کا صلہ دیا ہے مجھے اللہ نے...... تم میری محبت کا تحفہ ہو لاریب...... کیا تم غلطی ہو سکتی ہو؟''

وہ حیرت سے اپنی عظیم ماں کو دیکھ رہی تھی۔ جو محبت میں زخم کھا کر بھی صابر تھی...... جو سارا قصور صرف قسمت کو دیتی تھی۔ لاریب دھیرے، دھیرے سوکھے پتے جیسی ہوتی گئی۔ وہ طوفان کی زد میں ہوگی۔

''مجھے فخر ہے اپنی ماں پر...... میری ماں ایک عظیم خاتون ہیں۔'' وہ سرخی پھیلی آنکھوں سے انہیں دیکھے گئی۔ وہ شکوہ نہیں کرتی تھیں...... شکر کرتی تھیں۔

''پھر تم ایک عظیم بیٹی نہیں بننا چاہتیں...! اپنی ماں کو نہیں بتاؤ گی؟'' وہ نرم ہو چکی تھیں اور نارمل بھی...... اور...... سنجیدگی ان کے حسن پر قابض ہونے لگی۔

''میں ٹھوکر نہیں کھانا چاہتی...... وہ صرف میرا تصور تھا...... مجھے بہت پسند تھا، بے حد پسند...... عشق کی حد تک...... میں آپ کے بعد ہر بات اس سے کرتی تھی، اور وہ آپ ہی کی طرح ہاتھ ٹھوڑی تلے رکھے، مسکراتا ہوا مجھے محویت سے سنتا تھا، اس کی آنکھوں میں چاہت کے سبھی رنگ مجھے بھلے لگتے تھے...... مگر صرف تصور...... میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ حقیقت بن کر میرے سامنے آئے...... میں اس سے محبت پر مجبور ہوں، میں اس کے لیے کوئی جذبہ نہیں رکھنا چاہتی، میں ٹھوکر نہیں کھانا چاہتی۔''

''اور اگر یہی محبت...... تمہیں دیمک کی طرح کھا گئی تو......؟'' مما کے وار پر وہ کچھ بول نہیں سکی...... لاجواب ہوگئی...... اس کی لرزش اب پوشیدہ نہ رہ سکی...... فضاؤں میں خنکی در آئی۔ تاریکی اس کے دل میں گھس کر کانٹے کی طرح چبھی تھی۔

''مجھے منظور ہوگا......'' اس نے بات سمیٹ دی۔ ''لیکن میں تمہیں بھیگا، بھیگا نہیں دیکھ سکتی...... اگر تمہیں وہ ملا ہے تمہاری رائے... جذبات، احساسات پھر بھی ویسے رہے ہیں تو یقیناً وہ بہت خاص ہے...... میری بیٹی جتنا خاص...... ہے ناں لاریب؟''

''مما محبت دماغ سے اندھا کر دیتی ہے...... وہ سامنے والے کی خامیاں چھپا دیتی ہے، میں اسی

اندھے پن سے ڈرتی ہوں۔''

''محبت سے خوف نہیں کھانا چاہیے چندا...... تمہیں شک ہے اس پر؟''

''مجھے شک نہیں ہے...... مگر یقین بھی نہیں ہے۔''

اس نے نروٹھے پن میں قطعیت سے کہا۔ مما بے اختیار زیرِلب مسکرائیں۔ تاریکی میں اضافہ ہونے لگا۔

''محبت ہو تو یقین اس سے پہلے دل میں گھر کر لیتا ہے، ورنہ محبت یقین کا ہاتھ تھامے ہی دل کی چوکھٹ عبور کرتی ہے...... محبت بِنا یقین کے ہو تو وہ محبت کوئلوں کے ڈھیر میں پڑے اس ہیرے کی سی ہو جاتی ہے جو رہتی تو ہیرا ہی ہے مگر نہ وہ کسی اور کو فائدہ پہنچا سکتی ہے، نہ ہی خود کو...... بے مقصد، بے معنی، بے بنیاد...... اس لیے اگر محبت ہو تو مان جاؤ...... کہ یقین دل میں کہیں نہ کہیں پہلے ہی آ چکا ہے۔'' ان کی بات کی سچائی پر لاریب سن ہوگئی۔ مما اب بھی چادر کی تہ میں جڑے نگینے دیکھ رہی تھیں...... لاریب نے محسوس کیا۔ تاریکی کی آڑ میں چھپی ہوائیں یقین کی خوشبو لیے اس پر لپک رہی ہیں...... لاریب کے لیے بہت ہوا، اس نے ایک جھٹکے سے کپ چھوڑا...... اور سرعت سے کمرے کی پوری بتیاں جلا دیں۔ پل بھر سے قبل پورا اسٹوڈیو روشنی میں نہا گیا...... اس کے بھیگے چہرے سے روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔ ایک آنکھیں تھیں جو سرخی نہیں چھوڑتی تھیں۔ کپ کھڑکی سے گرتا ہوا نیچے گیا اور ہلکا سا چھناکا ہوا...... کانچ اپنی پہچان بھی کھو گئی۔ مما کو زیادہ افسوس نہیں ہوا...... وہ چیزیں ٹوٹنے کے لیے ہی لاتی تھیں...... وہ انسانوں کے دل توڑنے سے ڈرتی تھیں۔

''وہ کتنی بار ملا ہے تم سے......؟'' انہوں نے دوستانہ سوال کیا، تاریکی چھٹی تو اب تیز روشنی لاریب کی آنکھوں میں گھس کر خارش کرنے لگی۔

''چند بار......''

''کیا بہت اچھا ہے؟'' انہوں نے یونہی بے تکا سوال کر دیا...... لاریب اس بہت اچھے کو دیکھنے لگی۔

''میں نے وعدہ کیا تھا خود سے کہ اپنی بیٹی کو ہر مشکل سے نکالوں گی، ہر پریشانی کا حل نکالوں گی اور میں اپنی خواہش سے بھی دست بردار نہیں ہوں گی کہ تمہارے لیے جیون ساتھی میں نے لے کر آنا ہے...... تم ملوانا اس سے...... تمام مرد ایک جیسے نہیں ہوتے، تم نے وہ سنا ہے آدمی، آدمی انتر، کوئی ہیرا کوئی کنکر......'' اس نے سن رکھا تھا، وہ جانتی بھی تھی۔ مانتی بھی تھی پر......

''آپ کی بیٹی کو کنکر اور ہیرے کی پرکھ نہیں مما......''

''لیکن میری بیٹی کو اس کی ضرورت نہیں...... ہیرا خود اس کو ڈھونڈتا ہوا آئے گا۔'' وہ پُریقین تھیں۔ لاریب پھیکا سا ہنسی...... مائیں کتنی خوش فہم ہوتی ہیں، اس نے دیکھا۔ تصویر میں کوئی ہیرے کے مانند چمک رہا ہے۔

رات چڑھنے پر کہیں دھیرے سے آنکھیں موندے ہوائیں، آہستگی سے اٹھ کر فضاؤں کی سیر کو نکل پڑتی تھیں۔ جہاں دنیا سوتی...... وہاں یہ کھڑکیوں پر دستک دیتی ہوائیں اڑ کر کہیں اور جا پہنچتیں...... درختوں کے انگ میں آرام کرتے پرندے کبھی ہڑبڑا کر خود پر پڑتے پتے دیکھتے...... تو ہوا کو ناگواری کی نظر سے مارتے تھے۔ یہی ہوا جو گرمیوں کو بڑی نزاکت اوڑھ لیتی تھی۔ اور نخرے کے انداز کی حد تو ختم ہی خود پر کر دیتی تھی۔ گھر کے لان میں لگے بنفشی پھول اس بات پر مسلسل سر ہلا رہے تھے۔

چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت اس کا ہلکی بھوک کے باوجود کھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اسے نماز پڑھنی تھی...... اسی ارادے سے وہ باہر کی سمت جا رہی تھی جب مما کی ٹھنڈے انداز میں کہی بات نے عقب سے اس کی سماعتوں تک پیچھا کیا...... پھر یہی بات بازگشت بن گئی۔

''لاریب...... اپنے دل کے جذبے صرف بزدل لوگ چھپایا کرتے ہیں...... یاد رکھو...... محبت بزدل لوگوں کا کام نہیں......''

☆☆☆

سمندری پانی سا نیلگوں آسمان دور دور تک بکھرا ہوا تھا۔ چار سو پھیلی گہری خاموشی اور ساکت فضائیں خدا کی طرف بلاتی تھیں...... سنہری روشنی سے دل خدا کی محبت و سکون سے بھرتا جاتا تھا...... سڑک پر ٹریفک

نام کو بھی نہیں تھی...... دور تک سیاہ ناگن کے جیسی سڑک سکون کی سانس لے رہی تھی۔ سڑک کے پار کھڑی مسجد سفید نور میں نہائی تھی، وہ پوری رات و دن کے وقت میں صرف اس وقت بے حد سکون، طمانیت اور سرشاری محسوس کرتا تھا۔

یوں تو اللہ ہر وقت ساتھ اور قریب ہوتا ہے...... بلکہ بے حد قریب...... مگر اسے خاص طور پر اس سمے یوں لگتا جیسے وہ اللہ کے بہت قریب ہو...... اس لمحے کا سحر وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اور اسی لمحے کا سحر، اس وقت کا سرور وہ کبھی مس نہیں کرتا تھا۔

بہت سے لوگ ابھی نیند میں تھے...... آسمان کی خاموشی، پرندوں کے سوئے ہونے کی خبر دیتی تھی۔ ایسے میں ہلکی، ہلکی ہوا کی سرسراہٹ سکوت کی قید سے رہائی پاتی، اسے بھلی لگ رہی تھی۔ آدھے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے، وہ دھیمی چال سے سڑک پار کرنے لگا۔ سعد اس سے قبل نماز ادا کر چکا تھا۔ اس نے آسمان کو نگاہ بھر کر دیکھا...... اسے بے اختیار اپنا گاؤں یاد آ گیا...... اس وقت یقیناً ندی کنارے مسجد میں سے مولوی صاحب کی آواز پوری بستی میں گونج رہی ہوگی۔

اٹھی وے بے نمازی بندہ...... !رب کو ہن مناتے سئی
کون آکی رب نئیں مل دا؟ مسجد دے وچ آتے سئی

(اٹھو اے بے نمازی بندہ...... رب کو اب منا تو سہی، کون کہتا ہے رب نہیں ملتا؟ مسجد میں اب آ تو سہی) سوچتے ہوئے اس نے زیر لب دُہرایا...... اور بہت محبت سے مسکرا دیا۔ چاند آج آسمان پر میجک کرسٹل کی طرح چمک رہا تھا۔

گھر کا دروازہ پار کرتے ہوئے اس کی نظر کچن کی کھلی کھڑکی پر گئی۔ کھڑکی کے پاس سعد چائے بنا رہا تھا، یقیناً اس کے لیے بھی...... وہ اندر آ گیا۔

"کافی ٹائم لگاتے ہو...... کوئی اسپیشل دعا کرتے ہو کیا؟" سعد چائے لے کر آیا تھا۔

"نہیں، سڑک پر چہل قدمی کرتا ہوں......" منظر نے سعد کی چھیڑ کا جواب چھیڑ سے دیا۔ فلیٹ کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ سعد کو جانے روشنی سے کیسا جنون تھا بھلے وہ "بجلی بچاؤ، بجلی بچاؤ" بھی چلّائے۔ سعد "ہمارے انرجی سیور آف کرنے سے پاکستان کی بجلی پوری نہیں ہو جائے گی۔" اس سے بھی اونچا چلّاتا...... اسے یا تو تاریکی سے خوف آتا تھا...... اتنا بڑا ہوتے ہوئے بھی (ہی ہی) یا روشنی خوشی دیتی تھی۔ بات زیادہ الگ نہیں تھی۔

"ہاں تم چہل قدمی کر سکتے ہو...... دعاؤں کے لیے تمہاری اماں جان ہیں ناں......" سعد ہنسا۔ وہ تر و تازہ لگ رہا تھا۔

"بالکل...... سب کچھ انہی کی دعاؤں کی وجہ سے ہے۔" اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ سعد اس کی اپنی ماں سے محبت سے خوب واقف تھا۔

"ہاں، میں نے خط پڑھا تمہارا......" سعد نے چائے حلق سے اتاری۔

"وہ بہت فکر مند تھیں کہ تم پڑھائی کرتے ہوئے بھی کام کرتے ہو...... اور اتنا کام کہ انہیں بھی پیسے بھیج دیتے ہو۔" سعد محظوظ ہوا تو منظر نے مزے سے آنکھیں میچیں۔

"وہ ایسے ہی فکر مند ہوتی ہیں...... وہ بڑی بے صبری سے اس دن کے انتظار میں ہیں کہ جب میں ہمیشہ کے لیے گاؤں آ جاؤں۔"

"سچی بات ہے یار...... ماں کی محبت کا کوئی مول نہیں......" اس نے سر ہلایا۔ صبح طلوع ہوا چاہتی تھی...... فضاؤں میں نیلاہٹ کافی کم ہوئی تھی۔ اس وقت کی عمر تو یونہی نہایت کم ہوا کرتی ہے، چائے پیتے، پیتے اچانک اسے کچھ یاد آیا، اسے اپنے بھول جانے پر حیرت ہوئی۔ وہ اسے کیسے بھول سکتا تھا؟ ایک دم اضطرابی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ دو دن گاؤں سے رہ کر آیا تھا...... شاید اسی وجہ سے۔

اور شاید اسی وجہ سے چائے پیتے، پیتے وہ یہاں ہو کر بھی نہیں ہوا...... وہ تمام مناظر پوری جزئیات سمیت

اس کی آنکھوں میں ایک، ایک کر کے آ کر ٹھہرنے لگے، وہ لیسے عجیب دور سے گزر رہا تھا۔ ایسے کہ کئی بار تو وہ خود بھی الجھ جاتا...... اگر جو اماں جان کو معلوم ہو کہ لڑکیاں اسے کیسی نظروں سے گھورتی ہیں، بھاگنے لگتی ہیں اور پاس آ، آ کر کیسی جانچتی نظروں سے گھورتی ہیں تو...... اماں جان تو فوراً سے بیشتر رت ول (کچے گوشت) کا صدقہ نکالیں۔ اسے بے طرح ہنسی آئی۔

"اور وہ خبطی لڑکی......" اس دن یونی سے بھاگنے پر اس نے بری طرح چونکتے ہوئے سعد سے اسی وقت اپنا مکمل معائنہ کروایا تھا...... کیا وہ نہاتے وقت چہرے پر کوئی ایسی چیز لگا آیا ہے کہ جس سے وہ ڈراؤنا لگ رہا ہے؟ اچانک اس کے بال تو نہیں جھڑ گئے......؟ جھڑ بھی گئے تو خیر ہے، ایسی بڑی بات تو نہیں...... اوہ کیا کسی کے جادو سے سر پر سینگ نکل آئے؟ نہیں یار...... ایسا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا...... وہ سعد کے مسلسل ہنسنے پر ہونق بنا رہا تھا۔

اور جب...... اس نے تسلی کر لی وہ منظر حسین ہی ہے...... مکمل کا مکمل وہی منظر، تو اسے اس لڑکی سے ملنے میں دلچسپی ہوئی، کچھ دنوں بعد وہ یونی میں ملی...... مرجھائی ہوئی۔

"کیا اس کی وجہ سے؟" اس کے چہرے کی شرارت، سنجیدگی میں سمٹ گئی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" اس نے بہت نرمی سے پوچھا تھا، جواباً اس لڑکی نے اسے جیسی نظروں سے دیکھا۔ وہ کسی شکنجے میں جکڑ لیا گیا۔ وہ حیرت انگیز طور پر کچھ بول نہیں سکا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی۔ اس وہی لڑکی کی سنہری آنکھیں پڑھنے کی...... مگر اسے پڑھنا نہیں آتا تھا۔ وہ خالی پن لیے دیکھتا رہ گیا۔

اس کے بعد وہ تین، چار بار اس سے ٹکرایا۔ اس تصادم میں بڑا ہاتھ اسی کا ہی تھا، وہ جاننا چاہتا تھا، اس لڑکی کو...... اس کے احساسات کو...... اسے کبھی اس طرح لڑکیوں میں دلچسپی لیتے کبھی...... کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اسے ضرورت نہیں تھی...... اگر وہ لڑکی بہت حسین تھی موم سے بنی، اس کا حسن جو برف میں سویا لگتا تھا۔ اگر اس کے پیچھے جانے کی وجہ کسی نے یہ سمجھی تو غلط سمجھا...... وہ حسن پرست نہیں تھا۔ اسے خوب صورتی اس حد تک متاثر کبھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے پیچھے ایک وجہ تھی...... وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا اس وجہ سے؟ مگر وہ پوچھ نہیں پاتا تھا۔ اسے صبح کی سیر کا بہت پہلے بھی شوق ہوا کرتا تھا مگر اب نہیں...... اور وہ تین چار دن صرف اس سے ملنے باقاعدگی سے قریبی پارک جا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر خوش نہیں بھی ہوتی...... تو اب چڑتی بھی

شاعر اور سیاستدان

شاعر اور سیاستدان کے پاس ہر مسئلے کے ایک آدھ درجن حل ضرور ہوتے ہیں۔ ان میں ایک ٹھیک بھی ہوتا ہے مگر یہ نہیں پتا ہوتا کہ یہ کون سا والا ہے؟ شاعر اپنے لفظوں کا کھاتا ہے اور سیاستدان اپنے لفظ کھاتا ہے۔ ایک امریکی سیاستدان نے کہا تھا "شاعروں کو برین واش کی ضرورت ہے۔" جس پر ایک شاعر نے کہا "اور سیاستدانوں کو ماؤتھ واش کی۔"

ایک سابق صدر نے رائٹرز کانفرنس پر کہا کہ وزرا کو دوروں پر شاعروں کو ساتھ رکھنا چاہیے۔ ملکوں کے دوروں پر تو کسی نے رکھا نہیں شاید دل کے دوروں پر ساتھ رکھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے، وزرا نے کہا ہو کہ اگر ہم نے شاعروں کو ہی ساتھ رکھنا ہے تو پھر وزیر بننے کا فائدہ...... بہر حال امریکا کی طرح شاعروں کو کمپنیوں میں نہ سہی...... تھانوں میں ضرور رکھنا چاہیے۔ تھانے اکثر جرائم پیشہ افراد سے بھرے رہتے ہیں، جن کی صحبت میں رہ، رہ کر پولیس والے بھی خراب ہو رہے ہیں۔ وہاں شاعر ہوں جو نظمیں سنا، سنا کر محکمۂ پولیس کی کارکردگی بہتر بنائیں۔ شاعروں نے تھانے تو جانا ہی ہوتا ہے۔ اگر اس کی تنخواہ بھی ملنے لگے آخر تو کیا مضائقہ ہے؟

اقتباس: ڈاکٹر محمد یونس بٹ

مرسلہ: ماہ نور خان، بہارہ کہو

نہیں تھی۔ وہ بالکل نامحسوس انداز میں ایک دوسرے کی سمت بڑھ رہے تھے، رفتہ، رفتہ، دھیرے، دھیرے کچھوے کی سی رفتار سے۔

''کیا ہوا......؟'' سعد کے پکارنے پر وہ بری طرح چونکا...... سمجھ میں بالکل نہیں آیا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے...... فضا میں بکھرے نیلے رنگ اب مدھم سفیدی میں بدلے ہوئے تھے۔ ''کیا ہوا...... چائے کیوں چھوڑ دی...... بچے کو اماں جان کی یاد آ گئی کیا؟'' سعد شریر ہوا اور وہ ٹپٹایا تھا۔

''ہوں نہیں وہ...... اصل میں تم نے چائے اچھی نہیں بنائی......'' بے خیالی میں بات بناتے ہوئے غیرارادی طور پر اس کے منہ سے پھسل گیا۔ دانت نکالے سعد کا منہ بن گیا۔ مطلب تھا (آدھا کپ پی کر اچھی بری کا اب پتا چلا......؟ ایک بنا کے دو، اوپر سے نخرے......)

''اچھا سعد میں کچھ دیر کے لیے پارک جا رہا ہوں...... تم کو کہیں جانا ہو تو میرے لوٹنے تک کا انتظار کرنا......'' اس نے سعد کو دیکھے بنا کہا اور کپ ٹیبل پر دھر دیا، سعد کو مزید صدمہ لگا۔ (ناشتا اب اسی سے بنواؤں گا)

''کیوں، پارک کس لیے......؟'' سعد نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔ بے مروت منظر نے تو برے منہ سے بھی اسے ساتھ چلنے کا نہیں پوچھا۔

''کسی سے ملنے......'' سعد لاعلم تھا، منظر نے اٹھ کر پل بھر کے لیے سوچا پھر جواب دیا۔

''کس سے؟''

''لاریب سے......'' سعد نے ذہن پر زور دے کر نام دُہرایا پھر...... کیا روزانہ اس لیے؟ وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

مشرق کے افقی کناروں سے سرخی ابھر رہی تھی۔ گویا سورج کی آنکھیں کھلنے کا سندیسہ دے رہی تھیں۔ تا حدِ نگاہ پھیلی سبز گھاس پر پڑی شفاف اوس خود پر پڑتے پیروں کو پوری طرح بھگو دیتی۔ چھوٹے، چھوٹے پرندوں کی خوش نما آوازیں اس سے منظر میں رنگ بھر رہی تھیں... اور مصنوعی جھیل کے نیلے پانیوں کی سطح میں ابھی تک سکوت چھپا تھا...... نیلا پانی یوں ساکت تھا گویا زمین پر جم چکا ہو۔

اس خوب صورت پارک کی پتھریلی روش پر قدم قدم چلتے، وہ دونوں نفوس چپ کا قفل لبوں پر لگائے ہوئے تھے، ناہموار سانسوں کے ساتھ پانی کی بوتل سے گھونٹ، گھونٹ پیتی وہ مومی لڑکی سپاٹ تاثر لیے چل رہی تھی۔ آج وہ اجنبی نہیں تھی، چڑی بھی نہیں تھی، بس خاموش تھی...... اس کے برابر میں چلتا لڑکا، نظریں زمین پر جمائے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر برسوں کا اطمینان تھا، لب بنا کھلے، کھلے ہی لگ رہے تھے، وہ نہ بے تاثر تھا نہ خاموش...... وہ آج خوش تھا، یوں چلنا اچھا لگ رہا تھا، خاموشی بھلی تھی اور یہ منظر بہت پیارا تھا، چڑیاں ان کے آس پاس سے گزر رہی تھیں۔

''آج خاموش ہیں آپ؟'' ایک دم نظریں گھماتے ہوئے اس نے خاموشی کی وجہ جاننا چاہی، خوش وہ یوں بنا کچھ کہے چلنے پر بھی تھا...... مگر وہ اس خوشی کو بے معنی نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ لاریب کے چہرے پر پسینے کے قطرے، پگھلی موم کے جیسے لگ رہے تھے۔

''میں غالباً اکثر ہی خاموش ہوتی ہوں۔'' لاریب چڑی نہیں تھی مگر جواب ایسا ہی تھا۔ منظر نے بہ مشکل ہنسی ضبط کی، لاریب کو اندازہ ہو گیا۔

''آپ......'' اس نے گہری سانس لیتے ہوئے اس کی موجودگی کو قبول کیا۔ ہاتھ سے موم کے قطرے صاف کیے...... ''دو دن سے ٹھیک تھے؟'' غیر متوقع سوال پر منظر کو جھٹکا لگا۔

''آپ نے میری غیر موجودگی نوٹ کی......؟'' وہ خوشی سے زیادہ خوشگوار حیرت میں گھرا...... بشاشت سے پوچھنے پر لاریب نے جن نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ خائف ہو گیا۔

''آں وہ...... اصل میں، میں اپنے گھر گیا تھا۔'' آہنی گیٹ پار کرتے ہوئے اس نے جواب دیا۔ وہ ہلکا سا چونک گئی۔

''گھر......؟''

''جی اپنے گھر...... مطلب اپنے گاؤں، سندر نگر...... میں یہاں کرایے کے فلیٹ میں رہتا ہوں اپنے ایک دوست کے ساتھ......'' اس نے تفصیل سے آگاہ کیا...... لاریب کے ہونٹ ''اوہ'' والے انداز میں سکڑے...... وہ سڑک پر چل رہے تھے، وہ ''صرف'' لاریب کے ساتھ چل رہا تھا۔ منزل سے لاعلم...... بے خبر ہو کر...... لاریب نے اسے ٹوکا نہیں۔

''آپ یہاں کیوں آتے ہیں؟'' وہ جان کر بھی انجان بن گئی۔ اسے اتنا علم تھا وہ واک نہیں کرتا تھا۔ وہ صرف اس کے ساتھ چلنے کے لیے آتا ہے، لاریب کے لیے یہ وقت بہت کٹھن ہونے لگا تھا۔

''آپ سے ملنے......'' اس نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔ اس پر بے اختیاری طاری نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب سنجیدہ ہوا تھا۔

''کیوں......؟'' لاریب کا دل جیسے چلنا بند ہوا۔ وہ ایک قدم پیچھے ہوئی تھی۔

''وجہ جانئے...... آپ مجھے دیکھ کر گھبرا کیوں جاتی ہیں۔ میں کچھ لگتا ہوں آپ کا......؟'' اس نے شریر انداز میں نہایت معصوم بنتے ہوئے سوال کیا۔ لاریب کے دل میں ہلچل مچی تھی۔ اس نے ابھرتے سورج کے جیسی سرخی اپنی آنکھوں میں دیکھی۔ مما نے اس کے اندر سے اسے پکارا تھا۔

''لاریب...... اپنے دل کے جذبے صرف بزدل لوگ چھپایا کرتے ہیں۔ بزدل لوگ......؟ بزدل لوگ؟'' لاریب نے کوشش کر کے دیکھ لی پھر جانا...... وہ واقعی بزدل ہے، اس کے گھر کو جاتی سرمئی سڑک بالکل خاموش تھی...... یوں جیسے اس پر صبح کا اجالا طلوع نہ ہو رہی ہو، ارد گرد کھڑے درختوں کے گرتے زرد پتے ان کے پیروں میں آنے لگے۔ کچھ ثانیے بعد گلابی آگ جیسا سورج اونچائی کی طرف اٹھتا دکھائی دینے لگا۔

''آپ میرے گھر چل رہے ہیں؟'' اس کا سوال یکسر رد کرتے ہوئے لاریب نے دریافت کیا۔ وہ خوب صورت بنگلوں کے آگے سے ایک، ایک کر کے بڑھ رہے تھے۔ اس کی پھولی سانسیں، اب معمول پر تھیں...... دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش میں، وہ خود کو ناکام ہوتا دیکھتی رہ گئی۔

''آپ مجھے انوائٹ کر رہی ہیں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ پھر خود ہی لطف اندوز ہوا...... یہ لڑکی دلچسپ نہیں...... اپنی، اپنی سی بھی تھی۔

''جی......'' اس نے مدھم آواز میں اقرار کیا۔ اس سے اونچا لمبا، بلیو جینز اور سفید ٹی شرٹ میں ملبوس اس پُرکشش شخصیت کے مالک لڑکے کو اپنے برابر چلتے دیکھ کر وہ خود کو وہ خوش قسمت لڑکی سمجھ رہی تھی، جو کبھی سوچا کرتی تھی کہ کاش ایسا ہو...... اور جب ہو ہی گیا تو اس نے نظر بھر کر اپنے تصور کو دیکھا۔

وہ منظر تھا...... وہ ''حقیقی منظر......'' جس کو وہ چاہ کر اس کی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ پینٹ نہیں کر پائی تھی...... شاید کبھی کر بھی نہیں پاتی۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟'' گھر کے سامنے وہ رک گیا۔ گیٹ کھلا تھا، وہ جانتی تھی وہ کس جواب کا پوچھ رہا ہے، وہ اسی لیے تو اسے لائی تھی۔

''آپ کو سبھی جواب مل جائیں گے...... اندر آ جائیں......'' اس نے سنجیدگی سے کہا اور اندر بڑھ گئی...... منظر ایک پل کو جھجکا...... پھر اندر آ گیا۔

''مما آپ سے ملنا چاہتی تھیں۔'' منظر کے لیے یہ دوسرا جھٹکا تھا۔ وہ بے یقین ہوا...... حیرت سے اسے دیکھے گیا۔ یہ لڑکی پہیلی تھی، وہ حیرت کے جہاں میں آ گیا تھا۔

''آپ نے مما سے میرا ذکر کیا......؟'' وہ حیرت کے جہاں میں سفر کر چکا تو حیرت کا سرا پکڑ لیا...... وہ اس وقت کسی نا سمجھ آنے والی کیفیت کا شکار ہوا تھا۔

''جی......'' اس بار وہ مسکرائی تھی......شاید اس کے ہونق ہونے پر......اس ہونق لڑکے کے لیے حیرت کے جہاں میں بہار آگئی۔ وہ ہنسی کے رنگوں میں ڈوبا۔ اندر آتے ہوئے لاریب نے پانی کی بوتل ٹیبل پر رکھ دی......مما یہاں نہیں تھیں......وہ غالباً شاور لے رہی تھیں......لاریب اسے دیکھ کر سوچنے لگی۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ میں آپ کے گھر ڈسکس بھی ہوتا ہوں......ایسی کون سی خاص بات ہے؟ اور آپ کی مما......؟'' وہ ہنستا ہوا اس کا دل چرانے لگا۔ وہ پہلی بار بے تکلف ہو رہے تھے اور پہلی بار ہی منظر کو یہاں آنے کا مقصد جاننا ضروری لگنے لگا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے......'' وہ پھر مسکرائی۔ منظر نے بغور اس کی مسکراہٹ دیکھی۔ ہنسی اس کی معصومیت ظاہر کرتی تھی۔ ''آیئے......مما ابھی آجاتی ہیں، آپ کیا لیں گے؟'' وہ اسے بیٹھنے کا کہنا چاہتی تھی، پہلے پوچھنے لگی، کچن سے آتی آواز بوا کی موجودگی کا پتا دیتی تھی۔

''کچھ بھی نہیں بہت شکریہ......میں جلدی میں ہوں، میرا دوست انتظار کر رہا ہوگا۔'' سعد واقعی میسج پر اسے بہت تنگ کر رہا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے اسے فی الحال نظر انداز کیا بڑے ضبط سے......لاریب نے اسے منتظر پایا تو سر ہلا دیا۔

''آیئے......'' وہ اسے لیتے ہوئے اپنے اسٹوڈیو کی طرف جانے لگی۔ وہ ایک بار پھر گہری و جامد خاموشی کی زد میں آگئی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اگر ایسا بھی ہوا......ایسی بھی صورتِ حال ہوئی تو پھر......؟

مما نے اسے کہا تھا کہ وہ ڈاکٹر رابیل کی بیٹی ہے، اس نے سوچا وہ واقعی انہی کی بیٹی ہے، وہ محبت کرنا نہ چھوڑ پائیں......وہ محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

''آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے......''

''میری مما کی پسند ہے شاندار......'' اس نے نپا تلا جواب دیا۔ وہ اسٹوڈیو میں قدم رکھ چکی تھی۔ نہیں وہ اپنے دل پر قدم رکھ چکی تھی۔ پیچھے وہ تھا......''دل کا مکین......''

''لیکن میرا سوال وہیں کا وہیں ہے......'' منظر نے کہا اور......لاریب ایک دم اس کے سامنے چار قدم کے فاصلے پر تھی۔ بالکل سامنے......وہ ساکت ہوا۔ وہ لب کاٹتے ہوئے اسے نہیں دیکھ رہی تھی......اگر دیکھ بھی رہی تھی تو اس کی آنکھوں میں نہیں......اس کے چہرے پر کئی رنگ تھے، سنجیدگی جن کا لباس تھی۔ منظر حسین نے جان لیا......وہ اسے دیکھتے ہوئے یہیں کھڑے، کھڑے اپنی زندگی گزار سکتا ہے......وہ گزار سکتا تھا اور وہ گزار لے گا......سامنے کھڑی لڑکی کی پلکیں لرز رہی تھیں......وہ اپنا آپ کھو رہی تھی......وہ اپنا بھید دے رہی تھی......دھیرے، دھیرے اٹھتی نگاہیں، اس کے چہرے پر گئیں......سنہری کانچوں میں وہ نظر آنے لگا......سامنے کا منظر......منظر نے پہلی بار اس کی آنکھوں کا رنگ پایا......وہ اتنا سنہری تھا کہ سبز دکھتا تھا۔ وہ بے اختیار ہو کر اسے دیکھتا گیا۔ دنیا جہاں، گھر، سوالات، بولنا تک سب پس پشت چلا گیا......یوں لمحے بیتتے تھے، یوں بیتتے گئے۔

ایسے ہی لمحے لاریب دھیرے سے ہٹنے لگی۔ بالکل کچھوے سے بھی دھیمی رفتار سے......وہ اسے مبہوت چھوڑے اب سامنے سے ہٹ رہی تھی۔ اور یوں ہٹی کہ بالکل ہی سائڈ سے جا لگی۔ وہ چپ تھی مگر اس کا انداز کہتا تھا۔ ''تمہارا جواب......''

بدقت نظریں ہٹاتے ہوئے منظر کی نگاہیں سامنے......ہاں سامنے ہی قریب کچھ فاصلے پر رکھے متوازن ایزل کے کینوس پر لگی شیٹ تک گئیں......شیٹ پر بنے اسکیچ اور پھر ایزل کے اردگرد بھی......منظر سامنے کا ''منظر'' دیکھ رہا تھا۔ وہ منظر جو وہ لڑکی دیکھتی تھی۔ وہ اس جہان میں آگیا جہاں وہ لڑکی رہتی تھی پھر وہ پلکیں جھپکنا بھول گیا......ہاں سچ......کوئی خود ہی خود کو بھول سکتا ہے؟ وہ بھول گیا۔

ایزل پر منظر نے کیا "منظر" دیکھا
جو وہ حیرت زدہ رہ گیا پڑھیے
کہانی کا اختتام اگلے ماہ

پرہیز

اسما قادری



''پرہیز کیا کرنا ہوگا ڈاکٹر صاحب؟'' اصغر ..احب نے ڈاکٹر سے دواؤں کا نسخہ لیتے ہوئے رسماً ..یافت کیا۔

''کچھ خاص نہیں..بس پالک، گوبھی اور تلی ہوئی ..یا کھانے سے اجتناب کیجیے گا۔'' ڈاکٹر نے سرسری ..یں جواب دیا تو اصغر صاحب جو پرہیز کے زیادہ ..ل نہیں تھے اطمینان سے سر ہلاتے ہوئے باہر نکل .. پالک انہیں پسند نہیں تھی گھر میں جب بھی پالک پکتی وہ بازار سے کچھ منگوا کر کھانے کو ترجیح دیتے۔ گوبھی سے بھی کوئی ایسا عشق نہیں تھا کہ اس کے فراق میں آہیں بھرتے۔ ہاں تلی ہوئی چیزیں مرغوب تھیں لیکن صحت کے لیے کچھ دن ان سے ہاتھ روکے رکھنے میں اپنی بھلائی نظر آرہی تھی اس لیے ڈاکٹر کے مشورے پر مکمل عمل کرنے کا عزم لیے وہ اسپتال سے باہر نکلے۔

گھر کی طرف جاتے ہوئے ان کا ذہن مسلسل ناشتے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ خالی پیٹ الٹرا ساؤنڈ

کروانے کی ہدایت کی وجہ سے وہ صبح سویرے بغیر ناشتا کیے اسپتال آئے تھے اور اب ان کے پیٹ میں چوہا ریس جاری تھی۔ اس ریس کے باوجود اُن کے حواس نے بہر حال اتنا جواب نہیں دیا تھا کہ وہ بس اسٹاپ پر کھڑے اپنے پڑوسی امان اللہ کو نہ پہچان پاتے۔ انہیں معلوم تھا کہ امان اللہ شفٹوں کی نوکری کرتا ہے اور یقیناً اس وقت وہ نائٹ شفٹ کی ڈیوٹی بھگتا کر گھر واپس جانے کے لیے بس اسٹاپ پر کھڑا تھا۔ ان کے ”پڑوسیانہ“ جذبات فوراً ہی جاگ اٹھے اور انہوں نے موٹر سائیکل امان اللہ کے سامنے جا روکی...... اس غیر متوقع امدادِ غیبی کو سامنے پا کر امان اللہ کی باچھیں کانوں تک چر گئیں۔ وہ جھٹ موٹر سائیکل پر ان کے پیچھے سوار ہو گیا اور ان کی قدرے صحت مند ”توند“ کو مضبوطی سے دبوچ لیا۔

”یار ذرا خیال سے...... خالی پیٹ میرا ویسے ہی برا حال ہو رہا ہے، تمہاری یہ پہلوانی گرفت کہیں میری توند کا دم ہی نہ گھونٹ دے۔“ اصغر صاحب نے مزاحیہ لہجے میں کہہ کر امان اللہ کے شکنجے کو ڈھیلا کروانے کی کوشش کی۔

”کیوں اصغر بھائی! بھابی سے لڑائی ہو گئی ہے کیا جو انہوں نے خالی پیٹ ہی گھر سے باہر نکال دیا......“ امان اللہ نے ان سے دریافت کیا لیکن اپنے ہاتھوں کی گرفت میں ذرا نرمی نہ کی کہ مبادا ڈر ہو گرفت ذرا سی کم ہوتے ہی اصغر صاحب اسے راستے میں ہی کہیں ”ٹِکا“ کر چلتے بنیں گے۔

”ایسی کوئی بات نہیں یار! بس طبیعت کچھ دنوں سے ناساز تھی۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ صبح سویرے خالی پیٹ آ کر الٹرا ساؤنڈ کروائیں تو ہی نسخہ تجویز کروں گا سو بحالتِ مجبوری مجھے خالی پیٹ گھر سے روانہ ہونا پڑا اب واپس جا کر خوب ڈٹ کر ناشتا کروں گا......“ اصغر صاحب نے امان اللہ کو جواب دینے سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

”اوہو...... نصیبِ دشمناں طبیعت کو کیا ہوا ہے؟“ امان اللہ نے فوراً ایک اچھے اور ہمدرد پڑوسی کی تشویش چہرے پر سجاتے ہوئے سوال کیا حالانکہ اصغر صاحب اس کے عقب میں بیٹھے ہونے کی وجہ سے اس کا پُرتشویش چہرہ دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ بہر حال انہوں نے ہر مریض کی طرح بڑی رضا و رغبت کے ساتھ فصیح بلیغ انداز میں اپنی بیماری کا قصہ سنانا شروع کیا کہ کب کیسی اور کس نوعیت کی تکلیف شروع ہوئی، اسے دور کرنے کے لیے ابتداً کون، کون سے گھریلو نسخے استعمال کیے، کتنے عرصے کے لیے وقتی آرام آیا، کب دوبارہ تکلیف شروع ہوئی، بیگم اور اماں نے بیماری کے بارے میں کیا، کیا قیافے لگائے، ڈاکٹر کے انتخاب کے سلسلے میں کن، کن عزیز و اقارب سے مشورہ کیا گیا وغیرہ، وغیرہ...... وہ بتاتے چلے گئے اور اتنی تفصیل کا یہ نتیجہ نکلا کہ گھر آ بھی گیا اور قصۂ بیماری ہنوز ادھورا اب امان اللہ پر یہ اخلاقی ذمّے داری عائد ہوتی تھی کہ وہ قصہ ادھورا چھوڑ کر اپنے گھر کی راہ نہ لے اگرچہ دل اس کا یہی چاہ رہا تھا لیکن وہی ”پڑوسیانہ“ جذبات راہ میں حائل ہو گئے تھے اور کچھ تازہ، تازہ ملی ہوئی۔ لفٹ کا بھی اثر تھا کہ وہ آنے والی جمائیوں کو روک کر موٹر سائیکل کے پاس کھڑا، کھڑا ہی پوری دلجمعی سے اصغر صاحب کی داستان سننے کی کوشش کرنے لگا۔

اصغر صاحب بھی کوئی ایسے بے حس آدمی نہیں تھے کہ انہیں احساس نہ ہوتا کہ امان اللہ رات بھر کی ڈیوٹی کر کے واپس لوٹا ہے اور تھکا ہوا ہے۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں لے گئے اور بیگم کو ہدایت کر دی کہ ان کے ساتھ امان اللہ کا ناشتا بھی تیار کر دیں...... اپنے ناشتے کے سلسلے میں انہوں نے ڈاکٹر کی یہ ہدایت بھی بیگم کے گوش گزار کر دی تھی کہ انہیں تلی ہوئی چیزیں نہیں کھانی ہیں اس لیے گھی میں تر بتر پراٹھے اور آملیٹ کے بجائے ذرا سادہ ناشتا فراہم کیا جائے۔ بیگم کو ہدایات دینے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں واپس آئے اور امان اللہ کو ناشتے کی نوید کے ساتھ اطمینان سے پوری داستانِ بیماری سنا ڈالی۔ داستان کے اختتام کے ساتھ ہی ان کی بیگم اشتہا انگیز خوشبوؤں سے بھرا ناشتا ٹرے میں

لیے اندر داخل ہوئیں۔ اصغر صاحب کے لیے آملیٹ اور پراٹھوں کی یہ خوشبو بڑی اشتہا انگیز تھی لیکن انہیں بروقت یاد آ گیا تھا کہ وہ بیگم کو ڈاکٹر کے بتائے گئے پرہیز کے متعلق جملہ ہدایات سے آگاہ کر آئے تھے اس لیے یہ ناشتا ان کے لیے نہیں بلکہ امان اللہ کے لیے تھا۔ ان کے لیے تو وہ دو عدد ابلے ہوئے انڈے اور ڈبل روٹی کے سلائس تھے جو بڑی بیچارگی سے ایک چھوٹی سی پلیٹ میں سمائے اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اصغر صاحب نے دل پر صبر کی سل رکھتے ہوئے ابلے ہوئے انڈے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اُن کی بیگم سے حالیہ سلیک میں مصروف امان اللہ نے ایک چیخ سی ماری اور تیز لہجے میں بولا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں اصغر بھائی...... انڈا تو آپ کے لیے زہر ہے، آپ نے اپنی تکلیف کی جو نوعیت بتائی ہے اس کے حساب سے تو آپ کو اتنی ثقیل شے چکھنی بھی نہیں چاہیے اور یہاں بھابی ایک چھوڑ دو، دو انڈے بال کر لے آئی ہیں۔ میری مانیں تو انڈوں کو ہاتھ بھی نہیں لگائیے گا۔“ امان اللہ کی تقریر پر اُن کا انڈے کی طرف بڑھتا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔

”واقعی، یہ تو امان اللہ بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں، مجھے اس بات کا دھیان ہی نہیں رہا۔ آپ انڈوں کو چھوڑیں، میں دودھ لے آتی ہوں، آپ دودھ سے سلائس کھا لیجیے گا۔“ بیگم بیچاری سہم گئیں اور متبادل تجویز پیش کی۔

”بالکل نہیں بھابی...... اطبا کی اکثریت پیٹ کے جملہ امراض میں دودھ کو ضرر رساں قرار دیتی ہے، اصغر بھائی کے لیے تو چائے ہی مناسب رہے گی لیکن خیال رہے کہ چائے زیادہ اسٹرانگ یا میٹھی نہ ہو...... یوں سمجھ لیں کہ فی الحال تو اصغر بھائی کو چائے بھی پرہیزی ہی پینی پڑے گی۔“ امان اللہ نے ان کی تجویز پر غور کر کے ماہرانہ مشورہ دیا۔ بیگم جب تک یہ پرہیزی چائے تیار کر کے لائیں امان اللہ آملیٹ، پراٹھے اور اصغر صاحب تاؤ کھاتے رہے، جب وہ بے رنگ و بے ذائقہ چائے میں ڈبل روٹی کے سلائس ڈبو، ڈبو کر کھا رہے تھے تو امان اللہ ابلے ہوئے انڈوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے انہیں بھی نہایت خوش اسلوبی سے حلق سے نیچے اتارتا رہا اور مکمل شکم سیر ہو کر ہنستا مسکراتا خوش دلی سے بھابی صاحبہ کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے رخصت ہونے کے بعد بیگم تو برتن سمیٹ کر کچن کی طرف روانہ ہو گئیں اور اصغر صاحب نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ اتنی بھوک کے بعد ملنے والے آدھے ادھورے ناشتے نے ان کی طبیعت کو نڈھال کر دیا تھا اور اس نقاہت کو دور کرنے کے لیے انہوں نے دوپہر کے کھانے تک آرام کرنے کا فیصلہ کیا تھا کمرے میں جا کر لیٹے انہیں مشکل سے پندرہ منٹ ہی گزرے تھے اور وہ غنودگی ہی کی سی کیفیت میں تھے کہ دروازے پر آہٹ سی محسوس ہوئی۔

”سو تو نہیں گئے اصغر...... یہ جمیلہ آئی ہیں آپ کی عیادت کے لیے۔“ بیگم نے دروازے سے ہی انہیں پکارا تو انہوں نے نیند سے بوجھل ہوتی اپنی پلکوں کو بہ مشکل اٹھایا اور دروزے کی سمت دیکھا جہاں سے بیگم، امان اللہ کی بیوی جمیلہ کے ساتھ اندر داخل ہو رہی تھیں۔

”السلام علیکم اصغر بھائی......! مجھے معلوم ہوا کہ نصیبِ دشمناں طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو بے چین ہو گئی۔ گھر کے کام کاج میں بھی دل نہیں لگا...... سوچا پہلے آپ کی خیریت معلوم کر آؤں پھر ہنڈیا چڑھاؤں گی۔ آپ بتائیں بیٹھے بٹھائے یہ آپ کو کیا ہو گیا اچھی بھلی صحت تھی آپ کی...... ہم نے تو آپ کو موسمی نزلہ بخار میں بھی کبھی مبتلا ہوتے نہیں دیکھا...... اب یہ اچانک سے آپ اتنے بیمار کیسے پڑ گئے......“ سلام کرنے کے بعد جمیلہ نے اصغر صاحب کو وعلیکم السلام بولنے کا بھی موقع نہیں دیا اور خود ایک سانس میں بولتی چلی گئی۔

”ارے بھئی بندہ بشر ہوں، آدمی کے ساتھ دکھ، بیماری تو لگی رہتی ہے۔ چھوٹا سا مسئلہ ہے، انشاءاللہ چند دنوں میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔“ اصغر صاحب نے جمیلہ کی تشویش کا ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا۔

”نہ، نہ اصغر بھائی کسی بھی بیماری کو ہلکا نہیں لینا

چاہیے اور یہ موئی پیٹ کی بیماریاں تو بڑی موذی ہوتی ہیں، سیانے کہتے ہیں کہ آدمی کو نوّے فیصد بیماریاں پیٹ ہی کی وجہ سے ہوتی ہیں، اس سے آپ سمجھ لیجیے کہ آپ کا مسئلہ کتنا شدید ہے، یہ ایک بیماری اپنے پیچھے پچاسیوں بیماریاں لے کر آئے گی۔" جمیلہ نے انہیں اچھا خاصا دہلا کر رکھ دیا اور وہ ذرا چپ سے ہو گئے۔

"دوپہر کے کھانے میں آپ کے لیے کیا بناؤں اصغر......؟ اماں جان اپنے وظائف وغیرہ سے فارغ ہونے والی ہوں گی انہیں چائے دے کر میں آپ کا پرہیزی کھانا چڑھا دوں گی۔" برسوں کی رفاقت نے بیگم کو مزاج آشنا بنا دیا تھا۔ اب بھی اصغر صاحب کی خاموشی سے بھانپ گئیں کہ وہ پریشان ہو گئے ہیں چنانچہ موضوع بدل دیا۔

"ڈاکٹر نے پالک، گوبھی اور تلی ہوئی اشیا سے منع کیا ہے، باقی تم جو مناسب سمجھو بنا لو......"

"ٹھیک ہے، ایسا کرتی ہوں مرغی کا شوربے والا سالن بنا لیتی ہوں، آپ چپاتی کے ساتھ کھا لیجیے گا۔" بیگم نے ابھی اپنا جملہ ختم ہی کیا تھا کہ جمیلہ چیخ اٹھی۔

"یہ کیا غضب کر رہی ہیں بھابی جی......! مرغی وہ بھی پیٹ کے مریض کے لیے...... یہ کم بخت برڈ فلو کی ماری مرغیاں تو ویسے ہی اچھے بھلے لوگوں کو بیمار کر رہی ہیں، اصغر بھائی بیچارے تو اس حالت میں مرغی کھا کر کل کے مرتے آج ہی مر جائیں گے۔"

"تیرا بیڑا غرق جمیلہ......! میرے گھر میں بیٹھ کر ہی میرے جوان جہاں بیٹے کو مرنے کی بددعائیں دے رہی ہے۔" جمیلہ کی بدقسمتی تھی کہ اماں جی نے عین اسی وقت کمرے میں انٹری دی اور سر میں آدھے سفید بال رکھنے والے اپنے جوان جہان بیٹے کے لیے ایسی... بدشگونی کے کلمات سن کر بھڑک اٹھیں۔

"میری توبہ اماں جی جو میں اصغر بھائی کو بددعا دوں...... اللہ انہیں ہزاروں سال کی عمر دے...... میں تو بھابی جی کو بتا رہی تھی کہ مرغی، اصغر بھائی کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔" جمیلہ گھبرا کر جلدی، جلدی وضاحتیں دینے لگی۔ جواب میں اماں جی نے جمیلہ کو قہر آلود نگا سے دیکھنے پر اکتفا کیا اور بیٹے کی طرف متوجہ ہو کر ان سے اسپتال کے وزٹ کی جملہ تفصیلات دریافت کرنے لگیں، تفصیلات سنیں تو پہلے بہو پر ایک خشونت بھری نگاہ ڈالی پھر سرد آہ بھر کر بولیں۔

"لوگوں کو ایسی سیانی اور کامی بہوئیں ملتی ہیں کہ پلنگ سے نیچے قدم دھرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی اور ہر کام سنور جاتا ہے، ایک ہماری بہو بیگم ہیں کہ بڈھی ہونے کو آئی ہیں لیکن آج تک عقل و سلیقے کا نام نشان نہیں ہے۔" "جوان جہان" بیٹے کی بیوی کو بڈھی قرار دیتے ہوئے انہیں ذرا حرج محسوس نہیں ہوا اور لحاظ کے جمیلہ کے سامنے اسے لتاڑ کر رکھ دیا...... بہو کی مجال نہیں تھی کہ خود پر کیے اس تبصرے پر صدائے احتجاج بلند کر پائیں بس دل ہی دل میں سوچتی رہیں۔

"پلنگ سے قدم تو آپ بھی مشکل سے ہی دھرتی ہیں اماں جی، اچھا ہی ہوا کہ میں آپ کے معیار کی سیانی اور سلیقہ شعار نہیں ورنہ آپ نے تو بالکل ہی میری چٹنی بنا کر رکھ دینا تھی۔"

"یہاں کھڑی، کھڑی کس خیالی دنیا میں گم ہو گئی ہو...... جاؤ ایسا کرو مونگ کی پھیکی دال بنا لو...... مریضوں کے لیے مناسب رہتی ہے۔" اماں جی نے بہو کو خیالوں میں بھی اپنے خلاف زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دیا اور گھرکی لگائی۔

"مونگ کی پھیکی دال......! اماں جی آپ کو معلوم تو ہے کہ مونگ کی دال سے مجھے اپھارا ہو جاتا ہے" تقریباً فاقے کی حالت میں موجود اصغر صاحب مونگ کی پھیکی دال کا سن کر بلبلا اٹھے اور تڑپ کر دہائی دی۔

"اچھا تو نرم کھچڑی پکوا دیتی ہوں...... اب ان کے آگے زیادہ مت بولنا...... بیماری میں تمہارے نخرے ضرورت سے زیادہ ہی بڑھ جاتے ہیں......" اماں جی نے ان کی دہائی پر کسی مطلق العنان حکمران کی طرح حکم صادر کیا تو اصغر صاحب کو مزید اعتراض کی ہمت نہیں ہوئی۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں، اماں جی نے تو میرا بھی "آج کیا پکاؤں؟" کا مسئلہ حل کر دیا۔ منی کے بابا مجھ سے کہہ کر سوئے تھے کہ اصغر بھائی کی طرف ذرا بھاری ناشتا کر لیا تھا اس لیے دوپہر کا ہلکا کھانا بنا لینا۔ اب میں کھچڑی ہی پکا لوں گی......" جمیلہ کہتی ہوئی وہاں سے روانہ ہوئی تو اصغر بھائی نے حسرت سے اس ناشتے کو یاد کیا جو امان اللہ ان کے ہاں سے ہڑپ کر کے گیا تھا۔ ناشتا یاد آیا تو بھوک کچھ اور بھی شدت سے محسوس ہونے لگی اور بیگم کی طرف رخ کر کے بولے۔

"بیگم جلدی سے کھچڑی اور ساتھ پودینے کی چٹنی بنا لو...... بھوک سے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔"

"ہاں بھئی جاؤ، ابھی تک یہیں کیوں جم کر کھڑی ہوئی ہو...... ہر وقت میاں کی چوکیدار مت بنی رہا کرو...... دو گھڑی مجھے بھی میرے بیٹے کے ساتھ بیٹھ کر دکھ سکھ کہنے دیا کرو......" وہ بڑی جلالی ساس تھیں اب بھی بہو کو سنانے سے باز نہیں آئیں۔

"اونہہ...... دکھ سکھ...... میرے خلاف پٹیاں پڑھانی ہوں گی جیسے میں تو جانتی نہیں ہوں ان کو......" بہو نے حسب عادت دل میں سوچا اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گئیں...... وہ وہاں کھچڑی پکاتی رہیں اور کمرے میں اماں جی ان کے خلاف کھچڑی تیار کرتی رہیں اور اصغر صاحب کو تقریباً قائل کر لیا کہ ان کی بیماری کا سبب ان کی بیگم کے تیار کردہ غیر صحت بخش کھانے ہیں۔ اصغر صاحب اماں جی کی "چشم کشا" گفتگو میں اپنا سونے کا ارادہ کب کا بھول چکے تھے۔ پیٹ میں دوڑتے چوہوں اور اماں جی کی فراٹے بھرتی زبان کی رفتار تقریباً یکساں تھی...... دونوں کو سہتے اصغر صاحب کے نتھنوں سے کھچڑی کی خوشبو ٹکرائی تو جان میں جان آتی محسوس ہوئی اور امید بھری نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگے لیکن وہاں سے بیگم کے بجائے دو گھر چھوڑ کر رہنے والے اپنے ہمسایہ میاں، واجد کو داخل ہوتا دیکھا تو منہ لٹک گیا لیکن مجبوراً حقِ ہمسائیگی ادا کرنے کے لیے مسکرا کر خوش آمدید کہنا پڑا۔

زندگی محوِ سفر

زندگی محوِ سفر
زندگی اِک نئی منزل کی تلاش
دور صحراؤں میں کچھ نقشِ قدم
کچھ چمکتے ہوئے دلکش سے سراب
زندگی محوِ سفر
کبھی پھولوں، کبھی کانٹوں، کبھی پتھر پر سفر
کبھی امید کے سورج کی چمکتی کرنیں
کبھی مایوس اندھیروں میں سفر
زندگی محوِ سفر......

کلام: صغریٰ زیدی
پسند: کلثوم عباس، کراچی

مسٹر اینڈ مسز واجد آ کر بیٹھے تو پھر شروع تا آخر بیماری اور اس سے متعلق موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ چھڑ گیا۔ بیگم نے مہمانوں کی ٹھنڈی ٹھار کولڈ ڈرنک سے تواضع کی لیکن اصغر صاحب اس سے بھی محروم رہے کہ جملہ حاضرین کے مطابق کولڈ ڈرنک انسانی صحت کے لیے سخت نقصان دہ تھی...... واجد صاحب نے تو پورا حساب کتاب بتا کر رکھ دیا کہ ایک گلاس کولڈ ڈرنک ہڈیوں سے کتنے فیصد کیلشیم ضائع کرنے کا سبب بنتی ہے اور گردوں پر اس کے کیا اثرات ہوتے ہیں۔ اپنی اس تمام علمیت اور واقفیت کے باوجود انہوں نے مجال ہے جو ایک بوند بھی مشروب گلاس میں چھوڑا ہو...... اماں جی نے بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے پورا گلاس خالی کر ڈالا اور پی کر بجائے ٹھنڈی ہونے کے بہو پر گرم ہونے لگیں کہ اتنی دیر گزرنے کے بعد انہوں نے ابھی تک اصغر صاحب کے لیے کھچڑی تیار نہیں کی۔ بہو نے اپنی سستی پر دیے جانے والے اُن کے لیکچر میں... بہ مشکل آنے والے وقفے کے دوران منمناتے ہوئے... بہ مشکل بتایا کہ کھچڑی اور پودینے کی چٹنی تیار ہے اور وہ اصغر صاحب سے پوچھنے ہی والی تھیں کہ اگر وہ چاہیں تو

انہیں کھانا پیش کردیا جائے۔ اصغر صاحب کی بے چین بھوک ''ہاں'' کا لفظ نوک زبان پر لایا ہی چاہتی تھی کہ ان سے بھی زیادہ سرعت سے مسز واجد بول پڑی۔

''کھچڑی اور اصغر بھائی کے لیے یہ کیا غضب کرتے ہیں آپ لوگ کھچڑی میں چاول ڈالتے ہیں جو کہ بادی اور ٹھنڈے ہوتے ہیں، الٹی موشن کے مریض کو کھچڑی دینا الگ بات ہے لیکن اصغر بھائی جس مسئلے میں مبتلا ہیں اس میں تو کھچڑی کسی طور مناسب نہیں رہے گی۔'' ساتھ ہی انہوں نے نہایت فصاحت و بلاغت سے اس موضوع پر روشنی ڈالی کہ دوا سے زیادہ پرہیز کی ضرورت ہوتی ہے اگر آدمی پرہیز کرے اور بیماری کی نوعیت کے حساب سے مناسب خوراک کا استعمال کرے تو آدھے سے زیادہ علاج خوراک سے ہی ہوجاتا ہے۔ مسز واجد کے ابا حکیم تھے اور مستند تھا ان کا فرمایا ہوا۔ سو اصغر صاحب کو کھچڑی کھلانے کا خیال... فی الفور ترک کردیا گیا اور بیگم اس فکر میں غلطاں ہوگئیں کہ دوسری کیا چیز پکائی جائے۔

''ارویاں رکھی ہیں گھر میں اگر کہیں تو جلدی سے اروی کی بھجیا بنالیتی ہوں۔'' بڑا سوچ کر انہوں نے اپنی طرف سے مسئلے کا آسان حل نکالا کہ جانتی تھیں میاں بھوک کے کچے ہیں اور ان کے لیے زیادہ دیر بھوک برداشت کرنا ممکن نہیں ہے۔

''کیسی کم فہمی کی باتیں کررہی ہیں بھابی صاحبہ......! بادی چیزوں میں زمین کے اندر اگنے والی تمام سبزیاں بھی شامل ہوتی ہیں، اس لیے اروی کے بارے میں تو آپ سوچیے گا بھی نہیں۔''

بیگم کی تجویز پر مسز واجد نے جیسے اپنا سر پیٹ لیا اور اماں جی کو ایک بار پھر اس بات کا ملال ہونے لگا کہ لوگوں کی بہوئیں کتنی سیانی اور کامی ہوتی ہیں ایک وہ ہی تھیں جو اپنے بیٹے کے لیے ناقص العقل اور سست الوجود بیوی لے آئی تھیں۔ ظاہر ہے وہ اپنے اس ملال کو اپنے دل تک تو محدود نہیں رکھ سکتی تھیں سو مسٹر اینڈ مسز واجد کے سامنے دل کھول کر اس کا اظہار کرتی رہیں۔ مسز واجد نہایت دلسوزی سے ان کا یہ قصۂ غم سنتی رہیں لیکن بہر حال نقار خانے میں موجود طوطی کی آواز سن ہی لی جو پوچھ رہی تھی کہ کیا چیز پکانا اصغر صاحب کے لیے مناسب رہے گا۔

''ایسا کریں بھابی، آپ لوکی یا ٹنڈوں میں سے کسی سبزی کی بھجیا بنالیں لیکن خیال رکھیے گا کہ تیل کا استعمال برائے نام ہو اور سرخ مرچیں بالکل استعمال نہ کی جائیں۔ بس نمک، ہلکی سی کالی مرچ اور ہلدی کا استعمال کافی رہے گا۔'' وہ ڈش بتارہی تھیں اور اصغر صاحب کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑتا جارہا تھا...... ایک طرف تو حال میں کھانا ملنے کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا اور دوسرے جو ملنے والا تھا وہ بھی ایسا تھا کہ بندے کی آدھی بھوک ویسے ہی مرجائے۔

''ٹھیک ہے، میں سامنے والے وقاص سے کہتی ہوں کہ بازار سے سبزی لادے۔'' بیگم صاحبہ تو باہر نکل گئیں اور مسز واجد اماں جی کو اپنے والد کی حکمت کے قصے سناتے ہوئے اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتی رہیں کہ اصغر صاحب کا ڈاکٹروں کے بجائے کسی ماہر حکیم (جو ظاہر ہے ان کے والدِ گرامی ہی تھے) سے علاج کروایا جائے۔ اِدھر یہ گفتگو جاری تھی اور اُدھر بیگم اصغر سامنے والے وقاص کو آواز دے کر بلانے کے بعد اسے اصغر صاحب کی بیماری سے مختصراً آگاہ کرتے ہوئے لوکی لینے کے لیے بازار روانہ کرچکی تھیں۔ مسٹر اور مسز واجد رخصت ہوئے ہی تھے کہ چودہ پندرہ سالہ وقاص عرف وکی اپنی اسپورٹس سائیکل پر بازار سے لوکی لے آیا۔ بیگم نے جلدی، جلدی لوکی کاٹ پیٹ کر دھوئی اور مسز واجد کی حسبِ ہدایت ہنڈیا چڑھائی ہی تھی کہ ایک بار پھر گھنٹی بجی...... اس بار آنے والی ہستی وقاص کی دادی تھیں جو اپنی چھڑی ٹیکتی ہوئی چلی آرہی تھیں۔

''کیا ہوا بہو...... میں نے سنا ہے کہ اصغر میاں کی طبیعت خراب ہے۔'' انہوں نے تشویش سے دریافت کیا۔

''جی... اماں بی......! اسی لیے تو وقاص کو لوکی لینے بازار بھیجا تھا۔ اصغر کے لیے پرہیزی کھانا تیار کرنا

تھا۔'' بیگم نے انہیں ادب سے جواب دیا۔

''اسی سے تو مجھے پتا چلا...... غریب کو بھری دوپہر میں سائیکل لے کر باہر نکلنے پر ماں سے خوب ڈانٹ پڑی۔ میرے بیچ میں آنے پر اسے مشکل سے بتانے کا موقع ملا کہ تم نے اصغر میاں کے لیے پرہیزی کھانا تیار کرنے کو لوکی منگوائی تھی۔ ہماری بہو صاحبہ تو ہیں نیاسیوں کے خاندان سے...... نہ کسی سے میل جول نہ خوشی غمی میں شرکت پر صاف بات ہے بھئی مجھ سے تو سن کر ایک منٹ کے لیے رکا نہیں گیا اور گھٹنوں کی تکلیف کے باوجود فوراً دوڑی چلی آئی۔'' اپنی داستان سناتیں وہ بیگم کی معیت میں اصغر صاحب کے کمرے میں پہنچ چکی تھیں۔

''کیا حال ہیں اصغر میاں......! ابھی تو ہم تمہارے بڑے بزرگ اچھے بھلے ہیں تم کون سا روگ لگا بیٹھے ابھی سے۔'' انہوں نے کمال شفقت سے اصغر صاحب سے دریافت کیا...... برسوں پرانی محلے داری تھی...... اصغر صاحب ان کی نظروں کے سامنے جوان اور پھر بیوی بچوں والے ہوئے تھے اسی لیے خاصی محبت اور بے تکلفی تھی آپس میں۔

''کچھ نہیں اماں بی......! بس معمولی سی تکلیف ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے چند دن کے علاج سے فرق پڑ جائے گا۔'' اصغر صاحب نے مسکرا کر ادب سے جواب دیا اور ان کے دریافت کرنے پر اپنی بیماری سے متعلق تفصیلات بتانے لگے۔

''ارے توبہ موئی ایسی کون سی بیماری ہے جس کے لیے ابلی ہوئی لوکی کھانی پڑے...... میں نے کہا کہ شاید بلڈ پریشر ہائی ہوگیا ہے یا کولیسٹرول بڑھ گیا ہے جو دلہن تمہارے لیے پرہیزی لوکی پکارہی ہیں۔ بتاؤ بھلا ایسا کھانا کھا کر تو بندہ صحت مند کہاں سے ہوگا۔ کمزوری سے ہی آدھی جان ہوجائے گی، تم ہی نے بہو کو سمجھایا ہوتا زبیدہ......!'' اماں بی نے ساتھ بیٹھی اصغر صاحب کی اماں کو مخاطب کیا۔

''میرے کہنے سننے میں کب ہیں یہ بی بی......! وہ واجد کی بیوی کے کہنے پر ہی لوکی منگوائی تھی۔ میں نے بھی دخل نہیں دیا کہ چلو حکیم کی بیٹی ہے ٹھیک ہی مشورہ دیا ہوگا۔'' اماں جی نے بہو پر ایک اور فردِ جرم عائد کرتے ہوئے اپنا دامن صاف بچالیا۔

''ارے چھوڑو کہاں کے حکیم ہیں اس کے ابا...... ہاں نیم حکیم خطرۂ جان بولو تو الگ بات ہے۔'' اماں بی نے کان پر سے مکھی اڑائی اور بیگم کی طرف رخ کرکے بولیں۔

''میری بات مانو تو بہو بکرے کے عمدہ گوشت کا شوربے والا سالن بناؤ اور اس میں روٹی چور کر اصغر میاں کو کھلاؤ...... زود ہضم بھی ہوگا اور مقوی بھی......''

''جی اچھا لیکن اس وقت تو گھر میں بکرے کا گوشت نہیں ہے۔'' وہ بیچاری پریشان ہوئیں۔

''تو یہ کون سا ایسا مسئلہ ہے، شاپنگیں کرنے بھی تو تم جب دل چاہے رکشا... چھٹپٹاتی ہوئی شہر بھر کے بازاروں کی خاک چھاننے پہنچ جاتی ہو۔ گوشت مارکیٹ تو اِدھر سے دس پندرہ منٹ ہی دور ہوگی، جا کر خود ہی لے آؤ بکرے کا گوشت......'' اماں جی نے قہر آلود نظروں سے بہو کو گھورتے ہوئے مشورہ مع طعنہ دیا۔

''ہاں دلہن! اس وقت تو تم کو ہی ہمت کرنی ہوگی، بیوی سے بڑھ کر شوہر کے دکھ، بیماری میں کوئی ساتھ نہیں دے سکتا، میں وکی کو بھجوادیتی لیکن غریب پہلے ہی ماں کی ڈانٹ کھا کر بیٹھا ہوا ہے۔'' اماں بی نے بھی نرم الفاظ میں بیگم ہی کو بازار جانے کی نصیحت کی۔

''میں چلی جاتی ہوں اماں بی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئیں لیکن چادر اور پرس اٹھا کر باہر نکلنے سے قبل اماں بی کے لیے روح افزا کا شربت بنا کر پیش کرنا نہ بھولیں۔ کبھی کبھار آنے والی بزرگ ہمسایہ دار کی اتنی خاطر کرنا تو ضروری تھا۔ جلدی، جلدی کرنے کے باوجود قریبی گوشت مارکیٹ تک جا کر واپس آنے میں انہیں آدھا گھنٹا تو لگ ہی گیا۔ اصغر صاحب کے بھوکا ہونے کے خیال سے انہوں نے چادر اتار کر وہیں لاؤنج کے صوفے پر ہی ڈالی اور سیدھی باورچی خانے میں گھس گئیں۔ صبح سے

وہ گھن چکر بنی ہوئی تھی اور اب گرمی اور دھوپ میں باہر سے جا کر آنے میں ان کا بلڈ پریشر لو ہو گیا تھا لیکن ایک طرف بیمار شوہر کے خالی پیٹ کا احساس تھا تو دوسری طرف ساس کی دو دھاری زبان سے بھی ڈرتی تھیں، اس لیے جلدی، جلدی گوشت صاف کر کے دھویا اور پیاز وغیرہ کاٹ کر پکنے کے لیے چڑھا ہی رہی تھیں کہ ایک بار پھر اطلاعی گھنٹی بجی، اصغر صاحب بیمار تھے اور اماں جی بوڑھی اس لیے دروازہ... کھولنے کی ذمے داری بھی ان کو نبھانی تھی۔ دروازے پر جا کر دیکھا تو کونے کے گھر والے خواجہ صاحب کھڑے تھے۔

''ہمیں اطلاع ملی کہ اصغر میاں بیمار ہیں تو انہیں دیکھنے چلے آئے۔ اجازت ہو تو اندر آ جائیں؟''

''بالکل چچا جان......! آئیں تشریف لائیں۔''

خواجہ صاحب کے پوچھنے پر انہوں نے اپنے تکان زدہ چہرے پر بہ مشکل مسکراہٹ سجائی اور انہیں اندر آنے کا راستہ دیا......انہیں اصغر صاحب کے کمرے تک پہنچا کر دوبارہ باورچی خانے میں پہنچیں اور گوشت چڑھانے کے ساتھ، ساتھ چائے کا پانی بھی چڑھا دیا کہ جانتی تھیں خواجہ چچا چائے کے رسیا ہیں اور سردی، گرمی ہر موسم میں چائے ہی نوش کرنا پسند کرتے تھے۔

چائے کا کپ ٹرے میں رکھ کر وہ کمرے میں پہنچیں تو چائے دیکھ کر خواجہ چچا کھل اٹھے اور چہک کر بولے۔

''واہ بھئی واہ جیتی رہو دلہن! اس وقت ہمیں چائے ہی کی طلب ہو رہی تھی۔'' (شاید وہ اپنی بے وقت کی طلب پوری کرنے ہی اصغر صاحب کی عیادت کے لیے آ گئے تھے) بہو اور بیٹیاں تو ان کی اس عادت سے بیزار تھیں اور اکثر اوقات ان کی فرمائش کو نظر انداز ہی کر دیتی تھیں۔

''میں نے آپ کا سالن چڑھا دیا ہے اصغر...... بکرے کا گوشت جلدی گل جاتا ہے پھر بھی میں نے ککر میں چڑھا دیا ہے تاکہ اور بھی جلدی گل جائے۔ بس آپ پندرہ بیس منٹ اور انتظار کر لیں پھر میں آپ کو کھانا دے دیتی ہوں۔'' خواجہ چچا سڑپ سڑپ، کر کے گرم چائے حلق میں انڈیلنا شروع ہوئے تو بیگم نے اصغر صاحب کے نقاہت زدہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

''ہک ہا...... بکرے کا گوشت! کبھی کتنا مرغوب ہوا کرتا تھا ہمیں بکرے کا گوشت لیکن جب سے ٹیلی ویژن پر دکھایا ہے کہ بکرے کے گوشت کے نام پر کتے کاٹ کر اُن کا گوشت بیچا جا رہا ہے تو ہم نے بکرے کے گوشت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔'' خواجہ چچا نے بہ مشکل چائے کی پیالی ہونٹوں سے جدا کی اور بکرے کے گوشت سے متعلق ایک آہ سرد کے ساتھ تبصرہ فرما کر دوبارہ سے ایک سڑکی لگائی۔

''ارے نہیں چچا جان...... کوئی سارے لوگ تھوڑی ایک سے بے ایمان ہوتے ہیں' میں جس قصاب سے گوشت لے کر آئی ہوں وہ بڑے بھروسے کا آدمی ہے۔'' بیگم نے دیکھ لیا تھا کہ کتے کے گوشت کے خیال سے اصغر صاحب کو ابکائی سی آنے لگی ہے اس لیے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''اللہ کرے تمہارا گمان ٹھیک ہو بیٹی ورنہ ہمارا تجربہ تو یہی ہے کہ جس پر بھروسا ہو وہی دھوکا دیتا ہے جس پر بھروسا نہیں ہو اس سے دھوکا کھانے کا کیا سوال؟'' خواجہ صاحب چائے ختم کر چکے تھے اس لیے پیالی واپس ٹرے میں رکھی اور کسی مردِ حق کی طرح بہت بے نیازی سے اپنی رائے دے کر خدا حافظ کہتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گئے۔

''میں سالن دیکھتی ہوں۔'' بیگم بھی کمرے سے باہر نکلنے کے لیے اٹھیں۔

''رہنے دو...... میرا تو دل ہی خراب ہو گیا ہے اور بار، بار وہم آ رہا ہے کہ تم بکرے کے گوشت کے نام پر کتے کا گوشت اٹھا لائی ہو۔'' اصغر صاحب نے یوں سینہ سہلاتے ہوئے انکار کیا جیسے اُن کی طبیعت متلا رہی ہو۔

''بیکار وہم نہ کریں، ٹی وی پر تو اتنا کچھ دکھایا جاتا ہے کہ سبزی' ترکاری اور گوشت سے لے کر مرچ مسالوں تک سب کچھ ناقابلِ بھروسا... لگتا ہے لیکن

اب بندہ کھانا پینا تو نہیں چھوڑ سکتا تھا ناں......'' بیگم نے اپنے تئیں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہ تو تم نے ٹھیک کہا بی بی، اب یہ بتاؤ کہ دوپہر کے کھانے کے لیے کیا پکایا ہے۔ دو بجے سے اوپر کا وقت ہو گیا ہے اور دوپہر کے کھانے کا نام و نشان نہیں ہے۔ معلوم بھی ہے کہ زیادہ دیر بھوکا رہنے سے میرے معدے میں تیزابیت ہونے لگتی ہے۔'' ساس صاحبہ نے ان سے اتفاق ضرور کیا لیکن ساتھ ہی ایک ایسا سوال کر ڈالا جس نے بیگم کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے......اصغر صاحب کے پرہیزی کھانے اور ان کے تیمارداروں کے چکر میں وہ ایسی گھن چکر بنی رہی تھیں کہ اس بات کا خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اصغر صاحب کے علاوہ دیگر گھر والوں کے لیے بھی کچھ پکانا ہے۔ گھڑی کی سوئیاں دیکھ کر وہ مزید گڑبڑا گئیں......ان کی اکلوتی بیٹی ثمرہ کے یونیورسٹی سے واپس آنے کا وقت ہو چلا تھا اور باپ اور دادی کی طرح وہ بھی بھوک کی بہت کچی تھی۔

''تم نے بتایا نہیں کہ دوپہر کے کھانے کے لیے کیا پکایا ہے؟'' اماں جی نے گویا ان کی حالت سے حظ اٹھانے کے لیے اپنا سوال دُہرایا تھا اور ان کے ذہن میں وہ ساری چیزیں گھوم گئیں جو وہ اب تک پکاتی آ رہی تھیں۔ پک کر ٹھنڈی ہو جانے والی کھچڑی اور پودینے کی چٹنی، لوکی کی ابلی ہوئی بھجیا اور ککر میں چڑھا بکرے (یا پھر کتے) کا گوشت ......گوشت کا خیال آتے ہی ان کی حس شامہ نے انہیں کچھ جلنے کی اطلاع دی اور وہ باورچی خانے کی طرف دوڑیں۔ اندر داخل ہوتے ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ ککر میں چڑھا گوشت جل چکا ہے۔ انہوں نے جلدی سے چولہا بند کر کے سکھ کی سانس لی کہ متنازعہ مشکوک گوشت سے خود بخود ہی جان چھوٹ گئی تھی لیکن یہ بھی جانتی تھیں کہ اماں جی کے طعنوں سے اتنی آسانی سے جان چھٹنے والی نہیں ہے۔ دماغ لڑانے لگیں کہ اب کیا پکایا جائے کہ جس میں وقت بھی کم صرف ہو اور اصغر صاحب سمیت سب کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ ذرا سے غور و خوض کے بعد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ ایسی کوئی ڈش بنانا ممکن نہیں ہے، وہ خاموشی سے باورچی خانے سے باہر نکل گئیں، ذرا دیر بعد وہ اطمینان سے وضو کر کے جائے نماز پر کھڑی تھیں اور ظہر کی نماز ادا کر رہی تھیں۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ جائے نماز تہہ ہی کر رہی تھیں کہ اطلاعی گھنٹی بجی، گھنٹی بجانے کا انداز ہی اعلان کر رہا تھا کہ آنے والی ثمرہ ہے، انہوں نے جا کر دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم امی......! آج کیا پکایا ہے بڑی زوردار بھوک لگی ہے۔'' حسبِ عادت وہ دروازے سے ہی بولتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''تم اپنے کمرے میں جا کر فریش ہو جاؤ پھر میں کھانا لگاتی ہوں۔'' انہوں نے ٹھہرے ہوئے مطمئن لہجے میں اسے جواب دیا اور باورچی خانے سے پلیٹیں، چمچے وغیرہ لا کر میز پر رکھنے لگیں۔ اس کام سے فارغ ہی ہوئی تھیں کہ ایک بار پھر اطلاع گھنٹی بجی اور پہلی بار انہیں گھنٹی کی آواز سن کر خوشی محسوس ہوئی۔ آنے والا واقعی ان کے لیے آسانیاں لے کر آیا تھا۔

''چلیں بھئی سب لوگ کھانا کھا لیں۔'' پانچ منٹ بعد ہی ان کی آواز گھر میں گونجی تو سب کے سب فوراً کھانے کی میز پر حاضر ہو گئے۔ میز پر ایک مشہور ریسٹورنٹ ڈیلیوری سروس سے منگوایا گیا...پزا، چکن تکہ اور چائنیز رائس سجے ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر اصغر صاحب کے چہرے کی نقاہت، بشاشت میں بدل گئی، اماں جی کے ماتھے کے بل کم ہو گئے اور بہو کے پھوہڑ پن اور فضول خرچی پر ابلنے والا لیکچر کھانے کے بعد پر موقوف کر کے انہوں نے اپنی مخصوص کرسی سنبھال لی۔ ثمرہ نے یاہو کا نعرہ لگا کر جھٹ سے ماں کے رخسار پر ایک بوسہ لیا تو وہ بھی مسکراتی ہوئی سب کے ساتھ بیٹھ کر لذیذ کھانے سے لطف اندوز ہونے لگیں، کبھی، کبھی سب کی سننے کے بجائے نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی کر گزرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہوتا۔ اصغر صاحب کا پرہیزی ڈائٹ شیڈول کل وہ خود ڈاکٹر سے مل کر ترتیب دے لیتیں۔

امربیل

شیریں حیدر

قسط 21

تخلیقِ کائنات سے لے کر اب تک . . . کئی ادوار بدلے مگر عورت کی کہانی ہر دور میں لگ بھگ وہی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رشتوں کی ڈور میں باندھا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی تخلیق کے مقصد کو اور بھی خوب صورت بنائیں مگر اس کے پیدا کردہ دل میں جذبے بھی اسی کے پیدا کردہ تھے۔ محبت، نفرت، رشک، حسد، رنج، غصہ اور خوشی . . . اب ہم پر منحصر ہوتا ہے کہ ہم کس جذبے کو خود پر حاوی کر لیتے ہیں، یہ ہماری خصلت بن جاتا ہے اور ہماری کل شخصیت کا خلاصہ . . . یہی ہمارے کردار کی تعمیر کرتا ہے اور ہم اسی کا تاثر دوسروں پر عمر بھر کے لیے چھوڑتے ہیں۔ ہماری عادات صرف ہم پر ہی نہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ کسی کی زندگی کا سفر کس طرح سہل یا کٹھن ہوتا ہے اس کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اُن کی زندگی کے اہم کردار ہوتے ہیں اور جن کا ہونا یا نہ ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ پیدائش سے لے کر اپنی موت تک رشتوں کی ڈور سے بندھے ہوئے کردار زندگی کو ہنس کر گزارتے ہیں یا رو کر، مشقت سے سانس لیتے ہیں یا خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے ہوئے اس کا سارا دارومدار ان سے وابستہ رشتوں پر ہوتا ہے۔ وقت بدل جاتے ہیں مگر کہانی وہی رہتی ہے اور اپنی باری سے اس میں مختلف کردار شامل ہوتے رہتے ہیں۔

زندگی کے انہی پیچ و خم اور نشیب و فراز سے نبرد آزما ہوتی ایک چشم کشا تحریر . . . . .



خاندان ایک ہی تھا، لڑکیاں بھی اسی خاندان کی اور لڑکے بھی، دونوں فریقین کے گھر بھی قریب، قریب ہی تھے تو دن بھر سب کا آنا جانا دونوں گھروں کے بیچ لگا ہوا تھا۔ اس لیے اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کون لڑکے والا ہے اور کون لڑکی والا۔ ڈھولک، مایوں، تیل، مہندی اور بارات...... ہم سب لڑکیوں کی طرف سے شادی کی تمام تقریبات میں پیش، پیش رہے تاکہ ان بچیوں کو احساسِ محرومی نہ ہو۔ میں نے بھی اپنے ذہن میں در آنے والی ان سوچوں کو بھلا دیا تھا جو کہ ان بچیوں اور ان کے باپ کی وجہ سے یہاں آنے سے قبل میرے ذہن میں آئی تھیں اور بھرپور طریقے سے ہر تقریب میں پیش، پیش رہی۔ ولیمے کی تقریب شادی کی نسبت بڑے پیمانے پر تھی، گاؤں میں بھی ایک شادی ہال بن چکا تھا، وہیں پر ولیمے کی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔

جب بھی عباس چاچو سے سامنا ہوا میں نے انہیں بہت غور سے دیکھا اور اس طرح دیکھنے سے نادانستگی میں کئی سوچیں میرے ذہن میں در آتیں۔ کیا میں ان کی بیٹی ہوتی تو اسی طرح ہوتی جس طرح میں آج تھی؟ محرومیاں، مسائل اور پریشانیاں اسی طرح ہوتیں یا میرے ساتھ کچھ برا نہ ہوا ہوتا؟ کیا میں اتنی تعلیم حاصل کر سکتی تھی جتنی اب میرے پاس تھی؟ ان سب سوالوں کا جواب نفی میں آتا تھا۔

حبیب گودوں سے گودوں میں منتقل ہوتا ہوا لاڈ اٹھوا رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ اسے اس کی عادت پڑ جائے گی تو میں کہاں اسے گود میں اٹھاتی پھروں گی۔ سارا خاندان جمع تھا، کسی سے کترانا یا کسی کی نظروں سے اوجھل ہونا اتنا آسان نہ تھا۔ تمام تقریبات میں، میں شامل تو ہوئی مگر دوسروں کے پیچھے رہ کر...... میں کامل کی وجہ سے چھپتی پھر رہی تھی۔ پہلے دن کی اس مختصر ملاقات کے بعد میرا اس سے سامنا نہ ہوا تھا۔ لاہور سے مہر پھپو اور گل پھپو کی پوری فیملی شادی میں شرکت کے لیے آئی تھی تو ظاہر ہے کہ اسے بھی آنا تھا۔ ملک میں نہ ہونے کا تو جواز چل جاتا مگر یہاں تھے تو کوئی بہانہ نہ تھا، قریبی خاندان اور دو، دو شادیاں۔

اس روز بھی سلام کر کے...... ”کیا حال ہے آپ کا؟“ اسی نے پوچھا تھا۔

”جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ میں نے شامیر کے عقب میں پناہ لیتے ہوئے مختصراً کہا تھا۔

”اللہ کا شکر ہے...... “ اس نے کہا تھا۔ ”مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ میں یوں آپ کو خوش اور صحت مند دیکھ رہا ہوں۔“ اس نے کہا تھا۔

شاید وہ سوچ رہا ہوگا کہ کینسر نے میرے وجود کو سوکھی لکڑی کی طرح کر دیا ہوگا اور میں پیلے پھٹک رنگ کے ساتھ کوئی ڈھانچا نما چیز بن گئی ہوں گی، میری آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے ہوں گے۔ کچھ ایسا ہی حلیہ اپنے مستقبل کا میں خود بھی سوچتی تھی جب پہلی بار مجھے خود کو کینسر ہونے کا علم ہوا تھا۔ ان دنوں تو زین کو بھی مجھ پر ترس آتا تھا اور وہ میرے ساتھ ایسا رویہ رکھتا تھا جیسا کسی تھوڑے عرصے میں مر جانے والے شخص کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ شاید وہ سوچتا تھا کہ جلد ہی اس کی مجھ سے جان چھوٹ جائے گی مگر اس کی دوست اس سے زیادہ اتاولی تھی...... ممکن ہے کہ زین نے اسے نہ بتایا ہو کہ میں کینسر میں مبتلا تھی اور شاید موت کے دہانے پر تھی۔

گل پھپو، ان کے شوہر اور کامل سامان سمیت بڑی پھپو کے ہاں قیام پزیر تھے۔ گل پھپو اور ہاشم پھوپا کا گھر تو وہی بنتا تھا مگر تحریم تمام وقت ہمارے ساتھ ہی رہی تھی... تمنا، فاطمہ اور میں، اس کی دلچسپی کے تمام لوگ اس گھر میں تھے۔ گل پھپو نے امو جان سے وعدہ کیا تھا کہ کسی ایک دن وہ یہاں بھی ٹھہریں گی۔ مہر پھپو اور ان کے بچے ہمارے ہاں ٹھہرے تھے کیونکہ تمنا اور فاطمہ یہیں تھیں۔ اتنے عرصے کے بعد اس گھر میں مہمان کسی خوشی کے موقع پر جمع ہوئے تھے، لگ بھگ سارا خاندان تھا۔ میری آنکھیں یہ سوچ، سوچ کر بھر آتیں کہ ابو جان ہوتے تو ان

وقت کتنے خوش ہوتے۔ جمال چاچو کے موجود نہ ہونے کی کسک مجھے بہت محسوس ہوئی۔ امو جان دانستہ ان کا ذکر کرنے سے گریز کرتیں مگر مہر پھپو کئی بار کہہ چکی تھیں کہ انہیں جمال چاچو کی کمی بہت محسوس ہو رہی ہے۔ یوسف کے معاملے کو سب جانتے تھے اس لیے کوئی بھی ان کے نہ آنے پر معترض نہ تھا۔

”زین نہیں آیا آپ کے ساتھ شادی پر؟“ میں اور تحریم کچن میں تھیں جب وہ بھی وہیں چلا آیا تھا اور اس نے براہِ راست مجھ سے سوال کیا۔

رخصتی سے فارغ ہو کر سب ہماری طرف ہی آ گئے تھے۔ شامیر اور کبیر بھائی اصرار کر کے گل پھپو کو بھی لے آئے تھے۔ میں نے چاہنے کے باوجود انہیں ایک بار بھی نہیں کہا تھا کہ وہ ہمارے ہاں آئیں کیونکہ وہ آتیں تو کامل بھی آ جاتا۔ ہاشم پھوپا البتہ اپنے گھر پر ہی رہے اور گل پھپو اور کامل آ گئے تھے۔ امو جان نے گھر پہنچتے ہی چائے بنانے کا حکم صادر کیا۔ گل پھپو نے کہا کہ پہلے لڑکیاں اپنے بھاری ملبوسات تبدیل کر لیں تو خود چائے بنائیں کیونکہ انہیں ملازماؤں کے ہاتھ کی چائے پسند نہیں آتی تھی۔ تمنا کی حالت کے پیشِ نظر اسے مہر پھپو نے اپنے پاس بٹھا رکھا تھا، سو مجھے اور تحریم کو چائے بنانے کا حکم ملا اور ہم دونوں کچن میں تھیں۔

”جی نہیں...... اس کی کوئی اپنی مصروفیت تھی۔“ میں نے بے نیازی سے کہا۔ تو کیا اسے معلوم نہیں کہ میں اور وہ؟ ہو سکتا ہے کہ علم ہو اور وہ جان بوجھ کر مجھ سے پوچھ رہا ہو، شاید میرے منہ سے سننا چاہتا ہے۔ میں نے نظر چرا کر اسے دیکھا۔

”جمال ماموں تو ٹھیک ہیں ناں......؟ یوسف کی وجہ سے کافی پریشان ہوں گے بیچارے۔“ اس نے ٹرے میں چائے کے کپ سیٹ کرنا شروع کر دیے تھے۔

”جی۔“ میں نے ہولے سے کہا۔ ”آپ رہنے دیں، میں رکھ لیتی ہوں۔“

”آپ کا بیٹا بہت پیارا ہے ماشاءاللہ۔“ اس نے میری بات کو نظر انداز کیا۔

”جی شکریہ......“ میں نے تحریم کے ہاتھ سے کیتلی لے کر کپوں میں چائے انڈیلنا شروع کی۔

”بالکل آپ کی طرح شکل ہے...... وہی آنکھیں۔“ اس نے کیتلی میرے ہاتھ سے لینے کی کوشش کی، میں نے ہلکا سا خاموش احتجاج کیا۔ اس کی گرفت مضبوط تھی۔ میں نے اپنی گرفت سے کیتلی کو آزاد کر دیا، مبادا کہ کوئی فلمی سچویشن بن جائے اور چائے ہم دونوں کی کھینچا تانی سے گر جائے۔

”جی شکریہ...... آپ کافی لیں گے یا چائے؟“ میں نے چونک کر نظر اٹھائی اور جواب میں پوچھا۔

”اس کا باپ کون سا اسمارٹ نہیں ہے کامل بھائی۔“ تحریم...... نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

”اگر کافی بن رہی ہے تو کافی۔“ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا، میں نے سر جھکا لیا۔

”چائے بن رہی ہے مگر آپ کے لیے کافی بن جائے گی، آپ جا کر باقی لوگوں کے ساتھ بیٹھیں پلیز۔“ میں نے گڑبڑا کر کہا۔

”یہیں رہنے دو ناں انہیں امرت...... یہاں ہونے سے کیا مسئلہ ہے؟ وہاں وہ کس کے پاس بیٹھیں؟ کبیر بھائی شادی والے گھر میں کسی کام سے گئے ہیں، عباس چاچو نے بلوایا ہے اور شامیر اور میثاق کوئی مووی دیکھ رہے ہیں جس سے کامل بھائی کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”یہاں ان کی دلچسپی کا کیا سامان ہے تحریم؟“ کامل نے کپوں میں چائے ڈال لی تھی۔ ٹرے میں کپ سیٹ کر کے اسے اٹھایا۔ ”میں چائے لے کر جا رہی ہوں، انہیں کافی بنا دو اور اگر یہاں پر ہی بیٹھ کر پینا چاہیں تو بے شک......“

”لائیں میں ٹرے لے جاتا ہوں۔“ اس نے فوراً آگے بڑھ کر ٹرے کو میرے ہاتھ سے پکڑنا چاہا۔ اس کی

انگلیاں میری انگلیوں سے مَس ہوگئیں۔ جانتی تھی کہ وہ اتنا چیپ تھا تو نہیں کہ جان بوجھ کر میری انگلیوں کو چھوتا گ... میں نے ایک دم گھبراہٹ سے ٹرے چھوڑ دی اور وہ ساری ٹرے زمین بوس ہوتے، ہوتے بچی تاہم تمام کپوں سے چائے ذرا ذرا سی چھلک گئی تھی۔

"اوہ......" میں ہکلا گئی۔

"کوئی اور ٹرے دے دیں۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔ "تحریم میرے لیے کافی نہ بنانا۔" تو گویا... صرف کچن میں موجود رہنے کا جواز ڈھونڈ رہا تھا۔ میں نے اسے دوسری ٹرے نکال کر دی اور کچن سے فوراً نکل کر وہیں آگئی جہاں سب لوگ بیٹھے تھے۔

☆☆☆

"امرت میری جان۔" گل پھپھو میرے کمرے میں آئی تھیں، انہوں نے میرے پاس بیٹھ کر میرا سر اپنے ساتھ لگا کر کہا۔ میں اور تحریم اس کمرے میں قیام پزیر تھے۔ ان کے آنے پر تحریم حبیب کو اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔

"میں اسے تمنا کے کمرے میں لے کر جا رہی ہوں۔" جاتے، جاتے اس نے کہا تھا۔ مجھے لگا کہ پھپھو نے اسے کوئی اشارہ کیا ہوگا یا پہلے سے کہہ رکھا ہوگا۔

"جی پھپھو؟" میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں مسل دیا ہے یہ سن کر کہ......" وہ کہتے، کہتے رکیں اور سسک پڑیں۔ "اللہ ہی پوچھے اس زیبا اور اس کی ناخلف اولادوں کو، ہمارے بھائی کی زندگی تو عذاب کی ہی تھی مگر تمہارے ساتھ تو اور بھی برا کیا ہے۔"

"اللہ کی یہی رضا تھی پھپھو......"

"میں تو اتنے عرصے سے تمہاری بیماری کا سن کر تڑپتی رہی اور آج ہی علم ہوا ہے کہ......" انہوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹشو پیپر سے اپنے آنسو صاف کیے۔ "سچ پوچھو تو میں نے اتنی دعائیں کیں تمہارے لیے، میں تم سے دور تھی مگر تم ہر پل میرے قریب تھیں۔ تمہاری بیماری کا سن کر میں سوچ، سوچ کر دکھی ہوتی تھی کہ جانے تم کس حال میں ہوگی اور کیا ہوگا...... عجیب برے برے خیال ذہن میں آتے تھے۔ کیا ایسا نہیں تھا جس کا خیال ذہن میں نہیں آتا ہو مگر جب سب کچھ ٹھیک ہوگیا تو میں سکون میں آگئی کہ تمہاری زندگی سے پریشانیاں ختم ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے پیارے اور صحت مند بیٹے سے نوازا مگر کیسے بدقسمت لوگ ہیں جنہوں نے اس خوشی کے باوجود تمہاری زندگی کو خراب کیا۔ انہیں اپنے مظالم کا حساب دینا پڑے گا۔" وہ رکیں۔ "اس زیبا کو دنیا میں بھی کسی نہ کسی طرح سزائیں تو مل رہی ہیں مگر اسے سمجھ میں ہی نہیں آ رہا کہ یہ مکافاتِ عمل ہے......"

"نہیں پھپھو، میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا کہ میری وجہ سے کسی کو ایسی سزائیں ملیں۔ نہ میں نے کبھی انہیں یا کسی اور کو بددعا دی ہے۔ جو میرا نصیب تھا مجھے وہی ملا، اللہ تعالیٰ نے میرے لیے جتنے عرصے کی شادی شدہ زندگی لکھی تھی اس میں بھی کوئی خوشی تو نہ تھی بس میرے دل کو سکون تھا کہ اگر میں اس شادی کو کسی نہ کسی طرح نبھا لوں گی تو میرے ابو جان کی روح خوش ہوگی۔"

"بھائی جان نے میری بات اس وقت نہ مانی اور بے سوچے سمجھے تمہیں اس کنویں میں پھینک دیا۔ سارا خاندان اچھی طرح زیبا کو بھی جانتا ہے بس ایک بھائی صاحب کو علم نہ تھا ورنہ زین کیا ہے اور اس کی حرکتیں کیا، یہ بھی خاندان کے بچے، بچے کو علم تھا۔"

"چھوڑیں پھپھو، ابو جان نے نہ جانتے ہوئے جو فیصلہ کر لیا تھا وہ ان کی بیٹی کو یعنی مجھے نبھانا تو تھا ناں۔"

"ایسا ضروری نہیں تھا امرت...... میں نے اس وقت اپنے بڑوں کے فیصلے سے بغاوت کی تھی جب بغاوت

وچنے پر بھی سزا ملتی تھی۔ میں نے اس وقت اپنی پسند اور اپنے حق کے حصول کے لیے ہمت کی اور اپنی مرضی سے......"

"لیکن اس کی بڑی کڑی سزا بھی تو آپ نے پائی ناں پھپھو...... آپ کے ماں باپ مرتے دم تک آپ کی صورت تکنے کو ترستے رہے۔ آپ بھی کھلے عام ان سے مل تو نہیں سکیں اس اقدام کے بعد۔ آپ کی ماں آپ کو ملنے کو ترس، ترس کر جب اس دنیا سے گئی تو آپ کو علم بھی نہ ہوا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میرے منہ سے ایسی بات نکل گئی تھی۔ اس وقت اور کوئی موجود بھی تو نہ تھا۔

"تمہیں کیسے علم ہے کہ وہ مجھے ملنے کو ترستی تھیں؟" ان کے لہجے میں حیرت کے ساتھ تجسس تھا۔

"دادی جان نے مجھے خود بتایا تھا۔" میں نے ہولے سے کہا۔

"اور کیا، کیا بتایا تھا انہوں نے تمہیں؟" انہوں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"بس اتنا ہی بتایا تھا۔" میں نے اس موضوع پر مزید بات نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک بات کرتی تو جانے کیا، کیا باتیں اس سے منسلک نکل آتیں۔ تحریم کی آمد کے ساتھ ویسے بھی وہ بات ختم ہوگئی تھی۔ اس نے منہ بسورتے حبیب کو میری گود میں دیا۔

"بالکل تمہاری طرح لگتا ہے یہ امرت۔" پھپھو نے اس کے نرم گالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"مجھے بھی بہت کیوٹ لگتا ہے ماما اور میرے ساتھ خوش بھی بہت رہتا ہے......" تحریم نے چٹاچٹ کئی بوسے اس کے پھولے ہوئے گالوں کے لے لیے۔

☆☆☆

"تمہاری اسلام آباد واپسی کب ہے بیٹا؟" چاچو نے پیغام بھیجا تھا۔

"کل تک واپس آجاؤں گی چاچو۔" میں نے جواب دیا۔

"تم سے کوئی بات کرنا تھی۔" اگلا پیغام تھا۔

"حبیب سو جاتا ہے تو میں چھت پر جا کر آپ کو کال کرتی ہوں چاچو۔" میں نے جواب دیا۔ "یہاں سروس اچھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ان کا جواب آیا۔

میں نے حبیب کو فیڈ کروا کے سلایا، باہر کافی حد تک خاموشی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ کم از کم بزرگان سو چکے تھے۔ تحریم جاگ رہی تھی۔ اسے حبیب کا خیال رکھنے کو کہا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اس نے سوال کیا۔ "خیریت تو ہے ناں، طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" اس نے تشویش سے پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں، چاچو کو کال کرنی ہے...... نیچے سگنلز ٹھیک نہیں ہیں۔"

"اچھا مجھے چند منٹ دے دو میں نے کامل بھائی کو کافی بنا کر دینی ہے۔" کہہ کر وہ گئی اور چند منٹ میں واپس آگئی۔

"امرت ایک بات پوچھوں؟" اس نے بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہوں۔"

"تم...... میرا مطلب ہے کہ مجھے بہت دکھ ہوا تمہارے بارے میں سن کر، سوری مجھے پہلے علم نہیں تھا ورنہ میں ...رتی۔"

"کوئی بات نہیں میری جان۔" میں نے اس کا ہاتھ تھپکا، اس سے پوچھنا چاہا کہ اسے کس نے، کب اور کیا

بتایا ہے مگر پھر اسے غیر ضروری سمجھا۔ ''جو ہوا ہے شاید وہی میرے حق میں بہتر ہے۔ میں پہلے سے زیادہ خوش ہو
اور تمہیں قطعی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، جانتی ہوں کہ تمہیں علم نہیں تھا، کسی کو بھی علم نہیں تھا کیونکہ میں نے ک
کو بتایا ہی نہیں تھا۔''

''تم بہت حوصلے والی ہو امرت...... میں ہوتی جو تمہاری جگہ تو ساری دنیا کو چیخ، چیخ کر بتاتی اگر میرے سا
ایسا ہوا ہوتا تو۔''

''اللہ نہ کرے کہ تمہارے ساتھ ایسا ہو۔'' میں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ''اب یہ جاگے گا نہیں مگر پھر بھ
اگر جاگ جائے تو مجھے بلا لینا۔ تم بے شک سو جاؤ اس کے رونے سے تمہاری آنکھ کھل جائے گی۔''

''بچے کے رونے سے صرف اس کی ماں کی آنکھ کھلتی ہے......''

''تم بھی تو اس کی ماں جیسی ہو......''

''وہ کیسے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''بھئی خالہ کو ہماری زبان میں ماسی کہتے ہیں ناں۔ تو کیا تم اس کی ماسی نہیں ہو؟''

''ہاں ہوں تو۔'' اس نے کھوئے، کھوئے لہجے میں کہا۔ ''ویسے ہم ماسی تو کام کرنے والیوں کو سمجھتے اور کہتے ہیں۔''

''ماسی کا مطلب ماں جیسی ہوتا ہے ناں پیاری یعنی ''ماں سی۔'' وہ ہنس دی تھی۔

☆☆☆

''سب خیریت ہے ناں چاچو؟'' میں نے چھت پر جا کر انہیں کال کی تھی۔

''بس تم کل واپس آ جاؤ بیٹا۔'' ان کے لہجے میں اضطراب تھا۔

''جی چاچو وہ تو میں آ جاؤں گی مگر آپ بتائیں کہ یوسف سے بات ہوئی آپ کی؟''

''نہیں بیٹا وہ کبھی کوئی بہانہ کرتے ہیں کبھی کوئی عذر...... مجھے اس کی طرف سے بہت پریشانی ہے۔ میں گھ
میں کسی سے اپنا دکھ اور پریشانی شیئر بھی نہیں کر سکتا۔ زین اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہے اور جب بھی میرے پاس آ
ہے تو یہی مطالبہ ہوتا ہے کہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہے اور سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہے تمہاری خاطر...... زیبا مجھ
موردِ الزام ٹھہراتی ہے کہ میں نے وہاں جا کر اگر کسی کو رشوت بھی دی ہے تو میں یوسف کو چھڑا کر واپس کیوں
نہیں لایا۔ اس کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کروانا تو کوئی فائدے کا سودا نہ ہوا۔''

''سب کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں چاچو، مجھے امید ہے کہ وہ جلد لوٹ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لوٹ
آنے کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کرے گا۔'' میں نے ان سے وہ الفاظ کہے جن کے بودے ہونے کا سب سے پہلے
مجھے خود یقین تھا۔

''جونہی تم پہنچو تو مجھے بتانا، میں فوراً تمہیں ملنے کے لیے آؤں گا۔'' انہوں نے کہا۔

''زیبا چچی کی بات ہوئی ہے یوسف سے کبھی؟''

''پہلے بہت شروع میں ہوئی تھی بلکہ اس نے پہلے اپنے گرفتار ہونے کی خبر ماں کو ہی فون کر کے دی تھی کیونکہ
میں دفتر میں کسی میٹنگ میں تھا اور اس کی کال اٹینڈ نہیں کی تھی۔''

''ان دنوں میں اس کی بات نہیں ہوئی؟''

''اب تو دس بارہ دن سے میری بھی کوئی بات نہیں ہوئی، آخری دفعہ میں نے اپنی وہاں موجودگی میں اس کی
بات کروائی تھی ماں سے...... تب لگ بھگ اس نے آدھا گھنٹا ماں سے بات کی تھی۔''

''اس کا نمبر مجھے بھیجیں اور جیل کے جس نمبر پر آپ کال کر کے اس سے بات کرتے تھے وہ نمبر بھی بتائ

ہاں، میں شامیر سے کہتی ہوں کہ کسی طریقے سے چیک کروائے۔''

''میں نمبر بھیجتا ہوں مگر میں نے بھی وہاں کے پاکستانی سفارت خانے سے کہہ رکھا ہے کہ مجھے چیک کر کے
...ئیں، امید ہے کہ وہ آج کل میں کوئی خبر دیں گے۔''

''ٹھیک ہے چاچو، اللہ کرے کہ وہ کوئی اچھی خبر جلد دیں۔'' میں نے الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کیا اور وہیں
...ڈیر پر بیٹھ گئی۔ تاریکی کا راج تھا، چاند بھی کہیں نہ تھا اور ستارے بھی بادلوں کی اوٹ میں تھے۔ ہلکی، ہلکی ہوا سے
...نکی کا احساس ہو رہا تھا۔

''کیا بتاتے ہیں ماموں؟'' میں حیرت سے اچھلتے، اچھلتے بچی۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' میں نے خود کو سمیٹا۔

''یونہی کمرے میں گھبراہٹ ہوئی تو چھت پر آ گیا کافی پینے۔''

''یوسف سے رابطہ نہیں ہو رہا کافی دنوں سے تو پریشانی ہے۔''

''اوہو...... میں تو ملک میں نہیں تھا تو کافی باتوں سے لاعلم رہا۔ یہاں آ کر علم ہوا یوسف کے بارے میں اور
...ج تمہارے بارے میں معلوم ہوا۔ میں تم سے زین کے بارے میں پوچھ رہا تھا، اس کے لیے سوری، شاید تم نے
...چا ہو کہ میں نے جان بوجھ کر اس کے بارے میں پوچھا تھا تم سے۔'' کیسا قیافہ شناس تھا وہ، بالکل وہی بات کہہ
...ا تھا جو میں نے اس وقت سوچی تھی جب اس نے کچن میں مجھ سے زین کے نہ آنے کا پوچھا تھا۔

''میں غیر ضروری باتوں کے بارے میں نہیں سوچتی۔''

''تم بہت بدل گئی ہو امرت......'' اس کے لہجے میں کیا تھا، میں چونکی مگر مڑ کر اسے نہ دیکھا۔

''وقت کے ساتھ سب کچھ بدل جاتا ہے۔''

''میں یوسف کے سلسلے میں کوئی کوشش کروں؟'' اس نے سوال کیا۔

''کیا کر سکیں گے آپ؟'' میں نے اپنی مسرت چھپانے کی کوشش کر کے سوال کیا۔

''میرے بہت سے کولیگ مختلف ملکوں میں سفارت خانوں میں اہم ذمے داریوں پر ہیں۔ میں ان کے
...لیے چیک کروا سکتا ہوں اور ممکن ہے کہ کسی کے ذریعے کوشش کرنے سے اس کی سزا میں مزید نرمی ہو سکے۔'' اس
...رسان سے کہا۔

''کیا واقعی ایسا ہو سکے گا؟'' میں نے دل میں اٹھنے والے جوش کو دباتے ہوئے پوچھا۔

''اللہ نے چاہا تو ہو جائے گا، کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔'' اس نے کہا۔ ''ضروری تو نہیں کہ ہماری کی
...ی کوششیں ہمیشہ ہی ناکام ہوں۔''

''اللہ کرے کہ کوئی بہتری کی صورت نکل آئے...... تھینک یو۔'' میں نے اس کی ذومعنی بات کو نظر انداز کر کے کہا۔

''کس بات کا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ نے یوسف کے بارے میں ایسا سوچا۔''

''وہ میرا بھی اتنا ہی کزن ہے جتنا آپ کا اور ماموں مجھے بھی اتنے ہی عزیز ہیں جتنے آپ کو۔'' کاش اسے علم
...ا کہ چاچو جتنے مجھے عزیز تھے اتنے وہ اپنی اولادوں کو بھی نہیں تھے۔ مجھے ان سے اتنا ہی پیار ہے جتنا مجھے ابو جان
...تا تھا۔

''چلتی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم سے کچھ کہنا تھا امرت......'' اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”حبیب جاگ گیا ہوگا۔“ میں نے ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ شاید کوئی ایسی بات جو میں سننا نہیں چاہتی تھی۔ اسے اس کی ان کہی سمیت وہیں چھوڑ کر میں اپنے کمرے میں آگئی۔ تحریم بھی حبیب کے پاس ہی سو چکی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر تھا، شاید وہ اسے تھپک رہی تھی۔

☆☆☆

اتنا گدلا پانی، اتنا تیز رفتار...... رات میں چھت پر گئی تو بادل تو تھے مگر یوں اتنی بارش اور اتنا پانی کہاں سے آگیا، یوں لگتا تھا کہ کہیں کوئی بند ٹوٹ گیا ہو۔ میں نے تحریم کا ہاتھ پکڑا اور حبیب کو اپنے کندھے سے لگا لیا، پلنگ سے پاؤں نیچے رکھا تو ٹانگیں گھٹنوں تک پانی میں تھیں...... ”یا اللہ۔“ میں سسکی۔ تحریم چیخی تھی مگر اس کی چیخ شاید اس کمرے سے باہر نہیں گئی ہوگی کیونکہ باہر سے بھی چیخوں اور شور کی آوازیں آرہی تھیں۔ ”یہاں اس کمرے سے نکلو تحریم۔“ میں نے اسے اپنی طرف کھینچا، وہ واپس پلنگ پر چڑھنا چاہ رہی تھی۔

”یہاں سے نکل کر کہاں جائیں گے؟“ اس نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔

”دیکھو، کمرے کی کھڑکی بھی بند ہے اور پانی بہت رفتار سے کمرے میں آرہا ہے مگر کہیں سے نکلے گا نہیں، بہتر ہے کہ ہم کھلے میں چلیں وہاں سے بچاؤ کی کوئی بہتر تدبیر ہوگی، یوں بھی سب باہر ہیں تو ہم انہیں نظر آجائیں گے۔“

”مگر باہر بارش ہے اور مجھے گرج چمک سے بہت ڈر لگتا ہے۔“ اس نے چیخ کر کہا۔

”ہم پھنس جائیں گے تحریم......“ میں نے جواباً چیخ کر کہا مگر وہ پلنگ سے نہ اتری۔

میرے اندر ممتا کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میں تحریم کا ساتھ دے کر وہاں پھنسی ہوئی نہیں رہ سکتی، چلو باہر کامل نظر آیا تو اسے کہوں گی کہ وہ آکر تحریم کو وہاں سے نکالے، یہی سوچ کر میں گھٹنوں سے اوپر تک آجانے والے پانی میں چلنے لگی۔ گھپ اندھیرا ہو گیا تھا، ہلکی سی روشنی بھی نہ تھی۔ پانی کے اندر سے ہی میری ٹانگوں کے گرد کچھ لپٹ گیا تھا۔ ”سانپ“ میں سن ہوگئی، وہ میرے گرد لپٹ رہا تھا۔ ”کوئی ہے...... مجھے بچاؤ۔“ میں پوری قوت سے چیخی تھی مگر میری آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ ”خدا کے لیے کوئی مجھے بچاؤ...... کوئی حبیب کو مجھ سے لے، لے...... تحریم۔“ میں نے پھر چیخ کر کہا بجلی زور سے کڑکی تھی، اس کی روشنی میں میں نے دیکھا تحریم پلنگ پر نہ تھی، شاید وہ پانی میں گر گئی تھی۔ ”تحریم۔“

”اچانک ایک زوردار دھماکے جیسی آواز آئی، کچھ آکر مجھ سے زور سے ٹکرایا، میں نے پھر چیخنے کی کوشش کی۔ ”تحریم۔“ سانپ میرے گرد لپٹے جا رہا تھا، جانے کتنا بڑا سانپ تھا...... پھر بجلی کڑکی، برآمدے میں کھڑا کامل مجھے نظر آیا تھا اور چھت پر کبیر بھائی اور فاطمہ...... ”کبیر بھائی۔“ میں نے چیخ کر انہیں بلایا۔ جواب میں برآمدے سے کامل میری طرف بھاگا، راستے میں وہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرا تھا۔ بجلی نہیں چمک رہی تھی اب مگر جانے روشنی کہاں سے آرہی تھی۔ وہ سنبھل کر اٹھا تھا اور پانی سے کھینچ کر کچھ نکال رہا تھا۔ بالآخر وہ اسے اٹھانے میں کامیاب ہو گیا اور اس وجود کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ میری طرف بڑھتے ہوئے وہ مجھے صاف نظر آرہا تھا، ذرا قریب آیا تو ”چاچو......“ میں نہیں پہچان کر ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔ ”چاچو، میرے پیارے چاچو، آپ کب آئے اور کیسے آئے ہیں یہاں؟“ میں نے سسک کر کہا۔

”میرا ہاتھ پکڑو امرت۔“ کامل نے ہاتھ میری طرف بڑھایا اور چاچو کو قریب رکھے تخت پر لٹا دیا۔

”تم اندر تحریم کو ڈھونڈو......“ میں نے اس کے ہاتھ کو نظر انداز کیا۔

”تحریم۔“ وہ پکارتا ہوا کمرے کی طرف بڑھا۔ میں برآمدے میں چاچو کے بے جان وجود کے قریب گئی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہاں ذرا سا بھی پانی نہ تھا۔ میرے گرد لپٹا ہوا سانپ بھی جانے کیسے چلا گیا تھا۔ اور گندا پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور وہاں اتنے حصے میں جگہ صاف تھی۔

”حبیب......؟“ میرے پاس تو حبیب تھا۔ مجھے یاد آیا، چاچو کو دیکھ کر میرے ہاتھ سے وہ چھوٹ گیا تھا۔

”حبیب...... میرے حبیب۔“ میں نے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخنے کی کوشش کی۔

”امرت۔“ بیڈ کی سائڈ کا لیمپ جلا کر اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا تھا، حبیب بھی رونے لگا تھا۔ ”کیا ہوا، کوئی برا خواب دیکھ لیا ہے کیا؟“

”بہت برا تحریم۔“ میں اس کے ساتھ لپٹ کر سسکنے لگی۔ اس نے حبیب کو اٹھا کر میری گود میں ڈالا۔

”پہلے تم حبیب کو بلا رہی تھیں۔ پھر تم نے مجھے بلایا، کئی بار...... پھر کبیر بھائی کو، چاچو کو۔“ میں اس کا منہ دیکھ رہی تھی تو اس کا مطلب ہے کہ میں کافی دیر سے سب کو پکار رہی تھی۔ وہی سب لوگ جنہیں میں خواب میں پکار رہی تھی۔

”میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے تحریم، میں بہت ڈر گئی تھی۔“

”اچھا چلو اس کو چپ کرواؤ، چاروں قل پڑھو، آیت الکرسی بھی اور صبح اٹھ کر کچھ صدقہ دے دینا۔“ تحریم نے بڑی بوڑھیوں کی طرح کہا۔

”ہوں......“ میں نے حبیب کو اپنے ساتھ بھینچ لیا...... وہ روتے ہوئے فوراً چپ کر گیا تھا۔ ”اللہ کرے کہ چاچو ٹھیک ہوں تحریم، یوسف ٹھیک ہو......“

”ایسا ہی ہوگا امرت۔“

”کچھ بہت برا ہونے والا ہے۔“

”وہم نہ کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”نہیں تحریم، میرے کچھ ایسے خواب ہمیشہ کسی نہ کسی طرح سچ ثابت ہوتے ہیں۔“

”کیا دیکھا تم نے خواب میں؟“ اس نے میرا کندھا تھپکا۔

”میں تمہیں بتا بھی نہیں سکتی اور یوں بھی برا خواب کسی کو نہیں بتانا چاہیے۔“

”سب ٹھیک ہوگا میری جان۔“ اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا اور میرے کندھے تھپکنے لگی۔ ”کون ہے؟“ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

”میں ہوں کامل...... سب ٹھیک ہے ناں تحریم؟“

”جی بھائی سب ٹھیک ہے...... وہ امرت سوتے میں ڈر گئی تھی۔“

”اوکے......“ اس نے کہا۔ ”اس سے کہو پریشان نہ ہو، میں کل صبح کچھ کرتا ہوں، اس وقت تو وہاں رات کے دن رہے ہیں، وہ ہم سے تین گھنٹے پیچھے ہیں اس لیے اس وقت میں کسی کو کال نہیں کرسکتا۔“

”جی اچھا بھائی، کہہ دیتی ہوں۔“ تحریم نے جواباً کہا۔ مجھے پیغام دے کر اس نے پوچھا کہ وہ کس بارے میں ...ر رہے تھے۔ میں نے اسے مختصراً بتایا۔ ”سو جاؤ اب امرت۔“ اس نے کروٹ بدل کر کہا اور میں سوچ رہی تھی ...یا میں اتنے زور سے چیخ رہی تھی کہ کامل کے کمرے تک آواز گئی تھی یا پھر وہ اس کمرے کے باہر ہی کان لگا کر ...رہا تھا۔ مگر اس وقت رات کے تین بجے......؟

☆☆☆

دل میں کوئی چور گھسا تھا یا کچھ ہونے والا تھا...... صبح کی روشنی بھی اندھیرے جیسی لگ رہی تھی۔ میں کسلمندی سے بستر پر لیٹی ہوئی تھی، جاگ کر بھی بستر چھوڑنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ شامیر شام کو ہی واپس گیا تھا اور مجھے بھی ...دن واپس جانا تھا، شاید یہی سوچ کر جی بھاری ہو رہا تھا۔ شادی کے ہنگامے اور خاندان کے اتنے لوگوں کے ...اتنا بھرپور وقت گزار کر اب واپس اپنے گھر جانا جہاں وقت کا ایک، ایک لمحہ مشکل سے گزرتا تھا۔ جتنا وقت

بچوں کے کام کار میں گزرتا وہ تو اُڑ کر جاتا اور بچے سوئے ہوتے تو فرصت ہی فرصت۔

''امرت۔'' اموجان میرے پاس آئی تھیں۔ ''تم ٹھیک تو ہوناں بیٹا؟'' مجھے سستی سے بستر میں پڑے ہوئے دیکھ کر انہوں نے پوچھا تھا مگران کا لہجہ نم، نم سا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں اموجان، آپ ٹھیک ہیں؟ آپ کی آواز کچھ بھاری سی لگ رہی ہے مجھے۔''

''ہاں میں ٹھیک ہوں، تم اٹھو بستر چھوڑو اور تیار ہو جاؤ، واپس نہیں جانا آج تمہیں۔'' انہوں نے سوال کو اس طرح کہا کہ جیسے حکم دے رہی ہوں کہ اب جاؤ۔ حالانکہ کل تک وہ مجھے بار، بار کہہ رہی تھیں کہ کیا ایمرجنسی ہے جانے کی، چند دن اور رک جاؤ۔

''جی اٹھتی ہوں اموجان۔'' میں نے اسی سمے بستر چھوڑ دیا۔ ''آپ حبیب کو لے جائیں میں منہ ہاتھ دھو آتی ہوں، ناشتا کرتی ہوں پھر کبیر بھائی سے کہتی ہوں کہ ڈرائیور کا بندوبست کریں۔''

''وہ...... جمال نے کل شام کو ہی ڈرائیور بھیج دیا تھا وہ رات دیر سے پہنچا تھا، بس پر آیا تھا اس لیے قصبے کی بس مس ہو گئی تو رات وہیں اڈے پر رک کر گزاری تھی اس نے، سویرے ہی پہنچا ہے۔''

''اوہو...... منع کیا تھا انہیں میں نے، انہیں خود بھی ڈرائیور کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ تم ذرا جلدی سے تیار ہو جاؤ اور نکل لو۔'' اموجان کے مجھے یوں واپس جانے کہنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں نے جلدی، جلدی شاور لیا اور لاؤنج میں آئی تو وہاں سب مہمان غیر موجود۔

''سب لوگ ناشتا کر چکے؟'' میں نے ناشتے کی میز پر صرف اپنے لیے برتن دیکھ کر پوچھا۔

''ناشتا بھی کر لیا اور چلے بھی گئے۔'' اموجان نے کہا تو میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''کہاں چلے گئے؟''

''واپس...... اپنے، اپنے ٹھکانوں پر۔''

''مجھ سے ملے بغیر...... تحریم اور تمنا بھی مجھے ملے بغیر چلی گئیں؟'' میں شدید صدمے کے عالم میں آ گئی۔

''تم سو رہی تھیں ناں اس لیے...... تمنا یہیں ہے، اقبال بھائی کی طرف...... تحریم نے بتایا کہ رات تم دیر تک جاگتی رہیں اور شاید کوئی ڈراؤنا خواب بھی دیکھا تو کسی نے بھی الوداع کہنے کے لیے تمہیں جگایا نہیں تاکہ تم سکون سے سو سکو۔''

''پھر بھی اموجان......'' میں نے افسوس سے کہا۔ ''تمنا کیوں واپس نہیں گئی؟ کہیں تمنا...... میرا مطلب کہ تمنا کی طبیعت تو ٹھیک تھی ناں اموجان؟''

''ہاں، ہاں، تمنا بالکل ٹھیک ہے بیٹا، تم اس کی فکر نہ کرو، چاہو تو اس سے بات کر کے دیکھ لو یا جانے سے پہلے مل لو۔''

''نہیں، ٹھیک ہے...... آپ کہہ رہی ہیں تو ایسا ہی ہوگا۔''

''تمہاری گاڑی میں، میں نے کچھ کھانے پینے کا سامان راستے کے لیے رکھوا دیا ہے......''

''ارے اموجان، سفر ہے ہی کتنا۔'' میں نے تشکر سے کہا۔

''پھر بھی سوچا کہ تمہیں راستے میں کسی چیز کے لیے بھی رکنا نہ پڑے اور تم جلد پہنچ جاؤ۔''

''آپ بہت کیوٹ ہیں اموجان۔'' میں ہنسی۔

''پتا ہے مجھے......'' وہ بھی ہنسیں۔

''اچھا میں تیار ہو کر چند منٹ کے لیے رک کر تمنا کو ملتی ہوئی جاؤں گی۔'' میں نے ناشتا ختم کر کے ان سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

☆☆☆

''گاڑی واپس موڑیں گے ذرا چاچا۔'' تمنا سے مل کر نکلی تھی اور ابھی نور پور کی حدود ہی تھیں کہ یاد آیا کہ میں نے اپنا زیور اموجان کے پاس رکھوایا تھا اور ان سے واپس لینا بھول گئی تھی۔

''خیریت ہے ناں بیٹا؟'' ڈرائیور چاچا نے گاڑی روک کر سوال کیا۔

''ہاں وہ کچھ سامان رہ گیا ہے۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' انہوں نے گاڑی واپس موڑی۔ حبیب سو رہا تھا، گاڑی چلتی...... تو اسے نیند کے جھونکے آنے لگتے۔

گھر واپس پہنچی تو علم ہوا کہ اموجان اور کبیر بھائی دونوں گھر پر نہ تھے۔ فاطمہ نے بتایا کہ انہیں کہیں اچانک جانا پڑ گیا تھا۔ اسے میرے واپس آنے پر تشویش ہوئی تھی جو کہ میں نے اسے اصل وجہ بتا کر دور کر دی تھی۔

''خیریت تو ہے ناں، انہیں یوں اچانک کہاں جانا پڑ گیا؟'' میں نے حیرت کا اظہار کیا، گھنٹا بھر پہلے تک تو وہ اور اموجان ناشتے کی میز پر اکٹھے تھے۔ ان کا کوئی ارادہ کہیں جانے کا نظر نہ آتا تھا۔

''ہاں وہ......'' وہ ہکلائی تھی۔ ''مجھے علم نہیں مگر کسی کی عیادت کو گئے ہیں شاید۔'' ظاہر ہے کہ گاؤں کے کئی لوگوں کے بارے میں تو فاطمہ کو علم بھی نہ تھا۔ ممکن ہے کہ برادری سے کوئی بیمار ہو یا کسی اور گاؤں میں، خاندان میں کوئی بیمار ہوتا تو فاطمہ اسے جانتی ہوتی۔

''چلو اموجان سے کہنا کہ کوئی اور آنے والا ہو تو اس کے ہاتھ بھجوا دیں، میرا مطلب ہے کہ کوئی ایسا شخص جس پر زیور کے معاملے میں اعتماد کیا جا سکتا ہو ورنہ اموجان اپنے پاس ہی رکھیں۔'' اسے دوبارہ اللہ حافظ کہہ کر میں روانہ ہوئی۔

راستے سے میں نے چاچو کو پیغام بھیجا کہ میں روانہ ہو چکی تھی۔ ان کا کوئی جواب نہ آیا تھا۔ نہ ہی انہوں نے حسبِ معمول بار، بار پیغامات بھیج کر پوچھا تھا کہ میں کہاں پہنچی تھی۔

☆☆☆

ساجدہ کے چہرے پر مجھے دیکھ کر بشاشت آ گئی تھی۔ میں نے اس سے خیریت دریافت کی۔ اس کے بچوں کے بارے میں پوچھا، کسی کے آنے کا پوچھا اور پوسٹ وغیرہ کا پوچھا...... چند لفافے اس نے میرے حوالے کیے۔ گاڑی سے سامان نکلوا کر اس نے ڈرائیور کو چائے بنا کر دی اور پھر میرے لیے کافی بنانے لگی۔ میں نے چاچو کو پیغام بھیجا کہ میں واپس پہنچ گئی تھی مگر اس کا بھی کوئی جواب نہ آیا۔ پھر میں نے انہیں پیغام بھیجا کہ ارسل بھائی کو اطلاع کر دیں کہ میں واپس پہنچ گئی۔

کافی کے تلخ اور گرما گرم گھونٹ میری تھکاوٹ اتارنے کے لیے کافی تھے۔ میں نے ساتھ، ساتھ پوسٹ دیکھی، کچھ بلز تھے اور کچھ اشتہاری کمپنیوں کے خطوط، انہیں تلف کیا اور کافی ختم کر کے میں اس تشویش میں مبتلا ہو گئی کہ چاچو نے میرے پیغامات کا جواب کیوں نہیں دیا تھا۔ انہیں کال کرنے کا سوچا مگر کال کرنے پر ان کا فون بند ملا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ملک سے باہر ہوں، انہیں کسی وجہ سے اچانک جانا پڑ گیا ہو شاید یوسف کے سلسلے میں۔ یوسف کا یاد آتے ہی مجھے یاد آ گیا کہ کامل نے اس کے بارے میں چیک کرنے کا کہا تھا۔ مگر میں اس سے کس طرح رابطہ کروں، میرے پاس تو اس کا کوئی رابطہ نمبر نہیں تھا۔ تحریم سے نمبر لوں......؟ اوہنوں، تمنا سے کہتی ہوں کہ وہ تحریم سے لے کر دے، ممکن ہے کہ تمنا کے پاس بھی نمبر ہو...... سوچتے، سوچتے میں نے تمنا کو پیغام بھیج بھی دیا کہ کامل کا نمبر چاہیے کیونکہ اس نے یوسف کے بارے میں چیک کروانا تھا۔ چند لمحوں میں اس نے مجھے کامل کا نمبر بھیج دیا۔

''یوسف کے بارے میں چیک کروایا آپ نے؟'' پیغام لکھ کر بھیجنے ہی لگی تھی کہ رک گئی۔ پیغام کو ڈیلیٹ کیا،

سوچ میں پڑ گئی۔ اسے پیغام بھیجنا بھی چاہیے کہ نہیں، چاچو سے کہوں کہ اس سے بات کریں اور پوچھیں۔

''السلام علیکم......'' پھر اسے پیغام لکھا، چند لمحے سوچ کر پیغام بھیجا۔ اس کا جواب آئے تو پھر سوچتی ہوں کہ اگلا پیغام کیا بھیجوں۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہو امرت !'' چٹکی بجاتے میں جواب آیا۔

میرے دل کو کچھ ہوا، اسے کیسے علم ہوا کہ یہ میرا پیغام ہے، میں نے تو اپنا نام بھی نہیں لکھا اور نہ ہی میرا یہ نمبر چند قریبی رشتے داروں کے علاوہ کسی کے پاس تھا۔ جواب لکھنا چاہا کہ میں ٹھیک ہوں، یک دم انگلیوں کو روکا۔ جتنی جلدی اس نے جواب دیا تھا، اتنی جلدی جواب دے کر میں اسے بتانا نہیں چاہتی تھی کہ میرے دل میں اس کے لیے کوئی بے تابی تھی۔ کام بھی میرا تھا کہ میں نے یوسف کے بارے میں پوچھنا تھا مگر اس کے ردِعمل نے میری دھڑکنوں میں عجیب سی بے چینی بھر دی تھی، سر میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ میں نے ٹیک لگا کر گہری سانسیں لیں۔ میں چھوٹی بچی نہیں تھی، گاؤں کے حالیہ دورے کے دوران اس سے بچتی پھر رہی تھی مگر اس کی نظروں کے مفہوم بھی سمجھ رہی تھی اور اس کی طرف سے خواہ مخواہ میں ملاقات اور بات کرنے کے بہانے ڈھونڈنے کی کاوشوں سے بھی واقف تھی۔ اسے مجھ سے زیادہ شاید ہی کوئی سمجھ سکتا تھا مگر اس کی حوصلہ افزائی کر کے نہ میں اسے کوئی امید کا دامن پکڑانا چاہتی تھی اور نہ ہی خود کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونا چاہتی تھی۔

''تم ٹھیک ہو ناں امرت؟'' اس کا پیغام آیا۔

''جی میں ٹھیک ہوں۔'' جواب دینا پڑا۔ اسے جواب نہ دے کر میں تشویش میں مبتلا کر دیتی تو وہ کال کر لیتا۔

''آپ کو کیسے علم ہوا کہ یہ میرا پیغام ہے؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے تمہیں کیا؟'' جواب آیا۔ میری سانس تھم گئی۔ ''جنہیں غرض ہوتی ہے وہ رابطے کے ذریعے ڈھونڈ لیتے ہیں۔'' میں نے فون بند کر کے گود میں رکھ دیا۔ مجھے نہیں کسی کی باتوں کے فریب میں آنا تھا۔ وہ ان سارے اصولوں کو توڑنے پر لگا ہوا تھا جو میں نے اپنے لیے وضع کر لیے تھے۔ میں نے اپنے وجود کو ایک ایسا قلعہ بنا لیا تھا جس کے دروازوں پر بھی کسی کو دستک دینے کی اجازت نہ تھی پھر میں کسی ایسے کی حوصلہ افزائی کیوں کرتی جو دروازے توڑنے پر تُلا ہوا تھا۔

ٹیک لگا کر میں نے آنکھیں بند کیں تو اسی کی شبیہ نظر کے سامنے ابھری۔ ''میں اسے کیوں سوچ رہی تھی؟''

☆☆☆

چاچو کا پیغام کا جواب نہ دینا یا کال نہ کرنا مجھے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اتنی بار انہیں کال کروں اور ان کا فون بند آئے۔ میں انہیں پیغامات بھیجوں اور وہ جواب نہ دیں۔ اگر وہ ملک سے باہر بھی تھے جو کہ میرا اندازہ تھا تو بھی جب ان کا فون آن ہوتا تو انہیں میرے پیغامات مل جاتے۔ ان کے پاس انٹرنیشنل فون رومنگ کی سہولت ہمہ وقت ہوتی تھا۔

جب چاچو کو یہ علم ہوتا کہ کوئی ان کے بچوں میں سے سفر میں ہے تو وہ بار، بار کال کر کے پوچھتے تھے کہ کہاں پہنچے ہیں۔ ان کی طرف سے تاکیدی فون آتے کہ گاڑی احتیاط سے چلائیں، فون پر پیغامات نہ بھیجیں۔ گاڑی کے دروازوں کو لاک رکھیں۔ زیادہ لمبا سفر ہو تو راستے میں رک کر آرام ضرور کریں، چند قدم چلیں پھریں اور ممکن ہو تو کہیں سے چائے بھی پی لیں۔ اگر ڈرائیور بھی گاڑی چلا رہا ہوتا تھا تو وہ کہتے کہ کہیں رک کر ڈرائیور کو چائے پلوا لو کہ کہیں اسے اونگھ نہ آ جائے۔ میں گاؤں سے روانہ ہوتے وقت انہیں بتا کر نکلی تھی مگر ان سے کوئی جوابی رابطہ نہ ہوا تھا۔

''کہیں ان کا فون چوری تو نہیں ہو گیا؟'' اگلا خیال میرے ذہن میں آیا...... ''اوہو، اس طرف میرا دھیان کیوں

غزل

بتادوں سبھی کو حقیقت تمہاری
کہ اِن باکس تک ہے محبت تمہاری
بہت دلنشیں ہے یہ مورت تمہاری
بسی خوابوں خیالوں میں صورت تمہاری
کبھی ہم کو پیاری تھی چاہت تمہاری
مگر اب نہیں ہے ضرورت تمہاری
پڑی زندگی ہے حوادث میں اپنی
کہ جب سے ہوئی ہم کو عادت تمہاری
کبھی ہم سے ملنا کبھی رخ بدلنا
ستاتی ہے ہم کو یہ عادت تمہاری
جو چاہو مجھے تم سزائیں سنا دو
ہوں مجرم تمہاری عدالت تمہاری
وہ ان کا ہر اِک بات پر ہم سے کہنا
پسند آئی ہم کو شرارت تمہاری
جو محفل میں دیکھا شگفتہ کو تم نے
اُڑی جا رہی ہے کیوں رنگت تمہاری

کلام: شگفتہ شفق، کراچی

نہیں گیا۔'' یہی سوچ کر میں نے گھر کے نمبر پر کال کی مگر گھر کا نمبر خراب تھا۔ حسنہ اور عارب کے نمبر میرے پاس نہیں تھے۔ جب سے نمبر اور فون تبدیل کیا تھا، اس کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی تھی۔ زین کی طرف سے آنے والے پیغامات کی وجہ سے اس کا نمبر میں نے محفوظ کر کے اسے بلاک کر دیا تھا۔ لے دے کے چچی زیبا کا نمبر تھا جس پر کال کرنا گویا اپنی شامت کو دعوت دینے کے مترادف تھا مگر اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔ مجبوراً ان کے نمبر پر کال کی کہ پیغام بھیجتی تو وہ کہہ دیتیں کہ انہیں پیغام ملا ہی نہیں۔

کئی بار بیل جانے کے بعد بھی کسی نے فون نہیں اٹھایا، مجھے تشویش ہونے لگی۔ میں نے کچن میں جا کر ساجدہ سے مقبول چاچا کا نمبر مانگا اور اس سے کہا کہ وہ بھی انہیں کال کر کے پوچھے کہ سب لوگ کہاں گئے ہیں اور گھر کا فون خراب کیوں ہے۔ اس نے کال کی اور سلام دعا کا تبادلہ ہوا۔ اس کے بعد اس کی یکطرفہ گفتگو...... ''اوہو...... کیا ہوا! ...... کب...... اللہ رحم کرے۔'' سن کر میرا دل بیٹھنے لگا تھا۔

''فون مجھے دو ساجدہ......'' میں نے بے چینی سے اس سے فون مانگا۔

''اچھا خدا حافظ۔'' کہہ کر اس نے میری طرف دیکھا۔ غالباً اس نے سمجھا ہو گا کہ میں اسے فون بند کرنے کا کہہ رہی ہوں۔

''کیا بات ہے ساجدہ، کیا بتایا چاچا نے؟''

''وہ ماموں کہہ رہے تھے کہ بیگم صاحبہ اچانک اسپتال گئی ہیں۔''

''کیا ہوا، کیوں گئی ہیں وہ اسپتال؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''انہیں علم نہیں...... بس ڈرائیور کو گاڑی تیار کرنے کو کہا اور نکلتے ہوئے مقبول ماموں کو بتایا کہ وہ اسپتال جا

رہی ہیں۔'' جو کچھ اسے مقبول چاچا نے بتایا تھا وہ اس نے مجھے بتا دیا۔

''کب کی بات ہے یہ؟'' میں نے سوال کیا۔

''کہہ رہے ہیں صبح سے گئی ہوئی ہیں۔''

''حسنہ اور عارب کہاں ہیں اور......'' میں کہتے کہتے رکی۔ ''زین کہاں ہے؟''

''وہ جی یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔'' اس نے معصومیت سے کہا۔

''اسپتال چچی گئی ہیں اور فون چاچو بھی نہیں اٹینڈ کر رہے......'' میں بڑبڑائی۔

''وہ جی ہو سکتا ہے کہ صاحب کو ہی کچھ......'' اس نے میری بڑبڑاہٹ سن لی تھی۔

''اللہ نہ کرے ساجدہ۔'' میں نے اسے ٹوکا۔

☆☆☆

''ہاں بھئی...... کیا بات ہے؟'' زیبا چچی کی کال تھی، نہ سلام نہ دعا۔

''جی، وہ...... السلام علیکم۔'' میں نے گڑبڑا کر کہا۔

''وعلیکم......''

''اصل میں، میں نے چاچو کو کئی بار کال کی اور پیغام بھی بھیجے ہیں مگر......''

''جی دیکھ لیے ہیں میں نے تمہارے سارے پیغام۔'' ان کی حسب عادت طنز والی ٹون مگر میں نے خاموشی اختیار کی کہ چاچو سے رابطہ کرنا اہم تھا۔ ''تمہیں ارسل کو اپنے پاس بلانا ہے ناں یا کوئی اور بات بھی ہے؟''

''کیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''بھئی تم نے اپنے چاچو کو یہی پیغام تو بھیجا ہے ناں کہ وہ ارسل کو بتا دے کہ تم واپس پہنچ گئی ہو...... ظاہر ہے کہ اسے ملنے کو ہی تڑپ رہی ہو گی ناں تم، اس کے علاوہ تمہیں ارسل سے اور کیا کام ہوگا؟ میں نے نے کچھ غلط دیکھا تھا نہ کہا تھا اور نہ ہی میری بیٹی کے شکوک بے وجہ تھے۔ تمہارا اور اس کا یہی تعلق ہے جس کی بنا پر میری بیٹی اپنی جان سے گئی۔''

''مم...... میں......'' میرے حواس سن ہو گئے تھے اور دماغ سوچنے کی طاقت سے خالی۔ میں کیا کہتی اور کیا نہیں، مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ''میں تو چاچو......''

''اچھا تو چاچو بھی چاہئیں اور ارسل بھی۔''

''آپ حد سے بڑھ رہی ہیں......''

''تمہیں اپنی حدوں کا علم ہونا چاہیے اور اپنی یہ بے ہودہ حرکتیں خود تک ہی رکھو، شکر ہے کہ میرا بیٹا تم سے بچ گیا۔ اب وہ جہاں چاہے گا شادی کرے گا اور اسے کسی کا ڈر خوف بھی نہ ہوگا کیونکہ اسے ڈرانے والا اور ہر وقت دھمکائے رکھنے والا اس وقت خود کسی قابل نہیں ہے......''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' اپنی کردار کشی سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑا تھا، چاچو کے بارے میں جاننا اہم تھا۔

''تمہارا سارا خاندان جانتا ہے اور جمع ہے جمال کے سر پر اور تمہیں کچھ علم ہی نہیں؟ اتنی معصوم اور بھولی نہیں ہو تم......'' انہوں نے کہا۔

''کون جمع ہے چچی جان...... میں کچھ سمجھ نہیں رہی، کہاں ہیں چاچو؟''

''اپنی ماں سے پوچھ لو...... مجھے تو تم لوگوں کے ڈراموں کی سمجھ ہی نہیں آ رہی۔''

''آپ پلیز مجھے بتائیں کہ چاچو کہاں ہیں، آپ کس اسپتال میں ہیں اور کیوں؟''

''ارے ہاں یہ پوچھنا ہی بھول گئی کہ تمہارا چاچو تو فون کرنے کی پوزیشن میں نہیں...... میں ارسل کو کال کر کے کہ

دوں کہ تم اسے یاد کر رہی ہو؟'' میں نے فون بند کر دیا۔ سر میں ابال اٹھ رہے تھے اور پیٹ میں گرہیں پڑ رہی تھیں۔

☆☆☆

اموجان...... کبیر بھائی...... کوئی بھی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ جانے سب کو اچانک کیا ہوا تھا اور چچی زیبا کے بقول کون سا خاندان تھا جو چاچو کے پاس جمع تھا۔ ''یا اللہ، تو ہی میری مدد فرما، چاچو سے کسی نہ کسی طرح رابطہ ہو جائے۔ کس سے علم ہوگا؟ فاطمہ کو کال کرتی ہوں۔'' اس سے رابطہ ہوا تو میں نے شکر ادا کیا۔

''کیسے ہیں اب جمال ماموں؟'' اس نے سلام کے بعد پہلا سوال ہی یہ کیا تھا۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ تم جانتی ہو کہ انہیں کیا ہوا ہے...... مجھے بتاؤ فاطمہ، چاچو کو کیا ہوا ہے اور تمہیں کیسے علم ہوا ہے؟''

''وہ...... وہ۔'' وہ ہکلائی۔ ''تم پہنچی نہیں اسلام آباد؟''

''ہاں میں پہنچ گئی ہوں فاطمہ مگر میرا چاچو سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''زیبا چچی سے بات ہوئی ہے مگر وہ تو ہیں ہی اتنی نامعقول کہ ان سے بات کرنا فضول ہے۔ اموجان اور کبیر بھائی سے بھی رابطہ نہیں ہو پا رہا ہے۔''

''وہ سب بھی وہیں گئے ہیں امرت...... جب تم لوٹ کر آئیں تو وہ اسلام آباد کے لیے روانہ ہو چکے تھے اور یہی کہا تھا کہ تمہیں اسلام آباد پہنچنے سے پہلے علم نہ ہو کیونکہ تمہیں علم ہو گیا تو تمہارے لیے سفر کرنا مشکل ہو جائے گا۔''

''چاچو کو کیا ہوا ہے فاطمہ...... وہ خیریت سے تو ہیں ناں؟'' میں اس کی صفائیوں کو نظر انداز کر کے چیخی۔

''چاچو کو آج صبح سویرے بہت شدید ہارٹ اٹیک ہوا تھا امرت۔'' اس نے میرے سر پر بم پھوڑا۔ ''وہ اسپتال میں انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں ہیں اور......''

''اوہ میرے خدایا اور مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔'' میں ہذیانی انداز میں چیخی۔

''ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے امرت...... تم حوصلہ کرو۔''

''وہ کس اسپتال میں ہیں فاطمہ؟''

''میں نہیں جانتی امرت...... وہ جہاں بھی ہیں وہاں کسی سے رابطہ اس لیے بھی نہیں ہو رہا کہ وہاں فون کے سگنلز نہیں آتے...... تم کوشش کرو، کبیر، میثاق یا کامل میں سے کوئی نہ کوئی تمہیں بتا سکے گا۔ انہیں پیغام بھیج دو، جو بھی وہاں سے باہر نکلے گا تمہارا پیغام دیکھ کر جواب دے گا۔''

''تو سب لوگ وہاں ہیں......'' میں سسکی۔ ''میرے علاوہ......''

''حوصلہ کرو، میری جان۔'' اس نے مجھے تشفی دی۔

''یہی تو مشکل کام ہے میرے لیے۔'' میں نے تکلیف کی انتہا کو چھوا۔ فاطمہ سے کال ختم کی اور باری، باری ان تینوں کو کال بھی کی اور پیغامات بھی چھوڑے مگر ایک گھنٹا گزر گیا اور کسی کا جواب نہ آیا۔ بے چینی میرے لہو کو ابال رہی تھی۔ گھر سے نکلتی بھی تو کس طرح، گاڑی چلانا بھی مشکل ہوتا اور یہ بھی علم نہ تھا کہ کس اسپتال میں جانا تھا۔ زیادہ امکانات تو یہی تھے کہ وہ راولپنڈی میں ادارۂ امراضِ قلب میں ہوں گے کہ انہیں وہاں پر زیادہ اعتماد تھا۔ وہاں تک خود گاڑی چلا کر جانا تو اور بھی مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

☆☆☆

''سارہ۔'' میں نے سسک کر کہا۔ مصیبت کی اس گھڑی میں مجھے وہ یاد آئی تھی۔

''سب خیریت ہے ناں پیاری؟'' اس نے تشویش سے سوال کیا۔

''کچھ ٹھیک نہیں ہے سارہ...... چاچو۔'' میری آواز بھرا گئی اور الفاظ گلے میں پھنس گئے۔

''کہاں ہو تم؟''

''میں اپنے گھر پر ہوں سارہ۔''

''گاؤں میں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں یہاں پر...... میں اپنے اپارٹمنٹ میں ہوں سارہ...... چاچو کو دل کا شدید دورہ پڑا ہے اور وہ کسی اسپتال میں ہیں کس اسپتال میں؟ اس کا علم نہیں ہو رہا...... سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس سے پوچھوں۔'' میں نے اسے سب بتایا کہ میں کس طرح اور کس کس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر چکی ہوں۔

''ارسل سے رابطہ کیا تم نے؟'' اس نے ارسل کا نام اس فہرست میں غیر موجود فوراً نوٹس کر لیا تھا۔

''نہیں...... میرے ذہن میں ہی نہ آیا تھا۔'' میں نے اسے بتایا۔''اور یوں بھی اس سے......'' میں نے چاچو کو بھیجے گئے پیغام کو لے کر چچی زیبا کی نازیبا گفتگو کے بارے میں اسے بتایا۔

''ان کا تو نام ہی 'نازیبا' ہونا چاہیے تھا امرت۔'' اس نے غصے سے کہا۔''ان کی سوچ اور گفتگو پر لعنت بھیجو اور تم ان سے رابطہ کرو، مجھے دوا نہیں جو کچھ وہ سمجھتی ہیں۔''

''ایسا ہو نہیں سکتا سارہ...... میں دنیا کی باتوں کے خوف سے بے نیاز نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کچھ ایسا کر سکتی ہوں جو کہ میرا یا میرے خاندان کا سر جھکا دے۔''

''یہ وقت اس فضول بحث میں پڑنے کا نہیں ہے امرت، چاچو کو کیا ہوا ہے، اس کی فکر کرنا اہم ہے اور ایسا نہ ہو کہ تم ارسل کو رابطہ نہ کر کے عمر بھر کے لیے اس دکھ میں مبتلا ہو جاؤ کہ چاچو کو دیکھنا اور ان سے ملنا، تمہاری چچی کی سڑی ہوئی باتیں سننے سے زیادہ اہم تھا۔'' سارہ نے ایسا بھیانک نقشہ کھینچا کہ میں تڑپ اٹھی۔''اگر تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں مگر علم تو ہو کہ وہ ہیں کس اسپتال میں۔''

''اللہ نہ کرے...... اچھا میں فون بند کرتی ہوں اور رابطہ کرتی ہوں ارسل بھائی سے۔ ضرورت ہوئی تو میں بتاؤں گی، تم بچیوں کو تنہا چھوڑ کر کیسے جا پاؤ گی۔'' میں نے فون بند کیا اور فوراً ارسل بھائی کو کال ملانے لگی۔

☆☆☆

''زہے نصیب۔'' انہوں نے سلام کے جواب میں کہا۔

''ارسل بھائی چاچو کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور وہ کسی اسپتال میں ہیں اور مجھے علم نہیں ہو رہا کہ وہ کہاں ہیں، نہ ہی کسی سے رابطہ ہو رہا ہے......'' میں نے ان کے لہجے اور الفاظ کو نظر انداز کر کے سیدھے سبھاؤ کام کی بات کی۔

''اوہو...... کب ہوا یہ سب؟''

''آج ہی ہوا ہے...... کیا آپ کسی طرح چیک کروا سکتے ہیں کہ وہ کہاں ہیں؟''

''مجھے تو کسی نے اطلاع تک دینا مناسب نہیں سمجھا...... بہر حال میں کچھ کرتا ہوں۔'' انہوں نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔ مجھے کسی نے نہیں بتایا تھا تو وہ جانے خود کو کس کھیت کی مولی سمجھ رہے تھے۔ ان کا فون بند ہوا میرے دماغ میں ایک اور سوچ آئی، سارہ کے کہنے پر یا میرے اندر خود ہی اتنی بہادری آ گئی تھی۔

''ارسل بھائی...... آپ آ سکتے ہیں میری طرف، بے شک پنکی کو بھی ساتھ ہی لے آئیں۔'' میں نے انہیں دوبارہ فون کیا۔

''وہ کس لیے؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔''انکل نے یہ شرط رکھی تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں 'میں' آپ کے ہاں نہیں آ سکتا چاہے قیامت ہی کیوں نہ آ جائے۔''

''میرے لیے یہی قیامت ہے ارسل بھائی۔'' میں نے روتے ہوئے کہا۔''آپ پلیز آ جائیں فوراً۔''

فون بند کر کے میں ہچکیوں سے رونے لگی، میں خود کو کتنا بے بس اور مجبور پا رہی تھی ورنہ کبھی میں ارسل بھائی کو فون کر کے یوں ان سے بات بھی نہ کرتی۔ ان کی بیٹی کو مجبوری سے میں نے دودھ بھی پلایا اور اب اس کی دیکھ بھال بھی کر رہی تھی مگر میری طرف سے میرے اور ان کے بیچ رابطے کی حد شروع سے ہی مقرر کر دی گئی تھی۔ چاچو کی موجودگی میں وہ آتے تھے اور ہمارے بیچ سوائے سلام کے کوئی بات نہ ہوتی تھی، خیریت تک نہ دریافت کی جاتی تھی۔ ارسل بھائی مزاج کے شوخ اور جلد فری ہو جانے والے تھے اس لیے میں ان سے بات کرتے ہوئے بہت محتاط رہتی تھی۔ اس کی سب سے اہم وجہ زائنہ کی وجہ سے ہونے والے واقعات تھے جن کی کوئی بنیاد نہ تھی اور مجھے بدکردار ثابت کرنے میں دونوں ماں بیٹی نے میرے اور ان کے بیچ اس حدِ فاصل کو قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

☆☆☆

کون سی قوت تھی کہ جس نے مجھے ہر فکر سے آزاد کر دیا تھا اور میں یہ سوچنا بھول گئی تھی کہ کون کیا کہے گا۔ جانتی تھی کہ ارسل بھائی کے ساتھ یوں جانا میرے لیے ٹھیک نہ تھا مگر ہمارے لیے ضرورت کے وقت مُردار کو بھی تو جائز قرار دیا گیا ہے۔ کسی انجان شخص کے ساتھ بھٹکنے سے بہتر تھا کہ میں ان کو جانتی تو تھی۔ میں ان کے ساتھ تنہا بھی تو نہیں تھی۔ ساجدہ کا بڑا بیٹا ہمارے ساتھ تھا۔ وہ ارسل بھائی کے ساتھ ان کی گاڑی کی اگلی نشست پر تھا اور میں پچھلی نشست پر۔

دونوں بچے ساجدہ کی نگرانی میں چھوڑ کر آنا بھی میرا پہلا تجربہ تھا۔ میں نے کبھی حبیب کو تنہا بھی کسی کے پاس نہیں چھوڑا تھا مگر اس وقت میرے لیے سب سے اہم چاچو کے پاس پہنچنا تھا۔ وہ کسی اسپتال میں تھے اور حبیب کو ان اسپتال میں لے کر جانا مناسب نہ تھا۔ اسپتالوں میں سو طرح کے وائرس ہوتے ہیں جن سے چھوٹے بچوں کا متاثر ہونا آسان ہوتا ہے۔ سفر انتہائی خاموشی سے کٹا تھا۔ سفر میں ارسل بھائی نے سوالات کیے تھے کہ مجھے کس طرح علم ہوا وغیرہ اور اس کے بعد خاموشی رہی۔

ان کا رخ شفا کی طرف تھا کہ میرے فون پر کبیر بھائی کی کال آئی۔ میں ان کا فون اٹھاتے ہی پھٹ پڑی۔ وہ دلاسے دے رہے تھے...... میں رونے لگی۔''پنڈی کی طرف چلیں......'' میں نے کال کے دوران ہی ارسل بھائی سے کہا۔''وہ اے ایف آئی سی میں ہیں۔'' انہوں نے ہولے سے سر ہلایا، ہمارا رخ تو پہلے سے ہی اسی راستے پر تھا، شفا میں چاچو نہ ہوتے تو ہم وہیں جاتے۔ اچھا ہے کہ وقت سے پہلے کال آ گئی اور ہمارا وقت بچ گیا۔

☆☆☆

''گڑیا تمہیں بتایا ہے ناں کہ اندر فون کے سگنلز نہیں ہیں۔'' انہوں نے صفائی پیش کی۔''جب باہر آؤ تو فون سگنل آتے ہیں۔ پھر میرے فون کی بیٹری بھی تقریباً ڈیڈ تھی، بہ مشکل تمہیں کال کر پایا تھا۔''

''مگر مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' میں نے احتجاج کیا۔''آپ کو کیسے علم ہوا اور آپ لوگ میرے ساتھ ہی وہاں نہیں آ گئے؟'' میں نے خفگی سے کہا۔''یا میں آپ لوگوں کے ساتھ آ جاتی۔''

''رات کو چاچو نے مجھے کال کر کے کہا تھا کہ وہ ڈرائیور بھیج رہے ہیں تاکہ امرت کو خود گاڑی نہ چلانی پڑے اور وہ جلد واپس لوٹ آئے۔ اس وقت بھی انہوں نے مجھ سے کہا کہ ان کی طبیعت خراب ہو رہی تھی مگر وہ نہیں چاہتے تھے کہ تمہیں بتا کر پریشان کریں۔''

''میری گاڑی تو ڈرائیور بھی لا سکتا تھا......''

''ہم تمہیں ساتھ ہی لے آتے مگر تمہاری گاڑی بھی تو واپس آنا تھی اور میرے ساتھ امو جان کے علاوہ مہر پھپو، بانو پھپو بھی تھیں۔'' انہوں نے وضاحت کی۔

''گل پھپو کو علم نہیں ہوا چاچو کے بارے میں؟''

"انہی کو تو علم ہوا تھا سب سے پہلے اور وہ لوگ فوراً نکل آئے تھے سویرے، سویرے۔"

"آپ مجھے بتاتے بھائی تو میں راتوں رات واپس آ جاتی یا سویرے جس وقت بھی ڈرائیور پہنچا تھا۔" میں سسکی۔ "جانے چاچو کو کیسے علم ہو گیا تھا کہ انہیں دل کا دورہ پڑنے والا ہے؟"

"انہیں تیسری بار دورہ پڑا ہے گل بیٹا..... مریض کو اپنی ابتدائی علامات سے علم ہو جاتا ہے اس کے بارے میں۔" انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"میں انہیں کب مل سکوں گی، کب دیکھ سکوں گی کبیر بھائی؟" ہم اب تک گاڑی کے پاس کھڑے تھے۔ ارسل بھائی مجھے ڈراپ کر کے کسی کام کا کہہ کر چلے گئے تھے۔ شاید وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی انہیں زیبا چچی سے کسی بھلے کی امید تھی۔

"اندر چلو..... سب لوگ وہیں جمع ہیں۔ جب ڈاکٹر اجازت دیتے ہیں تو ہر کوئی اپنی باری سے انہیں دیکھ لیتا ہے، تم بھی دیکھ لینا۔" انہوں نے مجھے کندھوں سے تھاما اور اندر کی طرف بڑھے۔ میں نے ساجدہ کے بیٹے کو بھی ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے ان سے ملنا ہے کبیر بھائی، انہیں چھونا ہے..... میں انہیں فقط دیکھنا نہیں چاہتی۔"

"حوصلہ کرو امرت..... جونہی ڈاکٹر اجازت دیں گے تم انہیں سب سے پہلے دیکھ لینا۔" انہوں نے مجھے تسلی دی۔

"جیسے زیبا چچی مجھے ایسا کرنے دیں گی۔" میں نے ہولے سے کہا۔ ہم اس کمرے میں پہنچ گئے تھے جہاں سب لوگ موجود تھے۔ کمرا بھرا ہوا تھا۔ ہمارے خاندان کے لوگوں کے علاوہ زیبا چچی کے خاندان کے لوگ بھی تھے۔ میں نے سلام کیا اور اس طرف بڑھ گئی جہاں امو جان اور دونوں پھپھو بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سمٹ کر اسی صوفے پر مجھے جگہ دی۔

"آ ؤ امرت..... کیسی ہو بیٹا، حبیب کو کہاں اور کس کے پاس چھوڑا ہے؟" امو جان نے سوال کیا۔

"گھر پر ہی ہے امو جان، ساجدہ کے پاس۔" میں نے مختصراً کہا، امو جان سے بھی ناراضی تھی کہ انہوں نے مجھے بارہا کہا کہ جلدی نکلو اور واپس جاؤ اور مجھے کھٹکا تک نہیں کہ وہ کیوں بارُبار ایسا کہہ رہی تھیں۔ "اسے اسپتال تو نہیں لا سکتی تھی۔"

"تو پھر جمال کو ایک بار دیکھ کر واپس چلی جانا۔" انہوں نے تشویش سے کہا۔

"دیکھتی ہوں امو جان۔" میں نے ہولے سے کہا۔

"تم رکنا چاہتی ہو تو میں چلی جاتی ہوں۔" انہوں نے پیشکش کی۔

"میں چلی جاؤں گی خود....." دل میں خیال آیا کہ وہ جائیں گی تو گھر پر پنکی بھی ہوگی۔ پھر سوچا کہ انہیں کبھی نہ کبھی تو علم ہونا ہی ہے تو ہو جائے۔ "دیکھتی ہوں، اگر چاچو کو نہ مل سکی تو آپ چلی جائیں۔" میں نے یہ سوچ کر بھی اپنا لہجہ نرم کر لیا کہ انہوں نے وہ سب میرے ہی فائدے کے لیے سوچا تھا اور میں ناراض ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔" انہوں نے جواباً کہا۔ "آئی کس طرح ہو اکیلی؟"

"ساجدہ کا بیٹا میرے ساتھ تھا اور....." میں بتاتے، بتاتے رک گئی۔ بڑی بہادری سے انجام کی پروا سے بے نیاز ہو کر میں ارسل بھائی کے ساتھ آ گئی تھی اور گھر سے روانہ ہوتے وقت سوچا بھی تھا کہ اگر کسی نے پوچھا تو صاف صاف بتا دوں گی، مجھے انجام کی پروا نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ ساتھ اندر آتے تو بات خود ہی کھل جاتی مگر وہ باہر سے ہی اتار کر چلے گئے تھے۔ انہوں نے دانستہ ہی ایسا کیا ہوگا۔ میں تو چاچو کی محبت میں، ان کی بیماری کا سن کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی مگر ان کے حواس سلامت تھے غالباً۔

"اپنی گاڑی میں آئی ہو؟"

"نہیں....." میں نے مختصراً کہہ کر انہیں خود ہی سوچنے دیا کہ میں ٹیکسی میں آئی ہوں گی۔

"زیبا جانے کب سے اندر گئی ہوئی ہے..... وہ باہر آئے تو تمہیں بھی اندر جانے کا موقع ملے بیٹا، جانتی ہوں کہ تمہارا دل کیسے تڑپ رہا ہوگا۔" امو جان نے کہا۔

"اللہ کرے کہ وہ جلد ٹھیک ہو جائیں امو جان..... وہ میرے لیے باپ جیسا سایہ ہیں، انہیں کچھ ہو جائے، میں تو یہ افورڈ ہی نہیں کر سکتی۔"

"اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو بیٹا۔" مہر پھپھو نے کہا۔ "دورہ بہت شدید پڑا ہے، ڈاکٹر اس کی حالت سے کچھ زیادہ پُرامید نہیں ہیں بیٹا۔" انہوں نے کہا تو میری سسکی نکل گئی۔

"اللہ کرے..... انہیں میری زندگی بھی لگ جائے۔" میں نے خلوصِ دل سے دعا کی۔

☆☆☆

"اندر جانے کی اجازت نہیں ہے....." زیبا چچی نے سب کے سامنے میرے سلام کا سرسری سا جواب دے کر اعلان کیا۔

"تم بھی تو اندر سے ہی آ رہی ہو۔" پھپھو شہر بانو نے سوال کیا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں اس کی بیوی ہوں، جو اجازت مجھے مل سکتی ہے وہ کسی اور کو نہیں۔" انہوں نے رکھائی سے پھپھو کو جواب دیا۔ "اور دوسرے یہ کہ میں پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے اس دروازے کے پار کھڑی تھی، مجھے اس کمرے کے اندر نہیں جانے دیا۔ بس دور سے دیکھتی رہی میں شیشے کے چوکھٹے سے پار۔"

"میں بھی انہیں اسی چوکھٹے کے پار سے ایک بار دیکھ سکتی ہوں چچی جان؟" میں نے اس عورت سے التجا کی

جس سے مجھے رحم کی ایک فیصد بھی امید نہ تھی۔

''اچھا...تم کون ہو اس کی؟'' ابرو اچکا کر انہوں نے سوال کیا۔

''میں ان کی بیٹی ہوں چچی جان، پلیز۔''

''اچھا...... مجھے نہیں علم تھا عائشہ کہ یہ جمال کی بیٹی ہے۔'' ان کے لہجے میں اتنا طنز اور استہزا تھا کہ میں اند[ر] تک جل گئی۔ امو جان خاموش رہیں مگر شہر بانو پھپھو نے وہیں پر ان کے خوب لتے لیے۔ دبی دبی آواز میں انہوں نے ان کی خاصی بے عزتی کر دی۔

''کبیر، اس کے بعد جب بھی ڈاکٹر آتا ہے تو امرت کو ایک بار اندر جانے کی اجازت دلوا دینا۔'' انہوں نے کبیر بھائی سے کہا۔

''ٹھیک ہے گڑیا، تم فکر نہ کرو۔'' کمرے میں ایک طرف ساری عورتیں بیٹھی تھیں اور مرد دوسری طرف کھڑے تھے کیونکہ نشستیں تھیں ہی اتنی۔ کبیر بھائی کے ساتھ کامل، زین، میثاق اور عارب کھڑے تھے۔ ڈرائیور کمرے کے باہر کھڑا تھا۔

''کبیر کسی طرح شامیر کو اطلاع کر دو بیٹا۔'' امو جان نے کہا۔

''امو جان، ابھی تو وہ چھٹی کاٹ کر گیا ہے، اسے فوراً چھٹی نہیں ملے گی۔ پھر بھی میں اسے اطلاع کروا دیتا ہوں۔''

''چلو اور کچھ نہ سہی، دعا تو کرے گا ناں چاچو کے لیے......''

''کامل کوئی رابطہ ہوا یوسف کے لیے؟'' کل پھپھو نے کامل سے پوچھا تھا، وہی سوال جو میرے دماغ میں تھا مگر میں کسی موقع کی تلاش میں تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ نہ صرف کوشش کر رہا تھا بلکہ اس نے پھپھو کو بھی بتا دیا تھا۔

''سارا راستہ آپ کے سامنے کالیں کرتا رہا ہوں ماما، جونہی کوئی رابطہ ہوگا یا کوئی اطلاع ملے گی تو بتا دوں گا آپ کو بھی۔''

''بیٹا کیا تم وہاں کسی کو جانتے ہو؟'' زیبا چچی کا لہجہ تبدیل ہو گیا اور وہ شفقت سمو کر کامل سے مخاطب ہوئیں۔

''کوشش کر رہا ہوں آنٹی۔'' اس نے کہا۔ ''میرے دوست ہیں کوئی وہاں پر پاکستانی سفارت خانے میں ان کے ذریعے وہاں کی ایجنسیوں سے رابطہ کر رہا ہوں۔''

''وہ کسی طرح آ جائے تو جمال کی ساری بیماری دور ہو جائے گی، اسی کی وجہ سے اتنی ٹینشن لے رہا تھا۔ اس کے ساتھ بات نہیں ہو رہی تھی کئی دنوں سے تو اس کے دل میں عجیب، عجیب وہم آ رہے تھے۔'' ان کے لہجے میں اس وقت ایک ماں بول رہی تھی۔ خود کو ان کی جگہ پر رکھ کر سوچا تو ان پر ترس بھی آیا مگر ان کی اولادوں کا یوں بگڑ جانا بھی انہی کی بے پروائیوں اور شہ کا شاخسانہ تھا۔

''میں پوری کوشش کر رہا ہوں آنٹی، انشاء اللہ کچھ نہ کچھ جلد معلوم ہو جائے گا۔''

''ارسل تمہیں ڈراپ کر کے کہاں چلا گیا ہے؟'' کبیر بھائی نے اپنی سادگی اور لاعلمی میں وہ بم چھوڑ دیا تھا جو میرے خیال میں زمین کی تہوں میں دبا ہوا تھا۔ جواب میں، میں خاموش رہی کیونکہ مجھے خود بھی علم نہ تھا کہ وہ کہاں گئے تھے۔ کبیر بھائی کے اس سوالیہ فقرے سے کس پر کیا اثر ہوا، یہ میں نہ جاننا چاہتی تھی نہ دیکھنا۔ میں زیبا چچی کی تیز سوئی اور شعلہ بار نظروں سے خود کو جلتا ہوا محسوس کیے بنا نہ رہ سکی تھی۔ اس وقت وہ کچھ بول تو نہ سکتی تھیں نہ ہی اس کے خلاف کوئی محاذ کھول سکتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے ردِعمل کو بعد میں ظاہر کرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ ''واپس نہیں آیا ابھی تک؟'' انہوں نے اپنا فقرہ پورا کیا اور میں باتھ روم کے بہانے وہاں سے اٹھی۔

☆☆☆

''تم ارسل کے ساتھ آئی ہو؟'' میں باہر برآمدے میں کھڑی تھی، باتھ روم کا بہانہ کر کے وہاں سے ہٹی تھی۔

''کیا کرتی امو جان؟'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''کسی سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا، پوچھ لیں کبیر بھائی، میثاق اور کامل بھائی سے...... میں نے سب کو کتنی کالیں کیں، پیغامات بھیجے، میں بہت فکرمند ہو گئی تھی، نہ آ پاتی تو فکر سے سانس بھی نہ لے پاتی امو جان۔ چچی زیبا چاہے جو بھی کہیں مگر میرے لیے جمال چاچو اسی طرح ہیں جیسے ابو جان تھے۔''

''جانتی ہوں بیٹا مگر تم نے ارسل کے ساتھ آ کر اسے اور بھی باتیں کرنے کا موقع دے دیا ہے...... اب وہ جو جو خرافات بکے گی تم نہیں جانتی ہو۔ پہلے تو بات ہم چار لوگوں کے بیچ تھی مگر اب تمہاری ساری پھوپیاں بھی یہاں جمع ہیں۔''

''یقین کریں امو جان، میں نے گھر سے ان کے ساتھ نکلتے وقت کئی بار سوچا تھا اور ان سب باتوں کا خوف بھی دل میں آیا تھا مگر پھر دماغ نے کہا کہ ان سب باتوں کی پروا کرنا چھوڑ دو۔ یہ بھی شکر کیا تھا کہ وہ مجھے باہر ہی اتار کر چلے گئے تھے اور کبیر بھائی کے سوا کسی کو علم تک نہ ہوا تھا مگر انہوں نے ہی بھانڈا پھوڑ دیا۔''

''اس بیچارے کو کون سا علم ہے کہ زیبا کے دماغ میں کس کس طرح کے فتور ہیں۔''

''ہوں...... شاید آپ کو انہیں بتا دینا چاہیے تھا کہ وہ کس طرح کی باتیں کرتی ہیں۔'' میں نے گہری سانس لی۔

''جو ہو گیا سو ہو گیا...... کرنے دو اسے اب کوئی بات، میں نے بھی اس کی طبیعت صاف نہ کر دی تو کہنا۔''

''آپ جائیں امو جان اندر، اس موضوع پر زیبا چچی سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ کوئی صفائیاں دیں نہ ہی گڑے مُردے اکھاڑیں۔ خاموشی ان کی ہر فضول بات کو بہترین جواب ہے امو جان...... میں نہیں چاہتی کہ کچھ ایسا ہو کہ میں چاچو کو ملنے سے محروم رہ جاؤں۔ آپ کے جانے کے چند منٹ کے بعد میں آتی ہوں۔ کبیر بھائی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو پھر چاچو سے مل کر ہم گھر چلے جاتے ہیں۔'' میں نے انہیں اصرار کر کے اندر بھجوایا۔ کھلی ہوا میں چند گہری سانسیں لیں اور کچھ سوچتے ہوئے خود بھی اندر کی طرف چلی۔

''تمہیں پورا یقین ہے اس بات کا کامل؟'' کبیر بھائی کی آواز تھی۔ میں کاریڈور میں مڑنے ہی والی تھی کہ ان کی آواز نے میرے قدموں کو روک دیا۔

''میں نے خود تو ظاہر ہے کہ نہیں دیکھا کبیر بھائی۔'' بلاشبہ وہ کامل کی آواز تھی۔ ''مگر مجھے کسی سے علم ہوا ہے۔''

''اللہ نہ کرے کہ یہ خبر درست ہو...... اللہ نہ کرے یار۔''

''کبیر بھائی اس طرح کے حالات میں یہ خبر کوئی غیر متوقع نہیں ہے......'' کامل نے کہا تھا۔

''یہ بات اگر سچ ہوئی تو اسے کوئی برداشت نہیں کر سکے گا...... میں نے تو امرت کو بھی دیکھا ہے کہ کس طرح وہ چاچو کی بیماری کا سن کر اپنے حواس کھو بیٹھی ہے اور اسے اگر معلوم ہوا اس خبر کے بارے میں تو...''

''مجھے تو لگتا ہے کہ زیبا آنٹی کو اس کے بارے میں کسی حد تک علم ہے......'' کامل کی آواز سرگوشی سے ذرا سی بلند تھی۔

''ہوں۔'' کبیر بھائی نے ہولے سے کہا۔ ''میرا نہیں خیال کہ اگر انہیں علم ہو تو وہ خود پر قابو رکھ سکتی تھیں...... [...]سے زیادہ قریبی رشتہ کون سا ہے اور؟''

''[ا]یسی اچانک موت کا صدمہ کون برداشت کر پائے گا......'' کامل نے گہری سانس لے کر کہا۔

''اللہ کرے کہ یہ خبر جھوٹی ہو کامل۔'' کبیر بھائی نے کہا تو میری چیخ نکل گئی، میں اس سے زیادہ کاریڈور کے [...]ے پر چھپی نہ رہ سکی تھی۔

''چاچو...... میرے چاچو کو کیا ہوا ہے کبیر بھائی، مجھ سے جھوٹ نہ بولیے گا۔'' میں نے کاریڈور سے ان کے [سامنے] آ کر سوال کیا۔ انہوں نے مجھے تھام لیا۔

''حوصلہ کرو بیٹا...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں کبیر بھائی...... آپ مجھ سے جھوٹ بول رہے ہیں، میں نے خود سنا ہے اپنے کانوں سے۔" میں نے انہیں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔

"وہ...... یہ بات نہیں ہے گل بیٹا۔"

"آپ بتاؤ کامل...... آپ لوگ کیا بات کر رہے تھے؟ یہی کہہ رہے تھے ناں آپ کبیر بھائی کو کہ چاچو..." میں نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "پلیز مجھ سے جھوٹ نہ بولنا۔"

"کوئی جھوٹ نہیں بول رہا امرت...... کبیر بھائی نے بتایا ہے ناں کہ ہم کوئی اور بات کر رہے تھے۔"

"نہیں، آپ لوگ مجھے بہلا رہے ہیں، میں جانتی ہوں۔" میں نے چیخ کر کہا۔ "میں نے خود سنا ہے...... آپ لوگوں کی ایک ایک بات سنی ہے...... اور کون ہے جس کے سب سے زیادہ قریب زیبا چچی ہیں؟"

"امرت...... آہستہ بولو بیٹا......" کبیر بھائی نے مجھے اپنے ساتھ لگالیا۔ "تم بالکل غلط سمجھی ہو، چاچو کو کچھ نہیں ہوا ہے۔ میرا یقین کرو......"

"آپ بتاؤ کامل...... مجھے معلوم ہے کہ کبیر بھائی مجھے بہلا رہے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ چاچو کو کچھ ہوگیا تو مجھے بھی کچھ ہو جائے گا۔" کبیر بھائی کے بازو اپنے شانوں پر سے ہٹا کر میں نے کامل کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کیا۔ میرا لہجہ التجائیہ تھا۔

"جمال ماموں کو دل کا شدید دورہ پڑا ہے امرت، ہم سب جانتے ہیں کہ وہ ابھی تک انتہائی نگہداشت میں ہیں، بارہ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا ہے اور ان کی حالت سنبھل نہیں رہی ہے۔" اس کی بات پر میری ایک ایک دھڑکن حلق میں اٹکنے لگی تھی۔ "ڈاکٹرز ان کی حالت سے کچھ زیادہ پُرامید نہیں ہیں۔"

"ایسا مت کہو پلیز۔" میں سسک اٹھی۔ "مجھے کسی نہ کسی طرح ان سے ملوا دو پلیز۔" میں نے اس کے سامنے ہاتھ باندھے۔ "ابھی آپ لوگ ان کی زندگی سے مایوسی کی یا پھر...... خدانخواستہ موت کی باتیں کر رہے تھے۔ مجھے علم ہے کہ انہیں کچھ ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے...... مجھ سے میری ہر پیاری چیز اسی طرح چھن جاتی ہے...... میں چاچو کو کھونا افورڈ نہیں کر سکتی۔ خدا کے لیے مجھ سے کچھ مت چھپائیں، مجھے ایک جھلک چاچو کی دکھا دیں۔" میں نے ان کی موت کے تصور سے اپنے دل کو ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔

"امرت پلیز......" اس نے میرے بندھے ہوئے ہاتھوں کو تھام لیا...... "بتایا ہے ناں کہ ہم چاچو کی بات نہیں کر رہے تھے...... ڈاکٹر اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ چلو میں ابھی کسی طرح تمہیں چاچو کے کمرے کی طرف لے جاتا ہوں۔"

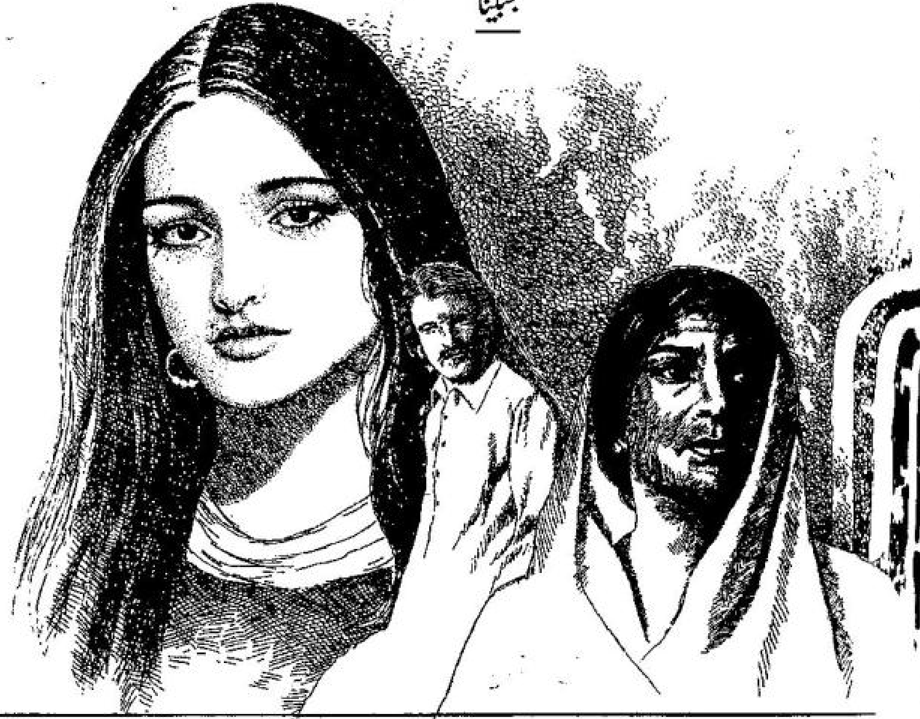
"اگر آپ لوگ چاچو کی بات نہیں کر رہے تھے تو کس کے بارے میں بات کر رہے تھے، مجھ سے کچھ مت چھپائیں۔" میں نے منت کی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میرے ہاتھ ابھی تک کامل کے ہاتھوں میں تھے۔

"ہم......" وہ کہتے، کہتے رکا، میں نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالنے کی کوشش کی، اس کی گرفت اور مضبوط ہوگئی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "ہم یوسف کے بارے میں بات کر رہے تھے امرت۔" اس کی بات پوری ہوئی اور میرے ہر طرف دھماکے ہونے لگے۔ زمین پھٹ کر میرے پیروں کے نیچے سے نکل رہی تھی۔ آسمان شق ہوگیا تھا اور اس کے شق ہونے کی آواز کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔ پہاڑ ریزہ، ریزہ ہو رہے تھے اور ان کے پتھر اور مٹی فضا میں اڑ، اڑ کر میرے سر سے ٹکرا رہے تھے...... میرے وجود کے پرخچے اڑ رہے تھے اور وہ پھٹا ہوا بے جان جسم کامل کے بازوؤں میں جھول رہا تھا۔

(جاری ہے)

پلاٹ

جبینا



"احمد صاحب...... حسرت ہی رہی ساری عمر کہ کبھی ہماری بھی بات غور سے سنیں......"

"بولیں بیگم صاحبہ بولیں...... ساری عمر آپ کا ہی بولتا رہا اب بھی آپ کو شکوہ ہے کہ ہم غور سے آپ کو نہیں......" یہ کہہ کر احمد صاحب نے عینک اتار کر میز پر قلم ڈائری کے اندر رکھ کر ڈائری بند کی اور چیئر گھما کر ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔ آج وہ اچھے موڈ میں تھے اس رخنہ اندازی پر ان کا مزاج برہم نہیں ہوا۔

"وہ میں آپ سے کہہ رہی تھی...... نیازی صاحب کی غور کرلیں، ایک آدھ پلاٹ اگر آپ ان کو دے دیں تو کیا فرق پڑے گا۔"

"فرق پڑتا ہے بھئی...... یہ آپ کا ڈیپارٹمنٹ نہیں ہے...... اس لیے آپ کو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لگ رہا...... تم نہیں جانتیں وہ پلاٹ مجھے کتنا عزیز ہے۔"

"آپ یہ بھی تو دیکھیں...... قیمت بھی اچھی مل رہی ہے، ہمارے کئی مسائل حل ہو جائیں گے۔"

"اللہ مالک ہے وہ بڑا کارساز ہے، کوئی نہ کوئی سبیل نکال دے گا۔" احمد صاحب نے ہمیشہ کی طرح ختم کرنے کے لیے اختتامی کلمات کہے۔

☆☆☆

"امی...... آپ نے ابو سے بات کی...... مجھے کمپیوٹر چاہیے، وہ بھی latest سا۔" صائم، ماں سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں کی تھی بات بیٹا...... مگر وہ مانیں بھی تو......"

"امی میرے سب دوستوں کے پاس ایک سے ایک

لیپ ٹاپ اور موبائل ہیں۔ بس اگلے سال کالج میں ایڈمیشن کے ساتھ ہی مجھے یہ دونوں چیزیں چاہئیں، ورنہ میں آگے نہیں پڑھوں گا......'' صائم کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں جا کر دھڑ سے دروازہ بند کرلیا۔ یہ درست تھا کہ ابھی تک ان بچوں کو موبائل استعمال کرنے اجازت نہیں تھی۔

سامیہ کالج سے واپس آئی تو خلافِ معمول گھر میں خاموشی تھی۔ ماں کو سلام کیا، کمرے میں جا کر بیگ رکھا اور منہ ہاتھ دھو کر کچن میں امی کی ہیلپ کے لیے آگئی، بیٹی تھی احساس بھی رکھتی تھی اور ماں کا درد بھی۔

''امی، صائم کا کمرا کیوں بند ہے، کوئی بات ہوئی ہے کیا......؟ خلافِ معمول اس نے صائم کے کمرے کا دروازہ بند دیکھا تو ماں سے پوچھا۔

''وہی پرانی ضد اور کیا۔ بس ضرورتیں چھوڑو آسائشیں پوری کرو......''

''تو آپ سمجھاتیں ناں امی......ان چیزوں کے بغیر بھی گزارہ ہو جاتا ہے ویسے بھی انسان کو اپنی چادر جتنے پاؤں پھیلانے چاہئیں۔

''کیا کروں اکلوتا ہے ناں...... ضد یں تو کرے گا۔'' ماں کے لہجے میں عجیب سا فخر تھا۔

''ہونہہ اکلوتا......امی یہ غلط بات ہے، میں بھی تو آپ کی اکلوتی ہی بیٹی ہوں۔ ہمیشہ امتیازی نمبروں سے پاس ہوتی ہوں، گورنمنٹ اسکول میں پڑھتی ہوں......اور اب گورنمنٹ کالج میں بھی پڑھ رہی ہوں...... بسوں میں آتی جاتی ہوں......مگر میرا مقصد اعلیٰ ہے تو میں یہ سب برداشت کر رہی ہوں......اور سچی بات ہے مجھے ایسی کمی بھی محسوس نہیں ہوگا۔'' اس کا لہجہ اگرچہ نرم تھا مگر الفاظ میں سچائی کی کاٹ تھی...... جو امی محسوس کیے بغیر رہ نہ سکیں۔

''سامیہ تم بیٹی ہو میری بچی اور بیٹیاں تو گونگے ماں، باپ کے الفاظ بھی بنا کہے سمجھ جاتی ہیں۔''

امی......اپنی ماں کی یادوں میں پہنچ گئیں۔

☆☆☆

اگلے دن رات کے کھانے کے بعد وہ شوہر کے لیے چائے لیے کمرے میں آئیں تو انہیں کچھ لکھتے ہوئے پایا......میز پر کاغذات کا پلندا تھا۔ خاموشی سے چائے میز پر رکھی اور جانماز اٹھا کر عشا کی نماز میں مشغول ہو گئیں۔

احمد صاحب آج کل رات گئے تک لکھتے رہتے کبھی، کبھی تو فجر کی اذانیں بھی ہو جاتیں مگر ان کا قلم تھکتا...... فجر کے بعد تھوڑا آرام کرتے اور پھر دفتر جانے کی تیاری......

''احمد صاحب...... صائم آج کل بہت بگڑا، بگڑا رہنے لگا ہے جوان اولاد ہے، اس کی بھی کچھ خواہشات ہیں، سوچیں ذرا......اور ویسے بھی باہر لوگوں سے ملتا جلتا ہے......سب کچھ دیکھتا ہے۔''

''ہاں، ہاں سوچتے ہیں کچھ، احمد صاحب جلدی میں تھے۔ میں واپس آتا ہوں۔ تو اس مسئلے پر غور کرتے ہیں آپ فکر نہ کریں......'' وہ بیگم کو تسلی دیتے ہوئے آفس جانے کے لیے باہر نکلنے لگے۔

''اللہ کرے آپ کسی مناسب فیصلے پر پہنچ جائیں۔''

''آمین، اچھا چلو اللہ حافظ...... دعا کرنا بات بن جائے۔ آخر میں یہ سب بچوں کے لیے تو کر رہا ہوں'' انہوں نے ایک دفعہ پھر انہیں تسلی دی۔

☆☆☆

''نیازی صاحب آج دفتر بھی آئے تھے، میں نے سنڈے کو انہیں گھر آنے کی دعوت بھی دی ہے، ان کی بیگم اور بچے بھی ساتھ ہوں گے۔ آپ کچھ بندوبست کرلیجیے گا...... لیں۔'' احمد صاحب نے کچھ رقم بیوی کو تھماتے ہوئے بتایا۔

''تو پھر آپ نے فیصلہ کرلیا ہے۔'' وہ کچھ کچھ نا سمجھی کی کیفیت میں تھیں۔

''ہاں ہم انسان تو صرف سوچتے ہیں، اپنی سی کوشش کرتے ہیں، ارادے تو اللہ کے پورے ہوتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا اس پلاٹ پر جو ناول لکھا جائے گا وہ بہت کامیاب ہوگا......مگر نیازی صاحب اس پر فلم بنانے کا سوچ رہے ہیں......ایک لکھاری اپنے خونِ جگر سے پرورش کرنے والی اپنی کاوش کا بگاڑ نہیں دیکھنا چاہتا...... فلموں اور ڈراموں کے لیے تو کہانی کو توڑ مروڑ کر ایک نئی شکل دے دی جاتی ہے بہر حال......'' احمد صاحب ایک لمبی سانس لے کر رہ گئے......

''اللہ بہتر کرے گا۔'' وہ اٹھے اور سر جھکا کر اپنے کمرے میں چلے گئے شاید کچھ اور لکھنے......

ناولٹ

دِل ہی تو ہے

نفیسہ سید



وہ آئی اس نے دیکھا اور فتح کرلیا۔ یہ جملہ آج تک ...ی زندگی میں آج پہلی بار ارباز کی سمجھ میں اس وقت آیا ...ب بلیک سوٹ میں ملبوس وہ خوب صورت سی لڑکی داخلی ...وازے سے اندر آئی۔ اس پر پڑنے والی پہلی نظر ہی ارباز کے دل کی دھڑکن کو اس طرح منتشر کر گئی کہ وہ خود بھی حیران رہ گیا کیونکہ اس کے ساتھ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ محبت کی پہلی نظر دل کے اندر تک اتر جاتی ہے اور آج شاید ایسا ہی ہوا تھا۔

''یہ بلیک سوٹ والی لڑکی کون ہے؟'' وہ بے اختیار اپنے قریب بیٹھی سوسن سے پوچھ بیٹھا۔

''کون سی؟'' پوچھنے کے ساتھ سوسن نے اس کی نگاہوں کی سیدھ میں دیکھا اور پھر بے اختیار ہنس دی۔

''ارے یہ میری چھوٹی خالہ ہیں شینا خالہ۔''

''شینا خالہ؟'' اسے جیسے یقین ہی نہیں آیا۔

''ہاں بھئی شینا خالہ، سونی اور چیکو کی مما۔'' یہ سنتے ہی ارباز کو جیسے ایک جھٹکا سا لگا اور اس نے بے اختیار ایک نظر پھر اس لڑکی پر ڈالی جو آہستہ، آہستہ چلتی ہوئی ان کی جانب ہی آرہی تھی۔

''السلام علیکم...... شینا خالہ۔'' ان کے قریب آتے ہی سوسن ان کے احترام میں جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وعلیکم السلام...... میرا خیال ہے یہ ارباز ہے۔'' سوسن سے مل کر وہ اس کی جانب پلٹیں۔

''السلام علیکم......'' وہ چاہ کر بھی انہیں خالہ نہیں کہہ سکا۔

''بڑی تعریف سنی تھی تمہاری مگر دیکھ لو ملاقات آج ہوئی تمہیں سوسن نے بتایا ہوگا، میں بہت مصروف ہوتی ہوں گھر، جاب اور بچے......''

''جی، میں جانتا ہوں۔''

کمر تک آتے سلکی بال، کھلے گلاب کے مانند چہرہ...... کہیں سے نہ لگتی تھی کہ دو بچوں کی ماں ہے۔

''میری زندگی کی تو یہ مثلث ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہوتا ہے اس کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہو جاتا ہے مگر آج چونکہ میری پیاری بھانجی کی برتھ ڈے تھی تو اس لیے اپنی سخت روٹین سے ٹائم نکال کر آنا پڑا۔''

ارباز کو اپنے چہرے کی نسبت لہجے سے وہ تھکی ہوئی محسوس ہوئی اور جانے کیوں اس کی یہ تھکن ارباز کے دل کے اندر تک اتر گئی اور ساتھ ہی ایک دکھ بھی جو شینا کو دیکھ کر اسے ہوا تھا۔

''چلو تم لوگ باتیں کرو، میں باقی سب سے مل لوں۔'' اپنی ہیل کی ٹک ٹک کے ساتھ وہ ان سے دور ہوتی گئی۔

''مجھے حیرت ہوئی تمہاری خالہ کو دیکھ کر، یہ تو بے حد خوب صورت اور جوان ہیں۔''

''ہاں...... رکو میں چیکو اور سونی کو لاتی ہوں تم دیکھو گے تو اور بھی حیران رہ جاؤ گے۔ یقین جانو دونوں اتنے خوب صورت اور کیوٹ ہیں بالکل خالہ جیسے......'' ا کے الفاظ کی گہرائی تک سوسن نہ پہنچ سکی اس لیے ہنستی ہو اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ ارباز ابھی تک شینا میں ہی الجھا ہوا تھا

☆☆☆

''تم بہت خوب صورت ہو اور جانتی ہو جب ہنستی ہو تو ایسا لگتا ہے کہیں دور مندر میں گھنٹیاں بج ر ہوں۔'' باسم اپنی خوب صورت بیوی کے صبیح چہرے ایک نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

''کیا چاہیے جو اتنی تعریف کر رہے ہو۔'' ا تعریف پر خوشی سے کھلتے ہوئے وہ ہنس دی۔

''کچھ بھی نہیں، تم مل گئیں سمجھو زندگی کی ہر خوشی گئی۔'' وہ اس کے چہرے کو عالم جذب میں ڈوبا دیکھ تھا اور اس کی یہ محبت شینا کے دل کے اندر تک اتر چاروں اور اپنا اجالا بکھیر گئی۔ محبت اتنی خوب صورت ہو ہے یہ احساس اسے باسم نے دیا مگر صرف چند رو احساس...... کیونکہ شادی کے ایک ماہ بعد ہی اسے سیا جانا پڑا اور جب وہ وہاں سے واپس آیا تو سونی ایک سا اور چار ماہ کی ہوگئی تھی۔ یہ وقت اس کے بنا شینا نے کیسے گزارہ یہ صرف وہ ہی جانتی تھی اسی تنہائی کے وق نے اسے احساس دلایا کہ ایک فوجی سے محبت کرنا مشکل اور صبر آزما کام ہے کیونکہ واپس آنے کے صرف ماہ بعد ہی باسم وزیرستان چلا گیا اور اپنی چار سالہ ازدوا زندگی میں بہت کم وقت تھا جو شینا نے اس کے سا گزارہ مگر اسے ہمیشہ یہ فخر رہا کہ وہ ایک فوجی کی بیو ہے۔ جس کی بنا پر ہر جگہ اسے خاص عزت دی جاتی تھی ان چار سالوں میں وہ دو بچوں کی ماں بن گئی پہلے سونی پھر ولید جسے سب پیار سے چیکو کہتے تھے، وہ اپنی زند میں خوش و خرم تھی جب اچانک وہ حادثہ ہو گیا جس اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا۔ وہ بیوہ ہو گئی باسم ...... آپریشن میں شہید ہو گیا چونکہ وہ ایک شہید کی بیو اس لیے اس کی آنکھ سے ایک آنسو نہ بہا، وہ جانتی تھی شہید کبھی نہیں مرتے یہی وجہ تھی جو آج بھی اسے ا آس پاس باسم کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ آج بھی را کی تنہائیوں میں باسم اس کے ساتھ ہوتا۔ میجر باسم

کی محبت نے شینا کو نہ صرف اپنی بلکہ ساری دنیا کی نظروں میں معتبر اور باعزت کر دیا اور پھر اسے اپنے شوہر کی جگہ آرمی کے ایک اسکول میں جاب مل گئی۔ جہاں اس کے دونوں بچے بھی زیر تعلیم تھے۔ سونی اور ولید جو بالترتیب اب آٹھ اور چھ سال کے ہو چکے تھے اور باسم کو ان سے بچھڑے پورے پانچ سال ہو گئے تھے مگر ان پانچ سالوں میں کوئی لمحہ کوئی پل ایسا نہ تھا جب باسم اس کے دل سے دور ہوا ہو، سچ ہے دل میں بسنے والے ہمیشہ دل میں آباد رہتے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا نہ ہوں۔

☆☆☆

جب تک آپ کسی کو دیکھیں نہ، اس سے ملیں نہ، اسے جانے نہ آپ کو اس کے دکھ کا احساس نہیں ہوتا یہ ہی وجہ تھی سوسن سے شینا خالہ کے متعلق سب کچھ سن کر بھی ارباز کے دل میں وہ احساسِ ہمدردی نہ جاگا تھا جو اس سے ملنے کے بعد پیدا ہوا، اب تو جب سے وہ شینا سے ملا تھا تب سے اس کا دل ایک دکھ کی کیفیت میں گھرا ہوا تھا یہ ہی وجہ تھی جو اگلے دن یونیورسٹی میں سوسن سے ملتے ہی اس نے پہلا سوال شینا کے متعلق ہی کیا۔

''ایک بات پوچھوں...... سوسن؟''

''ہاں، ہاں بھئی ضرور پوچھو......'' وہ کولڈ ڈرنک کا ایک بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔

''تمہاری شینا خالہ اتنی ینگ ہیں پھر کیوں تم لوگوں نے ابھی تک اُن کی دوسری شادی نہیں کی۔''

''شینا خالہ کی شادی......؟'' سوسن نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تمہیں پتا ہے وہ ایک شہید فوجی کی بیوہ ہیں جس کی بنا پر انہیں آج بھی معاشرے میں ایک باعزت مقام حاصل ہے جہاں جاتی ہیں میجر باسم کے نام سے پہچانی جاتی ہیں، آج بھی ان کے نام کے ساتھ جڑا میجر باسم کا نام دیکھ کر لوگ تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اتنی عزت بھلا انہیں دوسری شادی کے بعد مل سکتی ہے؟''

''تمہارے کہنے کا یہ مطلب ہوا ہے کہ صرف عزت و تعظیم کی خاطر وہ تاحیات ایک بیوہ کی حیثیت سے زندگی گزار دیں گی یعنی ان کی اپنی اب کوئی زندگی نہیں...... رہی ٔحسد ہے یار......''

سوسن جیسی پڑھی لکھی لڑکی کی ایسی باتیں ارباز کو حیران و پریشان کر گئیں۔

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے اس لیے میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی سوری۔'' اس بار سوسن نے کندھے اچکاتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا اور اس کے جواب نے ارباز کو لاجواب کر دیا۔ اس کے پاس اب مزید کوئی بات کرنے کی گنجائش باقی نہیں تھی اس لیے وہ خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

مسز قاسم ایک بار پھر ان کے در پر جھولی پھیلائے کھڑی تھیں...... پہلی بار وہ شینا کا رشتہ اپنے بڑے بیٹے باسم علی کے لیے مانگنے آئی تھیں، باسم علی جو اس کی چاہت اپنے دل میں جانے کب سے بسائے بیٹھا تھا اور اسی حالت کے ساتھ اسے ایک شہید کی بیوہ کا اعزاز دے کر دنیا سے رخصت ہو گیا مدعا ان کا اب بھی وہ ہی تھا مگر فرد بدل گیا تھا...... اس بار وہ شینا کے لیے اپنے چھوٹے بیٹے عاصم کا رشتہ لے کر آئی تھیں وجہ وہ ہی پرانی باسم کے بچے جنہیں دادی اور چچا اپنے ساتھ رکھنے کے لیے بے تاب تھے جبکہ شینا تو ان کی یہ خواہش سن کر بولنے کے قابل ہی نہ رہی کیونکہ وہ شروع سے عاصم کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھتی تھی۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی علم تھا کہ وہ اپنی کزن مائرہ سے محبت کرتا ہے۔ ایسے میں اس کا شینا سے شادی کے لیے رضامند ...... ہو جانا یقیناً بھائی کی محبت میں دی جانے والی قربانی کے سوا کچھ نہ تھا جبکہ شینا اس کی ایسی کسی قربانی کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ اسی لیے وہ چاہتی تھی کہ آنٹی کو صاف انکار کر دیا جائے مگر اس سے پوچھے بنا بابا نے اپنا فیصلہ خود ہی سنا دیا۔

''میری بیٹی ایک ایسے شہید کی بیوہ ہے جس نے اپنی جان اس ملک کی سلامتی کے لیے قربان کر دی۔'' بابا کے لہجے کا فخر اس کے اندر ایک انجانی سی خوشی بھر گیا ایسے میں اس کی دوسری شادی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

یہ وہ وقت تھا جب وہ خود عاصم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، یہ ہی سبب تھا جو اس نے بابا کے الفاظ پر کوئی غور نہ کیا مگر آنٹی فوراً بول اٹھیں۔

''بیوہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے بھائی صاحب کہ جوان بچی پر زمانے کی خوشیاں بند کر دی جائیں۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، اسی عمر میں تو لوگ بچیوں کی پہلی

شادی کرتے ہیں اس لیے پلیز آپ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کریں ویسے بھی ہم اپنے باسم کے بچوں کے بنا نہیں رہ سکتے۔'' آنٹی کی آنکھوں میں نمی بھر آئی۔

''باسم کے بچے آپ کے بھی بچے ہیں، بہن، آپ جب چاہیں ان سے آکر مل سکتی ہیں اس کے لیے ضروری نہیں کہ ہم شینا اور عاصم کو رشتے کی ڈور میں باندھ دیں ویسے بھی مجھے امید ہے میری بیٹی کبھی اس رشتے پر تیار نہ ہوگی۔''

بابا کی بات درست تھی مگر معنی وہ نہ تھے جو وہ سمجھ رہے تھے۔ شینا کے انکار کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ عاصم کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھتی تھی اور پھر آنٹی کی ہر کوشش ناکام ہوگئی کیونکہ اس رشتہ پر نہ شینا تیار تھی اور نہ ہی بابا اور پھر کچھ ہی عرصے بعد عاصم اپنی کزن مائرہ سے شادی کر کے لندن چلا گیا اور یہ قصہ خود بخود ختم ہوگیا۔ مگر ایک شہید کی بیوہ کے نام پر ملنے والی عزت کا ایسا ٹھپا شینا کی ذات پر لگا کہ چھبیس سال کی عمر میں وہ خود کو ایک معزز بزرگ خاتون سمجھنے لگی جس کی ہر جگہ آمد پر اسے خصوصی عزت دی جاتی خواہ وہ تقریب چودہ اگست یا تئیس مارچ کے حوالے سے ہوتی یا چھ ستمبر یا اسکول کا کوئی فنکشن، ہر جگہ اس کا نام بڑی عزت و احترام سے لیا جاتا کہ شینا کے اندر باسم کے نام سے دوری کا تصور یکسر ختم ہوگیا جبکہ بابا جو ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتے اپنی کم عمر بیٹی کی اتنے لوگوں میں ہونے والی عزت افزائی دیکھ کر فخر سے تن جایا کرتے۔ ایسے میں کسی کو نہ تو شینا کی تنہائی نظر آتی اور نہ وہ مشکلات جو ایک تنہا عورت اپنے بچے پالتے ہوئے اٹھاتی ہے، اس کے سینے پر سجا شہید کی بیوہ کا میڈل ہی اس کی تمام عمر کا حاصل ٹھہرا۔ باقی سب کچھ لاحاصل رہ گیا سوائے ایک عزت و احترام کے، جس کے سائے میں شینا کی زندگی کے قیمتی سال آگے کو بڑھتے چلے گئے۔

☆☆☆

ارباز اور سوسن پچھلے چار سالوں سے اچھے دوست تھے ایسے دوست جو اپنی ہر بات ایک دوسرے سے بنا جھجک شیئر کر لیتے ہیں یہ ہی وجہ تھی جو وہ شینا کے متعلق سب کچھ جانتا تھا سوسن ایک سیدھی سادی اور محبت کرنے والی لڑکی تھی۔ جس کی بنا پر اسے ارباز کی امی نے اپنی پسندیدگی کی سند دے رکھی تھی جبکہ ارباز کو اس وقت تک اپنی امی کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں تھا جب تک کہ وہ شینا سے نہیں ملا تھا مگر شینا سے ملنے کے بعد اس کے خیالات میں یکسر تبدیلی آگئی تھی۔ جس کا علم فی الحال سوائے اس کے ابھی کسی کو نہ ہوا تھا۔

سوسن اور ارباز کی دوستی کی بنا پر بغیر کچھ کہے ہی سوسن کی امی اسے اور ارباز کو ایک ساتھ آباد کر بیٹھی تھیں کیونکہ بحیثیت داماد کہ ان کے گھر والے کیا خواہشات رکھتے ہیں سوسن کا تو علم نہیں لیکن ارباز اتنا جانتا تھا کہ اسے سوسن سے محبت نہ تھی صرف بحیثیت دوست وہ اسے پسند تھی اور اگر آج سے دو ماہ قبل وہ اتفاقیہ طور پر شینا سے نہ ملتا تو..... شاید اس کی یہ پسند محبت میں بھی ڈھل جاتی مگر اب یقیناً ایسا ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

☆☆☆

''چیکو بہت شرارتی ہوگیا ہے آج کل خالہ کو بہت تنگ کرنے لگا ہے۔'' سوسن کی زبان سے ادا ہونے والے اس سرسری سے جملے نے ارباز کے دل کی دھڑکن کو تیز کر دیا، وجہ شاید یہ تھی کہ چیکو کا تعلق اس ہستی سے تھا جسے ایک بار پھر سے دیکھنے اور اس سے دوبارہ ملنے کی خواہش ہر گزرتے دن کے ساتھ ارباز کے دل میں بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اسی لیے وہ سوسن کے اس چھوٹے سے..... یے ضرر جملے کو نظر انداز نہ کر سکا۔

''حیرت ہے اتنا چھوٹا بچہ تمہاری خالہ کو تنگ کرنے لگا ہے۔''

''وہ ہی تو..... دراصل وہ کافی حساس بچہ ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے اسے باپ کی کمی کا احساس اب کافی شدت سے ہونے لگا ہے اور یہی احساس اسے شرارت کرنے پر مجبور کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی جانب متوجہ ہوں۔''

''یہ تو بتاؤ اس نے ایسا کیا کر دیا جو تمہاری خالہ پریشان ہوگئیں۔'' وہ چاہ کر بھی شینا خالہ نہ کہہ سکا۔

''آج کل تو وہ بالکل بھی پڑھ نہیں رہا، میتھس سے تو اس کی جان جاتی ہے اور اپنی کاپیاں اتنی خراب کرتا ہے کہ بس..... کور پھاڑ دیتا ہے۔ سارے صفحے پنسل سے کالے کر دیتا ہے وہ تو شکر ہے کہ خالہ اسی کے اسکول میں ٹیچر ہیں اور پھر وہاں کا سارا اسٹاف انکل باسم کی بہت

عزت کرتا ہے جس کے سبب ابھی تک وہ لوگ اس شرارتی بچے کو برداشت کر رہے ہیں ورنہ تو جانے کب سے اسکول سے نام خارج کر دیا ہوتا۔''

روزمرہ کی طرح شینا کے ہر ذکر میں آج بھی باسم کا نام موجود تھا۔ جسے ارباز نے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا۔

''اپنی خالہ سے کہو اس کے لیے کوئی اچھا ٹیوشن ٹیچر ارینج کریں شاید اپنے ٹیچر کی توجہ سے وہ ان تمام شرارتوں سے باز آجائے۔'' اس حوالے سے اسے اپنا نام خود پیش کرنا فی الحال اچھا نہ لگا اس لیے من پسند مشورہ دے بیٹھا۔

''ٹیوشن ٹیچر؟ اچھا میں خالہ سے بات کرتی ہوں۔''

''تم ایسا کرو ان کا نمبر مجھے دے دو میں خود بات کر لیتا ہوں۔'' دل کی خواہش فوراً سے بیشتر زبان پر آگئی چونکہ سوسن اس کے دل کی حالت سے بے خبر تھی اس لیے بنا کسی جرح کے ایک پرچے پر شینا کا نمبر لکھ کر اس کے حوالے کر دیا۔

''یہ لو نمبر اور کوشش کرو اگر کوئی اچھا ٹیچر مل جائے تو.....''

''کیوں، کیا تمہارے خیال میں میرے اندر ایک اچھے ٹیچر والی خوبی نہیں موجود۔'' پرچہ تھامتے ہی وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم چیکو کو ٹیوشن دو گے؟'' سوسن کو حیرت ہوئی۔

''اپنی پڑھائی سے اتنا ٹائم نکال سکو گے؟''

''کوشش کروں گا ویسے بھی جب آپ کسی کام کو کرنے کا دلی عہد کر لیں تو یقیناً اس کے لیے ٹائم نکل بھی آتا ہے۔''

ارباز کے جواب نے سوسن کو مطمئن کر دیا مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اپنی نادانستگی میں اس نے ارباز کی کتنی بڑی خواہش پوری کر دی ہے۔ وہ تو کئی دنوں سے شینا کا نمبر لینا چاہتا تھا مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سوسن سے کیسے بات کرے اور آج اللہ تعالیٰ نے بن مانگے ہی اس کی یہ خواہش پوری کر دی۔ جس پر وہ اپنے رب کا جس قدر شکر ادا کرتا کم تھا۔

☆☆☆

وہ پرنسپل آفس سے باہر نکلی تو خاصی بددل..... تھی وجہ وہ ہی چیکو کی شرارتیں اور پڑھائی کی طرف بالکل توجہ نہ دینا، شینا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس شرارتی بچے کا کیا علاج کرے جبکہ آج کل وہ ویسے ہی خاصی پریشان تھی کیونکہ بابا اور اماں جان پچھلے دو ماہ سے نومی بھائی کے پاس لندن جا بیٹھے تھے ایسے میں شاید وہ بھول گئے تھے پیچھے گھر میں شینا دو بچوں کے ساتھ بالکل تنہا ہے وہ تو صد شکر کہ اماں جنت ان کی پرانی ملازمہ چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہتی تھی ورنہ تو جانے اس کا کیا بنتا چونکہ وہ اتنے بڑے گھر میں تنہا رہتے ہوئے ڈرتی تھی، اسی لیے پہلی فرصت میں اس نے سب سے پہلے اوپر والا پورشن مکمل طور پر لاک کر دیا پھر بھی گھر، اسکول اور بچوں کے ساتھ، ساتھ گروسری کی خریداری اور مختلف بل کی ادائیگی، بینک آنا جانا، گاڑی کے مختلف کام یہ سب ایسی ذمے داریاں تھیں جن میں الجھ کر وہ اپنے بچوں کو پہلے کی طرح ٹائم نہیں دے پا رہی تھی۔ جس کا فائدہ یقیناً چیکو اٹھا رہا تھا، وہ انہی سوچوں میں گم کاریڈور میں داخل ہوئی جب اچانک اس کا سیل فون بج اٹھا۔ وہ وہیں رک گئی کیونکہ کلاس میں فون سننے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے اس نے جلدی سے اپنے ہینڈ بیگ کی زپ کھول کر فون برآمد کیا۔ نمبر بالکل انجان تھا سمجھ میں نہیں آیا ریسیو کرے یا نہیں ابھی وہ ان ہی سوچوں میں گم تھی کہ فون بند ہونے کے بعد دوبارہ سے بج اٹھا شاید کسی کو کوئی ضروری کام ہو، یہ سوچ کر اس نے جلدی سے کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو.....'' دوسری طرف کوئی اجنبی تھا۔

''جی..... آپ مس شہنیلا بات کر رہی ہیں؟'' اس کی آواز سنتے ہی سوال کیا گیا۔

''جی ہاں.....'' سوال کرنے والے کا انداز ایسا تھا کہ اسے محسوس ہوا شاید لائن کی دوسری جانب اس کے کسی طالب علم کے گھر والا ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اسے مس شہنیلا نہیں پکارتا تھا۔

''السلام علیکم، میں ارباز بات کر رہا ہوں۔'' پہلے تو شینا کی سمجھ ہی نہیں آیا کون ارباز.....

''سوری..... میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

''حیرت ہے میں آپ کو اب تک بھولا نہیں اور ایک آپ ہیں کہ پہچاننے سے بھی انکاری.....'' دل چاہا یہ سب کہہ دے مگر کہہ نہ سکا اور جب بولا تو صرف اتنا کہ.....

''آپ سے سوسن کی کوئی بات ہوئی تھی چیکو کے ٹیوشن کے سلسلے میں۔''

''اوہ سوری، میں بھول گئی اچھا تم ارباز ہو سوسن کے دوست، ہاں اس نے مجھے بتایا تھا اگر تم اس شرارتی بچے کو کچھ ٹائم دے سکو تو یقین جانو یہ تمہارا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔''

''یہ تو مجھ پر احسان ہوگا آپ کا...... اگر آپ اس سلسلے میں مجھ پر اعتبار کریں۔''

''بے اعتباری والی بات ہی نہیں، تم تو اپنے گھر کے بچے ہو۔''

''بچے......؟'' ارباز نے فون اپنے کان سے ہٹا کر ایک سیکنڈ کچھ سوچا اور پھر سیل کان سے لگاتے ہوئے بول اٹھا۔

''سوری، میں بچہ نہیں ہوں' ماشاء اللہ چھبیس سال کا نوجوان ہوں، بچے تو چیکو کی عمر کے ہوتے ہیں۔'' بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں وہ اپنے دل کی بات کہہ گیا۔

''میرے لیے تو تم بھی بچے ہی ہو کیونکہ سوسن کے دوست ہو تو ظاہر ہے جب وہ میری بچیوں جیسی ہے تو۔''

''پلیز میم، آپ مجھے بچوں کی فہرست میں شامل نہ کریں۔'' میم سے بہتر لفظ اسے کوئی نہ لگا۔

''اچھا او کے، یہ بتاؤ تم چیکو سے ملنے گھر کب آرہے ہو؟''

''آج شام میں ہی۔''

''ٹھیک ہے، میں سوسن سے کہہ دیتی ہوں وہ تمہیں لے آئے گی۔'' جلدی، جلدی کہہ کر اس نے فون بند کر دیا کیونکہ پیریڈ کی بیل لگ گئی تھی اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ ایچ ایم اسے ڈھونڈتی ہوئی اسی طرف آجائے یا کوئی اور اسے اس طرح فون پر بات کرتا دیکھ کر کوئی غلط سوچ اپنے دماغ میں پال لے، یہ خیال دماغ میں آتے ہی اس نے جلدی سے سیل آف کر کے بیگ میں رکھا اور اپنا پیریڈ لینے کلاس فائیو کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

''ارے چیکو تو تم سے بڑا اٹیچڈ ہوگیا ہے۔'' پچھلے ایک ماہ سے چیکو پر کی جانے والی اپنی محنت اسے آہستہ، آہستہ وصول ہو رہی تھی جس کا اظہار سب سے پہلے سوسن نے ہی کیا۔

''وہ بیچارہ تو خاصا شریف سا بچہ ہے، یہ تم ہی لوگوں نے بلاوجہ اسے بدنام کر رکھا تھا۔''

''شریف تھا تو نہیں مگر اب ہوگیا ہے۔'' سوسن نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''خالہ بتا رہی تھیں کہ وہ تم سے ملنے کی خواہش تمہارے جاتے ہی شروع کر دیتا ہے، یقین جانو ارباز تم نے شینا خالہ کا ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے اور وہ تم سے بہت خوش ہیں تمہاری بہت تعریف کر رہی تھیں، میں نے کہا آخر دوست کس کا ہے۔''

''میری تعریف......؟'' ارباز کو حیرت ہوئی۔

''اس ایک ماہ میں بہ مشکل تین بار میں تمہاری خالہ سے ملا ہوں ورنہ تو اسٹڈی میں وہ کبھی آتی ہی نہیں، البتہ آنٹی جنت وہاں ہوتی ہیں اور وہ ہی ہماری ہر ضرورت کا خیال بھی رکھتی ہیں۔''

سوسن کو لگا ارباز شکوہ کر رہا ہے۔

''سوری ارباز، میں نے تمہیں بتایا تھا ناں شینا خالہ بہت مصروف ہوتی ہیں، یقین جانو ان کے اسکول کا اتنا کام ہوتا ہے کہ اللہ کی پناہ۔ بہت کاپیاں ہوتی ہیں، جو وہ گھر چیک کرنے کے لیے لاتی ہیں اور آج کل تو ویسے بھی ایگزامز کا زمانہ چل رہا ہے اور پھر نانو بھی لندن جا بیٹھے ہیں یہی وجہ تو ہے جس کی بنا پر وہ اپنے بچوں پر بھی توجہ نہیں دے پا رہی تھیں اور اس عدم توجہی نے ہی چیکو کا یہ حشر کیا۔''

''اسی لیے تو کہتا ہوں تنہا عورت کی زندگی گزارنا بہت مشکل ہے اور خاص طور پر ایسی عورت جس کا چھوٹے بچوں کا ساتھ بھی ہو۔''

''بات تو صحیح ہے مگر......'' سوسن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''مگر اب کیا کریں یہ تو اللہ کی مرضی تھی جو باسم انکل کو اتنی جلدی اپنے پاس بلا لیا۔''

''وہ تو جو ہونا تھا سو ہوگیا لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اب تمہاری خالہ اپنی ساری جوانی احساسِ تنہائی میں ہی گزار دیں۔''

''ہماری بات تو وہ نہیں مانتیں تم سمجھا کر دیکھ لینا۔'' سوسن جواب دے کر آگے کی جانب چل دی جبکہ ارباز اپنی جگہ کھڑا یہ غور کرتا رہا کہ وہ کس طرح شینا کو یہ سب سمجھائے کہ اس نے تو ابھی تک اس سے اتنی بات بھی

...ں کی تھی کہ وہ اس کی گھریلو زندگی ڈسکس کر سکتا۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی اسٹڈی روم میں داخل ہوا چیکو بھاگ کر اس کی ٹانگوں سے آن چمٹا۔

''آپ کل کیوں نہیں آئے تھے، میں آپ کو یاد کر ... بہت رو رہا تھا۔'' اس کے معصوم سے شکوے نے ...باز کے حساس دل کو دکھی کر دیا اور اس نے فوراً جھک کر ...ٹے سے چیکو کو اپنی گود میں بھر لیا۔

''سوری بیٹا، کل شام میں میری کلاس تھی اس لیے ...ں آسکا۔''

''انکل یہ آپ کو یاد کر کے بہت رویا اور اس نے ممی کو ...بھی کیا پھر ممی نے اسے ایک تھپڑ بھی لگایا۔'' اپنے بیگ ...اب نکالتی سونی نے اسے کل کی مکمل روداد بھی سنائی۔

''ممی کو مت تنگ کیا کرو بیٹا، وہ پہلے ہی بہت ...ان رہتی ہیں۔''

''وہ آپ کی بھی ممی ہیں؟'' چیکو حیرت سے اس کی ...پلٹا۔

''نہیں، وہ صرف تمہاری اور سونی کی ممی ہیں۔''

''اور آپ کی......؟'' ارباز کی سمجھ میں نہیں آیا اس ...سے بچے کی بات کا کیا جواب دے۔

''میری......'' ارباز نے ایک سیکنڈ سوچا۔ ''میری ...ت ہیں۔''

''مگر آپ کی دوست تو سوسن باجی ہیں۔'' یہ جواب ...ی جانب سے آیا تھا۔

''انکل کو تنگ مت کرو اور پڑھائی شروع کرو۔'' ...باتوں کے دوران اسے پتا بھی نہیں چلا شینا ...ے میں داخل ہوئی، اب جو دیکھا تو ایک دم اٹھ ...

''السلام علیکم......''

''ممی...... یہ آپ کے انکل ہیں؟'' اس سے قبل کہ ...جواب دیتی چیکو فوراً ماں کی جانب بھاگا، ارباز ...فید شلوار قمیص میں ملبوس سر پر دوپٹا لیے بالکل ...اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ اس کے لیے ...نا مشکل ہوگیا۔

''...ں بیٹا، یہ صرف آپ کے انکل ہیں۔''

''یہاں آؤ چیکو اور جلدی سے اپنی کاپی نکالو آج ہم نے میتھس پڑھنا ہے۔'' مبادا وہ کوئی اور غلط بات نہ کہہ دے یہی سوچ کر ارباز نے اسے جلدی سے آواز دے ڈالی۔

''انکل آپ مجھے کل زو لے کر جائیں گے؟'' میتھس کی کاپی ہاتھ میں لیے وہ ایک بار پھر اس کے پاس آن کھڑا ہوا جبکہ شینا دروازے سے ہی واپس چلی گئی تھی۔

''کل......'' ارباز نے سوچا۔

''پلیز انکل میرے سب دوست گئے تھے اپنے ممی، پاپا کے ساتھ بھوت بنگلا دیکھنے آپ ہی مجھے دکھا.. لائیں ناں پلیز انکل پلیز......''

''مجھے بھی جانا ہے؟'' ابھی اس نے کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ سونی بھی شاملِ گفتگو ہوگئی۔

''ٹھیک ہے کل پانچ بجے تم دونوں تیار رہنا، ہم زو جائیں گے اور بھوت بنگلا بھی دیکھیں گے۔''

ایک سیکنڈ میں ہی ارباز فیصلہ کرتے ہوئے بول اٹھا۔

''اور ممی...... وہ نہیں جائیں گی؟'' پروگرام بنتے ہی چیکو کو اپنی ممی کا خیال بھی آگیا۔

''تم پوچھ لینا اگر چلیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' جانتا تھا وہ نہیں جائے گی مگر یہ بات بچوں سے کہنا اسے کچھ مناسب نہیں لگا اس لیے ماں سے بات کرنے کی ذمے داری انہیں ہی سونپ دی۔

''مجھے پتا ہے وہ نہیں جائیں گی کیونکہ ان کے پاس ٹائم نہیں ہوتا۔'' آٹھ سالہ سونی اپنے بھائی کے مقابلے میں کافی سمجھدار تھی۔ ''ہم اپنے ساتھ سوسن آپی کو لے لیں گے انہیں بھی بھوت بنگلا دیکھنے کا بہت شوق ہے۔''

''ٹھیک ہے ڈن......'' اور پھر جب وہ بچوں کے ساتھ کل کا پروگرام فائنل کر کے باہر نکلا تو بے اختیار ہی نظر شینا پر جا پڑی جو آج پہلی بار اسے بالکل گم صم اور خاموش اوپر جانے والی سیڑھیوں پر بیٹھی دکھائی دی، وہ اپنی سوچوں میں اتنی گم تھی کہ کب ارباز اس کے پاس سے گزر کر باہر نکلا اسے شاید علم بھی نہیں ہوا۔ گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے ارباز نے ایک بار پلٹ کر دیکھا۔ وہ ابھی تک اپنی سابقہ پوزیشن میں وہیں بیٹھی تھی۔ اسے اس طرح اکیلا بیٹھا دیکھ کر ارباز کا دل بہت دکھا مگر وہ کیا کر سکتا تھا یہی سوچ کر خاموشی سے گھر کی دہلیز پار کرتا وہ

باہر نکل آیا۔

☆☆☆

آج دو دن سے چیکو کو بخار تھا جس کی وجہ سے شینا بے حد پریشان تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ بابا کو فون کر کے کہے گی کہ وہ اب واپس پاکستان آ جائیں مگر شومئی قسمت وہ وہاں واک کرتے ہوئے سلپ ہو گئے جس کے باعث ڈاکٹر نے انہیں مکمل بیڈ ریسٹ بتا دیا تھا، ایسے میں بھلا وہ کس طرح کہتی کہ آپ واپس آ جائیں جبکہ اماں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ کچھ دن کے لیے آپا کے گھر چلی جائے لیکن شینا کے نزدیک عارضی رہائش گاہ اختیار کرنا کسی مسئلے کا حل نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب مقدر میں تنہا رہنا لکھا گیا ہے تو وہ پھر کیوں یہاں وہاں جائے بہتر ہے اپنے گھر رہ کر ہی حالات کا مقابلہ کرے۔ ایسے میں بھلا ہو ارباز کا جو اس کے بہت کام آیا۔ چیکو کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا، گھر کی گروسری لا کر دینا، بل جمع کروانا یہاں تک کہ وہ بینک جا کر اس کی تنخواہ بھی لے آیا تھا۔ یہ وہ احسانات تھے جن کے بوجھ تلے دب کر شینا، ارباز کی شکر گزار ہو گئی تھی۔ یہ بھی سبب تھا جو وہ اس سے متاثر ہو کر آپا کو سوسن کے لیے مشورہ دے بیٹھی۔

''بہت اچھا لڑکا ہے ارباز...... آپ اس کا اور سوسن کا رشتہ طے کر دیں۔ یقین جانیں بہت خوش رکھے گا وہ اپنی سوسن کو۔''

''ہاں، سوچا تو میں نے بھی ایسا ہی ہے اور میرا خیال ہے ارباز اور اس کے گھر والے بھی ہماری سوسن کو پسند کرتے ہیں بس اب انتظار ہے کب وہ رشتے کی بات کریں خود سے تو انہیں نہیں کہہ سکتی ناں......''

آپا کی بات معقول تھی وہ خاموش ہو گئی۔

''تمہارے گھر آتا ہے تم بات کر کے دیکھو...... کیا جواب دیتا ہے۔''

''میں......؟'' شینا نے تھوڑی دیر سوچا۔

''چلیں ٹھیک ہے مجھے جیسے ہی موقع ملا میں بات کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے دل میں ٹھان لی کہ جیسے ہی موقع ملا وہ ارباز سے سوسن کے حوالے سے بات ضرور کرے گی کیونکہ اسے خود بھی ارباز بے حد پسند تھا۔

☆☆☆

جاتی گرمیوں کے دن تھے جب وہ جم جانے کے لیے باہر نکلا تو اسے لاؤنج میں ہی امی نے پکڑ لیا۔

''یہاں آؤ ارباز، مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' ارباز نے دیکھا وہ کسی گہری سوچ میں تھیں وہ ان کے قریب ہی جا بیٹھا۔

''جی امی بولیں۔''

''تمہارے پاپا چاہتے ہیں اب تم مزید اسٹڈی کے لیے abrood چلے جاؤ۔''

''جی میں نے خود بھی ایک دو یونیورسٹیز میں اپلائی کیا ہے جواب آ جائے تو پھر بتاتا ہوں آپ لوگوں کو۔'' کہتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں چل دیے؟ یہاں بیٹھ کر پہلے میری پوری بات سن لو۔'' وہ دوبارہ سے بیٹھ گیا۔

''تمہاری خالہ کا فون آیا تھا۔ وہ نازو کا رشتہ تم سے کرنے کی خواہش رکھتی ہیں جبکہ تمہارے پاپا کا جھکاؤ اپنے چھوٹے بھائی کی طرف ہے اور مجھے ایسا لگتا ہے تمہیں سوسن پسند ہے اسی لیے میں چاہتی ہوں ان میں سے جو تمہیں پسند ہو اس کا نام ہمیں بتا دو تا کہ تمہارے جانے سے پہلے ہی ہم تمہارا رشتہ طے کر دیں، آخر ہمارے اکلوتے بیٹے ہو، اس حساب سے تمہاری دونوں بہنیں بھی چاہتی ہیں کہ تمہارے جانے سے قبل ایک سادہ سا منگنی کا فنکشن ارینج کر دیا جائے۔''

امی جیسے سارا پروگرام بنائے بیٹھی تھیں ان کی بات ختم ہوتے ہی ارباز ہنس دیا۔

''اور اگر میں یہ کہوں کہ ان تینوں میں سے کوئی میری پسند نہیں تو پھر؟'' اس کی بات سنتے ہی امی نے حیرت سے اپنے بیٹے کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

''حیران مت ہوں میری ماں، میری پسند ان تینوں سے زیادہ اچھی ہے۔'' ماں کے گلے میں لاڈ سے بازو حمائل کرتے ہوئے وہ ہلکا سا ہنستے ہوئے بولا۔

''اچھا مگر مجھے تو ہمیشہ لگا جیسے تمہاری پسند سوسن ہو۔''

''آپ کو صحیح لگا پسند تو مجھے وہ بھی ہے مگر صرف دوست کی حیثیت سے جبکہ اپنی زندگی بھر کا ساتھی میں اور کو چن چکا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میری پسند آپ کو ضرور پسند آئے گی کیونکہ وہ ہے ہی اتنی اچھی۔''

ساتھ ہی چھم سے شینا کا تصور اس کے خیال میں آیا۔

''تو پھر کب ملوا رہے ہو تم مجھے اس لڑکی سے، میں بھی تو دیکھوں اپنے بیٹے کی پسند کیسی ہے؟'' امی کو شاید بہت جلدی تھی۔

''جلدی ملواؤں گا امی، بس آپ دعا کریں جتنی محبت میں اس سے کرتا ہوں اسے نہ صرف میری اس محبت کا احساس ہو بلکہ اس کے دل میں بھی میری محبت پیدا ہو جائے۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری محبت یک طرفہ ہے اور اس کا علم ابھی تک اس لڑکی کو نہیں۔''

''جی آپ درست سمجھیں بس اب آپ میرے لیے دعا کریں۔'' ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا جبکہ مسز احمر کو فکر تھی کہ ایسی کون سی لڑکی ہے جس سے ارباز محبت کرتا ہے اور وہ اس سے لاعلم ہو۔ چاروں طرف خیال کے گھوڑے دوڑانے پر بھی انہیں ایسی کوئی لڑکی نظر نہیں آئی جس کو کسی بھی حوالے سے انہوں نے ارباز کے ساتھ دیکھا ہو انہیں تو چار سالوں میں صرف سوسن ہی دکھائی دی تھی اس کی جگہ آج ایک دم تبدیل ہو گئی بہر حال جو بھی تھا ارباز ان کا اکلوتا بیٹا تھا، جس کی خوشیوں کے لیے انہوں نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔

☆☆☆

گاڑی کی شاید بیٹری ختم ہو گئی تھی۔ یہ ہی سبب تھا جو وہ اسکول جاتے وقت اسٹارٹ نہ ہوئی اور شینا رکشے میں اسکول گئی اور پھر رکشے میں ہی واپس آئی۔ یہ کام پہلے سے ہی بابا کا تھا وہ تو کسی مکینک کو جانتی بھی نہیں تھی۔ اب لے دے کے آپا ہی تھیں جو زمان بھائی سے کہتیں اور وہ یقیناً اس سلسلے میں اس کے کام آتے۔ یہ سوچ کر اس نے جب آپا کو فون کیا تو پتا چلا زمان بھائی آفس کے کسی کام سے اسلام آباد گئے ہوئے ہیں، جہاں ان کی واپسی شاید ایک ہفتے تک متوقع تھی جبکہ سوسن کے دونوں بھائی اس سے چھوٹے تھے۔ اب شینا نے دماغ پر زور دیا اور چاروں طرف نظر دوڑائی تو اسے ایسا کوئی دکھائی نہ دیا جو اس کے کام آتا ایسے میں جب ارباز بچوں کو پڑھانے آیا تو وہ اپنی پریشانی اس سے شیئر کر بیٹھی۔

رشتہ

رشتوں کو کچھ اس طرح
بچا لیا کرو
کبھی مان لیا کرو
کبھی منا لیا کرو

☆☆☆

کبھی کبھی انسان واقعی ہار جاتا ہے
خاموش رہتے، رہتے
صبر کرتے، کرتے
امیدیں رکھتے، رکھتے
رشتے نبھاتے، نبھاتے
صفائیاں دیتے، دیتے
اپنوں کو مناتے، مناتے

عورت

عورت کی سب سے بڑی خوبی اور خامی
یہی ہے کہ وہ ''مان''
جاتی ہے

از: صائمہ پرویز، کراچی

''یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں میم جسے لے کر آپ اتنی پریشان ہو رہی ہیں، میں اپنے مکینک کو بلوا لیتا ہوں ابھی دیکھ لے گا آپ کی گاڑی اور ان شاء اللہ کل تک ٹھیک بھی کر دے گا۔'' اس نے شینا کو پریشان دیکھ کر تسلی دی۔

''بہت شکریہ تمہارا ارباز، یقین جانو تم بہت اچھے ہو۔'' ارباز کو لگا اس کی آنکھیں نم ہو گئی ہوں۔

''اس دور میں ایسی بے لوث ہمدردی بہت کم لوگ کرتے ہیں، جانتے ہو تم سے پہلے میں نے اپنے اسکول کے ایک ٹیچر سے ایک دو کام کروائے تو وہ صاحب کچھ اور ہی سمجھ بیٹھے یہاں تک کہ اگر کسی پڑوسی کو کوئی کام کہتی ہوں تو بھی عجیب سا لگتا ہے کہیں کوئی غلط نہ سمجھ لے۔ بابا تھے تو اور بات تھی اب اکیلی ہوں تو سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کرنا پڑتا ہے۔ بہت ڈر لگتا ہے دنیا کی باتوں سے......'' آج پہلی بار اس نے اپنے دل کی بات اس

سے کی۔
”جہاں تک میں سمجھتا ہوں ویسے بھی ایک تنہا عورت کا اس طرح زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔“ وہ اپنے مدعا کی جانب آتے ہوئے بولا۔
”تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر میں تنہا نہیں ہوں، میرے پاس تو ہمیشہ باسم ہوتے ہیں۔ پھر بابا اور اب تو کچھ سالوں میں ماشاءاللہ ولید بھی جوان ہو جائے گا۔“ وہ اپنے بیٹے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔
”ان سب کے باوجود آپ تنہا ہیں، یہ بات مان لیں، آپ کی کوئی ضرورت اور مشکل اس سے میجر باسم یا بابا پوری نہیں کر سکتے۔ رہا ولید تو اسے کم از کم بارہ سے پندرہ سال کا عرصہ درکار ہے آپ کے کندھے تک آنے کے لیے۔“ وہ اسے حقیقت کا آئینہ دکھاتے ہوئے بولا۔
”اسی لیے تو میں نے ایک بات سوچی ہے اگر تم مان جاؤ۔“ اسے بروقت سوسن یاد آگئی۔
”آپ وہ واحد ہستی ہیں شینا جس کی شاید کوئی بات میں رد نہیں کر سکتا۔“
”سوچ لو......“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائی۔
”سوچ لیا۔“
”تو پھر جلدی سے سوسن سے شادی کر لو اس طرح میں تم پر مکمل اختیار کر لوں گی اپنا ہر کام کروانے کے لیے۔“
وہ جانتا تھا کہ شینا اس سے کچھ ایسا ہی کہنے والی ہے اس لیے مسکرا دیا۔
”ایک بات کہوں شینا۔“ آج پہلی بار اس نے اسے نام سے پکارا اور شینا شاید اس وقت اپنی کہی ہوئی بات میں اتنا گم تھی کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا۔
”آپ سوسن کے بجائے اپنی شادی کا کیوں نہیں سوچتیں؟ اس طرح آپ مجھ پر زیادہ اختیار حاصل کر سکیں گی۔“
”واٹ......؟“ ایسے جیسے شینا کو کرنٹ لگا۔ ”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے، میری بھلا عمر ہے شادی کی بیوقوف لڑکے......“
”میرا خیال ہے کہ آپ صرف اٹھائیس سال کی ہیں اور اتنی کم عمری میں بیوگی کے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہے، یقین نہ آئے تو قرآن پاک کا ترجمہ پڑھ کر دیکھیں، ہمارے رب کا حکم ہے کنواری لڑکی سے زیادہ بیوہ اور مطلقہ کی شادی کر دینی چاہیے تو کیا میرے رب یہ حکم نعوذ باللہ غلط ہے؟“
”میں صرف اتنا جانتی ہوں میری زندگی صرف میرے بچوں کے لیے ہے۔“
”اور میں یہ کہوں گا کہ آپ کو ضرورت ہے بات قرآن پاک پڑھنے کی اور میں یہ بھی مشورہ دوں گا سلسلے میں آپ کسی اچھے عالم دین سے بھی رابطہ کر مجھے امید ہے وہ آپ کی بہتر رہنمائی کرے گا۔“
اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا، شینا کو آج ا قدرے مختلف لگ رہا تھا، اس کی آنکھیں کچھ اور ہی ک سنا رہی تھیں، وہ ڈر گئی، اسے لگا اتنے سالوں سے ہوئی عزت آج پامال ہونے والی ہے، آپا اور سو خیال اسے شرمندہ کر گیا اور ایسا محسوس ہوا جیسے ارباز جو کچھ کہا اس میں ساری غلطی خود اس کی اپنی ہے حا ابھی ارباز نے کچھ نہیں کہا تھا مگر وہ عورت تھی جان گئی مدعا کیا ہے، ساتھ ہی اسے حیرت ہوئی اتنے ماہ میں آج تک ارباز کو سمجھ کیوں نہ سکی۔
”اور پلیز آپ مجھے غلط مت سمجھیے گا کہ میں کے اسکول ٹیچر کی طرح آپ پر لائن مار رہا ہوں خدانخواستہ آپ کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا بخدا ایسا کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ مجھے آپ طرح تنہا، اداس اچھی نہیں لگتیں۔ میں چاہتا ہوں بھی دوسری لڑکیوں کی طرح مسکرائیں، ہنسیں، بولیں زندگی کی رنگینیوں کو انجوائے کریں، اس لیے مشورہ رہا ہوں کہ آپ شادی......“
”بس کر جاؤ ارباز بہت ہو گیا۔“ وہ ایک د سے چلا اٹھی۔ ارباز کو اس کے غصے میں ایک بے محسوس ہوئی مگر وہ کچھ بولا نہیں۔
”تم جاؤ یہاں سے...... اور ہاں کل سے م مجھے ضرورت نہیں ہے تمہاری کسی بھی ہمدردی کی۔“
شینا کا جملہ ختم ہوتے ہی ارباز نے باری ایک نگاہ چیکو اور سونی کے چہروں پر ڈالی جو ہکا دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان بیچاروں کو تو شاید نہ نہیں آیا تھا کہ ان کی ممی رو کیوں رہی تھیں۔

”آپ بے شک میری ہمدردی کو رد کریں مگر کم از کم اپنے بچوں کا خیال ضرور کریں...... اس عمر میں انہیں اس گھر کے اندر ایک مرد کی ضرورت ہے ایک ایسے مرد کی جو انہیں باپ کا پیار دے سکے۔ باپ کی محبت کو ترس رہے ہیں آپ کے بچے، ایسے میں ناشکری ہوگی اگر آپ اپنی طرف کھلنے والا خوشی کا کوئی در محض اس لیے بند کر دیں کہ دنیا کیا کہے گی۔“
”تم جاؤ یہاں سے۔“ وہ اس کی بات کو درمیان سے کاٹتے ہوئے ہلکی آواز میں چلائی اور اب ارباز کے لیے وہاں مزید رکنا محال تھا یہی سبب تھا جو وہ تیز، تیز چلتا بیرونی دروازہ عبور کر گیا۔

☆☆☆

”تم نے شینا خالہ سے کیا کہا ہے؟“ وہ گھر پہنچا ہی تھا کہ سوسن کا فون آگیا۔
”انہوں نے کیا بتایا ہے؟“ ارباز نے حتی الامکان خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔
”میں نے تمہیں سمجھایا تھا ناں کہ وہ دوسری شادی نہیں کرنا چاہتیں پھر تم نے انہیں ایسا مشورہ کیوں دیا ارباز...... وہ سخت غصے اور ڈپریشن میں ہیں۔“
”یہ سب تمہیں شینا نے خود بتایا ہے؟“ اس نے اندازہ لگا لیا کہ اس کے متعلق شینا نے کچھ نہیں کہا ہے۔
”ہاں......“
”بس صرف اتنا ہی کہا یا کچھ اور بھی......؟“
”کیوں، کیا تم نے انہیں کچھ اور بھی کہا تھا؟“ اب ان ہونے کی باری سوسن کی تھی۔
”نہیں...... بہر حال تم انہیں بتا دینا کہ میں نے ں عقدِ ثانی کے حوالے سے جو کچھ کہا وہ غلط تھا اور نہ ہی شرعی اس لیے اس مسئلے کو لے کر ڈپریشن کا شکار ہونا ئی معنی نہیں رکھتا۔“
اس کے ساتھ ہی ارباز نے فون بند کر دیا اور شاید چھ ماہ میں وہ پہلی شام تھی جب وہ چیکو اور سونی کو ھانے ان کے گھر بھی نہیں گیا حالانکہ اس کا دل ان ں سے ملنے کے لیے مسلسل مچل رہا تھا مگر وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اب اس گھر میں جائے اور اس کے لیے مزید ال کھڑے کر دے۔ اس لیے بھی خاموش رہنا بہتر تھا مگر ساتھ ہی اس نے یہ ضرور سوچ لیا تھا کہ وہ اس مسئلے پر سب سے پہلے سوسن کو اپنے اعتماد میں لے گا اور پھر اپنی امی کو...... کیونکہ اس نے اپنے دل میں یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ شینا کی سفید زندگی کو رنگوں سے بھر دے گا۔ وہ ولید اور سونی کو باپ کی کمی کے احساس سے نکالنا چاہتا تھا اور اسے امید تھی کہ نیکی کی سمت بڑھنے والا اس کا یہ قدم ایک دن اسے کامیابی سے ضرور ہمکنار ضرور کرے گا اور اس سلسلے میں اسے اپنے رب پر مکمل یقین تھا۔

☆☆☆

”تمہارا مطلب ہے سوسن کی وہ خالہ جس کے دو بچے بھی ہیں؟“ امی، ارباز کی پوری بات سن کر ہکا بکا رہ گئیں۔
”کیا وہ یہ سب جانتی ہے؟“ ایک شک سا امی کے لہجے میں در آیا۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے شینا نے اپنی چالاکی سے ان کا معصوم بیٹا پھنسا لیا ہے۔
”وہ کچھ نہیں جانتی امی اور نہ ہی وہ عقدِ ثانی کرنا چاہتی ہے۔“
ارباز کے لہجے کی سچائی نے امی کو مطمئن کر دیا۔
”جب وہ نہیں چاہتی تو ہم کیسے زبردستی کر لیں اور ویسے بھی وہ تم سے بڑی ہے۔ میرا خیال ہے تین چار سال کا فرق تو ہوگا اور پھر دو بچے......“
”بڑی ہونا کوئی مسئلہ نہیں ہے امی اور نہ ہی کہیں یہ لکھا ہے کہ مرد اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے شادی نہیں کر سکتا اور نہ ہی یہ کسی گناہ کے زمرے میں آتا ہے اور رہا سوال بچوں کا تو ایک پل کو آپ صرف یہ سوچیں اس کی جگہ کل کو خدانخواستہ ہماری اپنی کوئی بیٹی ہو تو کیا ہم ساری زندگی اسے اسی طرح بٹھائے رکھیں گے؟ نہیں ناں تو امی صرف ایک بات یاد رکھیں ایک تو شینا مجھے پسند ہے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں دوسرا مجھے ولید عرف چیکو سے بہت محبت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ چھوٹا سا بچہ اپنی زندگی باپ کی کمی کے احساس کے ساتھ نہ گزارے ویسے بھی امی سوسن، نیلوفر اور ناز جیسی لڑکیوں کو تو بہت سارے لڑکے مل جائیں گے مگر شینا کو ایک ہمدرد مرد شاید دوبارہ نصیب نہ ہو اس لیے پلیز آپ کوشش کریں کہ شینا مان جائے۔“
”لیکن بیٹا تم خود سوچو، ہم کس طرح اپنے اکلوتے

بیٹے کی شادی ایک بیوہ عورت سے کر دیں۔ دنیا، خاندان، رشتے دار سب باتیں بنائیں گے۔"

"ایک بات بتائیں امی! آپ کو دنیا کی فکر زیادہ ہے یا اپنے بیٹے کی؟" وہ امی کا جملہ ختم ہوتے ہی بول اٹھا۔

"پھر بھی بیٹا دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کو تو دیکھنا پڑتا ہے۔"

"مت دیکھیں آپ دنیا کو، یہ وقت صرف اپنی اولاد کو دیکھنے کا ہے اور یقین جانیں اگر مجھے شینا نہ ملی تو شاید میں زندگی بھر شادی بھی نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس کے بعد کوئی دوسری لڑکی میرے دل میں وہ مقام حاصل نہیں کر سکتی جو میں نے اسے دے دیا ہے۔"

مسز احمر کو اپنے بیٹے کے چہرے پر ایک ایسا عزم اور استقامت نظر آئی کہ ان کے پاس مزید کہنے کو الفاظ باقی نہیں رہے۔

"فرض کرو میں اور تمہارے پاپا اس رشتے پر مان بھی جائیں تو کیا شینا اور اس کے گھر والے راضی ہو جائیں گے؟ وہ بھی اس صورت میں جب وہ سب سوسن کے سلسلے میں تم سے امید لگائے بیٹھے ہیں۔"

"آپ صرف اپنی اور بابا کی بات کریں، باقی میں خود ہر مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کروں گا پھر بھی اگر ان کی طرف سے انکار ہو جاتا ہے تو جو میرا مقدر...... مگر کم از کم مجھے ایسا محسوس نہ ہو کہ میرے ماں، باپ نے بھی میرا ساتھ نہیں دیا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا تم کوشش کرو، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔" پاپا کی آواز سن کر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دروازے کے درمیان کھڑے مسکرا رہے تھے جو اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ انہیں ارباز اور شینا کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔

"تھینک یو پاپا تھینک یو سو مچ۔" اپنے باپ کی جانب سے ملنے والی رضامندی نے جیسے اس کے سر سے منوں بوجھ سرکا دیا۔

"مجھے حقیقت میں اس وقت خوشی ہوگی جب تم دو یتیم بچوں کے ساتھ ایک بیوہ عورت کو سہارا دو اور یاد رکھنا کبھی زندگی میں شینا اور اس کے بچوں کو یہ احساس نہ ہونے دینا کہ تمہیں اپنے فیصلے پر افسوس ہے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہوگا پاپا۔" اپنے باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس نے یقین دلایا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے یہ سبب تھا جو بنا کسی مشکل کے اس کے گھر والے رضامند ہو گئے۔ ایک مرحلہ سر ہو گیا لیکن دوسرا مرحلہ باقی تھا اور اسے یہ بھی یقین تھا اب سب کچھ اس کے حق میں اتنی آسانی سے ہی ہو جائے گا۔

☆☆☆

وہ شام میں سو کر اٹھی تو گھر میں عجیب سا سناٹا پھیلا ہوا تھا سوہنی، چیکو کے ہلّے گلّے کی کوئی بھی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسے جیسے وہ گھر میں، موجود ہی نہیں ہوں، شینا جلدی، جلدی ہاتھ منہ دھو کر لاؤنج میں آئی۔ جہاں سامنے ہی صوفے پر منہ لٹکائے سوہنی بیٹھی تھی جبکہ چیکو کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"چیکو کہاں ہے بیٹا؟" یہاں وہاں دیکھتے ہوئے اس نے سوہنی سے سوال کیا۔

"وہ جنت آنٹی کے ساتھ باہر لان میں ہے۔" سوہنی کی بات سنتے ہی وہ جلدی سے باہر لان میں آئی جہاں جنت آنٹی منہ بسورتے چیکو کو بہلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"کیا ہوا اسے؟" شینا ان دونوں کے قریب کھڑی ہوئی۔

"کچھ نہیں، بیٹا کہہ رہا ہے کہ انکل ارباز کو فون کرنا ہے، میں نے سمجھایا کہ آپ کی ممی ناراض ہوں گی مگر یہ ہے کہ مان کر ہی نہیں دے رہا۔"

شینا نے دیکھا چیکو کے ہاتھ میں اس کا سیل فون تھا جو جانے وہ کب کمرے سے اٹھا کر لایا شینا کو پتا ہی نہیں چلا۔

"میرا فون دو۔" وہ چیکو کی جانب بڑھی جو اسے دیکھتے ہی جنت آنٹی کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

"چیکو فون دو مجھے۔"

"آپ وعدہ کریں، پہلے انکل ارباز کو فون کریں گی انہیں کہیں کہ پلیز وہ جلدی سے یہاں آ جائیں۔ سوہنی نے زو جانا ہے اور چیکو کو بہت ساری آئس کریم بھی کھانی ہے۔" فون ماں کی جانب بڑھاتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

"تم دونوں تیار ہو جاؤ، میں تمہیں زو لے جاؤں گی۔"

"مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ، مجھے انکل ارباز کے ساتھ جانا ہے اور بس۔" صاف انکار کر کے منہ بسورتا ہوا چیکو تیزی سے اندر بھاگ گیا اور وہ وہیں کھڑی ہکا بکا اپنے بچے کو دیکھتی رہی۔ جب جنت آنٹی نے آواز دے کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"دیکھو بیٹا، خوشیاں بار، بار آپ کے دروازے پر دستک نہیں دیتیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات مگر سچ یہ ہے کہ پہلی بار آپ لوگوں نے اس وقت غلطی کی جب بڑی بی بی نے عاصم میاں کے رشتے کی بات کی تھی۔ وہ بچوں کا سگا چچا تھا ان کے باپ جیسا اور اب آپ ایک بار پھر غلطی کر رہی ہیں ارباز بیٹے کو ٹھکرا کر، یقین جانو وہ بہت اچھا بچہ ہے اور میں کہہ سکتی ہوں کہ دل سے نہ صرف آپ کی قدر کرے گا بلکہ دونوں بچوں کو بھی باپ کا پیار دے گا باقی آگے جو آپ کی مرضی میرا فرض صرف سمجھانا تھا۔"

"وہ مجھ سے بہت چھوٹا ہے آنٹی، کم از کم تین سال چھوٹا ہے وہ مجھ سے۔"

"وہ آپ سے محبت کرتا ہے جو میں نے خود اس کی آنکھوں میں دیکھی ہے۔ محبت عمر کا فرق نہیں دیکھتی بیٹا ویسے بھی گھر میں کسی مرد کی موجودگی آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔"

"میرے ساتھ بابا ہیں تو سہی آنٹی...... ان کا فون آیا تھا انشاء اللہ اسی اتوار کو وہ ہمارے ساتھ ہوں گے۔" اس نے فوراً بات کو دوسرے رخ پر موڑا۔

"معاف کرنا بیٹا، آج کل تو جوان جہان کا پتا نہیں ہوتا کب موت آن پکڑے جبکہ بڑے صاحب تو ماشاءاللہ ستر سال سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں، اللہ ان کی لمبی عمر کرے مگر سوچیں اس عمر میں وہ آپ کا کتنا ساتھ دیں گے اور جو کمی آپ کی ارباز بیٹا پوری کر سکتا ہے وہ بڑے صاحب نہیں کر سکتے باقی جو آپ جو چاہو۔"

اس کے ساتھ ہی جنت آنٹی نے گویا بات ہی ختم کر دی۔

"میرے لیے ایک کپ چائے بنا دیں آنٹی سر میں درد ہو رہا ہے۔" آنٹی سے چائے کا کہہ کر وہ خاموشی سے لاؤنج میں آ گئی جہاں نیچے کارپٹ پر ولید اوندھے منہ پڑا تھا اور سوہنی اپنی جگہ ابھی تک خاموش بیٹھی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کس طرح اپنے بچوں کے دماغ سے ارباز کا بھوت اتارے جو کہ نہایت ضروری تھا۔

☆☆☆

سوسن کے الفاظ تھے یا کوئی دھماکا، امی کو لگا آس پاس کئی بلاسٹ ہو گئے ہوں جبکہ وہ اپنی بات ختم کر کے اتنی مطمئن کھڑی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہو کیونکہ وہ امی کی کیفیت جانتی تھی، وجہ یہ تھی کہ کل وہ بھی اسی کیفیت سے گزری تھی جب یہ سب کچھ ارباز نے اسے کہا تھا۔ اسے بھی کافی دیر تک یقین ہی نہیں آیا تھا کہ ارباز جو کہہ رہا ہے وہ واقعی سچ ہے یا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے اور ایسا ہی شاید ابھی امی کے ساتھ ہوا تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ کس نے کہا ہے تم سے یہ سب کچھ؟"

"ارباز نے۔" سوسن نہایت اطمینان سے بولی۔

"اس نے خود مجھے کہا کہ وہ شینا خالہ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور جہاں تک میں سمجھتی ہوں یہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہ ہم سب صدمے کے مارے بے ہوش ہو جائیں۔"

"حیرت ہے چار دن شینا کے بچوں کو ٹیوشن کیا پڑھائی کہ عشق شروع ہو گیا۔"

"امی آپ غلط کہہ رہی ہیں، کوئی عشق شروع نہیں ہوا یہاں تک کہ شینا خالہ نے تو کبھی اس سے صحیح طریقے سے بات بھی نہیں کی۔"

"پھر یہ کیا ہے؟ سوچو ذرا وہ لڑکا جو کل تک تمہیں پسند کرتا تھا آج شینا کی محبت کے گیت گا رہا ہے جبکہ شینا اچھی طرح جانتی تھی کہ میں ارباز کو تمہارے لیے پسند کر چکی ہوں پھر بھی بھانجی کی جگہ خود لے لی۔" امی اپنی ہی بہن سے اتنی بدگمان ہو جائیں گی سوسن کے لیے یہ یقین کرنا مشکل ہو گیا، شاید اسی لیے اولاد کو آزمائش کہا گیا ہے کہ اس کی محبت انسان کو سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑتی......

"پلیز امی بات کو سمجھنے کی کوشش کریں، پسند اور محبت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے وہ مجھے پسند ضرور کرتا ہے مگر محبت اسے شینا خالہ سے ہے اور جہاں تک پسند کا تعلق ہے، میں بھی چیکو کو پسند کرتی ہوں اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں خاندان کے بہت سارے بچے مجھے پسند کرتے ہیں تو کیا ان سب کو مجھ سے شادی کر لینی چاہیے؟

سوچیں ذرا امی، اپنی بہن اور اس کے بچوں کے لیے سوچیں وہ بہن جو انیس سال کی عمر میں سہاگن بنی اور چار سال میں بیوہ بھی ہوگئی۔ جس کے بچوں نے ہوش سنبھالنے پر اپنے باپ کی محبت بھی نہیں دیکھی۔ اپنے بچے پالنے کے لیے وہ کتنی جدوجہد کرتی ہیں، یہ ہم سب کو نظر آرہا ہے۔ میں ایک پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہوں جس کے سامنے بہت سارے راستے اور کئی منزلیں ہیں جبکہ شینا خالہ..... انہیں شاید ارباز کے بعد یہ موقع دوبارہ کبھی نہیں ملے گا، اس لیے خدا کے واسطے آپ شینا خالہ کو میری جگہ رکھ کر سوچیں تو آپ کا دل خود میرے اور ارباز کے فیصلے کی حمایت کرے گا۔''

''تم جو بھی کہہ لو لیکن جہاں تک میں سمجھتی ہوں، بابا اور شینا کبھی نہیں مانیں گے۔'' سوسن کو امی پہلے کی نسبت کچھ نرم پڑتی محسوس ہوئیں۔

''آپ ان کو چھوڑیں اور صرف اپنا بتائیں کیا یہ سب غلط ہے؟ کیا ولید اور سونی کو اگر باپ نہ سہی باپ جیسی شفقت والا کوئی شخص مل جائے تو برا ہے؟ نہیں ناں.....''

''میرا خیال ہے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ارباز، شینا سے خاصا چھوٹا ہے۔'' امی کا لہجہ اب خاصا تبدیل ہوگیا تھا۔

''زیادہ نہیں امی صرف تین سال ہی چھوٹا ہوگا جبکہ دیکھنے میں خالہ اس سے چھوٹی لگتی ہیں۔ فی الحال آپ خالہ سے کوئی بات نہ کریں، اس سلسلے میں پہلے نانو سے بات کرکے انہیں آمادہ کرنا ہوگا جب وہ مان جائیں تو پھر خالہ سے اور مجھے امید ہے کہ ہم سب کے آگے وہ انکار نہیں کرسکیں گی۔''

''ارباز نے اپنے گھر بات کی ہے؟ کیا وہ لوگ اس رشتے پر تیار ہیں؟''

''جی وہ..... راضی ہیں اب بات صرف نانو اور خالہ کی ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں بابا سے بات کروں گی اور مجھے امید ہے وہ بھی مان جائیں گے۔''

امی کو رضامند دیکھ کر سوسن کو لگا ارباز کا نیک نیتی سے اٹھایا جانے والا یہ قدم اپنی منزل تک ضرور پہنچے گا۔

☆☆☆

بابا جب سے واپس آئے تھے کچھ الجھے ہوئے تھے اتنے سالوں بعد انہیں شینا کی تنہائی کھٹکنے لگی تھی۔ شاید نو اور اس کی بیوی کی گھریلو زندگی دیکھ کر انہیں بیٹی کی بیوگی احساس زیادہ مارنے لگا تھا کچھ نومی نے بھی بابا کو سمجھایا کہ وہ کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر شینا کی شادی کردیں نو کا یہ کہنا کہ ''آپ کے بعد اس کی زندگی بہت مشکل ہوجائے گی۔ تنہا عورت کے لیے سب سے زیادہ مشکل اپنے بچے سنبھالنا ہوتا ہے۔'' اور نومی کی یہ باتیں انہیں کا حد تک درست محسوس ہوئی تھیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جو انہو نے آتے ہی اس بات کا ذکر دبے، دبے الفاظ میں ا بڑی بیٹی یعنی سوسن کی امی سے بھی کردیا۔

''نومی کہتا تو درست ہے کہ شینا تنہا ہے مگر بیٹا میر سمجھ میں نہیں آتا۔ کون ہوگا جو اس کی اس کی تنہائی د کرنے میں ہمارا ساتھ دے دو بچوں کے ساتھ، ساتھ

''ایسا ایک رشتہ میرے پاس ہے بابا جان اصل مسئلہ شینا کا ہے آپ پہلے اس سے بات کریں وہ اگر راضی ہوجائے تو میں آگے کوشش کرتی ہوں۔'' بابا کی بات نے امی کو خاصا مطمئن کردیا اور ساتھ ہی انہوں نے ارباز کے متعلق سب کچھ بابا جان کو بتادیا۔

''مگر وہ تو سوسن......''

''نہیں بابا جان ایسی کوئی بات نہیں ہے اور اس رشتے کے لیے مجھے خود سوسن نے کہا ہے... اس لیے آپ اس طرف سے بالکل بے فکر ہوجائیں۔'' اپنے والد کی بات سمجھتے ہی وہ جلدی سے بول اٹھیں اور ان کی طرف سے جانے والی وضاحت نے بابا کو خاصا مطمئن کردیا۔

☆☆☆

آج اتوار کا دن تھا اور بڑی آپا کی جانب دعوت تھی، یہ دعوت انہوں نے اماں اور بابا کی لندن واپسی کی خوشی میں رکھی تھی شینا کا ارادہ دوپہر کو ہی وہاں جانے کا تھا تاکہ آپا کے ساتھ مل کر کچھ کام کرواسکے چاہتے ہوئے بھی وہ نہ جاسکی۔ چھٹی کے باعث میں اتنے چھوٹے، چھوٹے کام جمع تھے جنہیں نمٹا ہوئے شام ہوگئی اور جب وہ بابا کے ساتھ وہاں پہنچی تقریباً سات بج گئے تھے۔

''سوری آپا، میں نے سوچا تھا جلدی آکر آپ

د کردوں گی مگر نکلتے، نکلتے یہ ٹائم ہوگیا۔''

آپا کو کچن میں دیکھ کر وہ بھی اسی جانب آگئی۔

''ارے کوئی بات نہیں اب تو سارا کام ختم ہوگیا تم جاؤ جاکر اندر بیٹھو یہاں بہت گرمی ہے۔'' آپا اسے اپنے ساتھ لیے باہر نکل آئیں۔

''آپ نے ہم تین بندوں کے لیے اتنا اہتمام کر ڈالا۔'' کچن میں بنا کھانا اور ڈائننگ ہال میں رکھے برتن دیکھ کر وہ حیرت سے بولی۔

''صرف تم تین لوگ نہیں ہو، ہمارے کچھ مہمان اور بھی آرہے ہیں۔'' آپا جواب دے کر آگے بڑھ گئیں مزید مہمان کون آرہے تھے؟ شینا کو پوچھنے کی نوبت ہی نہیں آئی کیونکہ کچھ ہی دیر بعد ارباز اور اس کے گھر والے زمان بھائی کی قیادت میں اندر داخل ہوگئے جنہیں دیکھتے ہی شینا کچھ پزل سی ہوگئی۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ سب لوگ بابا اور اماں سے اس طرح ملے جیسے انہیں پہلے سے جانتے ہوں' صاف لگ رہا تھا کہ ان کی یہاں آمد سے متعلق سب جانتے تھے سوائے ایک اس کے۔ ان بہت خوش دکھائی دے رہی تھی یقیناً ان تمام لوگوں کی یہاں اس طرح آمد کی وجہ سوسن تھی۔ دل ہی دل میں اسے خوشی ہوئی کہ ارباز اس کی بات سمجھ گیا تھا ورنہ آج صورتِ حال خاصی مختلف ہوتی ان سب کو آپس میں باتیں کرتا چھوڑ کر وہ باہر لان میں نکل آئی۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے دیکھا برآمدے میں مٹھائی اور پھل کے ٹوکرے بھی رکھے تھے۔ اپنے اندازے کی درستگی پر وہ ہلکا سا مسکرادی، لان میں بچھی کرسی پر بیٹھے اسے کچھ ہی دیر ہوئی جب سوسن اسے ڈھونڈتی باہر نکل آئی اور برآمدے کے دروازے سے ہی چلائی۔

''جلدی آئیں شینا خالہ اندر سب آپ کا انتظار کررہے ہیں۔'' شینا خاموشی سے اٹھ کر اندر آگئی تو اندر آتے ہی اس کی پہلی نگاہ ارباز پر پڑی جو ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ خاصا خاموش دکھائی دے رہا تھا۔

''یہاں آؤ بیٹا میرے پاس آکر بیٹھو.....'' یہ آواز ارباز کی امی کی تھی۔ جن کی گود میں چیکو پہلے سے ہی موجود تھا۔ وہ چپ چاپ ان کے پاس جاکر بیٹھی جب وہ اس کے ہاتھ دیکھتے ہوئے اچانک بول اٹھیں۔

''سوسن بیٹا تم نے شینا کو مہندی نہیں لگائی۔''

''سوری آنٹی، میں مہندی نہیں لگاتی۔'' شینا نے مارے گھبراہٹ کے اپنے ہاتھ پیچھے کرلیے۔

''لیکن آج تو تمہیں ضرور لگانی پڑے گی۔'' انہوں نے پیار سے شینا کا ہاتھ تھاما ہی تھا جب یک دم سوسن نے اس کے اوپر جگمگاتا دوپٹا لا ڈالا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' وہ ایک دم بوکھلا کر بابا کی جانب پلٹی جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''کچھ نہیں میرے بچے ہم تمہارا اور ارباز کا نکاح کرنے والے ہیں۔''

''واٹ......؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز تیز ہوگئی۔

''آپ یہ سب کیسے کرسکتے ہیں؟'' وہ روہانسی آواز میں بولی۔

''کیونکہ یہ سب مجھے ہی کرنا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں یہ بہت پہلے کردیتا مگر معاف کرنا میری بچی میں اتنا عرصہ تمہاری تنہائی سے لاعلم رہا، میں شکر گزار ہوں نومی اور اس کی بیوی کا جنہوں نے مجھے احساس دلایا کہ بیوہ بیٹی کی ذمے داری کنواری سے زیادہ ہوتی ہے اور پھر احسان مند ہوں ارباز بیٹے کا جو اس مشکل میں میرے کام آیا اور بچوں سمیت تمہیں بخوشی اپنانے کو تیار ہوا۔''

''ایک منٹ انکل......'' ارباز نے بات کرتے ہوئے بابا کو ٹوک دیا۔

''یہ میرا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ میں آپ کا شکر گزار ہوں جو آپ نے مجھے اتنی سعادت بخشی کہ اپنی ہیرے جیسی بیٹی کو میرا مقدر بنادیا۔''

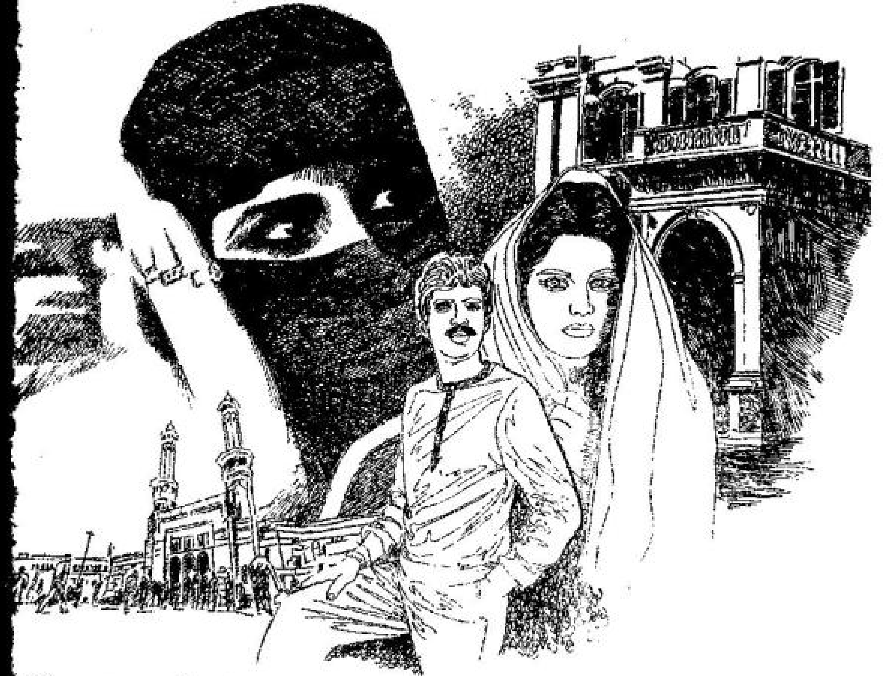
شینا نے دیکھا وہ نہایت عقیدت سے بابا کے دونوں ہاتھ ہونٹوں سے لگائے انہیں چوم رہا تھا۔ اس کے ساتھ کھڑی سوسن خوشی سے ہنس رہی تھی، چیکو اور سونی بھی جانے کتنے دنوں بعد چہچہا رہے تھے' یہ سب دیکھ کر وہ بھی مسرور سی مسکرادی۔ سچ ہے اپنی جانب آنے والی خوشیوں کو ٹھکرانا کفرانِ نعمت ہے جو کوئی بدنصیب ہی کرسکتا ہے اور وہ ان بدنصیب لوگوں میں شامل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس لیے ان خوشیوں کو قبول کرکے خوش نصیب قرار پائی۔

منی ناول

صُفّہ

دُردانہ نوشین خان

تیسرا حصّہ



وہی اونچا سفید پھاٹک تھا جس کی بالائی سبز محراب پر ”اقرا بسم ربک“ لکھا تھا۔ عبایا اسکارف والی آتی جاتی طالبات تھیں۔ وردی والا سکیورٹی گارڈ تھا۔ صفہ بخاری گاڑی سے اتری، ڈرائیور بابو نے ڈگی کھول کر سامان نکالا، سکیورٹی گارڈ نے سامان پکڑ کر اندر رکھا۔ بابو نے نظریں جھکائے پوچھا۔

”بی بی...... مجھے اجازت؟“

”ہاں آپ جائیں۔“ وہ بیگ کھینچتی چند قدم چ

تھی کہ خیال آیا ابا صاحب کو ملی نہیں، ایک دم قدم رک گئے، ابا ضرور نوٹ نکال کر رکے کھڑے ہوں گے، پلٹی ہی تھی کہ شعور نے جھنجوڑا......''اے یتیم و مسکین، ترا کوئی باپ نہیں، کسی ماں نے دعاؤں کی چھاؤں میں رخصت نہیں کیا۔'' ہر کمرے کے ہونٹوں پر چپ کے تالے بھائیں، بھائیں کرتی حویلی چھوڑ کے آئی تھی۔ پیچھے اتھا گہرا اندھیرا چھا چکا تھا۔ وہ ایک مکمل تاریکی کے پس منظر سے خوابیدہ حالت میں چل رہی تھی۔ رخساروں پر اشک بہہ رہے تھے اور وہ جامعہ کی عمارت کی طرف چل رہی تھی۔ سیڑھیوں کے پاس اٹیچی رکھ کر وہ وہیں بیٹھ رہی۔ آپا بی پھاٹک سے بقایا سامان اٹھائے پہنچی تو اسے وہی بیٹھا پایا۔ مدرسے بھر میں صفہ بخاری کا سانحہ مشہور تھا۔ وہ ایک ایسی بیچاری تھی جس کے ماں، باپ بیک وقت چل بسے تھے۔

''السلام علیکم بیٹی!'' اس کے پاس آکر سر پر ہاتھ رکھا۔

''وعلیکم السلام......'' وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

''لاؤ بیٹی' میں تمہارا سامان تمہارے کمرے میں چھوڑ آتی ہوں......صبر کرو بچی زندگی گزارنا پڑتی ہے......اللہ عزوجل تمہیں صبر دے۔''

آپا جی نے اٹیچی کھینچا تو اس نے ہاتھ میں پکڑا اسامان ان سے لے لیا اور چپ چاپ ان کے پیچھے چل دی۔

صفہ کمرے میں آئی تو طالبات اس کے گرد جمع ہونے لگیں۔ امامہ، مائرہ، آرزو، جانی پہچانی لڑکیاں، روم میٹس کے علاوہ انجانی لڑکیاں بھی جو اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھتی خاموش تھیں......جن کا یہ خیال تھا کہ انہیں اس عمر میں تعزیت کرنا نہیں آتا۔ جو سراسیمہ ہو کر کہتی تھیں انہیں قبرستان سے ڈر لگتا ہے' کوئی سٹپٹا کر کہتی ہائے اللہ میں امی، ابو کے بارے میں ایسا سوچوں تو کپکپی ہوتی ہے؟ کوئی اپنی ماں کی محبتیں بتانے لگتی کوئی اپنے ابو کی ناز برداریاں یاد کرنے لگتی، ان کو اس سے سروکار ہی نہیں تھا کہ وہ اس کی مزید ذہنی اذیت کا سبب بن رہی ہیں، رفتہ، رفتہ ہجوم چھٹ گیا۔

اسے آئے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے تھے اور وہ اسی طرح عبایا اوڑھے ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ ام عمارہ ایک یتیم لڑکی تھی اگرچہ اس کی والدہ حیات تھیں۔ بہر حال وہ دوسروں سے بہتر احساس کر سکتی تھی۔ ام عمارہ نے اس کا اسکارف اتارتے ہوئے کہا۔

''تم ریلیکس ہو کر لیٹ جاؤ، میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ روبوٹ کی طرح اٹھ گئی، عبایا اتارا، دوپٹا اوڑھا اور لیٹ گئی۔ ام عمارہ نے اس کے گال پر ہلکا سا تھپک کر تبسم کیا، پنکھا آن کیا اور چائے بنانے چلی گئی۔

وہ چائے کے دو کپ بنا کر لائی، چائے کے ساتھ سموسے بھی آپا بی سے منگوا لیے۔ ''یہ آپ نے فضول خرچی کی، میرے لیے چائے کافی ہے۔'' سموسے دیکھ کر صفہ نے کہا۔

''اچھا کوئی نہیں کھا لو بہنا......کھا لو شاباش......''

وہ سموسہ توڑ کر اسے دینے لگی۔

''سچ کہہ رہی ہوں مجھے بھوک نہیں لگتی، بھوک یاد بھی نہیں آتی......'' ام عمارہ اسے ہمدردی سے دیکھنے لگی اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

''اچھا میں یہ رکھ دیتی ہوں، تم اپنا کھا لو......میں رات کو کھا لوں گی......'' صفہ نے زبردستی مسکراہٹ لا کر تسلی دی۔ ام عمارہ نے پلیٹ ڈھانپی اور ایک طرف رکھ دی۔ وہ دونوں خاموشی سے چائے پی رہی تھیں۔

جماعت کے اول پریڈ میں مولانا عبد الرحیم قاری نے صفہ بخاری کے والدین کے لیے تلاوت کے بعد فاتحہ خوانی کی۔ دعائے مغفرت ہو چکی تو تمام اساتذہ نے اٹھ کر باری، باری اس کے سر پر دست شفقت رکھا۔ دعاؤں سے نوازا......صبر کی تلقین کے ساتھ ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا تعلیم جاری رکھنے کے فیصلے کا خیر مقدم کیا......جناب اللہ دیا باسط قادری نے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کی اتنی عمدہ تفسیر کی کہ سننے والوں کے دلوں میں ٹھنڈک اتر گئی۔ صفہ کو یقین ہو گیا کہ اس کے زخمی دل کی واحد پناہ گاہ ذکر اللہ ہے اس

نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنے غموں کا مداوا اسی میں تلاش کرے گی۔

میرو خالہ ہر دوسرے دن اسے فون کرتی تھیں۔ اس کی سہیلیوں کے نام ان کے حال احوال اور چھوٹی، چھوٹی باتیں پوچھتیں، اسے خوش کرنے کی کوشش کرتیں۔ یوں تو وہ اب خوش نظر آنے کا لبادہ اوڑھنا سیکھ گئی تھی۔ وہ میرو خالہ کی تسلی کرا دیتی۔ کبھی، کبھی وہ کہہ اٹھتی۔ ''اماں کی باتیں کریں خالہ......مجھے کچھ نہیں ہو گا، مجھے اچھا لگتا ہے۔'' تب میرو خالہ ماضی کا کوئی نہ کوئی قصہ سنانے لگتیں، ہوتا ہمیشہ یہی تھا کہ وہ آواز میں توانائی اور آنکھوں میں جھرنے لیے بولتی رہتی۔ رفتہ، رفتہ یہ وقت بھی آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

تدریس کا کام جوں، جوں مشکل ہوتا جا رہا تھا مگر صفہ کو تدریس کبھی مشکل نہ لگی تھی۔ اس نے ہر درجہ امتیازی نمبروں سے پاس کیا تھا۔ اعلیٰ ثانوی درجے کے بعد ایک تعلیمی مرحلہ مکمل ہوا۔ کئی سابقہ کلاس فیلوز نہ رہیں، آرزو کی شادی ہو گئی۔ امامہ والدین کے پاس قطر چلی گئی۔ مائرہ معلمہ بن گئی۔ البتہ ام عمارہ نے اعلیٰ تعلیم میں داخلہ لیا تھا۔ لیکن اس کے منتخب کردہ مضامین جدا تھے۔ صفہ کے ساتھ اب ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔ زندگی کے شدید جذباتی دھچکے کے بعد صفہ مکمل طور پر مختلف شخصیت بن چکی تھی......باوقار، پُر اعتماد تنہائی پسند، اور فکر میں گم رہنے والی تاہم اب وہ غمگین نظر نہیں آتی تھی۔ غمگین نظر آنا بھی تو ذاتی کمزوری کا اظہار ہے، کمزوری اور بیچارگی، رحم اور محبت کی دعوت ہے۔ صفہ کو رحم اور محبت میں کسی کی قطعی طلب نہ تھی۔

تجوید سے تلاوت، کم از کم ایک چوتھائی قرآن پاک کا حفظ، عربی زبان، عربی گرامر صرف و نحو پر عبور، بخاری شریف کا دورہ، احادیث کا مطالعہ، تلفظ کی حساسی احتیاط، فتاویٰ پر جزوی عبور، آداب نعت خوانی، آداب صلوۃ و سلام کے چار سالہ مدارج پورے کرنے کے بعد اسے دو سال مزید پڑھنا تھا۔

منشی ماما پہلے پہل تو ہر فصل پر پھل کے ساتھ آمد و خرچ کا حساب اندراج کرتے اور صفہ بخاری کو آکر دکھاتے رہے مگر صفہ خود بھی اعداد و شمار میں کبھی دلچسپی نہیں لیتی تھی ہر بار یہی کہہ دیتی جو خرچ ہو گیا آپ نکال لیں جو بچ گیا میرے کھاتے میں ڈال دیں...بعد میں میرو خالہ نے بذریعۂ اجمل ششماہی آمدن کا ٹھیکا طے کر دیا تو یوں صفہ اس الجھن سے الگ ہو گئی۔

صفہ نے ریسرچ کے لیے تصوف کا کمیاب مضمون اختیار کیا تو پتا چلا کہ اس کے لیے معلم میسر نہ تھا۔ مددگار کتب کی دستیابی مشکل تھی۔ وقت دو سال سے زائد خرچ ہو سکتا تھا اور سالوں (وقت) کی پروا اسے کب تھی۔

یہ انہی دنوں کی بات ہے اپریل کا اختتام تھا۔ شام کے سائے ڈھل رہے تھے، ہاسٹل گراؤنڈ میں طالبات کی رونق تھی۔ کچھ طالبات کپڑے دھو کر پھیلا رہی تھیں، کچھ گروپ کی صورت گھاس پر بیٹھی گپ شپ کر رہی تھیں۔ ان دنوں موبائل فون کچھ خوشحال گھرانوں کی لڑکیوں کے پاس آ گئے تھے۔ ایک لڑکی جس نے ابھی، ابھی فون بند کیا تھا اب ساتھی لڑکیوں کو گھر والوں، امی، ابو، بھائی کی باتیں ہنس، ہنس کر سنا رہی تھی، اس کی امی کوئی سوغات بنا کر بھجوا رہی تھیں۔ بات سے بات چل نکلی تھی۔ ان سب کے خاندان تھے، گھر والے تھے، تقریباً سب کے ہی والدین حیات تھے۔ صفہ پام کے درخت کے تنے سے پشت ٹکائے نیلے آسمان پر تیرتی سفید بدلیاں دیکھ رہی تھی مگر... درحقیقت وہ کچھ بھی نہ دیکھ رہی تھی......بس منتشر سوچیں اور کوئی روشن کرن تلاش کر لینے کی حسرت......

گراؤنڈ کی دیوار پار محترمہ عائشہ صبیحہ کا کوارٹر تھا۔ وہ جامعہ کی منتظم اعلیٰ یعنی پرنسپل بن چکی تھیں۔ کوارٹر کا ایک دروازہ گراؤنڈ میں بھی کھلتا تھا۔ آپا بی ان کے کوارٹر سے پانی کا کولر لیے فلٹر سے بھرنے آ رہی تھیں۔ وہ صفہ کو دیکھتی ہوئی چلی آ رہی تھیں۔ صفہ بھی غیر ارادی طور پر متوجہ ہو گئی۔ آپا بی، صفہ کے پاس آ کر رکیں۔

''بٹی آپ کو عالمہ محترمہ بلا رہی ہیں۔''
''مجھے......؟''
''صفہ بخاری تم ہی ہوناں؟''
''جی ہاں۔'' وہ کھڑی ہوگئی۔
''چلی جائیں، وہ اپنے لان میں بیٹھی ہیں۔''
''کیا انہوں نے میرا نام لیا ہے؟''
''جی...... ہاں...... بی بی۔'' آپا بی کولر لیے آگے بڑھ گئیں۔ صفہ سر پر دوپٹا درست کرتی حیران سی چل دی۔ کوارٹر کے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ آج تک اس طرف نہ آئی تھی۔ محترمہ عالمہ عالیہ کا رعب ہی اتنا تھا کہ لڑکیاں کوارٹر کی دیوار کے قریب بھی نہ پھٹکتی تھیں۔ وہ ایک چھ مرلے کا صاف ستھرا مکان تھا۔ دروازے کے سامنے مستطیل شکل میں ہری گھاس کا لان تھا جس کے گرد پام کے درخت اور بڑے، بڑے گملے بہار دکھا رہے تھے۔ ہری گھاس پر دو کرسیاں اور ایک گول میز رکھی تھی۔ کرسیوں پر ہلکے سبز کشن تھے...... ماربل کے فرش والے چھوٹے صحن کے بعد بڑا داخلی دروازہ تھا۔ لیکن صفہ کو اُدھر جانے کی ضرورت نہ تھی۔ محترمہ عالمہ عائشہ صبیحہ لان کی ایک کرسی پر بیٹھی تھیں۔ صفہ نے اندر آنے کی اجازت لے کر متانت سے سلام عرض کیا اور سر جھکائے کھڑی ہوگئی۔
''بیٹھ جاؤ صفہ......'' گرے کلر کے سادہ سے سوٹ میں ملبوس ہمیشہ کی طرح سادہ اور سنجیدہ معلّمہ نے دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ صفہ ہچکچائی، سوالیہ نظروں سے دیکھا کوئی تاثر نہ پا کر خود کو سمیٹتے ہوئے آہستہ سے بیٹھ گئی۔
''شش...... شکریہ...... جزاک اللہ......''
''صفہ...... میں اپنی طالبات کا جائزہ لیتی رہتی ہوں...... ویسے تو ہر معلم اپنے طالب علم کو پرکھ لیتا ہے کہ وہ کیسا ہے یا کیسی ہے؟ اب کیسے ہونے کے بھی کئی پہلو ہیں...... سیکھنے کے شوق میں کیسی ہے؟ حافظہ اور توجہ میں کیسی ہے؟ یہ تو عام سطح پر جاننا ہے، اس کے علاوہ قلبی مشاہدہ...... کتنی باطنی گہرائی ہے؟ فطری ذوق کا رخ کس طرف ہے...... اکتسابی جدوجہد فطری ذوق منسلک [illegible] جدا ہے؟ علم کے حصول کے اعتبار سے اعلیٰ [illegible] معیارات ہوتے ہیں۔ طالبات اول، دوم آتی [illegible] مقابلے جیتتی ہیں مگر یہ لازم ملزوم نہیں کہ جیتنے [illegible] میں باطنی انجذاب اعلیٰ درجہ کا ہو۔ انجذاب [illegible] مراقبے سے ارفع راہ کی مسافرت تو بالکل بھی [illegible] ہوتی...... یہ طالبات کا قصور نہیں...... یہ ان کی [illegible] نہیں...... جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے [illegible] تھے، اطاعت گزار و وفادار تھے جب ان کو پتا چلا کہ حضر[illegible] کے عصا کو دیمک چاٹ گئی تو ان کا خوف جاتا رہا اطا[illegible] اڑنچھو ہوگئی...... وہ بھاگ نکلے...... جو عصا د[illegible] اطاعت کرتے ہیں وہ عصا کی اطاعت کرتے ہیں [illegible]

محترمہ عائشہ نے گول میز پر رکھی مٹی کی [illegible] صراحی سے آب خورے میں پانی انڈیلا تو وہ سر[illegible] سے اس خدمت کے لیے اٹھی مگر اسے اشارے [illegible] روک دیا گیا۔ مٹی کے آب خورے سے دو گھونٹ [illegible] اس کی طرف سرکایا۔
''پانی پی لو......''
''جی...... جی نہیں......'' (وہ کیسے اتنی جر[illegible] کر سکتی تھی)
''صفہ...... پانی پی لو'' معنویت بھرا تحکم تھا [illegible] پانی نہیں پیو گی تو بڑا نقصان کرو گی...... صفہ نے دا[illegible] ہاتھ بڑھایا...... آب خورہ لے کر ازراہِ احترام دو گھو[illegible] لیے اور رکھ دیا۔ وہ اسے پانی پیتا دیکھتی رہیں...بھر کہا [illegible]
''تم چاہتی تو اپنے لیے اس سے بڑا حصہ [illegible] سکتی تھیں۔''

صفہ پر وضاحت تو نہ ہوئی مگر اسے لگا جیسے وہ [illegible] کر گئی ہے۔ اس کا ہاتھ پھر سے بڑھا...... اسے لگ[illegible] آب خورہ جو اتنا قریب رکھا تھا اب وہاں نہیں ہے [illegible] میز کے پرلے کنارے پر ہے...... اس نے ابھی [illegible] تو اسے اپنے سامنے یہاں رکھا تھا۔ وہ کپکپا اٹھی۔ محتر[illegible] عالیہ سے نگاہ ملی تو عجیب سے تاثر[illegible] لگے...... تنبیہہ...... تحکم اور تلقین...... پھر وہ ایک [illegible]

[illegible]اہیں اپنے سابقہ لہجے میں بولیں۔
''میری باتیں غور سے سنو صفہ بخاری...... جو نظر [illegible]ہیں آتا یہ لازم نہیں کہ وہ نہیں ہوتا...... ہونے کے [illegible]لیے نظر آنا شرط نہیں...... یہ بندے کی جہالت [illegible]ہے...... ماضی بعید میں آسمان کے بے شمار ستارے نظر [illegible]نہیں آتے تھے...... پھر طاقتور دوربینیں ایجاد ہوئیں، وہ [illegible]نظر آنے لگے۔ مزید ایجادات نے مزید [illegible]ٹھایا...... پہلے آواز کی رسائی چار دیواری تک تھی...... [illegible]آواز نے نوری سالوں کا فاصلہ طے کرلیا...... پہلے آواز [illegible]ندہ کی ہوتی تھی۔ اب آواز سدا زندہ ہے، سائنس تو [illegible]صرف موجودات کی تصدیق ہے...... انسان کی عقل [illegible]بڑی طاقت ہے مگر یہ طاقت روح کے تابع ہے۔ اس کا [illegible]مطلب ہے روح، عقل سے بڑی قوت ہے مگر اس کو [illegible]ارتقا نہیں دی جاتی جو چیز ارتقا...پزیر نہیں وہ زنگار ہوئی [illegible]جاتی ہے۔ عقل کو علم سے ارتقا نہ ملے تو یہ حیوانی سطح یعنی [illegible]بات تک محدود ہو جاتی ہے...... مثال سنو ایک وہ [illegible]عقل ہے جو آلہ ایجاد کرتی ہے...... ایک وہ بھی عقل [illegible]ہوتی ہے جو بنے بنائے آلے کو برتنا مشکل جانتی ہے، کسی [illegible]عقل کو طعنہ نہیں، معاملہ عقل کی تربیت کا ہے، اسی طرح [illegible]معاملہ روح کی تربیت کا ہے بس...... میں نے کیا کہا؟ [illegible]کہا کہ جو دکھائی نہیں دیتا، سنائی نہیں دیتا وہ سجھائی [illegible]دیتا ہے...... یہ مت سمجھو کہ آس پاس...... یہ درخت، [illegible]کرسی، میں ہوں...... اور بھی بہت کچھ ہوسکتا ہے۔''
وہ خاموش ہوئیں تو تادیر صفہ کی آنکھوں میں [illegible]تی رہیں، صفہ کی بھی پلک تک نہ جھپکی...... کوئی پیغام [illegible]ان آنکھوں سے شعاع بن کر ان آنکھوں کی [illegible] سفر کررہا تھا...... بہت دیر بعد صفہ کے سینے کے [illegible]سے ایک لمبی سانس خارج ہوئی...... اس نے [illegible]ہاتھ بڑھا کر کسی شجر کا آسرا لیا تھا جانے وہ آبلہ پا [illegible] دور سے بے شجر ریگ زار میں چلتی آرہی [illegible]...... اس کے دھڑ نے یوں جھٹکا کھایا جیسے چلتے، [illegible]کر رکی ہو۔ آواز آئی۔
''بس......!''

پھر سے سابقہ ماحول اور منظر بحال ہوگیا۔
''مجھے پتا چلا ہے تم تصوف کا مضمون آگے پڑھنا چاہتی ہو۔'' محترمہ عائشہ صبیحہ کی آواز آئی۔ ''میں پڑھاتی ہوں، میں پڑھ کر آئی ہوں۔ وسیع و عریض سبجیکٹ ہے...... مگر کم از کم پانچ طالبات تو ہوں...... یہاں تو تمہارے سوا کوئی نہیں...... تم (فلاں) یونیورسٹی جاسکتی ہو۔'' انہوں نے ایک اعلیٰ ادارے کا نام لیا۔
صفہ سوچ میں پڑ گئی......
''بول دو......'' حکم ملا۔
''جانے کو کہیں بھی جاسکتی ہوں مگر میں آپ کے زیرِ سایہ رہنا چاہتی ہوں۔ زیادہ سے زیادہ کتب لے لوں گی۔ جتنی بھی مہنگی ہوں، ملک سے باہر سے ملیں میں کرلوں گی...... میری درخواست ہے آپ اپنی سہولت سے وقت عطا فرما دیجیے۔''
عالمہ عائشہ صبیحہ الازہری دھیرے، دھیرے سر ہلاتی رہیں۔ وہ اس ادارے کے متعلق بتاتی رہیں جہاں سے وہ فارغ التحصیل تھیں۔
''اسلامک وژن کو چند افراد اور اداروں نے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا، اسلام میں بے پناہ وسعت ہے۔ یہ تو اخوت اور امن کا کہکشاں تک پھیلا پیغام ہے۔ اسلام احد کا واحد پیغام ہے۔ حضرت عیسیٰ نے کبھی عیسائیت، حضرت موسیٰ نے کبھی یہودیت کا لفظ نہ کہا۔ ایک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ اللہ نے ازل سے لفظ اسلام کہا...... کیا پاور ہے اسلام...... اللہ جانتا ہے۔''
دور وسعتوں پر نظریں جمائے وہ خاموش ہوگئیں۔
''محترمہ عالیہ...... (عالی جناب کی طرز پر یہ تخاطب خواتین کے لیے تھا۔ آپ کے مشفق رویّے نے مجھے ہمت دی ہے کہ آپ سے ایک سوال کروں اگر آپ اجازت دیں۔''
''کہو......''
''جی...... وہ آپ کا ایک بیٹا تھا...... اور......'' وہ چپ ہوگئی آگے بولا نہ گیا۔
''ہاں، محمد حمزہ نے تو ''قال'' سے ''حال'' کا

سفر کروایا ہے۔ ایک نظم سنو۔

میرے لعل، جانِ مادر
یہ کیسا ہوا حکم صادر
کہ سارے ناز بھی لاڈ، ہجر کے صحرا میں بکھر گئے ہیں
تمہارے ہونے کے سارے منظر کھو گئے ہیں
میرے لختِ جگر، میری زندگی، میرے لعل
لعل رہا نہ جگر رہا نہ زندگی۔''

''صفہ اب تم جاؤ۔'' کچھ چند ثانیے کے بعد پھر بولیں''۔ ہاں نصیحت کرتی ہوں، ہر بات ہر کسی سے نہیں کی جاتی، اسی طرح تکبر، حسد، خود پسندی، غیبت جنم لیتے ہیں۔''

''انشاء اللہ...... جزاک اللہ...... السلام علیکم......''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

میرو خالہ سے رابطہ رہتا تھا۔ میرو خالہ ہی صفہ کی واحد محبت اور رشتہ تھیں جہاں اس کا بچپن ہمکتا تھا۔ اور دفن شدہ جوانی جھانکتی تھی۔ ان سے ہنس لیتی، مذاق کر لیتی۔

''میرو خالہ، اب تو آپ کو اچھی خاسی انگلش آ گئی ہو گی۔''

''مجھے یہ موئی آتی تو نہیں پر سمجھ لیتی ہوں۔''

''واک میں آپ نے گوری میڈ میں، سہیلیاں بنالی ہوں گی آپ تو شروع سے ہی سہیلی بنانے کی ماہر ہیں۔''

''ارے بیٹا، واک تو مجبوری ہے، ڈاکٹر نے ہدایت کر دی ہے، ان گوریوں کے لہجے عجیب ہیں...... ان کے ساتھ کتے، بلیاں واک کرتی ہیں، ان کو کیا سہیلی بناؤں گی، پاکستانی بڈھیاں ملتی ہیں تو اُن سے گپ شپ ہوتی ہے۔''

''میری نالج کے مطابق آپ کی عمر کی گوریاں خود کو بڈھیاں نہیں سمجھتی جو آپ کو بڈھیاں نظر آتی ہوں گی وہ اسی، نوّے سالہ ہوں گی۔''

''سالوں کا تو اب کیا پتا...... سارے بڈھے ایک سے ہوتے ہیں بیٹی...... سیالکوٹ کی ایک عورت ہے طفیل محمود کی ماں...... طفیل محمود کا اچھا بڑا بزنس ہے یہاں۔ اس کی بیوی بھی بزنس میں کام کرتی ہے... ماں ان کا بے بی سنبھالتی ہے، اس سے میں تمہاری باتیں کرتی رہتی ہوں، اسے تمہاری تصویر بھی دکھائی تھی...... اس کو تم بہت اچھی لگتی ہو۔''

''آپ نے اچھا بنا کے جو دکھایا ہو گا۔''

''لو...... میں نے کیا بنانا ہے بیٹی، اللہ نے بنایا ہے...... میں طفیل محمود کی ماں کی بات کر رہی تھی... اس کا ایک بیٹا کنوارا بھی ہے۔''

'' پیاری خالہ...... میں لندن رہنا پسند نہیں کروں گی۔''

''سن تو سہی......''

''اچھا خالہ...... پھر سنوں گی...... ابھی تو بہت کام دیکھنا ہے...... وہ کر لوں۔''

''تم تو پوری بات ہی نہیں سنتی ہو۔''

''خالہ جان، بھانجی قربان، اجازت دیجیے، اللہ حافظ......''

خالہ میرو کو کیا پتا کہ وہ شادی اور مرد کا لفظ ہی لغتِ حیات سے منہا کر چکی تھی۔ اس سے کوئی اس موضوع پر بات کرنے کی جرأت نہ رکھتا تھا مگر میرو خالہ تو خالہ تھیں۔

☆☆☆

دراز قامت عائشہ صبیحہ الازہری سفید اسکارف اور عبا میں سفید روسٹرم پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑی تھیں۔ پسِ پشت دیوار پر سفید کبوتر اور سبز گنبد کا منظر تھا۔ سامنے تین بینچ تھے۔ ایک پر صفہ بیٹھی تھی۔ دونوں خالی ہوتے لیکن اندازِ تخاطب ایسا ہوتا تھا جیسے اور بھی موجود ہیں، صفہ سمیت سب ہی موجود ناموجود لگتے۔ متعلمین کا سوال کرنا منع نہ تھا مگر اس کی نوبت نہ آئی۔ وہاں تو یہ کیفیت ہوتی کہ سانس بھی ذہن کی وصولیاتی لہروں میں تعطل کا سبب لگتا۔ علم بہتے پانی کے رو کی طرح پھیلتا چلا آتا تھا۔

''صفا، مکدر کا متضاد ہے۔'' ان کا بیان تھا۔'' صفا چیزوں کا صاف حصہ ہے۔ کدچیز کا

خراب حصہ ہے۔ اہلِ صفا یا اہلِ تصوف اپنے معاملات کو کد سے صاف رکھتے ہیں۔ اہلِ صفا کے تین گروہ ہیں، ایک صوفی...... دوسرا متصوف اور تیسرا مستصوف، جس کی انا وفنا ہو جائے۔ وہ پہلا ہے یعنی صوفی، جو مجاہدے سے مقام حاصل کرے دوسرا ہے یعنی متصوف اور تیسرا مستصوف ہے جو صوفی کی نقل کرے...... کیسے کوئی صوفی بن سکتا ہے جب تک اس میں انسانی صفات موجود ہیں، انسانی صفات کا فنا اور الوہی صفات کا بقا تصوف ہے۔ انسانی صفت فانی ہے، فانی شے کی ملکیت فنا ہے۔''

لیکچر کے ساتھ صفہ کا ذہن سوچ رہا تھا۔'' میں دوسرے درجے کی صوفی بن سکتی ہوں...... یا تیسرے درجے کی؟ کیا خانقا ہیں، تصوف میں معاون ہو سکتی ہیں؟ عورت مجاہدے کہاں اور کیسے کرے؟ ارفع روحانی مقامات کیا ہیں؟ چبوترے والے اصحاب میں کوئی عورت نہیں تھی۔''

''حضرت باقلیؒ فرماتے ہیں۔'' معلّمہ کی آواز گونجی۔'' جب اللہ نے اہلِ معرفت کی ارواح کو پیدا فرمایا۔ غور کرو۔'' اہلِ معرفت نہ کہ تمام ارواح۔ تو اُن پر اپنا جمال منکشف فرمایا۔ یہ ایک ایسا مشاہدہ تھا کہ اس کی ضوفشانیاں ارواح کو بے حال کر گئیں تب سے معارف روحیں، اللہ کے جلال و جمال کی عاشق ہو گئیں۔ جب وہ روحیں بظاہر جسموں میں آئیں تو اُن میں اس مشاہدے کا نور محو کر دیا گیا مگر نور کی یاد اور عشق اور محبت باقی رہ گئی۔ اللہ نے ایسی جانوں کو قرآن پاک میں بیان کیا ہے کہ وہ ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے ہیں...... یہ الفاظ'' ذکر و فکر'' مخلوق کی یعنی عام انسان کی عقل و سمجھ کے مطابق استعمال کیے گئے ہیں، ورنہ درحقیقت یہ ان عالی لوگوں کی یعنی ان اہلِ معرفت لوگوں کی عقلوں، دلوں اور جسموں کی صفات ہیں...... غور کرو، اللہ نے اپنے لطف و کرم کے سبب اہلِ معرفت کی اصل حالت کو مخلوق سے مخفی رکھنے کے لیے ذکر و فکر میں مشغول دکھایا۔ یہ اہلِ معرفت ارواح مجالسِ قدس اور مقاماتِ انس میں حاضر رہتی ہیں۔ ذاکرین کا ذکر صفات کے تابع ہوتا ہے یعنی جو صفت ان... ذاکرین پر کھلتی ہے وہ اسی کے مطابقت والے ذکر میں مشغول کر دیتی ہے جن پر عظمت کی صفت منکشف ہوتی ہے تو انہیں توحید میں فنا ہونے کے ذکر پر راغب کرتی ہے جب کبریائی کی صفت منکشف ہوتی ہے تو انہیں ایسے ذکر کی طرف لے جاتی ہے جس سے تواضع وانکساری ہو۔ غور کرو...... اولیا کا اللہ کو یاد کرنا اللہ کے انہیں یاد کرنے کے بعد واقع ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ عام مسلمان فرض نماز کی ادائیگی کے لیے وضو تک جانے کے لیے اللہ کے بلاوے کا انتظار کرتا ہے... بلاوا ہونے کے بعد جاتا ہے، غور کرو اللہ نے ازل سے اولیا کے فضائل و درجات کا ذکر فرمایا...... جب کسی کا ذکر ہوا تو... وہ مذکور ہو گیا۔ پھر جب وہ ازل و ابد کا مشاہدہ کرنے میں ذکر سے غائب ہوا تو مقام ذکر سے نکل گیا...... نکل گیا تو کہاں تھا؟ یہ وہ وقت تھا جب ذاکر، ذکر اور مذکور یگانگت کے باب میں ایک ہی ہو گئے...... غور کرو، الگ، الگ ہونے کی شرط قائم رہی...... ذکر کرنے والا جب فنا ہوتا ہے تو فنا ہو کر موحد ہی باقی رہ جاتا ہے جیسا کہ ازل میں وہ اس طرح تھا۔''

''اللہ...... ھو...... اکبر......'' صفہ کی پسلیوں سے کوئی برقی لہر سرسراتی ہوئی کانوں اور آنکھوں سے گزر گئی۔ وجود یوں ناموجود ہو گیا کہ ماحول سے لاتعلق ہو گیا۔ لامتناہی علم کا بیکراں آسمان تھا۔ وہ کہیں ابتدائی کنارے پر مؤدب ہو کر رکی ہوئی تھی۔ یہ بیکرانی سمندر تھی تو وہ اس میں اتری نہ تھی، اسے چھو کر تری محسوس کی نہ تھی، بیکرانیِ آسمان تھی تو اس کے بازو پھڑ پھڑا رہے تھے اور قوتِ پرواز ملتی نہ تھی۔ ایک سو پینتیس منٹ دورانیے کے لیکچر سے وہ اُٹھتی تھی تو لگتا تھا کسی مانوس جہاں سے نامانوس سیارے میں آ گئی ہے۔ آس پاس کا ماحول بیگانہ لگتا، دیواریں، دروازے، کھڑکیاں، پنکھے سب عجیب سے لگتے بلکہ دیکھنے کا عمل ہی اجنبی لگتا...... آوازیں، رنگ، مہک، حرکت، چہروں کے تاثرات، کھانے پینے کی اشیا...... واضح طور پر ایک نقلی

منظر ہے جسے اسٹیج کر دیا گیا ہے تاکہ عقل اس پار جانہ سکے۔ عقل اور بدن اسی پر چپکتے رہیں قانع رہیں..... اس کی چمک دمک پر خوش ہوں اس کی ادلی بدلی پر آنسو بہائیں۔ اس کے ٹکڑوں پر لڑیں مریں..... تین پیریڈ کا وقت اس کی اصلی جنت بنتا جا رہا تھا۔ یہ ایسے گزر جاتا ہے کہ پیاس لگتی نہ تھکن ہوتی..... گرمی، سردی معدوم ہو جاتی..... تو گویا جس بارش نے اس کے باطن کو زرخیز کرنا تھا وہ برسی ہی اب تھی..... ایک بے قراری اندر گونجتی رہتی تھی۔

ایک بار ایسا ہوا کہ وہ کلاس روم کے دروازے کے باہر تک پہنچتے پہنچتے منجمد ہو گئی..... عائشہ صبیحہ اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ منہ اٹھا کر کہیں دور اوپر دیکھنے لگی۔ پھر بانہیں پھیلا کر دھیرے، دھیرے گھوم گئی۔

''علم کا شہر.....'' وہ گھومتے ہوئے دُہرا رہی تھی..... ''علم کا دروازہ.....'' علم کا شہر..... علم کا دروازہ.....'' اس کا چکر تیز ہونے سے پہلے تیز ڈانٹتی آواز آئی۔

''صفہ.....'' وہ ایک جھٹکے سے رکی، آنکھیں کھول دیں۔ سر پر دوپٹا سنبھالا، سہم کر اندر داخل ہوئی۔ اپنی بینچ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اجازت کی منتظر تھی۔ پڑھانے والی نے ڈپٹا۔

''کچی مٹی کی گاگر لے کر دریا بھرنے آئی ہو..... سنبھالنا علم کی پہلی شرط ہے۔ ابلیس سے بھی علم سنبھالا نہیں گیا تھا۔ یہ درسگاہ ہے اس کا احترام ہے۔''

''میں آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گی۔'' وہ منمنائی۔ بیٹھنے کا اشارہ کر کے ایک دم آغازِ درس ہو گیا۔

''ہر انسان ایک کامل فتح ہے۔''

''فتح.....؟'' بے ساختہ لب جدا ہو گئے۔

''ہاں ایک کامل فتح..... وہ ایک مفید جسمانی بناوٹ، ایک جامع، کمپریہنسو، عقلی سلطنت کا مالک ہے۔ اگر وہ ہوشیار، سمجھدار مالک ہے تو وہ اپنی کائنات بنا سکتا ہے۔ انسان صفاتی خالق ہے۔ کوئی space کے علم کی کھوج میں ہے کوئی ٹیکنالوجی کے نئے جہان تلاش کر رہا ہے جس کا جی لگ گیا تزئین ملبوسات کو آباد کر لیا..... باغبانی کے جنون نے بہاریں لا کھڑی کی..... مثالیں سوچتے جاؤ۔''

''تو کیا..... یہ فتح ہے؟''

''دیکھو یہ کرۂ ارض ہے.....'' گلوب گھما دیا.....

''ساری فتوحات یہاں ہو رہی ہیں۔'' سر کی طرف اشارہ کیا۔ ''لاکھوں، کروڑوں برس پہلے کائنات بنا دی گئی..... کرۂ ارض بن گیا۔ نسل در نسل انسان اسی پر بیٹھا ہے، اس کی اشکال کرتا، دیکھتا، سوچتا، مین میخ نکالتا ہے، گل کاری بھی کرتا ہے، خوں ریزی بھی کرتا ہے، لاکھ نسلیں انہی موجودات سے حیرت کا آغاز کرتی ہیں اور حیرت کو علم بنا کر فتح کرتی ہیں، عارضی پن پر بہل گیا انسان..... کھلونا دیا گیا کہ لو پہر دو پہر کھیل لو، واپس لے لیا جائے گا..... وہ اسی کھلونے کو دیکھنے، دھونے، چمکانے میں اپنے سارے پہر گنوا بیٹھا..... اللہ نے بندے کو بندے کے حال پر چھوڑ کر کہا، مواقع تمہارے اندر ہیں..... سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے۔'' وہ لوگ جو کھڑے بیٹھے، کروٹ پر لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔'' کیسے یاد کریں..... طریقہ نہیں بتایا..... اپنے انداز میں کرو، یہ لوگ اپنے حال میں ترقی کرتے ہیں..... یاد کرنا تسبیح ہاتھ میں لے لینا یا مصلّی پر کھڑا ہو جانا نہیں ہے..... سپہ سالار کی جنگ، سائنس دان کی سائنس، باغبان کی باغبانی..... یہ بھی کھڑے، بیٹھے اللہ کی یاد ہو سکتے ہیں۔ اللہ کو یاد کرنا ایک helping tool ہے اس سے پروموشن ملتی ہے، یاد کرنے والا جب مدغم ہو جاتا ہے تو حالتِ سکر میں پہنچ جاتا ہے۔ یاد میں مدغم ہونا، غور کرو، نیوٹن جتنا جانتا تھا سیب فروش نہیں جانتا تھا۔''

وہ گویا کھلی آنکھوں اور کھلے سر سے بیٹھی تھی۔

''سیب فروش نیوٹن کو دیکھ کر دیوانہ سمجھ سکتا تھا..... کسی مجذوب کو حالتِ سکر میں دیکھ کر دنیا دار آنکھ استہزا کرتی ہے..... حالتِ سکر سے بڑھتے ہیں تو عالم حیرت میں آتے ہیں، حیرت اتنی وسیع ہے کہ سانس

پھیپھڑے میں نہیں سماتی..... نوری سال کی رفتار سے ارضی بدن اڑتا ہے۔ حواسِ خمسہ کچھ بھی ثابت نہیں کرتے اسی لیے تو یہ حیرت ہے۔ حیرت کی اگلی منزل استغراق ہے..... بس ایک چپ..... سوالات نامہ بند ہو گیا..... ششدر اور stunned، کیفیت، محویت میں ڈھل گئی۔ اس سے بھی آگے نکلے، نکلنے والے تو سیر میں پہنچتے ہیں، سیر، غیب ختم سب حاضر..... اس مرتبے پر آ کر قرار پکڑتے ہیں وہ جو منتہا والے ہیں..... لیکن جو حالتِ سکر سے بیداری کی طرف واپس آجاتے ہیں تو وہ قفل بہ زبان ہو جاتے ہیں..... تو وہ جو کہتے ہیں۔'' اے ہمارے پروردگار ہم نے جو کچھ مشاہدہ کیا اور محسوس کیا اسے تو نے بے غرض و مقصد پیدا نہیں فرمایا۔'' غور کرو..... وہ بھی شاید بہت کچھ کہنا چاہتے ہوں گے جیسا کوئی بچہ پہلی بار میلے میں جائے اور پلٹے تو ان تھک اور بے جوڑ بولتا جائے اور جو کوئی ان میں ذہین ہوگا پہلا سوال یہ کرے گا۔'' میلا کیوں لگاتے ہیں؟'' یعنی ''مقصد.....'' ہر ذہانت کا سوال ہے..... خلاصہ سکر کا یہ ہے کہ تو نے (اے اللہ) یہ سب بے مقصد پیدا نہیں کیا۔''

''اللہ ھو..... وو.....'' صفہ نے لمبی سانس کھینچی۔

''پیدا کر دیا..... اور مقصد پیدا کرنے کا بھی تھا..... اور مقصد سے ہمیں بھی باندھ دیا۔ ہم کھاتے ہیں، کیوں؟ مقصد پیٹ بھرنا ہے، ڈھیروں کھانے اگر سامنے انبار لگا لیتے ہیں مقصد کا استہزا ہے، مقصد ایک تعین ہے کم نہ بیش..... اللہ نے انسانوں اور جنوں کو پیدا کیا عبادت کے لیے..... یہ تو گھسن گھیری ہے۔ ہم عبادت والا مقصد کیسے پورا کریں، ہمیں تو نیند آتی ہے، ہمیں تھکن بھی ہوتی ہے ہمیں لذتیں اچھی لگتی ہیں، ہماری طلب تو آرام ہے، بدن کے ساتھ اس کا متضاد مقصد کیوں لگا دیا؟ اور یہ عبادت ہے کیا؟ اللہ، اللہ کرنا اور اللہ کا حکم نہ ماننا.....؟ جیسے کوئی غلام آقا جی، آقا جی ہتا رہے مگر آقا کا حکم بجا نہ لائے۔ مقصد کی مرکزیت میں اترنا اسے سمجھ لینا آغازِ بندگی ہے.....'' عالمہ عائشہ

صبیحا اپنے کاغذات سمیٹ کر چلی گئیں۔
''اللہ......!'' صفہ نے کشف المحجوب کھول لی تھی۔

☆☆☆

سہ پہر کا وقت تھا۔ نمازِ عصر کی تیاری ہو رہی تھی۔ قریبی مسجد میں ایک خوش الحان طالب علم قصیدہ بردہ شریف پڑھ رہا تھا۔ اپریل کی تمازت تھی۔ صفہ چائے کا کپ لے کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ دور سے قاصدہ نے روکا اور بتایا۔
'' آپ کی ملاقات آئی ہیں، ملاقاتی کمرے میں بیٹھی ہیں۔''
''میری......ملاقاتی......؟ کہاں سے؟'' اس کا کون بچا تھا آنے والا۔
''آپ کے گاؤں سے آئی ہیں۔''
''یہ پکڑو اماں......'' وہ چائے کا کپ تھما کر دوڑ پڑی۔
''چائے کا کیا کروں باجی......؟''
''آپ پی لو......کپ رکھ جانا......''
ملاقاتی کمرے میں داخل ہوئی سامنے سفید سر والی اماں بتولاں بیٹھی تھی اور اس کے ساتھ کوئی جوان لڑکی تھی۔ اماں بتولاں نے گرم جوشی سے صفہ کو لپٹا لیا۔ اس کا سر چومتے ہوئے بولی۔
''جیندی رہو میڈی دھی......نور بازو سلامت ہوون......سدا اقبال بلند ہووے......'' صفہ کو دعائیں دینے والا ہنوز کوئی تھا......اس کی آنکھیں خوشی اور غم سے ساون بھادوں برسنے لگیں۔ اماں نے اس کے آنسو پونچھے، حوصلہ دلایا۔
''اماں بتولاں......یہ لڑکی کون ہے؟'' پاس بیٹھتے ہوئے صفہ نے پوچھا۔
''شبانہ ہے......اٹھ ری بھولی، بی بی کو سلام کر، تمیز نہ سیکھی تو نے کبھی۔'' اماں بتولاں نے لڑکی کو ڈپٹ دیا۔ لمبی پتلی شبانہ سر جھکا کر شرما کر سلام کرنے بڑھی۔ اس کے ہاتھ پر مہندی کے نقش و نگار تھے۔ اماں بتانے لگی کہ ''اس کی اگلے چاند کی پندرہ کو شادی ہے، اتنے سال ہو گئے آپ اماں، ابا کی جگہ پر نہ آئیں......غریبوں کی شادی میں تو آؤ......(اتنے سال کہیں ہوئے تھے بس پہلی برسی آنے والی تھی) باہر منشی ماما کھڑا ہے، کھاتا حساب کا پیاں لایا ہے۔ بی بی اسے بلا کر دیکھ لو......'' اماں بتولاں علاقائی لہجے میں مٹھاس ملا کر بولتی تھیں۔
''منشی ماما بھی آیا ہے؟ انہیں ملتی ہوں......اماں یہ بتاؤ میرے ابا صاحب کا کمرا ویسے ہی پڑا ہے ناں......؟ اماں کی چیزیں اِدھر اُدھر تو نہیں کیں۔ آم کے پودے بڑے ہو گئے ہوں گے۔''
''اماں صدقے بخاری بی بی......میری مجال ہے کہ بڑی بی بی سائیں کی چیزیں اِدھر اُدھر کروں گی......مجھے تو خواب میں آ کے ڈانٹ دے گی۔'' بھولی دیہاتی عورت اب بھی بڑی بی بی کے رعب سے ڈرتی تھی۔ پھر وہ واش روم کا پوچھ کر چلی گئی۔ شبانہ اب کھل کر بولنے لگی۔
''بخاری باجی......امب کا درخت بڑا ہو گیا ہے اب تو امبیاں بھی لگی......میں نے انجیر والے درخت میں جھولا ڈالا ہے، بخاری باجی، آپ بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ آپ ٹھیک سے کھانا نہیں کھاتی ہوں گی۔''
''اچھا......کھاتی تو ہوں......'' وہ مسکرائی۔
''شادی ہو کے کہاں جا رہی ہو؟''
''آپ کی جاگیر والا چک ہے، میں آتی جاتی رہوں گی، میرا چھوٹا بھائی اب ''جوان سارا'' ہے، اماں کے پاس ہوتا ہے، منشی ماما بھی وہی رہتا ہے۔ مجھے گھر چھوڑنے کا اتنا دکھ نہیں جتنا جھولا چھوڑنے کا ہے، میں نے اس میں سبز شنیل کی گدی لگائی ہوئی ہے، رسہ سوتری والا ہے اس پر سبز ریشمی کپڑا لگا کے کرن لگائی ہے۔''
''پگلی لڑکی......تم سسرال جا کے جھولا لگا لینا......درخت تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔''
''درخت تو ہر جگہ ہوتے ہیں پر ہر درخت ماں کے آنگن کا نہیں ہوتا......بخاری حویلی کا نہیں ہوتا۔''
''تم واقعی سمجھدار ہو گئی ہو......نماز پڑھتی ہو؟''
''جی باجی......چار نمازیں پڑھتی ہوں......'' وہ شرما کر بولی۔
''تو کون سی نہیں پڑھتیں......عشا......؟''
''نہیں باجی، فجر ویلے آنکھ نہیں کھلتی......''
''اماں بتولاں تو اٹھتی ہو گی۔''
''جی ہاں، اماں تو اندھیرے ویلے اٹھ جاتی ہے۔''
''شبانہ......ابھی تم نے کہا ناں کہ سسرال میں لڑکی کا بچپن نہیں رہتا......پھر وہاں تو صبح اٹھنا پڑے گا......دیہات میں کام کاج صبح سویرے شروع ہو جاتے ہیں، تب اٹھو گی تو اللہ کہے گا میری خاطر نہیں اٹھتی......میری نماز نہیں پڑھتی......یہ تو سسرال کو دکھاوا کرتی ہے......نمازِ فجر پڑھا کرو......'' صفہ نے شبانہ کا دایاں ہاتھ ملائمت سے تھپک کر کہا۔
''اب پڑھوں گی بخاری باجی......'' جانے ہاتھ میں کیا تاثیر تھی، شبانہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
''انشاء اللہ کہو......''
''انشاء اللہ باجی۔''
''شاباش۔'' صفہ خاطر تواضع کا سامان منگوا کر ماں بیٹی کو دے کر منشی ماما کو ملنے چلی گئی۔ پھاٹک پر سلام کے بعد وہ سیکورٹی گارڈ کو بتا کر اسے بھی ملاقاتی کمرے میں لے آئی۔ سفید داڑھی اور سفید پگڑی منشی ماما بہت بزرگ لگنے لگا تھا۔ صفہ کے اکاؤنٹ میں لاکھوں روپے جمع ہو چکے تھے، ہر فصل کی آمدنی کا اندراج کاپی میں تھا۔
''آپ اپنا حصہ نہیں رکھتے؟'' صفہ بے دھیانی میں اوراق پلٹتی رہی تھی۔
''میرا ٹھیکا میرو خالہ بی بی کے صاحبزادے طے کر گئے تھے۔ میں ہر فصل کا دسواں حصہ لیتا ہوں، آپ دیکھ لیں چھوٹی بی بی۔'' صفہ پھر سے کاپی پلٹنے لگی۔ پھر منشی ماما نے کسی زیرِ تعمیر مسجد کے لیے چندہ ڈالنے کی بات کی تو صفہ نے کاپی بند کر دی۔
''ماما......میں نے لاکھوں، کروڑوں کا کیا کرنا ہے، جہاں بھی آپ کو مناسب لگے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی مجھ سے اجازت نہ لیا کریں......بلکہ ایسا کریں مسجد کی توسیع ہو رہی ہے تو کوئی بڑا کام میرے ذمے کروا دیں۔''
''چھوٹی بی بی......لیٹرین ڈلوا دوں' یہ تو بڑا خرچہ ہے۔''
''خرچہ کوئی مسئلہ نہیں ہاں مگر مسجد کسی مسلک کے پرچار والی نہ ہوں، یہاں کوئی تعصب اور نفرت پھیلانے کا کلام نہ ہوتا ہو......اللہ کا ذکر اور درودِ سلام بس......''
''دھی......بی بی......ایسی تو کوئی مسجد نہیں......مسجدیں تو......'' منشی ماما نے سادہ لفظوں میں ملتِ اسلامیہ کا روگ بتا دیا......وہ سنتی رہ گئی اور دکھی ہوتی گئی۔ دل سے آہ سرد نکلی......دیر تک سر جھکائے پاؤں سے فرش کریدتی رہی......اماں بتولاں اور شبانہ سموسے کھا رہی تھیں۔ منشی ماما تو ویسے بھی نظریں جھکائے رہتا تھا۔ اب بھی کونے میں سکڑا سمٹا بیٹھا تھا۔ ملاقاتی کمرے کی کھلی کھڑکیوں کے پار سب پر یکساں سایہ کرتے درختوں میں دن ڈھلے کی تسبیح کرتے پرندے اکٹھے ہو رہے تھے۔ جن کا آپس میں تسبیح پر تکرار نہیں ہوتا۔ اشرف المخلوقات اور خلیفۃ الارضی اللہ کو ماننے والے (مسلمان) کس چیز پر لڑتے جھگڑتے، مرتے، مارتے ہیں جو بات پرندوں تک کو سمجھ آتی ہے ان کو نہیں آتی' وہ سر جھٹک کر، سر اٹھا کر گویا ہوئی۔
''منشی ماما......میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔''
''حکم بی بی؟''
''میں ایسی مسجد بنواؤں گی......یہ کام مجھے کرنا ہے۔'' حیرت نے منشی ماما کی نظریں اٹھا دیں۔ حیرت کے اظہار کے لیے لفظ نہ مل رہے تھے۔
''مگر......دھی بی بی۔''
''نیک کاموں میں مگر نہیں ہوتی۔''
''میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ مسجد بنانے کی اب اجازت لینی پڑتی ہے، وہ کیا ہوتا ہے نو آبجیکشن سرٹیفکیٹ DCO سے لینا ہوتا ہے۔ قانونی تقاضے پورے ہوں تو اچھا ہوتا ہے......پھر......آپ بی بی ہیں......میرا مطلب ہے

کوئی مرد ہو تو آسانی ہوتی ہے۔"

"منشی ماما...... بس آپ ہمت کریں...... مجھے آپ کی ہمت چاہیے...... میں عالم ہوں، میرے پاس اسلامک یونیورسٹی کا قابلِ اعتماد نام ہے، دعا کرتی ہوں اور امید رکھتی ہوں کہ میرا یہ تعارف میرے کام کو آسان بنا دے گا...... رقم کی بالکل پروانہ کیجیے...... مجھے جمع جوڑ کر کے کچھ نہیں کرنا...... لیکن رشوت، سفارش بھی کہیں نہ لائیں، بسم اللہ کیجیے ہمارے گاؤں کی طرف جو سڑک جاتی ہے اس پر......"

وہ مسجد کی لوکیشن اور جگہ سمجھانے لگی۔ منشی نیک فطرت شخص تھا۔ اس کی دیانت پر کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کام کے لیے متحرک، فعال اور تعلیم یافتہ شخص کی ضرورت تھی جو منشی جی کو شبانہ کے ہونے والے شوہر کی صورت میں نظر آ گیا۔ وہ وکالت پڑھا ہوا تھا، کونسلر تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ منشی ماما اس کی ذمے داری لے رہا تھا۔ صفہ یہ سن کر بہت خوش ہو گئی۔ اتنی خوش والدین کے بعد پہلی بار ہوئی تھی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ گاؤں سے آنے والوں کی یہ ملاقات نویدِ مسرت بن جائے گی۔ ایک نئی منصوبہ بندی کے ساتھ وہ لوگ چلے گئے اور ایک نیا جہاں صفہ کی سوچ کو مل گیا۔

☆☆☆

صفہ کو کچھ ضروریات کی خریداری کرنا تھی۔ اقامت گاہ کی طالبات کو خریداری کے لیے ہفتے کے دو دن چند مقرر شدہ گھنٹوں میں جانے کی اجازت تھی۔ صفہ تو اب ایک سینئر موسٹ طالبہ تھی اس پر کوئی پابندی نہیں تھی مگر وہ ہمیشہ سے شاپنگ سے کتراتی تھی۔ اماں جان حیات تھیں تو وہ اس کی ہر چیز لا دیتیں۔ عرصہ ڈیڑھ سال سے وہ کسی نہ کسی طالبہ کو اپنی چیزیں بتا کر منگوا رہی تھی اب گرما کے کپڑے بالکل ختم ہو رہے تھے اس نے ایک لڑکی افشاں کی منت کی، وہ اس کے ہمراہ جانے کو تیار تھی مگر خود سے اس کے کپڑے پسند کر کے لانے کو آمادہ نہ تھی۔ مجبوراً صفہ کو جانا پڑا۔

"اُف خدایا" صفہ کے لیے قدم، قدم پر گھبراہٹ کا سامان تھا۔ بازار میں مردوں کا رش...... سے بڑھ کر بے پردہ، خوش لباس لڑکیاں...... خواتین...... آئس کریم، جوس، گول گپے، قسم کی...... کھاتے پیتے مرد، عورت...... مردوں کا بالکل پاس...... گزرنا، کوفت کا باعث ہوتا۔ کپڑوں کی خریداری...... براہ راست مردوں سے بات کرنا...... اس کا تو نا...... میں دم آ گیا۔ جیسے تیسے کر کے اپنی خریداری مکمل...... افشاں نصیر کتنا کہتی رہی کہ آئس کریم کھاتے ہیں یہا...... پردے کا انتظام ہوتا ہے مگر صفہ اس کا ہاتھ پکڑ کر...... لیے گئی۔ بہ مشکل کہیں رک کر افشاں نصیر نے ک...... ڈرنک کے دوٹن لے لیے اور رکشا میں بیٹھ کر ہی...... نے سکھ کی سانس لی۔ گرمی بہت شدید تھی۔ افشاں...... نے کولڈ ڈرنک کا ڈبا کھول کر خود لیا اور صفہ کو دیا...... دونوں نے نقاب کے اندر سے ٹھنڈک معدے...... اتاری...... افشاں نصیر کپڑوں کی ورائٹی اور قیمت...... بات کر رہی تھی۔ صفہ نے ڈبا خالی کر کے رکھا۔

"افشاں...... تمہیں نہیں لگتا ہمارا ایک...... بڑے تضاد سے واسطہ پڑ گیا ہے، ہمارا علم، ہمارا انصا...... کسی اور جہاں کا ہے اور باہر کا معاشرہ کہیں...... ہے...... یا تو ہم غلط ہیں...... یا...... باہر سب کچھ...... ہے...... ان میں سے ایک بات تو ہے...... میرا دل...... تک دھڑک رہا ہے۔ عجیب سی بے چینی ہو گئی ہے۔"

"پیاری بہن دین کو کٹھن نہ بناؤ، کسی کو گناہ...... مت سمجھو، گناہ گار ہمیشہ خود کو سمجھو...... ہر کوئی...... اعمال کا خود ذمے دار ہے...... ہمیں یہ حق نہیں کہ ہر...... حالت پر چار میں رہیں اور خود کو اعلیٰ و افضل گردانیں......"

صفہ کی تو جیسے آنکھیں کھل گئیں۔

"یہ لڑکی مجھ سے آگے کی منزل میں ہے...... تصوف نہ پڑھتے ہوئے صوفی کا فلاسفہ مجھ سے...... جانتی ہے۔" صفہ کی گھبراہٹ دور ہو گئی اور اطمینان...... اس کی جگہ لے لی۔

"کل کو ہماری شادی ہونی ہے، معلوم نہیں...... شریکِ حیات کن خیالات کا حامل ہو......"

"شادی......؟" صفہ نے دل میں حساب لگایا اس کی عمر کتنی ہو چکی۔ وہ اٹھائیس برس کی ہو چکی تھی۔ اس کے خاندان کے حساب سے شادی کی عمر سے بہت لیٹ ہو چکی تھی مگر اس کا خاندان اب کہاں رہا تھا۔

صفہ نے اپنے کمرے میں پلنگ پر شاپر رکھتے ہوئے اسکارف اتارا...... عبایا کھونٹی پر لٹکایا، پنکھا فل کھول کر اس کے نیچے بیٹھ گئی۔ ابھی پسینہ پوری طرح دکھا نہ تھا کہ ایک دم اٹھی اور دیوار گیر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ کمزور ہو رہا تھا۔ گرمی، عدم دیکھ بھال کی بدولت رنگت پھیکی ہو رہی تھی...... وہ واپس پلنگ پر آ بیٹھی۔ دائیں ہاتھ کی پشت پر رگیں ابھر رہی تھیں...... اس نے لاحول پڑھا اور شاپر کھول کر چیزیں نکالنے لگی۔

صفہ کے لباس کی سلائی آسان تھی۔ کھلے ڈھیلے لمبے کرتے جن کے گلے گردن تک بند ہوتے اور فل آستین، لان کے نئے سوٹ جلد ہی سل گئے۔

☆☆☆

ختم بخاری شریف کی بابرکت محفل تھی...... سبز قالین پر گلاب اور موتیا کے پھولوں کی بھری ہوئی چنگیریں رکھی تھیں۔ خوشبو سے نماز ہال مہک رہا تھا۔ قاری عبدالکریم عربی دعائیں پڑھ رہے تھے۔ مٹھائی ...فوں سے بھرا ہوا تھال رکھا جا رہا تھا۔ ابھی تو صبح ...دس بجے تھے۔ آنے والی شب، معراج کی تھی؟ کل ...نے روزہ رکھنا تھا۔ اکثر طالبات کا آج بھی روزہ ...۔ ختم شریف کے بعد نمازِ ظہر تک محفل جاری رہنا ...۔ بعد میں مغرب کے بعد معراج کے حوالے سے ...ہونا تھا۔ سب اپنی، اپنی عبادت کے لیے آزاد ...۔ شب بیداری، روزہ رکھنا، کثرت سے نوافل ...ھنا، اذکار و اوراد وہاں یہ سب کٹھن نہیں لگتا تھا، ...وں کی برکت تھی بلکہ وہاں تو انہی کاموں میں مشغول ...لر آنے والی طالبات زیادہ تھیں۔

شبِ معراج تھی چاندنی رات نہیں تھی چاند کی تو ...تائیسویں تھی مگر فضا میں آسمان سے زمین تک ایک نور برستا لگتا تھا۔ پہلے پہل تو اگر و لوبان کی مہک رچی رہی پھر جیسے، جیسے رات کا اسرار گہرا ہوا، مصنوعی خوشبو معدوم ہوتی چلی گئی۔ رات کے اسرار اس کے اصل رنگ میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ روشنیاں، شور، ہنگامے، محفلیں جب تک بپا ہوں رات اپنا اسرار چھپا کر رکھنا خوب جانتی ہے، صفہ کھلے آسمان تلے مصلّٰی پر بیٹھی تھی۔ اس وقت وہ نوافل نہیں پڑھ رہی تھی۔ تسبیح بھی ایک طرف رکھ دی تھی۔ اسے پڑھنے یا سننے سے زیادہ خاموش سوچنا بھاتا تھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں لپٹا ہوا اس کا چہرہ آسمان کی جانب تھا۔ درختوں کی چوٹیوں سے سفر کرتی اس کی نظریں ستاروں بھرے سیاہ آسمان پر جا رکتیں۔

"کس قدر دور نوری سالوں کی مسافت پر یہ ستارے ہیں اور ہماری فانی نگاہ پل میں ان سے ہو کے ارضی منظر پر اتر آئی ہے اور پھر بھی ہم سوال کرتے ہیں، معراج جسمانی کیسے تھی۔" سامنے کوئی طالبہ ٹھنڈے پانی کی بوتل سے پانی مٹی کے آب خورے میں انڈیل کر پی رہی تھی۔ اس کی ایک ٹانگ میں لنگ تھا شروع میں آئی تھی، اسے لنگڑی کے نام سے (اس کے پیچھے) پکارا جاتا۔

ایک بار محترمہ عائشہ صبیحہ کے کان میں پڑ گیا...... انہوں نے کچھ اس طرح سمجھایا کہ سب کو پھر بھولا نہیں۔ کہنے لگیں۔

"سب کے سب بہت پیارے ہیں اور بہت پیارے نے تخلیق کیے ہیں، اپنے قلوب کو پگھلی ہوئی موم کی طرح نرم بنالو...... مشورہ اور نصیحت بھی براہ راست دینے سے گریز کیا کرو...... معلم بھی کسی طالب علم کو نام لے کر نہ جتائے کہ اس کے ناخن صاف نہیں، کپڑے میلے ہیں بلکہ حدیث نبویؐ پڑھ دے اور مجموعی تلقین کر دے۔" انہوں نے ایک شعر بھی پڑھا تھا۔

"ہر شخص اپنے طور پر تیمور ہی تو ہے
ہو کیوں نہ اس کی چال میں اک لنگ منفرد"

صفہ نے اٹھ کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، خود

کو نوافل کے لیے تازگی بیداری دی، ٹونٹی سے لوٹتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ جسم ایک کُل نہیں ہے، یہ اجزا کا مرکب ہے۔ آنکھوں کو نیند پسند آرہی تھی، دماغ کا حکم جدا تھا۔ ایک جز دوسرے سے نہیں بنتی، ہر عضو کا اپنا الگ ردِعمل ہے، روح ایک کل ہے ایک سالمیت ہے جسم کے اعضا تو ایک دوسرے کے خلاف گواہی دیں گے، انسان اپنی روح سے ہے نہ کہ جسم سے...... صفہ نے مصلّی پر نوافل کی نیت باندھ لی اور یہاں تک کہ سحری کا وقت ہوگیا۔

☆☆☆

صفہ اگرچہ عالمہ کا کورس مکمل کرکے تصوف پر تحقیق کررہی تھی مگر اس کی رہائش اسلامیہ درسگاہ کی اقامت گاہ میں ہی رہی۔ بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی سے پرائیویٹ طور پر ایم اے لیول کی ریسرچ کا کام کرنے لگی۔ اسلامیہ درسگاہ سیکنڈری لیول تک تھی اور محترمہ عائشہ صبیحہ یہاں ناظم اعلیٰ یعنی پرنسپل تھیں۔ ناظمہ عالیہ کی الوداعی تقریب تھی اور سابقہ فارغ التحصیل طالبات کی تقسیمِ اسناد تھی۔ سروں پر اسکارف لپیٹے سیاہ سفید عبائیوں سے بڑا ہال بھرا ہوا تھا۔ اسٹیج پر اساتذہ کرام نشست بردار تھے۔ صفہ بخاری کی حیثیت درسگاہ کی سینئر طالبہ اور تحصیلِ علم میں اعلیٰ درجے کی حامل طالبہ کی تھی۔

اس تقریب میں کچھ سابقہ ہم جماعتوں سے ملاقات بھی ہوئی۔ آرزو، مائرہ آئیں، ام عمارہ یاد آتی رہی، تمام اساتذہ کرام سے ملاقات ہوئی یہ سوال بار ہا پوچھا گیا۔ ”شادی ہوگئی بیٹا؟“

تقسیم اسناد و خلعت کے بعد صدر مدرس نے خطاب کیا۔ طالبات کو علم پھیلانے کی تلقین کی۔ علم کے ایک چراغ سے بہت سے چراغ جلانے کی تاکید کی۔ صفہ بخاری کو امید بھی نہیں تھی کہ مولانا قاری عبدالباسط نے اس کا نام لے کر اسے ”تصوف“ کے حوالے سے مستقبل کی معلمات کو چند قیمتی نصائح سے نوازنے کے لیے بلالیا۔ اس اچانک بلاوے پر وہ گھبرائی تو مگر جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔ جب تک چھوٹے، چھوٹے [قدم] اٹھاتی مائیک تک پہنچی ذہن میں کچھ اکٹھا کرلیا۔ جب بولنے لگی تو اسے خود امید نہ تھی کہ اتنا بول لے گی۔

”میری اسلامی بہنو! صوفی ازم کمپلسری نہیں ہے، یہ اختیاری ہے جو کمپلسری ہے وہ احکام الٰہی ہیں تصوف ایک مضمون، ایک درجہ، ایک مقام ضرور ہے لیکن آپ کو اسلام سادہ اور آسان کرکے پھیلانا ہے سادہ اور آسان جان کر اپنانا ہے۔ یاد رکھیے انسان سب اشیا سے زیادہ بڑی طاقت ہے۔ انسان، سائنس ٹیکنالوجی سے بڑی طاقت ہے اور یہ بات آپ سب جانتے ہیں، غور کیجیے کہ بے جان اشیا ہمارے ماحول پر کس قدر اثر انداز ہوتی ہیں، بجلی کے پنکھے نہ تھے ہاتھ کے پنکھے اور پھر ائیر کنڈیشنز آئے زندگی کے معمولات اور ماحول ان کا تابع ہوگیا۔ چیزیں ردوبدل لاسکتی ہیں تو ہم خود کو بدلنے پر کیوں قادر نہیں؟ ہم تو اللہ کی دی ہوئی بہت قدرت رکھتے ہیں...... تارک الدنیا وہ نہیں ہے جو مجاہدہ کرتا ہے تارک الدنیا وہ ہے جو اپنے تصرف سے زندگی کی رنگینیاں نفس کی سرمستیاں نکال دیتا ہے یہ جو تصرف ہے یہ وقت کے ساتھ، ساتھ از خود انسان کے دائرۂ کار کو محدود کرتا جاتا ہے۔ وقت کو بھی چھوڑیے انسان کو خبر نہیں کہ کل یا اسی پل اس کا کون سا تصرف اس سے لے لیا جائے۔ یعنی کون سی جسمانی صلاحیت...... وہ بول نہ سکے، وہ دیکھ نہ سکے، وہ سن نہ سکے...... وہ ہاتھ، بازو نہ ہلا سکے۔ کچھ بھی ہوسکتا ہے مگر ایک عمومی بات ہے کہ جوان کے پاس تصرف یا اتھارٹی زیادہ ہے۔ بات تو تب ہے کہ اس اتھارٹی کے ہوتے ہوئے وہ اس کا غلام نہ بنے...... اسلامی بہنو! پرستش انسان کی فطرت میں ہے، DNA میں ہے جوانی میں اس فرطِ بندگی کو مجاز کے زوال میں گنوایا جاتا ہے آپ کو عملی زندگی میں جا کر کیا کرنا ہے؟ آپ نے ترجیحی بنیاد پر نوجوانوں اور بچوں کو اچھا بنانا ہے، اچھا بنانے کے لیے پہلے خود اچھا بننا ہوتا ہے، بدلنے کے لیے خود کو بدلنا پڑتا ہے۔ اپنے آپ سے شروع کر[کے]

اپنے قریب تک لے جائیں پھر اس سے آگے اور پھر اس سے آگے دائرۂ کار بڑھاتے چلے جائیں۔ اخلاقیات، بندوں سے معاملات، صفائی یعنی طہارت اور نماز یہ پہلی اور حتمی اسٹیج کے ستون ہیں۔ اپنے گھر کا ماحول خوشگوار بنائیں، اپنے گھر سے ابتدا کیجیے، یہ دیکھیے کہ گھر میں کون بے جا غصہ کرنے والا ہے، کس کو گالی گلوچ کی عادت ہے، کون نماز سے بھاگتا ہے، اپنی قریبی کمزوریاں پکڑیے۔ یہ اتنا شیریں دین ہے، اس میں اتنی مٹھاس اور رحمت ہے اس کو اولیا کرام کی طرح سب میں بانٹیے اور مڑ کر مت پوچھیے کہ اثر ہوا ہے یا نہیں......؟ درست ہوئے ہو یا نہیں......؟ اور آپ سوچیں گی کوئی بات تو یہ صوفی ازم کی طالبہ تصوف کی بھی کردیتی، میں تصوف کے دریا کو کوزے میں بند کرکے بات ختم کرتی ہوں۔ تصوف ہے ” راضی برضا......“ اللہ کی رضا پر راضی خوش رہنا...... بظاہر لگے گا اتنی سی بات...... (وہ مسکرائی اور نفی میں سر ہلایا) یہ اتنی سی بات نہیں یہ امر زمین آسمان جتنا بھاری ہے۔“

تقریب کے اختتام پر شیرینی تقسیم ہوئی، مہمانوں کے لیے بڑے لفافے تھے اسے بھی بڑا لفافہ ملا۔ لفافہ تھماتے ہوئے ایک فاضلہ (شاگرد کو کہتے ہیں) نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”آپی جی...... وہ مولانا عبدالغفور دریافت کررہے ہیں۔“

”جی کیا دریافت کررہے ہیں؟“ وہ عبا کی آستین کھینچ کر چلنے کی تیاری کررہی تھی۔

”جی، جی وہ دریافت کررہے ہیں کہ آپ کی شادی تو نہیں ہوئی۔“

”لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم...... یہ کیسا سوال ہے؟“

بیچاری مؤدب فاضلہ خاموش رہی، جواباً خاموشی پا کر بولی۔

”جی آپی...... کیا کیوں؟“

صفہ جانتی تھی کہ طالبات، اساتذہ کے بارے میں غیر ضروری کلمات نہیں کہتیں۔ صفہ کو خیال آیا اپنے کسی فرزند کا سوچ رہے ہوں گے۔ وہ نفی میں سر ہلا کر آگے بڑھ گئی۔ کچھ دیر پہلے وہ درسگاہ کی پرانی یادوں کو دہراتے ملول ہورہی تھی۔ پھر اس کو اپنی تقریر نے اعتماد بخشا مگر اب اس سوال نے اضطراب پیدا کردیا تھا۔ پہلی بار وارد ہوا کہ مرد اور عورت کی لکیر ہر جگہ برقرار رہتی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر کہ بہترین عورت کون ہے، دخترِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہنا جو نہ کسی نامحرم کو دیکھے اور نہ نامحرم اسے دیکھے ایسی کٹھن شرط لگائی جیسے ناممکن ہو مگر ناممکن ہوتا تو بی بیؓ شرط نہ بتاتیں۔

عورت بنیادی طور پر مرکزِ کشش ہے چنانچہ مرد نے اپنے لیے عشق کا انتخاب کیا۔ اکیلا عشق اپنی ذات میں کچھ نہیں، عشق کو پنپنے کے لیے حسن کا محور چاہیے۔ عشق کا جوڑا حسن ہے مگر عورت کے پاس جو کشش ہے جسے حسن کہا جاتا ہے یہ عارضی ہے، غیر اختیاری ہے جب مرکزہ فنا ہوجاتا ہے تو عشق نقل مکانی کرجاتا ہے کسی تروتازہ زمین پر ٹھکانا کرلیتا ہے، عورت کی دانش مندی یہ ہوگی کہ وہ حسن کی تاج پوشی نہ کرائے وہ حسن پر نازاں نہ ہو بلکہ حسن سے خود کو نکال لے۔ جب وہ حسن سے خود کو نکال لے گی تو وہ مدِمقابل میں جگہ تلاش کرے گی۔ جب مونث عشق کا روپ اختیار کرے گی تو ظاہر ہے مذکر حسن کی ذیل میں نہیں آتا۔ پھر وہ کس سے عشق کرے۔ عشق کے محور کو دائم ہونا افضل ہے اب سمجھ آیا یعنی یہ طے ہے کہ وہ ازلی جمال سے عشق کرے۔ اسی میں اس کی شاندار پائیداری ہے، عشق کرنا انسان کی فطرت وجبلت میں ہے۔ بچہ جنم لیتا ہے، ماں سے عشق کرتا ہے، جوں، جوں جسمی عقل ترقی کرتی ہے عشق کے مراکز بدلتے جاتے ہیں، دراصل خام، خام عشق سفر کرتا ہوا پختہ مرکز تلاشتا ہے، عالمِ شباب میں مرد، عورت سے عشق کرنے لگتا ہے وہ اپنی اصل سے بھٹک چکا ہوتا ہے اور اسے خبر نہیں ہوتی وہ فنا کی گھڑی کے لیے چٹان سے لبن کی نہر کھودتے جوان پٹھے تھکا کے چور کردیتا ہے۔ جب معرفت کی آنکھ کھلتی

یہ تو ادراک ہوتا ہے کہ وہ غلط فہمی کی نذر ہوگیا، خوشبو کسی اور مقام سے آرہی تھی وہ کہیں دور سر منہ خاک کررہا تھا۔ عورت کا بھی یہی معاملہ ہے۔ یہ احمق یقین کرلیتی ہے کہ وہ جمیل ہے اور جمالِ ظاہری برقرار رکھنے کے لیے جدو جہد میں آدھی صدی گزار دیتی ہے تا کہ اس کا طواف باقی رہے مگر اس کا بت ضرور ٹوٹتا ہے اور منہ کے بل گرتا ہے۔

صفہ نے بارہا تخیل کی آنکھوں سے دیکھا وہ ڈیڑھ فٹ اونچا چبوترا جس پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھپر ڈال دیا تھا۔ روز نئے لوگ مسلمان ہورہے تھے، کچھ تو ایسے تھے کہ جن کو اسلام کی خاطر گھر بار، مکان، قبیلہ چھوڑ کر آنا تھا۔ وہ مسجد نبویؐ میں آجاتے چھاؤں کا یہ ٹکڑا ہی ان کا گھر، مکان تھا، یہاں کبھی کوئی انصاری اپنے باغ سے توڑ کر کھجور کا گچھا لٹکا دیتا۔ وہ نادار، دانہ، دانہ کھالیتے، جن کے گھر کھانا پکتا وہ ایک، ایک دو، دو کو ساتھ لے جاتے یہ نادار ہمہ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آوازِ مبارک کو کانوں میں سمیٹنے والے الفاظ مبارک کو ذہن میں رکھنے والے، چہرہ مبارک کی زیارت سے سیراب ہونے والے، غور و فکر کرنے والے، مستغرق، فنافی اللہ والنبیؐ، دنیا سے دونوں ہاتھ اٹھا چکنے والے چپ چاپ لوگ تھے۔" کاش ان میں کوئی عورت بھی ہوتی!" یہ حسرت صفہ کے قلب میں بھانبھڑ بھڑکا دیتی، اس کا چہرہ سرخ ہوجاتا، آنکھیں شکستگی سے چور، چور ہوجاتیں، بے اختیار سینہ کوٹ لیتی۔" وائے النساء وائے النساء......" مگر یہ سب خلوت میں ہوتا اس کی بے تابی کسی پر آشکار نہ تھی۔

اس روز صفہ کو چاشت پڑھتے ہی نیند آرہی تھی۔ اس نے مصلیٰ لپیٹا، کھلی کتابیں بند کیں اور سورہی...... افشاں نصیر کوئی کتاب لیے ڈسکشن کے لیے آئی تھی اسے سوتا پا کر حیران ہوئی، وہ بہت کم اپنے معمولات توڑتی تھی اور اس وقت سونا اس کا معمول نہ تھا۔ دو گھنٹے بعد موبائل کی گھنٹی پر آنکھ کھلی۔ موبائل اس نے انٹرنیٹ کی ریسرچ کے لیے خریدا تھا۔ میرو خالہ کے فون بھی اب کم آتے تھے کیونکہ وہ اونچا سننے لگی تھیں۔ فون کی گھنٹی بجا چونکا کے جگا گیا۔ کال پک کرکے اس نے سلام کیا۔ مردانہ آواز میں سلام کا بھرپور گرم جوشی سے جواب دیا گیا۔

"میں عبدالغفور عرض کررہا ہوں۔"

سن کر وہ تپ گئی تھی۔ وہ اس کا مدعا بغیر سنے جان گئی تھی۔ اس نے مناسب جواب دے دیا...... مگر وہ اپنا جواب سننا چاہ رہے تھے۔

"میں نے جو کہا ہے آپ نے سنا نہیں...... السلام علیکم......" اس نے فون بند کردیا۔

"عجیب بے وقوف آدمی ہیں۔" وہ غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے اٹھی۔ بے ضرورت نیند...... کھانا پینا، نفس کی دبازت بڑھا گئی۔ "تو پھر سن لے اے نفس...... یہ دنیا کی محبت کا ثمر گل سڑ کر بے رغبت ہوجائے گا...... میں دیکھتی ہوں تجھے......" اس نے اتنے زور سے دیوار پر مکا مارا کہ ہاتھ جھنجنا گیا...... نفس زور سے چیخا۔

"مگر کیوں......؟"

اس لیے کہ بلندیوں کے سفر کے لیے سامان بڑھائے نہیں جاتے......"

"مگر شریعت نہیں روکتی......" نفس کا ردِعمل بھی آج عروج پر تھا...... "شریعت پابند بھی نہیں کرتی...... وہ دیوار کا سہارا لے کر رکی...... بائیں طرف سے سرگوشی ابھری۔" قرآن نے یہ کیوں نہ بتایا کہ عبادت گزار عورت کے انعام کیا ہیں۔"

قرآن نے تو ضرور بتایا مگر صفہ ابھی اس منزلِ فکر پر نہیں پہنچی تھی۔

"اے اللہ تیری بندی اپنا انعام تری رضا پر چھوڑتی ہے......" ایک نخلِ سر سبز نے اسے ڈھانپ لیا...... ایک سرمست لہر خون میں بہتی چلی گئی...... کوئی دم میں وہ پلیٹ کے بھاگتی ہوئی محترمہ عائشہ صبیحہ کے پاس جانے کو تھی کہ افشاں نصیر کمرے میں جھانکی۔

"السلام علیکم...... ارے بھئی کتب خانہ نہیں چلنا۔"

"وعلیکم السلام...... آؤ بیٹھو...... بس ابھی تیار ہوتی ہوں۔" یاد آگیا انہوں نے اپنی، اپنی کتابوں کی تلاش میں کتب خانہ جانا تھا۔

"آج کیسے بے وقت سوگئیں......" وہ اسٹول پر بیٹھ رہی، صفہ نے غسل خانے کی راہ لی۔

روش پر چلتے ہوئے صفہ نے مولانا عبدالغفور کا بتایا ابھی تک وہ اسی رنج میں تھی۔ افشاں نصیر حیران ہوگئی۔

"وہ مولانا...... اُن کے تو بیٹے جوان ہیں، بیٹی کی شادی کردی ہے۔" صفہ کا رنج ماسوا ہوگیا۔ افشاں نصیر نے سمجھایا۔

"صفہ بہن...... فکرمند نہ ہوں...... انکار کردیا سو کردیا...... ہم کسی کی سوچ پر تو قدغن نہیں لگا سکتے۔"

مگر وہ صاحب بھی مایوس نہ ہوئے۔ اگلے کئی دنوں میں اِدھر اُدھر سے اصرار پہنچتا رہا۔ ہاسٹل وارڈن چارجز کا اندراج کرتے، کرتے بولے جاتی۔

"شہر میں چار دکانیں ہیں ان کی...... صاحبِ ثروت ہیں، شادی کررہے ہیں تو کوئی قباحت نہیں...... آپ تن تنہا ہیں، سائبان مل جائے گا...... کہاں تک زمانے کی بری نظروں سے بچیں گی۔"

"آپ اپنا کام کیجیے مشاورت کا شکریہ......"

محترمہ عائشہ صبیحہ اب صفہ کے دروس نہیں لیتی تھیں۔ صفہ کو کوئی علمی وضاحت مطلوب ہوتی تو وقت لے کر مل لیتی۔ ریسرچ کا کام تو اسے خود کرنا تھا۔ حالیہ واقعے کے بعد وہ روحانی اور ذہنی سطح پر مضطرب تھی اور اپنے سوالات کی پیاس بجھانا چاہتی تھی۔ محترمہ عائشہ صبیحہ اس کی پروفیسر ہی نہیں ایک طرح سے روحانی استاد تھیں۔ اس کے آنسوؤں کی حصے داری ان کے ساتھ بنتی تھی۔

یہ بھی وہی عصر کا وقت تھا جب پہلی بار محترمہ عائشہ صبیحہ نے صفہ کو بلوا بھیجا تھا مگر اب وہ اپنے کوارٹر کے باغیچے میں نہیں بلکہ کمرے میں بیٹھی تھیں۔ یہ نہایت سادہ کمرا تھا، ایک لکڑی کا پلنگ جس پر پتلا سا گدا اور ہلکے سے پرنٹ کی صاف ستھری چادر بچھی تھی۔ اس کمرے میں اے سی نہیں تھا۔ کھڑکی سے روم کولر جھانک رہا تھا۔ اور بید کی کرسی پر وہ بیٹھی صفہ کو آتا دیکھ رہی تھیں۔ صفہ نے کمرے کے دروازے پر رک کر

اندر آنے کی اجازت مانگی، اجازت ملنے پر اندر آئی تو سامنے دیوار پر لگی فریم پر نگاہ پڑی۔

یک زمانہ صحبت با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صفہ کے دل میں یہ شعر ایسے اترا گویا اس کے لیے ہی لگا تھا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر محترمہ کے قدموں میں بیٹھ کر رونے لگی۔

”صفہ......“ ایک لمبی پکار آئی۔

آنسو بھری آنکھیں اوپر اٹھیں۔

”تم نے طمس، رمس، کلیت پڑھے تھے؟“

”جی......“

”کیا تھے وہ......؟“

”طمس...... جو دل میں کسک رہ جائے اس کا مٹا دینا...... رمس...... کسی خیال کا جڑ سمیت دل سے نکال دینا۔“

”اور میں نے اس ضمن میں کیا کہا تھا؟“

”آپ نے کہا تھا میں نے اپنے مرے ہوئے بیٹے کو طمس کیا، رمس نہیں کیا۔“

”اور کلیت......؟“

”اوصاف بشریت کا پوری طرح ختم ہو جانا......“

”کیا یہ ممکن ہے؟ میں نے کیا کہا تھا؟“

”آپ نے کہا تھا یہ بے حد کٹھن ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔“

”اب تم اپنے سوالات کہو......“

”عورت کا مقام کیا ہے؟“

”اور......؟“

”عورت کا انعام کیا ہے؟“

”اور بھی کچھ......؟“

”اگر درویشی بچانے کے لیے نکاح نہ کریں تو کیا یہ فتنہ ہے؟“

”تو سنو...... عورت انسان ہے، یہ تو مانتی ہو ناں کہ عورت انسان ہے؟“

”جی......“

”قرآن پاک میں بارہا لفظ انسان آیا ہے...... جیسے (ترجمہ) یعنی آدمی جلد باز بنا[illegible] گیا۔“ (سورۃ انبیاء ۳۷) ترجمہ: ”آدمی کہتا ہے[illegible] جب میں مر جاؤں گا تو پھر نکالا جاؤں گا......“ (سورۃ مریم ۱۱۳) ”آدمی ناشکرا ہے[illegible] (سورۃ حج ۱۶۹) ترجمہ: ”ہم نے آدمی کو تاکید کی[illegible] کہ ماں، باپ سے بھلائی کرو......“ (عنکبوت ۱۵) انسان کا ترجمہ انسان بھی ہے اور آدمی بھی...... نہ ہی تو انسان کی مونث ہے اور نہ ہی آدمی کی بس...... اچھی انسان، اچھی آدمی، ایسا ہی ہے ناں؟“

”جی......“

”کیا تمہیں لگتا ہے کہ یہاں انسان کہنے سے اللہ کی مراد عورت نہ تھی صرف مرد تھا؟“

”ایسا نہیں لگتا جناب......“

”لگ بھی کیونکر سکتا ہے جب ہم کہتے ہیں شیر شکاری درندہ ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں نکالتے کہ یہاں شیرنی مراد نہیں ہے، بلی دودھ پیتی ہے تو ہماری مراد یہ نہیں ہوتی کہ بلا دودھ نہیں پیتا، علی ہذا القیاس...... ہر نفس کا جوڑا اپنی جبلت، فطرت، حساسیت میں یکساں ہوتا ہے۔ عورت اور مرد یکساں انسان ہیں اس انسان کا خالق کہتا ہے ”اللہ ایک ذرے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔“ سورۃ آل عمران میں اللہ کہتا ہے۔ ”اللہ نے ان کی دعا سن لی کہ میں تم میں سے محنت کرنے والے کی محنت اکارت نہیں کرتا...... مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو...... یعنی ہر قسم کے اجر میں ایک سے ہو...... اور بھی کچھ سناؤں......“ عائشہ صبیحہ الازہری تو انسائیکلو پیڈیا تھیں ”سورۃ احزاب کی پوری آیت نمبر 35...... واہ، اواہ...... سبحان اللہ...... عورتوں کو اس آیت پر خوشیاں منانی چاہیے......

”بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرماں بردار مرد اور عورتیں، سچے مرد اور عورتیں، صبر والے اور صبر والیاں، عاجزی والے اور عاجزی والیاں، خیرات کرنے

والے اور خیرات کرنے والیاں، روزے والے اور روزے والیاں، پارسا مرد اور پارسا عورتیں، ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں اللہ نے ان سب کے لیے بخشش اور بڑا ثواب رکھا ہے۔“

”سبحان اللہ ...... یا اللہ میں معافی مانگتی ہوں......“ صفہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

”پس معلوم رکھو کہ عورت ہو یا مرد اس کا روحانی اور اخروی مقام اپنے اعمال سے ہے۔“

”اب یہ سوال کہ عورت کا انعام کیا ہے؟ سورۃ احزاب کی آیت ابھی تم نے سنی ...... کہ بخشش اور بڑا ثواب ہے...... بعض اوقات اساتذہ انعام کی نوعیت نہیں بتاتے بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ جو اول آئے گا اسے بڑا انعام دیا جائے گا جتنا بھروسا بچے کو ٹیچر کے کہنے پر ہوتا ہے اس سے تو...... کئی گنا زیادہ تمہیں اللہ پر ہوگا صفہ......؟“

اس کی نادم آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور آواز آنسوؤں میں دب چکی تھی۔

”اب یہ سوال کہ عورت کی جنت کیسی ہوگی؟“

”نہیں رہا...... اب یہ سوال نہیں رہا......“ وہ زور، زور سے انکار میں سر ہلانے لگی۔

”کیوں؟“

”اللہ سے بہتر نوازنے والا کوئی نہیں...... اور......“

”ہاں کہو......“

”اور جو چیز اللہ نے واضح نہیں کی اس میں عطا کی زیادہ گنجائش ہے اللہ کے رسولؐ کے ہاں یہی طریق تھا اگر سکوت کرو گے تو وسعت ہوگی۔“

”درست...... اب میں تیسرے سوال کی طرف آتی ہوں، جب ہم اولیات کی جستجو کرتے ہیں تو ایک ہی ستارہ جگمگاتا ہے حضرت بی بی رابعہ بصریؒ......“

”وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔“ صفہ نے بچوں کی طرح کہا تو محترمہ نے اس کو گھور کر دیکھا۔

”ستاروں پر کمند...... ان کا تو یہ عالم تھا کہ فرماتی تھیں کہ مجھے ہنسنے کے لیے فرصت نہیں ہے، کہتی تھیں کہ ہنستا وہی ہے جسے اطمینانِ قلب حاصل ہو اور مجھے یہ حاصل نہیں جس نے حب الٰہی کو چن لیا وہ تو سانس بھی رضا میں لیتا ہے۔ حب الٰہی آزمائشوں کی بھٹی سے نکلنے نہیں دیتی...... تین دن کی بھوک کے بعد کھانا رکھتیں تو بلی کھا لیتی...... شدت پیاس میں پانی بھر لاتیں تو پانی گر جاتا صدا آتی میرا غم لے لو جو چاہے لے لو...... کسی نے کہا ”ذرا باہر نکل کے دیکھیں کیسی بہار آئی ہوئی ہے۔“ تو بے ساختہ فرمایا۔ ”میرا کام صانع کو دیکھنا ہے اس کی صنعت کو نہیں......“

”آپ نے سچ کہا......“ صفہ آہستہ سے بولی۔

”اور یہ سوال بھی آج کا نہیں صدیوں سے ہے کہ عورت کو اللہ نے نبی نہیں بنایا۔ درویش بی بی رابعہ بصریؒ سے بھی ہوا...... جواب دے گئی ہیں وہ...... کہ خدا ہونے کا دعویٰ بھی مردوں نے کیا ہے، عورت نے آج تک یہ نہ کہا میں تمہارا رب ہوں۔“

”جی...... ہاں...... میرے بارے میں آپ کیا حکم دیتی ہیں۔“

”علم جاری رکھنا...... اللہ سے محبت کا رشتہ رکھنا۔“ اور بھی بہت کچھ وہ کہہ رہی تھیں۔ رفتہ، رفتہ آواز سرگوشیوں میں بدلتی گئی۔

”کیا میں...... کامیاب رہوں گی۔“

کوئی جواب نہ پا کر قدموں میں بیٹھی ہوئی صفہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جنابہ تو سو رہی تھیں۔ ابھی تو بول رہی تھیں کیا سو گئیں؟ کیا سوتے میں بول رہی تھیں...... نیند کی جھپکی آ گئی۔ صفہ گومگو میں بیٹھی تھی۔ چار منٹ تک وہ کرسی پر سر ڈالے نیند کرتی رہیں۔ پھر ایک دم آنکھیں کھولی اسے دیکھ کر مسکرا دیں۔

”ایک قبر ہے...... قبر کا بڑا سوہنا، دور تک چھاؤں والا پیڑ لگایا ہے تم نے......“

صفہ کو کچھ بھی نہ سمجھ آیا...... (کیا امی، ابا کی قبر......؟ کیا کسی نے وہاں کوئی پیڑ لگایا......؟) یہ سوال اس کے دل میں اٹھ رہے تھے جواب دیا۔

”نہیں...... وہ ایک قبر ہے...... تم نے پیڑ لگایا

ہے۔" صفہ کی وضاحت طلب آنکھوں کو بے اعتنائی سے دیکھ کر کہا۔

"اب جاؤ، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو......" صفہ اٹھ گئی۔

"میں پھر آپ کو مل سکتی ہوں۔" جانے سے پہلے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"تم ناظم اسلامیہ درسگاہ کو جب چاہو مل سکتی ہو...... مجھے نہیں، اب نہیں......" جواب واضح تھا۔

صفہ کو رخصتی کا اشارہ مل چکا تھا۔ صفہ کے بستر پر رکھا اس کا موبائل فون بج رہا تھا اور وہ کمرے میں نہ تھی۔ وہ ہوتی بھی تو موبائل کی گھنٹی اسے خوش کرتی نہ فکر مند، اب بری خبر کا خوف تھا نہ کسی اچھی خبر کی آس...... فون بج، بج کر بند ہوگیا۔ وہ بالوں کو تولیے میں لپیٹتی کمرے میں آئی۔ پلنگ کے کونے میں ٹک کر پاؤں کے ناخن تراشنے لگی۔ فون ایک بار پھر بجنے لگا۔ اٹھا کر دیکھا مولوی عبدالغفور کی تیسری بیل تھی۔ غصہ آنا فطری بات تھی۔ کہنے سننے کو اب کیا رہ گیا تھا۔ انکار کے باوجود اصرار اور غیر اخلاقی حرکت ہے، اس کو پیچھے پڑنا کہتے ہیں...... پہلے سوچا کہ فون نہ اٹھایا جائے...... مگر اس طرح فون آتا رہے گا...... فون اٹھالیا۔

"السلام علیکم...... ناراض ہیں کیا؟ فون نہیں اٹھاتیں...... احترام تو ہوتا ہے بڑوں کا...... خیر چلیں...... سلام کا جواب تو دیں۔"

"وعلیکم السلام...... ویسے نامحرم کے سلام کا جواب دینا عورت پر لازم نہیں، وہ چاہے تو دے، چاہے نہ دے...... سکوت کرے۔"

"ہونہہ......" ہنکارا بھر کر کہا...... "میرا اتفاق ہوا تھا آپ کے علاقے میں جانے کا...... پتا چلا ماشاء اللہ کافی اراضی ہے آپ کی...... میرا قطعی کوئی برا ارادہ نہیں ہے بی بی...... میں آپ کو تحفظ دینا چاہتا ہوں، زمانہ تو خیر جیسا بھی ہو کسی بھی زمانے میں تنہا عورت کا گزارہ خطرات کو دعوت دینا ہے۔ آپ کو اپنی جائداد سنبھالنے کے لیے بھی اپنا بندہ چاہیے...... لاکھ کوئی ایمان دار ہو، اپنا تو نہیں ہوتا......"

"میں نے اس موضوع کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا تھا۔ آپ بھی ختم کردیں مہربانی ہوگی۔"

"آخر وجہ کیا ہے انکار کی؟ مجھ میں کوئی کمی ہے؟" وہ رونے والا ہوگیا۔

"مجھے اپنی زندگی اپنے ڈھنگ سے جینی ہے، میں آپ کو وضاحتیں دینے کی پابند نہیں ہوں۔"

"سنتِ نبویؐ کے معاملے میں ایسا ناگوار رویہ...... مجھے تو سمجھ نہیں آتا......"

"آئندہ مجھے فون مت کیجیے گا......" اس نے فون بند کرکے پٹخ دیا اور سر پکڑ کر بیٹھ رہی، زمینوں تک پہنچ گیا، یہ لالچی آدمی...... وہ ایک دم سے یہاں پر خود کو تنہا اور مایوس محسوس کرنے لگی تھی۔

"میں واپس گھر چلی جاؤں......؟ ریسرچ تو گھر پر ہوسکتی ہے؟ مگر میں کیوں کررہی ہوں ریسرچ......؟ مجھے کوئی عہدہ نہیں چاہیے، میں ایک روٹی اپنی زمینوں سے کھاسکتی ہوں مگر گھر......؟ سادات حویلی؟ کون ہے وہاں...... میں کہیں اور جاکے کیوں نہیں رہ سکتی...... کہیں بھی جہاں مجھے کوئی نہ جانتا ہو، جب تاجر عتیق نے حضرت رابعہؒ کو آزاد کردیا تو وہ بصرہ سے کوفہ چلی گئیں جو اس وقت بڑا علمی مرکز تھا...... کتنے سنہرے دور تھے وہ کہ اکیلی جوان لڑکی بغرض تعلیم کہیں چلی جاتی تھی...... اور حضرت بی بی مریم علیہ السلام اکیلی خانقاہ میں شب روز رہتی تھیں۔ خدا کے حکم سے بطن میں عیسیٰ علیہ السلام کو لیے چلی گئیں...... جوں، جوں پیچھے اوراق پلٹو لوگوں کی نیت صاف اور ماحول مصفا ہوتا تھا۔ جوں، جوں زمانۂ حال کی طرف آؤ بہیمانہ واقعات، ظلم و غلاظت کا انبار بڑھتا دکھائی دیتا ہے...... مگر میں نے کوئی خوف بجز خشیت الٰہی، کوئی حب بجز حب الٰہی نہیں رکھنا۔" یہ طے کرکے اس نے وضو کیا اور تحیۃ الوضو پڑھنے لگی، دار القامہ، اسلامیہ درسگارہ، اسلامک یونیورسٹی، دور طالب علمی کو خیرباد کہہ کر واپسی کا سفر اب طے تھا۔

(باقی آئندہ)

اُمیدِ بہار

زاہدہ ثقلین



پروفیسر حمید اور بیگم شگفتہ آج بہت خوش تھے۔ اُن کے اکلوتے بیٹے کو بہت اچھی کمپنی میں ملازمت مل گئی تھی۔ زوہیب کو صبح ہی تقرر نامہ موصول ہوا تھا۔ جیسے ہی پروفیسر صاحب یونیورسٹی سے لوٹے، اس نے مٹھائی کا ڈبا اُن کے سامنے رکھتے ہوئے یہ خوشخبری سنائی۔ انہوں نے بیٹے کو گلے لگا کر مبارک باد دی اور ماتھا چوما۔ ان کی آنکھوں میں شکرگزاری کے آنسو چمک رہے تھے۔ شگفتہ بیگم کا حال بھی ان سے مختلف نہیں تھا۔

''بھئی برخوردار، ماشاء اللہ اب تو نوکری بھی مل گئی ہے، اب اگلے مرحلے کا سوچیں؟'' زوہیب کی اہتمام سے بنائی گئی چائے سے وہ لطف اندوز ہوتے ہوئے بولے۔

''اگلا مرحلہ یعنی ترقی؟'' زوہیب الجھا۔

''جی نہیں ...... یعنی شادی......'' حمید صاحب مسکرائے تو بیگم صاحبہ نے بھی تائید کی۔

''جی بالکل اب تو جلد ہی شادی ہو جانی چاہیے۔''

زوہیب جھینپ گیا۔

''آپ کی نظر میں کوئی لڑکی ہے؟'' حمید صاحب نے بیگم سے پوچھا تو وہ بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''بیٹا اگر کوئی تمہاری پسند ہو تو بتاؤ۔''

''امی جی وہ......'' وہ زوہیب کھسک کر اُن کے قریب ہوا اور ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھجکتے ہوئے بولا۔'' خالہ انیلا کی بیٹی نیلم......'' ابھی اس کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ شگفتہ بیگم ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ اپنے گھٹنے سے ہٹا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''نہیں......'' وہ حیران رہ گیا تھا۔ اس کی امی تو اپنی بہنوں میں انیلا خالہ سے ہی زیادہ قریب تھیں اور نیلم تو لاکھوں میں ایک تھی۔ اس نے پریشانی سے ماں کا دھواں، دھواں ہوتا چہرہ دیکھا جن کی آنکھیں برسنے کو تیار تھیں۔ اب وہ بولیں تو لہجہ شکستہ تھا۔

''نہیں بیٹے، میں تمہاری شادی خاندان میں نہیں کروں گی۔'' اور روتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

زوہیب نے ناسمجھی سے اپنے والد کی طرف دیکھا تو اُن کے چہرے پر بھی افسردگی رقم تھی۔ وہ اس کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

☆☆☆

ان کے گھر، شادی کے پانچ سال بعد اللہ کی نعمت آئی تھی جس پر وہ جتنا بھی شکر کرتے کم تھا، بچے کا نام راحیل رکھا گیا، خاندان اور محلے میں مٹھائی بانٹی گئی۔ شکرانے کے نفل ادا کیے، ساتویں دن عقیقہ بھی ہو گیا۔ ماں، باپ کی دلچسپیوں کا واحد مرکز اب و[ہ] تھا، وہ اسے دیکھ، دیکھ کر جیتے تھے، راحیل ماشاء اللہ [..] ماہ کا ہو گیا تھا جب کسی تقریب میں ایک ملنے وا[لی] خاتون نے اسے دیکھ کر کہا۔

''ارے اس کا رنگ تو بہت پیلا لگ رہا ہے طبیعت تو ٹھیک ہے یہ تو سرخ و سفید ہوتا تھا۔'' مگر اس وقت ماں نے اسے وہم سمجھ کر ٹال دیا مگر اگلے کچھ ہی عرصے میں جب اکثر لوگوں نے اسی قسم کا تبصرہ کیا تو انہیں بھی شک ہوا کہ واقعی اب راحیل کی رنگت اور صحت پہلے جیسی نہیں ہے۔ اگرچہ انہیں بھی محسوس ہوتا تھا مگر وقتی کمزوری سمجھ کر ٹال دیا۔ اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا جیسے خون کی کمی ہو، وہ جلدی تھک جاتا تھا، نڈھال سا لیٹا رہتا۔ آخر والدین نے فیصلہ کیا کہ کسی ڈاکٹر سے رائے لینی چاہیے، چنانچہ شام کو وہ اسے اپنے محلے کے ڈاکٹر کے کلینک پر لے گئے۔ ڈاکٹر نے تسلی سے ان کی بات سنی، بچے کا معائنہ تجویز کیا۔ مزید یہ کہ خون کے ٹیسٹ بھی لکھ کر دیے کہ اس کی رپورٹ پر ہی حتمی تشخیص ہو سکتی ہے۔

''ڈاکٹر صاحب کوئی خطرے کی بات تو نہیں؟'' انہوں نے امید سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

''آپ کل مجھے رپورٹ دکھا دیجیے گا پھر ہی میں کچھ بتا سکوں گا۔''

''شاید کوئی سنگین بیماری ہے جو ڈاکٹر ابھی نہیں بتانا چاہ رہا۔'' ان کے ذہن میں یہی بات آئی۔ بہرحال وہ لیبارٹری میں بچے کے خون کا نمونہ جمع کروا کر گھر آ گئے مگر ساری رات سو نہ سکے۔

اگلے دن جب راحیل کا باپ رپورٹ لے کر ڈاکٹر کے پاس گیا تو ڈاکٹر نے رپورٹ دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔

''تو میرا شک صحیح نکلا۔''

''میرے بچے کو کیا بیماری ہے؟'' باپ کو جاننے کی جلدی تھی۔

''مجھے افسوس ہے جناب، آپ کے بچے کو خون [کی]

[..] بیماری ہے جسے تھیلیسیمیا (thalassemia) [کہتے] ہیں۔ یہ موروثی بیماری ہے۔ اس میں خون [کے] جو سرخ خلیے اپنا کام صحیح طور پر انجام نہیں دے [پاتے] اور اس کا علاج بار، بار خون لگوانا ہے......''

[وہ] مزید کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر بچے کے باپ نے [رپور]ٹ اس کے ہاتھ سے چھینی اور باہر نکل آیا...... غم [اور غ]صے سے اس کا برا حال تھا۔

''اونہہ تھیلیسیمیا، میرے بچے کو کچھ نہیں ہوا، ان [مح]لے کے ڈاکٹروں کو کیا پتا...... میں کسی اچھے ڈاکٹر [سے] رائے لوں گا، اسپیشلسٹ (ماہر) سے۔'' موٹر [سائیک]ل بھگاتے ہوئے وہ بڑبڑاتا رہا۔ جب شام کو وہ [گھر] لوٹا تو شہر کے معروف ماہر امراضِ اطفال سے [اگلے] دن کا وقت لے چکا تھا۔

☆☆☆

''کیا آپ کی شادی خاندان میں ہوئی ہے؟'' [بچے] کے معائنے اور خون کی رپورٹ دیکھنے کے بعد [ماہر] امراضِ اطفال نے جو پہلا سوال کیا وہ وہی تھا جو [اس] کے محلے کے ڈاکٹر نے کیا تھا۔ انہیں اپنے قدموں [تلے] سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''جج...... جی......''

''کیا آپ کے خاندان میں کوئی ایسا بچہ ہے جسے [بار] بار خون کی بوتل لگتی ہو؟'' محلے کے ڈاکٹر کا بھی دوسرا [سو]ال یہی تھا۔ ماں نے بچے کو زور سے بھینچ لیا جیسے اس [طر]ح وہ اسے بیماری سے بچا لے گی۔

''نہیں، ہمارے خاندان میں ایسا کوئی بچہ [نہی]ں۔'' بہ مشکل باپ نے جواب دیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ آپ کے بچے کو خون کی [بی]ماری ہے۔'' اور پھر وہی تفصیل......

''کیا آپ کو یقین ہے ڈاکٹر صاحب؟'' وہ رو [دی]نے کو تھا۔

''اگر مزید یقین کرنا چاہتے ہیں تو یہ ایک اور [ٹیس]ٹ کروا لیں۔ یہ ذرا مہنگا ہے اور کسی اچھی لیبارٹری [سے] ہو گا۔'' انہوں نے کاغذ پر کچھ لکھ کر اُن کی طرف بڑھایا۔ وہ جانے کے لیے اٹھے تو پہلی بار ماں نے سوال کیا۔

''ڈاکٹر صاحب کیا یہ بیماری خاندان میں آپ کی شادی کی وجہ سے ہی ہوتی ہے؟''

''ہمیشہ تو نہیں مگر زیادہ تر یہی وجہ بنتی ہے۔''

☆☆☆

راحیل کے والدین نے وہ مہنگا ٹیسٹ بھی کروا لیا اور ان کے بدترین خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ ان کا بیٹا واقعی تھیلیسیمیا کا شکار تھا، ان کے لیے اس حقیقت کو تسلیم کرنا انتہائی کٹھن تھا۔ باپ کے کندھے جھک گئے۔ رو، رو کر ماں کی آنکھیں سوج گئیں آخر وہ دوبارہ راحیل کو لے کر محلے کے ڈاکٹر کے پاس گئے کہ اب خون کی بوتل کہاں سے لگوائیں۔ ان کی ہدایت کے مطابق وہ راحیل کو سرکاری اسپتال لے گئے۔ وہاں بچوں کے وارڈ سے متصل تھیلیسیمیا یونٹ بنایا گیا تھا وہاں موجود ڈاکٹر نے رجسٹر میں بچے کا اندراج کیا اور بچے کا خون کے نمونہ نکال کر پرچی بنا کر باپ کو دی کہ بلڈ بینک سے خون لے آئے۔ بچے کو ماں کے ساتھ وارڈ میں ایک بیڈ پر بٹھا دیا۔ ماں نے... بہ مشکل اپنے آنسو ضبط کیے اور اپنے لختِ جگر کو بہلانے کی کوشش کی جو اجنبی ماحول میں پریشان ہو رہا تھا۔ وہاں مختلف عمروں کے پانچ بچے موجود تھے جن کو خون کی بوتلیں لگی ہوئی تھیں۔

اور جب راحیل کو خون کی بوتل لگی تو ماں سے برداشت نہ ہو سکا، بچے کو باپ کے پاس چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر آ گئی اور پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔ اسے یوں روتا دیکھ کر ایک لیڈی ڈاکٹر نے پاس رک کر پوچھا کہ ''کیا مسئلہ ہے'' تو اس سے جواب ہی نہیں دیا گیا۔ نرس نے اس کی ترجمانی کی اور بتایا کہ ''اس کے بیٹے کو تھیلیسیمیا تشخیص ہوا ہے اور آج پہلی بار خون لگ رہا ہے۔'' وہ ڈاکٹر اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے آئی۔ بٹھایا، آنسو پونچھے اور تسلی دی......

''دیکھیں اس طرح رونے سے کوئی مسئلہ حل

نہیں ہوتا، بہادر بنیں...... اچھا یہ بتائیں کتنے بچے ہیں آپ کے؟''

اور رکے ہوئے آنسو پھر بہہ نکلے۔

''یہ ایک ہی بیٹا ہے، شادی کے پانچ سال بعد ہوا ہے، کتنی دعاؤں کے بعد، علاج کے بعد......''

''اللہ بہتری کرے گا، اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں، وہ اور اولاد دے گا۔''

''اور اس کو بھی یہی بیماری ہوگی؟'' ماں تلخی سے بولی۔

''یہ ضروری نہیں ہے، آپ کا بچہ نارمل بھی ہوسکتا ہے۔'' ڈاکٹر نے امید دلائی۔

''کیا واقعی؟'' وہ بے یقین تھی۔

''جی...... ہر حمل میں 25 فیصد چانس ہوتا ہے کہ بچہ نارمل ہوگا، 25 فیصد کو تھیلیسیمیا ہوگا اور باقی 50 فیصد کو کم تر درجے کا تھیلیسیمیا ہوگا جسے تھیلیسیمیا مائنر کہتے ہیں جیسے آپ کو ہے۔''

''کیا مجھے بھی یہ بیماری ہے؟''

''آپ کو کم درجے کی بیماری ہے، اس میں خون کی زیادہ کمی نہیں ہوتی اس لیے آپ نارمل زندگی گزار رہی ہیں اور خون کی بوتل لگوانے کی ضرورت بھی نہیں پیش آئی۔''

''اگر میرے دوسرے بچے کو بھی یہی مسئلہ ہوا تو؟'' دل اندیشوں میں گھر گیا۔

''مجھے زیادہ تفصیلات کا علم نہیں مگر اب تو حمل کے آغاز میں ہی یہ تشخیص ہوسکتی ہے کہ رحم میں پرورش پاتا بچہ اس مرض کا شکار ہے یا نہیں آپ ایسا کیجیے کہ جیسے ہی حمل ہو تو گائنی کی ڈاکٹر سے رابطہ کریں، وہ آپ کی بہتر رہنمائی کرسکیں گی۔''

☆☆☆

خون کی بوتل لگنے سے راحیل کی صحت بہتر ہوگئی۔ چہرے کی رنگت بھی بحال ہوئی۔ اس دن راحیل کے نانا، نانی ان کے گھر آئے ہوئے تھے۔ خاندان میں کسی کو بھی ابھی اس کی بیماری کے بارے میں خبر نہیں تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے نانا جی نے...

پُرمسرت لہجے میں بیٹی اور داماد کو اطلاع دی کہ ان کی بہن نے چھوٹی بیٹی کے لیے اپنے لائق، خوب صورت اور اعلیٰ عہدے پر فائز بیٹے کا رشتہ مانگا ہے۔ راحیل کی ماں کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا اور پھر بے ساختہ اپنے والدین کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے رو پڑی۔

''نہیں ابو جی، اب خاندان میں شادی نہیں کرنی۔'' سب کے لیے یہ ردِعمل غیر متوقع تھا۔

''آپ کھانا کھائیں پھر آرام سے بات کرتے ہیں۔'' داماد نے کھانے کی طرف توجہ دلائی مگر ان کا کھانے سے جی اچاٹ ہوگیا تھا۔

ان کے اصرار پر جب راحیل کے باپ نے انہیں تھیلیسیمیا کے متعلق بتایا تو وہ دھک سے رہ گئے۔ ان کا لاڈلا نواسا کس مرض کا شکار ہوگیا تھا۔

''اب ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ اپنے خاندان میں شادی نہ کریں ورنہ مزید بچے بھی متاثر ہوسکتے ہیں۔''

''کیا خون کی بوتل لگ جانے سے منا ٹھیک ہوگیا ہے؟'' نانی نے راحیل کی بلائیں لیتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ تو وقتی آرام ہے آنٹی، اب ساری عمر اسے خون کی بوتلیں ہی لگتی رہی ہیں گی۔''

''ہائے میرے اللہ!'' نانی نے سینے پر ہاتھ مارا۔ ''کیا ہر سال لگے گی؟''

''سال کہاں؟'' زخمی سی مسکراہٹ داماد کے چہرے پر آئی۔ ''ابھی تو ڈھائی تین ماہ بعد مگر آہستہ آہستہ جب یہ بڑا ہوگا تو شاید ہر ماہ یا ماہ میں دو بار۔'' سب نے تاسف اور ہمدردی سے ننھے راحیل کو دیکھا جو ہر بات سے بے فکر کھلونوں سے کھیلنے میں مصروف تھا۔

☆☆☆

اور پھر یہی سلسلہ چلتا رہا، راحیل کو دوسری خون کی بوتل تین ماہ بعد لگی اور پھر تو چل سو چل...... اس کی ماں کی آنکھیں بھیگی رہتیں۔ نمازیں طویل اور سجدے طویل تر ہوتے گئے، ہر لمحہ دھیان اسی کی طرف رہتا۔

راحیل دو سال کا تھا جب قدرت ان پر دوبارہ مہربان ہوئی۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق انہوں نے جلد از جلد گائنی کی ڈاکٹر سے رابطہ کیا۔ ڈاکٹر نے تسلی سے ان کی بات سنی اور اثبات میں سر ہلایا۔

''جی اب یہ ممکن ہے کہ حمل کے تیسرے ماہ ہی میں یہ تشخیص ہوجائے کہ ہونے والا بچہ تھیلیسیمیا سے متاثر ہے یا نہیں۔ مگر ہمارے پاس یہ سہولت میسر نہیں۔ آپ کو لاہور جانا ہوگا۔'' ڈاکٹر نے ان کو لاہور کے اسپتال کا پتا دے دیا جہاں یہ ٹیسٹ ہوسکتا تھا۔

☆☆☆

ایک، ایک دن سخت اضطراب میں گزار کر آخر وہ مقررہ تاریخ کو اس بڑے اسپتال میں موجود تھے۔ انہیں تفصیل سے آگاہ کردیا گیا تھا کہ جب حمل دس ہفتوں کا ہوجائے تو ایک نازک اور بے حد ضروری ٹیسٹ لیا جائے گا جس کی رپورٹ دو سے تین ہفتوں میں ملے گی۔ اگر بچہ تھیلیسیمیا کا شکار ہوا تو رپورٹ آنے کے بعد اسقاط کیا جاسکے گا بشرطیکہ والدین راضی ہوں۔ ...ید یہ کہ ٹیسٹ کرتے ہوئے ایک فیصد خطرہ ہے کہ ...ل ضائع ہوجائے گا۔ انہوں نے پوری آمادگی سے ...کیے اور اب ٹیسٹ کرنے کا وقت آگیا تھا۔

انتہائی نازک ٹیسٹ آنول کے خلیے کامیابی سے ...صل کرلیے گئے اور لیبارٹری بھیج دیے گئے۔ انہیں ...جانے کی اجازت مل گئی۔ راحیل کی ماں کو دو دن ...پیٹ کے نچلے حصے میں درد محسوس ہوا۔ ڈاکٹر سے ...کیا تو کچھ ادویات تجویز کردیں۔ کچھ افاقہ ہوا۔ ...ان میں مزید عاجزی اور تیزی در آئی۔

''الٰہی اس بچے کو اس موذی مرض سے بچا کر...'' ان کی دعا قبول ہوئی۔ ہفتے بعد ان کو رپورٹ ...ول ہوئی کہ یہ بچہ صحت مند ہے مگر اسی شام ٹھیک ...ایک بار پھر عود آیا اور اسپتال داخل کرنے اور ...طبی امداد کے باوجود ڈاکٹر اس حمل کو ضائع ہونے ...روک سکے۔ وہ ان ایک فیصد میں سے تھے جن کا ...ٹیسٹ لینے کی صورت میں ضائع ہوجاتا ہے۔

راحیل کی ماں اس صدمے پر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ کبھی وہ اللہ سے گلہ کرتی، کبھی ماں، باپ کو الزام دیتی کہ کیوں انہوں نے خاندان میں شادی کی، وہ ڈیپریشن کا شکار ہوئی اور کچھ عرصہ ماہرِ نفسیات کے زیرِ علاج رہی۔ رفتہ، رفتہ اس کی حالت سنبھلی مگر جب وہ راحیل کو خون لگوانے لے کر جاتے تو اس کی سہمی ہوئی شکل دیکھ کر پھر رونا آجاتا، وہ بہت مشکل سے آنسوؤں کو بہنے سے روکتی۔

''ماما ڈاکٹر آنٹی زور سے سوئی لگاتی ہیں۔ مجھے درد ہوتا ہے۔'' یا کبھی کہتا۔ ''ماما بلڈ نہ لگوائیں، میں دوائی پی لوں گا۔ دیکھیں اب تو میں اپنا کھانا بھی ختم کرتا ہوں۔ میرے اندر انرجی آگئی ہے۔'' مگر ہر بار اس کے دلائل کو نرمی سے رد کرکے اسے خون لگوایا جاتا۔ اب تو وہاں اس کی کچھ بچوں سے دوستی بھی ہوگئی تھی۔ اور بڑا ہوا تو کہانیوں میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ ماں، باپ اس کے لیے بہت سی باتصویر کہانیوں کی کتابیں لے آئے۔ کہانیوں ہی کی وجہ سے وہ عدنان کی طرف متوجہ ہوا۔ عدنان وہاں آنے والے بچوں میں سب سے بڑا تھا تقریباً تیرہ سال کا۔ وہ جب بھی آتا اس کے پاس کتاب ضرور ہوتی اور جتنی دیر میں خون کی بوتل ختم ہوتی اس کی کتاب بھی ختم ہوجاتی۔ راحیل ہمیشہ اس سے کوئی نہ کوئی کہانی سنتا اور یوں آرام سے وقت گزر جاتا۔

اس دن حسبِ معمول راحیل نے کمرے میں آتے ہی عدنان کو تلاشا مگر وہ کہیں نہیں تھا، اس نے نرس سے پوچھا تو وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولیں۔

''آج میں آپ کو کہانی سناؤں گی۔'' نرس نے الماری سے کتاب نکالی۔ راحیل رنگین کتاب دیکھ کر خوش ہوگیا۔ اس کی ماں کو بھی تجسس تھا۔

''عدنان بیٹا آج کیوں نہیں آیا؟''

''وہ اب نہیں آتا۔'' نرس نے نظریں چرائیں۔

''کیوں؟ کیا وہ ٹھیک ہوگیا ہے؟'' اشتیاق سے پوچھا۔ نرس نے رخ پھیر لیا مگر پاس سے گزرتی ڈاکٹر نے اس کا سوال سن لیا تھا۔

''آپ پلیز میرے ساتھ آئیں۔'' وہ انہیں لیے اپنے آفس میں آگئی۔ ''وہ اس لیے نہیں آتا کہ اب اسے خون لگوانے کی ضرورت نہیں ہے، وہ جنت میں بہت مزے میں ہے۔''

''کیا......؟'' راحیل کی ماں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ حیرت، دکھ، افسوس، بے یقینی، اس کے چہرے پر رقم تھی۔ ابھی دو ہفتے پہلے تو وہ خوش و خرم راحیل کو گلہری کی کہانی سنا رہا تھا۔

ڈاکٹر نے ٹشو سے آنکھیں صاف کیں۔ ''جب کوئی بچہ فوت ہو جاتا ہے تو ہم باقی بچوں کو یہی کہتے ہیں کہ اب وہ نہیں آتا تاکہ یہ بچے پریشان نہ ہوں۔ جتنی عمر اللہ نے لکھی ہے وہ آرام سے گزاریں، ہم ان کے سامنے رو نہیں سکتے ورنہ یہ سب بھی رونا شروع کر دیں۔ ہمارے دل دکھتے ہیں مگر چہرے پر مسکراہٹ اور زبان پر امید بھری باتیں ہوتی ہیں۔'' راحیل کی ماں نے چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے بار، بار ہنستا مسکراتا عدنان آ جاتا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ دل پھٹ جائے گا۔ اتنا درد وہ کیسے سہہ پائے گی۔ اس کے رونے میں شدت آتی گئی۔ وہ ویسے ہی رو رہی تھی جیسے چھ سال پہلے پہلی بار راحیل کو خون لگواتے وقت روئی تھی۔

☆☆☆

راحیل آٹھ سال کا تھا۔ جب ایک بار پھر اس کے والدین لاہور کے اسی اسپتال میں آئے جہاں رحم میں پرورش پاتے وجود کی بیماری کی تشخیص ہوتا تھی۔

پچھلی بار کے تجربے سے بے حد خوفزدہ انہوں نے اسپتال کے عملے سے درخواست کی کہ کوئی تجربہ کار ڈاکٹر یہ ٹیسٹ لے۔ اُن کی درخواست پر عمل ہوا، وہ بخیریت گھر واپس پہنچے مگر دو ہفتے بعد جب وہ رپورٹ لینے گئے تو ڈاکٹر کی بات سن کر ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

''مجھے بہت افسوس ہے کہ یہ بچہ بھی آپ کے پہلے بچے کی طرح تھیلیسیمیا کا شکار ہے اور بہتر ہے کہ اس حمل کو ضائع کر دیا جائے۔''

راحیل کی ماں تو صدمے کے مارے جیسے حواس میں ہی نہ تھی۔ جیسے وہ اسپتال میں ہی نہیں تھی۔ کب اسے اسپتال میں داخل کیا گیا؟ کیا فیصلہ ہوا؟ کتنے دن وہاں رہی؟ کس نے کیا بتایا؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ مگر کافی دنوں بعد جب وہ خالی کوکھ لیے گھر واپس لوٹی تو راحیل کو سینے سے لپٹائے اس نے ایک فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ یہ خطرہ مول ہی نہیں لے گی۔ اس کے لیے راحیل ہی کافی ہے۔

مگر انسان کے فیصلے قدرت کے فیصلوں کے آگے ہار ہی جاتے ہیں۔ راحیل صرف پندرہ سال کی عمر پا سکا۔ ماں، باپ اپنی انتہائی محبت، توجہ اور علاج کے باوجود اس کی عمر نہ بڑھا سکے۔ ان کے لیے صدمہ برداشت کرنا انتہائی مشکل تھا۔ وقت گزرتا رہا اور ان کو صبر آ ہی گیا اُن کے لیے یہ یقین بہت خوش کن تھا کہ راحیل اب ہر تکلیف سے آزاد جنت میں مزے کر رہا ہوگا اور وہ بھی مرنے کے بعد اپنے بیٹے کے ساتھ خوشگوار دن گزار سکیں گے۔

ان کی سونی زندگی میں ایک بار پھر ہلچل ہوئی، خوف اور امید کا شکار تھے، نہ جانے اب مقدر میں کیا لکھا ہے۔ ماں نے وظائف شروع کیے، باپ نے تہجد میں التجائیں کیں۔ اس دفعہ وہ لاہور ٹیسٹ کروانے بھی نہیں گئے۔ ایک، ایک دن گن، گن کر گزرا اور بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب ان کے آنگن میں اتنے برسوں بعد بچے کی قلقاریاں گونجیں...... دل شکر سے معمور ہو گئے مگر لبوں سے دعائیں جدا نہ ہوئیں۔ کیونکہ پیدائش کے وقت تو راحیل بھی نارمل ہی تھا۔ بیماری کی تشخیص چھ ماہ کے بعد ہوئی تھی۔ یہ بچہ بھی جب چھ ماہ سے زیادہ کا ہو گیا تو اس کا باپ دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں سے اسے لیبارٹری لے کر گیا تاکہ خون کا ٹیسٹ کرا سکے اور جب وہ رپورٹ لے کر گھر آیا تو دونوں میاں بیوی زار و قطار روئے۔ یہ شکر گزاری کے آنسو تھے، ان کا بیٹا نارمل تھا، سو فیصد نارمل......

یہی بیٹا ''زوہیب حمید'' ان کا کل سرمایہ تھا اور انہوں نے اپنی ساری محبتیں اس پر نچھاور کر دی تھیں۔

☆☆☆

اپنے والد کی زبانی زوہیب یہ ساری تفصیل سن کر کتنی ہی دیر سکتے کی حالت میں بیٹھا رہا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہر دم اللہ کا شکر ادا کرنے والے اس کے والدین کتنی آزمائشوں سے گزرے ہیں، اب وہ سمجھ سکتا تھا کہ نیلم سے شادی کی خواہش پر اس کی ماں کا ردِعمل اتنا شدید کیوں تھا۔ اس نے دوبارہ شادی کے موضوع پر کوئی بات نہیں کی اور شگفتہ بیگم بھی دانستہ اس موضوع سے گریز ہی کر رہی تھیں۔

زوہیب نے دفتر جانا شروع کر دیا۔ وہاں کا ماحول خوشگوار اور دوستانہ تھا۔ بہت جلد وہ ان میں گھل مل گیا بظاہر تو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ خاندان میں شادی نہیں کرے گا مگر نہ جانے کیوں وہ جب بھی شادی کے متعلق سوچتا، ذہن میں نیلم ہی کا خیال آتا وہ اس خیال کو جھٹکنا چاہتا تھا مگر اس پر قادر نہیں تھا اس کا ذہن عجیب متضاد کیفیات کا شکار تھا۔ وہ ماں کو دکھ بھی نہیں دینا چاہتا تھا اور اپنی خواہش سے دستبرداری بھی آسان نہیں تھی۔

ایک دن دفتر میں اس کا پرانا ہم جماعت ندیم اسے ملنے آیا۔ انہوں نے ایف ایس سی تک اکٹھے تعلیم حاصل کی تھی پھر ندیم کا داخلہ میڈیکل کالج میں ہو گیا تو ان کی ملاقات کافی کم ہو گئی ہاؤس جاب کے بعد ندیم انگلینڈ چلا گیا تو رابطہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ اب یوں اچانک اس کو سامنے پا کر زوہیب بہت خوش ہوا۔ ندیم اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لیے پاکستان آیا تھا۔ اس نے زوہیب کو کارڈ دیا اور آنے کی پُرزور تاکید کی۔

گھر آ کر زوہیب نے والدین کو ندیم کی بہن کی شادی کے متعلق بتایا۔ شگفتہ بیگم نے گلہ کیا کہ ندیم اتنے عرصے بعد پاکستان آیا اور ان سے ملنے گھر بھی نہیں آیا اور اسی وقت انہوں نے طے کیا کہ کل ندیم کو شام کی چائے پر مدعو کیا جائے۔ زوہیب نے ندیم کو فون کیا تو

کچھ پس و پیش کے بعد وہ راضی ہوگیا۔

رات کو زوہیب کی نظر فائلوں کے ساتھ رکھے شادی کے کارڈ پر پڑی تو ذہنی رو پھر نیلم کی جانب بھٹک گئی۔ عجیب بے بسی کا سا احساس تھا کہ وہ نیلم کو نہیں اپنا سکتا۔ اس نے اپنا دھیان ندیم کی طرف لگانا چاہا، وہ کتنا بدل گیا تھا۔ پہلے سے زیادہ وجیہہ اور پُر اعتماد......اس کی بہن، وہ اتنی بڑی ہوگئی ہے، بچپن میں اس کی ضد ہوتی تھی کہ وہ بھی ندیم اور زوہیب کے ساتھ کھیلے گی اور جب وہ اسے کھیل میں شامل نہیں کرتے تھے تو روتے ہوئے اپنی امی کو شکایت لگاتی تھی......زوہیب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ ندیم سے اپنا مسئلہ ڈسکس کرے۔ شاید کوئی حل نکل آئے، آخر وہ ڈاکٹر ہے اور اگر حل نہ بھی نکلا تو دل کا بوجھ تو ہلکا ہوجائے گا۔

"میں کل ہی اس سے بات کروں گا۔" وہ یہ فیصلہ کرکے مطمئن ہوگیا۔

اگلے دن حسبِ وعدہ ندیم شام کو چائے پر موجود تھا۔ شگفتہ بیگم نے خاصا اہتمام کررکھا تھا۔ سب چائے سے لطف اندوز ہوئے۔ ساتھ گپ شپ بھی جاری رہی۔ زوہیب امی، ابو کے اٹھنے کا منتظر تھا تاکہ ندیم سے کھل کر بات کرسکے۔ آخر جب امی نے برتن سمیٹنے شروع کیے تو زوہیب اسے لے کر اپنے کمرے میں آگیا۔

"ندیم مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" ندیم کو اس کے انداز پر حیرت ہوئی۔

"پہلے تم میری کہانی سنو پھر بتاتا ہوں۔" اور پھر زوہیب نے وہ سب باتیں دُہرادیں جو اس کے والد نے بتائی تھیں۔

"اوہ...... بہت افسوس ہوا یہ سب جان کر۔" ندیم نے تاسف سے سر ہلایا۔ "مگر اب مسئلہ کیا ہے؟"

"میں اپنی خالہ زاد سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر امی کسی قیمت پر خاندان میں شادی کے حق میں نہیں ہیں۔"

"ان کے دل میں خوف ہوگا کہ تمہاری اولا[د] تھیلیسیمیا نہ ہو۔" ندیم نے صحیح اندازہ لگایا۔

"ہاں بالکل، وہ اپنے تجربے سے بہت خوفزدہ ہیں۔"

"اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ندیم تم تو ڈاکٹر ہو، ہم سے زیادہ جانتے ہو[گے] واقعی امی کا خوف صحیح ہے؟ اگر میں خاندان میں شا[دی] کرلوں تو میرے بچوں کو یہ بیماری ہوجائے گی؟"

"جیسا کہ تم نے بتایا کہ تمہارا ٹیسٹ بالکل ٹھیک تھا [اور] تمہاری خالہ زاد کو بھی تھیلیسیمیا نہیں ہے، نہیں ہے ناں؟"

زوہیب نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو تمہاری اولاد کو یہ مرض نہیں ہوگا۔"

"لیکن میرے ابو، امی کو بھی تو تھیلیسیمیا نہیں ہے [پھر] ان کی اولاد کو یہ مرض ہوا۔" زوہیب نے اعتراض کیا۔

"کیونکہ وہ دونوں اس مرض کے arries ہیں۔" ندیم نے جواب دیا۔ زوہیب کے چہرے [پر] الجھن دیکھ کر اس نے وضاحت کی۔ "ان کو کم تر در[جے] کا مرض ہے یعنی halassemia minor ایسے افراد نارمل زندگی گزارتے ہیں، ان میں کسی [حد] تک خون کی کمی رہتی ہے مگر اتنی شدید نہیں کہ جسم کو مت[اثر] کرے لیکن اگر دو ایسے افراد کی شادی ہو تو پچیس فی[صد] بچوں کو thalassemia major ہونے [کا] خطرہ ہوتا ہے، عام طور پر ہم جو تھیلیسیمیا کا لفظ بو[لتے] ہیں یہ تھیلیسیمیا میجر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔"

"اگر میری بیوی کو یہ کمتر درجے کا تھیلیسیمیا [ہو تو] پھر بھی خطرہ ہے کہ بچوں میں سے کوئی تھیلیسیمیا میجر [کا] شکار ہوگا؟"

"نہیں۔" ندیم قطعی لہجے میں بولا۔ "ایسا [کوئی] خطرہ نہیں مگر تھیلیسیمیا مائنر ہوسکتا ہے جس کی وجہ [سے] آئندہ نسلوں میں تھیلیسیمیا میجر کا خطرہ بڑھ جائے گا۔"

"یار اب مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟"

"پہلے تو اپنا ٹیسٹ دوبارہ کرواؤ تاکہ [تسلی] ہوجائے۔ پھر اپنی خالہ زاد کا بھی خون ٹیسٹ کرواؤ۔"

"میں بھلا اس کا ٹیسٹ کیسے کرواسکتا ہوں۔" وہ بدکا۔

"پھر آرام سے جہاں آنٹی کہتی ہیں وہاں شادی کرلو۔" ندیم اطمینان سے بولا۔

"کوئی حل تو سوچو یار۔" زوہیب خوشامدی انداز میں بولا۔

"پہلے تو تم آنٹی کو قائل کرو۔"

"بہت مشکل ہے، وہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں سنیں گی۔" زوہیب مایوس تھا۔

"اور انکل......؟"

"ابو سے بات کی جاسکتی ہے۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے تم انکل سے بات کرو، وہ آنٹی کو قائل کرلیں گے تو خود ہی طریقے سے اس لڑکی کے والدین تک یہ بات پہنچادیں گے۔ اگر وہ سمجھ گئے اور ٹیسٹ کروانے پر راضی ہوگئے تو اچھی بات ہے پھر یہ ٹیسٹ کے رزلٹ پر منحصر ہے کہ تمہاری قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔"

"شکریہ ندیم تم نے میری کافی مشکل حل کردی۔" زوہیب نے فرطِ مسرت سے اسے گلے لگا لیا۔ وہ مسکرایا اور بولا۔

"اچھا اب مجھے جانے دو، گھر میں سو کام ہیں پھر امی گلہ کریں گی کہ دوستوں کا ہی ہوکر رہ گیا ہوں۔" ندیم اٹھا تو زوہیب بھی اس کے ساتھ ہی چل دیا تاکہ گیٹ تک رخصت کرآئے۔ صحن میں ندیم، انکل آنٹی کے پاس رکا۔

"میں اب چلتا ہوں آپ کی مزیدار چائے کا بہت شکریہ آنٹی۔"

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں، تم بھی تو میرے بیٹے ہو۔" شگفتہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اچھا انکل، اجازت، اب شادی پر ملاقات ہوگی۔" "آپ لوگ ضرور آیئے گا۔" اس نے حمید صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے تاکید کی۔

"بیٹا دوبارہ بھی چکر لگانا۔" حمید صاحب نے دعوت دی۔

"ابھی تو شادی کی مصروفیت ہے، دوسرے میں تھیلیسیمیا کے موضوع پر کچھ کام کررہا ہوں۔" اس کی بات پر زوہیب نے چونک کر اسے دیکھا، شگفتہ بیگم کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ حمید صاحب اپنی..... بے چینی چھپا کر بولے۔ "کیسا کام؟" "کیا اس کا علاج ڈھونڈ رہے ہو؟"

"اس کا علاج تو ہڈیوں کے گودے کی تبدیلی ہے یعنی bone marrow transplant لیکن پاکستان میں ابھی یہ عام نہیں ہے، اس پر لاگت بھی زیادہ آتی ہے۔ فی الحال ہم یہ کوشش کررہے ہیں کہ لوگوں میں یہ شعور بیدار کیا جائے کہ اس سے بچاؤ کیسے ممکن ہے۔"

"سیدھی سی بات ہے خاندان میں شادیاں ہی نہیں کریں۔" شگفتہ بیگم نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"نہیں آنٹی، یہ ضروری نہیں ہے، مانا کہ خاندان میں شادی کرنے سے اس کا خطرہ بڑھ جاتا ہے لیکن یہ سمجھ لینا کہ خاندان میں شادی نہ کرنے سے اس کا خطرہ سو فیصد ٹل جائے گا یہ بھی درست نہیں۔"

"تو پھر......؟" وہ الجھ گئیں۔

"صحیح طریقہ یہ ہے کہ شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی دونوں کے خون کا ٹیسٹ کروایا جائے۔ اگر رپورٹ ٹھیک ہو تو شادی کردیں، یہی ہمارا پیغام ہے جو ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پہنچانے کی کوشش کررہے ہیں، آپ بھی اپنے ملنے جلنے والوں کو بتایئے گا......شاید کسی کا بھلا ہوجائے۔" اس نے آخری جملہ زوہیب کی طرف دیکھتے ہوئے ذو معنی لہجے میں ادا کیا اور انہیں سوچوں میں گم چھوڑ کر گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

زوہیب دل میں اس کا بہت ممنون تھا۔ اسے امید تھی کہ اب وہ اپنا مقدمہ بہتر انداز میں پیش کرسکتا ہے اور اس نے صدقِ دل سے اللہ سے دعا کی کہ وہ خیر اور عافیت سے نیلم کو اس کی زندگی کا ساتھی بنادے۔ اس نے گیٹ بند کیا اور مطمئن انداز سے مسکراتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔



مکمل ناول

دل کی بساط پر

نزہت جبین ضیا

رات بھر بارش ٹوٹ کر برسی تھی...... صبح ہلکی دھوپ نکل آئی تھی۔ رات بھر کی طوفانی بارش اور تیز ہواؤں نے لان کا کباڑا کر ڈالا تھا۔ ربانہ ناشتے سے فارغ ہو کر لان کی طرف آئی تو کیاریوں میں بے شمار ٹوٹے پتوں کو بکھرا دیکھا، بارش کی وجہ سے کیاریوں کی مٹی دیواروں سے چپک گئی تھی۔ جس سے گندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ لان سے ملحق چھوٹا سا حصہ جہاں ہر سال قربانی کے جانور باندھے جاتے تھے، جس میں تا[...] ابو، پاپا اور سعدیہ پھپو کے بھی لائے گئے جانور ہوتے وہ بھی کافی گندا ہو رہا تھا۔ ریان، جوید کو بڑی جلدی ہوتی تھی جانور لانے کی۔ ربانہ اور باصرہ کو بھی مزہ آ[...] تھا اور چاروں مل کر بچوں کی طرح جانوروں کی د[...] بھال کرتے اُن چاروں کی بچکانہ حرکتوں پر صمد ربانی سعد ربانی اور اماں جان ہنستے۔

’’پتا نہیں یہ ذہنی طور پر کب بڑے ہوں گے۔‘‘ صمد ربانی ہنستے ہوئے کہتے۔

’’سچ کہہ رہے ہیں بھائی جان، لگتا ہی نہیں کہ ہمارے بچے بڑے ہوگئے ہیں۔ آج بھی وہی ننھے بچے بنے رہتے ہیں۔‘‘ سعدیہ بیگم بھی مسکرا کر کہتیں۔

’’تو کیا ہوا، اچھا لگتا ہے مجھے ان لوگوں کا یوں بچوں کی طرح مل جل کر رہنا اور خوش ہونا۔‘‘ رقیہ بیگم محبت بھری نگاہیں اپنے پوتے، پوتی اور نواسا، نواسی کی طرف ڈال کر جذب سے کہتیں...... بقر عید سے مہینہ بھر پہلے ہی گھر میں رونق لگ جاتی۔ پھر تو سعدیہ بیگم کا زیادہ تر وقت یہیں گزرتا۔

چھٹیاں ہوتیں تو سعدیہ بیگم، شوہر اور حوید کو لے کر آجاتیں تو پھر تو چاروں مل کر خوب، خوب ہنگامے کرتے...... انہی پیڑوں کے گھنے سائے میں، موتیا، چنبیلی اور گلاب کی مہکتی بیلوں کے آس پاس گرمیوں کی سخت دوپہریں اور سردیوں کی کہر آلود شامیں گزارتے، گزارتے چاروں بچپن سے جوانی کی دہلیز تک آگئے تھے۔ بیرونی گیٹ سے راہداری اور دائیں سمت کو جانے والے گیراج میں صمد ربانی اور سعد ربانی کی گاڑیاں کھڑی ہوتیں لیکن آج...... نہ وہ لوگ ساتھ تھے، نہ وہ رونقیں، نہ وہ محبتیں اور نہ وہ قہقہے...... وقت سب کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے گیا تھا...... گیراج کا وہ حصہ جہاں دو، دو گاڑیاں کھڑی ہوتی تھیں اب کٹ گیا تھا اور درمیان میں قائم ہونے والی دیوار نے بہ مشکل ایک گاڑی کی جگہ چھوڑ دی تھی۔

چھوٹا سا کچا حصہ جو بقول ربانہ کے اتنے بڑے ’’رقیہ پیلس‘‘ کا ذاتی باڑا تھا وہ بھی کٹ کر آدھا رہ گیا تھا۔ ربانہ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ کتنا برا لگ رہا تھا سب کچھ اب تو عید کا مزہ تھا نہ بقر عید کی خوشی۔ گزشتہ ایک سال میں سارے رشتے ناتے سب ختم ہو چکے تھے۔ اسے بے تحاشا رونا آگیا۔ کبھی، کبھی بڑے اپنی ضد، انا اور غرور میں آکر اپنے چھوٹوں کے ساتھ کتنی زیادتی کر جاتے ہیں اس بات کا ان کو احساس تک نہیں ہوتا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ کہ یوں...... سب کچھ ایک دم سے ختم ہو جائے گا...... نہ رشتوں کا پاس باقی رہے گا نہ بڑوں کا مان برقرار رہے گا۔

’’ارے، ارے یہ کیا......؟ یہ کیا لے آئیں ربانہ......‘‘ ربانہ کے ہاتھوں میں بڑے سے سلور کے تسلے میں ڈھیر ساری مہندی گھلی ہوئی دیکھ کر حوید نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔

’’توبہ توبہ ربانہ...... یہ تو مجھے اس بچھڑے کی گندگی دکھائی دے رہی ہے...... دیکھو تمہارے ہاتھوں پر بھی لگ گئی ہے دھوؤ جا کر......‘‘ ریان جو سفید براق خوب صورت سے بچھڑے کو کھلی کھلا رہا تھا حوید کی آواز پر پلٹا اور ربانہ کے ہاتھوں میں تسلا دیکھ کر چڑانے والے انداز میں ناک چڑھا کر اسے دیکھا۔

’’ارے بھائی......! پاگل ہوگئے ہو کیا......؟ مہندی ہے مہندی...... پورے چھ ڈبے منگوائے تھے ہم نے، یہ بچھڑوں کو لگائیں گے۔‘‘ باصرہ نے آگے بڑھ کر تسلا ربانہ کے ہاتھوں سے لے کر پہلے ریان اور پھر حوید کو دیکھ کر چڑ کر کہا۔

’’اوئے...... پاگل خواتین...... یہ فضولیات اپنے پاس رکھو اتنے پیارے، پیارے بچھڑوں کو تماشا نہ بناؤ پہلے ہی بہت خوب صورت ہیں تینوں کے تینوں......‘‘ حوید نے سختی سے منع کیا۔

’’ارے یار! اتنی مشکل سے گھول کر لائی ہوں میں کم از کم ایک کو تو ضرور سجائیں گے ہم۔‘‘ ربانہ کو حوید کی بات سخت ناگوار گزری۔

’’ربانہ! کیا بچپنا ہے...... یہ سب اچھا نہیں لگتا......‘‘ ریان بھی بولا۔

’’ابھی تو ہم نے ان کو پائل اور گھنٹیاں بھی پہنانی ہیں حضرات......‘‘ باصرہ نے پاس بینچ پر رکھے شاپر سے رنگین جھالر والی گھنٹی اور پیروں میں پہننے والی پائل نکالی۔

’’یا اللہ......! ان خواتین کی جہالت دور کر میرے مولا......‘‘ ریان اور حوید نے سر پیٹ لیے۔

’’یہ سب کہاں سے آئے بھئی......؟‘‘ حوید نے گھنٹی ہاتھ میں لے کر اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

’’مالی بابا سے منگوائے ہیں۔ ہمیں پتا تھا تم لوگوں نے تو انکار کر دینا ہے...... قسم سے ریان، میں نے فیس بک پر ایک پوسٹ دیکھی...... سیم ایسے ہی جانور تھے ان پر مہندی سے عید مبارک لکھا تھا اور بہت سارے زیورات پہنا کر سیلفیاں لی تھیں، اتنے پیارے لگ رہے تھے...... اتنے پیارے لگ رہے تھے کہ بس تب ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ میں بھی بالکل ایسے ہی سیلفی لوں گی ہے ناں باصرہ......!‘‘ بات مکمل کر کے ربانہ نے باصرہ سے تائید مانگی تو ریان کے ساتھ، ساتھ حوید نے بھی اپنا سر پیٹ لیا۔

’’یا الٰہی اب تم لوگ قربانی کے جانوروں کے ساتھ بھی سیلفیاں بنواؤ گی...... دماغ خراب ہوگیا ہے لوگوں کا...... چلو اٹھا کر پھینکو یہ سب......‘‘ ریان کو سچ مچ ربانہ کی بات پر غصہ آگیا...... تب ہی صمد ربانی اور سعد ربانی وہاں آگئے۔

’’بڑے پاپا......! پلیز ریان سے کہیں کہ ہمیں جانوروں کو مہندی لگانے دیں...... اور یہ زیور بھی پہنانے دیں۔‘‘ موقع غنیمت جان کر ربانہ نے صمد ربانی سے مدد مانگی۔

’’ہاہاہا...... یہ کیا ہے بھئی......؟‘‘ دونوں بھائیوں کو بھی ہنسی آگئی۔

’’دیکھیں ناں پاپا...... چاچو، دونوں ضد کر رہی ہیں بیکار کی۔‘‘ ریان کا غصہ بدستور اسی طرح موجود تھا...... صمد ربانی کو دونوں لڑکیوں کی روتی شکل دیکھ کر ہنسی آگئی۔

’’ارے یار! جب بچیوں نے تیاری کر لی تو کرنے دو خوش ہونے دو ان کو۔‘‘ صمد ربانی نے اپنے بیٹے ریان کی طرف دیکھ کر ملائمت سے کہا...... ربانہ اور باصرہ کے چہرے کھل اٹھے۔

’’اوکے پاپا! مگر ان سے کہہ دیں کہ اگر ایک بھی پک فیس بک پر دیکھی ناں تو چھوڑوں گا نہیں دونوں کو۔‘‘ ریان نے ہار مانتے ہوئے لیکن انگلی اٹھا کر وارننگ دیتے ہوئے کہا۔

’’اوکے، اوکے...... نہیں لگائیں گے۔‘‘ باصرہ نے جلدی سے ہامی بھر لی...... دونوں بیٹھ کر مہندی میں لمبی سی ڈنڈی بھگو کر جانوروں کی پیٹھ پر ’’عید مبارک‘‘ لکھنے لگیں۔ تب ہی اچانک بچھڑے نے تیزی سے پینترا بدلا اور دونوں چیخ مار کر پیچھے ہٹیں۔

’’ہاہاہا...... ہاہا...... ہاہا......‘‘ ریان اور حوید دونوں کی بوکھلاہٹ پر زور سے ہنس کر ان کا مذاق اڑانے لگے...... ہنسی کی آواز پر وہ تیزی سے پلٹی مگر آس پاس کوئی نہ تھا...... نہ تین، تین خوب صورت جانور نہ مہندی کا تسلا نہ...... گھنگرو اور نہ گھنٹیاں...... حوید نہ ریان...... نہ وہ رونق، قہقہے...... بے تحاشا اداسی، ویرانی اور سناٹا...... ایسا گہرا سناٹا جو ماحول کے ساتھ، ساتھ اس کے اندر تک اتر گیا تھا۔ آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے...... ذہن گزرے واقعات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا...... دل بے حد اداس...... بہت افسردہ تھا...... وہ سوچ کر آئی تھی کہ مالی بابا کے ساتھ مل کر لان کی صفائی کرے گی مگر...... بے قراری اندر تک اتر آئی تھی۔ اس لیے گیراج کے ساتھ بنی دیوار کو نم، نم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اندر واپس جانے کو مڑی۔

رقیہ بیگم اپنے کمرے میں تھیں جبکہ انیسہ شاید کچن میں مصروف تھیں...... ربانہ سیدھی دادی کے کمرے میں آگئی۔

’’دادو......‘‘ آتے ہی اُن کی گود میں سر رکھ لیٹ گئی۔

’’کیا ہوا......؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں بچے......؟‘‘ انہوں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے پوچھا۔

’’دادو...... دادو...... آپ پاپا کو سمجھائیں ناں...... بڑے پاپا کو سمجھائیں...... ایسا کب تک چلے گا مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا...... پلیز دادو کچھ کریں......‘‘ ربانہ، دادی کا ہاتھ تھام کر ملتجی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی اور الفاظ میں لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی۔

”میں کیا کروں میرے بچے...... پتا نہیں دلوں میں اتنی کدورت کہاں سے آ گئی ہے...... پتھر ہو چکے ہیں سب کے سب...... ان کے آگے کچھ کہنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ میں خود تھک گئی ہوں یوں خود کو بانٹتے، بانٹتے......“ رقیہ بیگم کے لہجے میں چھپا کرب ان کے بوڑھے چہرے سے نمایاں تھا۔

”دادو، ریان بھی بہت پریشان ہے...... بڑے پاپا اور بڑی مما بھی اس کی ایک نہیں سن رہے...... کیسے والدین ہیں ہمارے دادو...... جن کو اپنی انا عزیز ہے۔“ ربانہ کے شکستہ لہجے پر رقیہ بیگم کا دل ڈوب گیا...... انہوں نے پوتی کو سینے سے لگا لیا۔

”دلوں میں اتنے فاصلے ہو چکے ہیں کہ شاید ان کو پاٹتے، پاٹتے ایک زمانہ لگ جائے......“ وہ ٹوٹے لہجے میں بولیں۔

”تجھے کہاں ملا تھا ریان......؟“

”میں چھت پر گئی تھی کل تو دو منٹ بات ہوئی تھی میری......“ ربانہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

”اُف اللہ......! یہ دن بھی دیکھنے تھے کہ بچوں کو دو منٹ کی بات کرنے کے لیے بھی ڈر اور خوف کا سامنا ہوگا۔“ رقیہ بیگم نے کہا تب ہی سعدیہ پھپو کی کال آ گئی اور انہوں نے کال ریسیو کرلی...... ربانہ دو منٹ وہیں بیٹھی رہی پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف آ گئی...... انیسہ بیگم اس وقت گروسری کی لسٹ تیار کر رہی تھیں...... رقیہ بیگم کال پر مصروف ہو گئیں ربانہ آ کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

حامد ربانی جدی، پشتی زمیندار اور کافی..... پیسے والے تھے...... زمینیں اور جائداد تھیں، کم پڑھے لکھے ضرور تھے لیکن سمجھدار اور عقلمند انسان تھے...... ان کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا مگر خود تو حاصل نہ کر سکے لیکن بچوں کو ضرور تعلیم دلوانا چاہتے تھے، اسی وجہ سے جب دو بیٹے صمد اور سعد کے بعد بیٹی سعدیہ آئی تو گاؤں کو خیر باد کہہ کر شہر میں رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ یوں تقریباً ساری زمینیں جائداد فروخت کر دی۔ وہ اکلوتے ...
اس لیے ترکے میں ملی جائداد صرف ان کی ہی تھی سو ...
مسئلہ درپیش نہ آیا۔ انہوں نے شہر کے اچھے علاقے ...
یہ سوچ کر ہزار گز کا پلاٹ لے کر اس پر تعمیر شرو...
کروادی کہ دونوں بیٹے ہمیشہ ساتھ، ساتھ رہیں اور ...
کی تنگی نہ ہو...... رقیہ بیگم کو شہر کے ماحول سے خوف ...
تھا مگر یہاں آ کر اُن کا خوف قدرے کم ہو گیا تھا۔ حا...
ربانی نے شہر میں چھوٹا سا ذاتی بزنس شروع کر دیا تھا ...
بچوں کو اچھے اسکول میں داخلہ دلایا اور احسن طر...
سے نئی جگہ پر نئے سرے سے زندگی شروع کی۔ وقت ...
کے ساتھ، ساتھ کاروباری امور بھی سمجھ میں آ گئے ...
ان کو اچھے اور ہمدرد لوگوں کا ساتھ بھی مل گیا۔ یو...
کاروبار آہستہ، آہستہ چمکتا چلا گیا...... صمد اور سعد ...
تعلیم مکمل کی، دونوں نے مارکیٹنگ میں ڈگری ...
سعدیہ انٹر میں تھی۔ صمد امتحانات سے فارغ ہو چکا ...
اور اب والد کے ساتھ کاروباری امور کو دیکھ رہا تھا ...
سعد کی پڑھائی کا آخری سال تھا وہ دل لگا کر پڑھا...
کر رہا تھا۔ اب رقیہ بیگم کے دل میں بیٹے کے سر...
سہرا دیکھنے کی خواہش نے سر ابھارا۔ یوں پڑوسن کی ...
سے اچھے خاندان کا انتخاب کیا اور رضوانہ بڑی بہ...
اپنی حیثیت سے ان کے گھر میں رونق بن کر آ گئی ...
ربانی کی شادی کے دوران لڑکی والوں کی طرف ...
پیش، پیش انیسہ، چھوٹے بیٹے سعد کو اچھی لگی تھ...
مایوں، مہندی سے لے کر ولیمے تک سعد ربانی نے ...
کو اپنی نظروں کے حصار میں رکھا۔ بھولی بھالی ...
سانولی سلونی سی نازک اور سوبر سی انیسہ کو وہ پسند کر...
تھا۔ لیکن ابھی یہ بات اپنے تک محدود رکھی تھا۔ مگر ...
نے انہیں ملانے کا انتظام کر دیا ہوا کچھ یوں کہ رضـ...
میکے گئی ہوئی تھی دو دن بعد انہیں واپس آنا تھی......
دن انہیں واپس آنا تھا اس روز صمد کو ضروری کام ...
کہیں جانا پڑ گیا۔ سو رضوانہ کو گھر لانے کی ذمے ...
سعد کو سونپ دی گئی۔

جہاں رضوانہ کے والدین نے سعد ربانی کی

آؤ بھگت کی اور کھانا کھا کر جانے پر اصرار کیا لیکن اس نے معذرت چاہی وہ جلدی واپس جانا چاہ رہا تھا۔ تب ہی انیسہ آ گئی، اچانک انیسہ کو سامنے دیکھ کر سعد کو خوشی اور حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

”ارے انیسہ تم اچانک کیسے آ گئیں؟“ رضوانہ اسے گلے لگاتے ہوئے بولی۔

”بس تمہاری یاد آ گئی، آنٹی سے بات ہوئی تھی تو ...ا چلا تم آئی ہوئی ہو تو ملنے آ گئی......“ انیسہ نے مسکراتے ...وئے کہا۔

”اوہ سوری سعد، یہ میری دوست انیسہ ہے اور ...یسہ یہ میرے اکلوتے لاڈلے دیور سعد ربانی......“ ...اپانک رضوانہ کو احساس ہوا تو جلدی سے دونوں کا ...عارف کرادیا۔

”السلام علیکم......!“ انیسہ نے مسکرا کر سلام کیا۔

”وعلیکم السلام......“ سعد ربانی نے گہری نظروں ...ے اسے دیکھا وائٹ ٹراؤزر اور آسمانی شیڈ ورک کی ...نگ شرٹ اور ٹائی اینڈ ڈائی وائٹ اور آسمانی چنری ...یں ہمیشہ کی طرح نکھری، نکھری لگ رہی تھی۔

”پاگل لڑکی! تم اتنی دیر سے آئی ہو اب تو ...جانے والی ہوں سعد مجھے لینے آیا ہے......“ رضوانہ ...انیسہ کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے شکوہ کیا۔

” اوہو میں تو سمجھی تھی ڈنر کر کے جانے والی ...“

”نہیں اصل میں سعد کو جلدی ہے۔“ رضوانہ ...نے بتایا۔

”ارے نہیں بھابی! کوئی پرابلم نہیں آپ کی ...آئی ہیں تو آپ تھوڑی دیر رک سکتی ہیں۔“ سعد ...بے ساختہ کہا، وہ خود چاہ رہا تھا کہ کچھ دیر رک ...اس لیے جھٹ سے فراخدلی دکھائی۔

”ہیں......؟“ رضوانہ نے قدرے حیرت سے ...کی طرف دیکھا۔

”اوہ...... تھینکس سعد صاحب...... کم از کم ہم ...تو ساتھ ہی پی سکتے ہیں۔“ انیسہ نے خوش دلی سے سعد کا شکریہ ادا کیا۔

”ویلکم مس...... اب میں اتنا سنگدل بھی نہیں کہ دو دوستوں کو آدھا گھنٹا بھی نہ دے سکوں......“ وہ جواباً بشاش لہجے میں بولا۔

”اچھا انیسہ، میں اماں کو چائے کا کہہ کر آتی ہوں، تم بیٹھو سعد کے ساتھ گپ شپ کرو، بس دو منٹ میں آتی ہوں۔“ رضوانہ گہری نظریں سعد ربانی کے چمکتے چہرے پر ڈالتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی...... پینتیس، چالیس منٹ کی ملاقات میں سعد نے انیسہ کو بہت گہری نظروں سے دیکھا...... وہ ہنس مکھ اور ملنسار لگ رہی تھی۔ وہ مکمل طور پر اس سے امپریس ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد انیسہ واپس چلی گئی۔ رضوانہ اور سعد بھی گھر والوں سے اجازت لے کر گاڑی میں آ بیٹھے۔

”بھابی یہ آپ کی کالج فرینڈ ہیں؟“ سعد ربانی نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں کالج میں تھی مگر یہ جونیئر ہے، مجھ سے چھوٹی مگر اچھی دوستی ہو چکی تھی ہم میں......“ رضوانہ نے تفصیل بتائی۔

”ویسے...... آپ کیوں یہ پوچھ رہے ہیں حضرت...... خیریت تو ہے ناں......؟“ رضوانہ نے آنکھیں گھما کر شرارت سے اپنے شوخ سے دیور کو دیکھا۔

”خیریت ہی ہے...... وہ...... ایسے ہی پوچھا“ سعد ربانی بوکھلا کر جلدی سے بولا۔

”ہم......“ رضوانہ نے ”ہم“ پر زور دیا۔

”تم اتنے بیزار بیٹھے تھے لیکن انیسہ کے آتے ہی تمہارے چہرے کی بیزاری ختم ہو چکی تھی۔ میرا اندازہ صحیح ہے ناں......؟“ رضوانہ فطرتاً کافی شارپ مائنڈ تھی۔

وہ بھابی کی بات پر بری طرح گڑبڑا گیا مگر...... بات تو کرنی ہی تھی سو بڑی بھاوج سے دل کی بات آخر کہہ ہی دی۔

”ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں بچو......“ شرارت سے کہا گیا۔

وہ جھینپ کر مسکرا دیا۔

☆☆☆

رضوانہ نے انیسہ کے حوالے سے ساس سے بات کی انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ نہ ہی حامد ربانی معترض تھے۔ وہ بچوں کے معاملے میں کھلے دل اور کھلے ذہن سے سوچتے۔ ویسے بھی والدین اولاد کے لیے کبھی غلط سوچ سکتے ہیں، نہ غلط فیصلے کرتے ہیں لیکن...... شادی ایک ایسا معاملہ ہے کہ اس میں اگر بچوں کی ذاتی پسند اور مرضی کو ترجیح دی جائے تو زیادہ اچھی بات ہے جو شرعاً بھی جائز ہے...... ہاں والدین اپنے تجربے، مشاہدے اور حالات کو دیکھتے ہوئے صحیح، غلط کی نشان دہی ضرور کریں لیکن سراسر اپنی مرضی کا تسلط اور انا کا مسئلہ بنا کر زبردستی کرنا درست نہیں...... سو یوں والدین کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ رضوانہ بھی خوش تھی کہ اپنی دوست ہی دیورانی بن جائے اس کے لیے اطمینان کا باعث تھا۔ ایک دوسرے کی نیچر کو سمجھتی تھیں۔

رضوانہ کی والدہ کو جب یہ علم ہوا کہ سعد ربانی بذات خود اور اس کے گھر والے انیسہ کو اپنے گھر کے لیے پسند کر چکے ہیں تو انہوں نے یہ سن کر کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''کیا ہوا اماں......؟ آپ کو یہ سن کر خوشی نہیں ہوئی، اچھی بات ہے ناں کہ ہم دوستیں ساری زندگی ساتھ، ساتھ رہیں گی...... مجھے تو یہ سب سوچ کر ہی بہت خوشی ہو رہی ہے۔''

''پاگل ہو تم بالکل......'' زمرد بیگم نے بیٹی کی بات کاٹ کر قدرے تیکھے لہجے میں کہا۔

''ہائیں...... کیوں اماں، کیا ہوا......؟'' اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ارے پاگل سہیلی کو کبھی رشتے دار نہ بنانا...... جب سہیلی بھابی، دیورانی یا جیٹھانی بن جاتی ہے ناں تو تیور ہی بدل جاتے ہیں۔''

''ارے اماں، ایسا نہیں ہوگا...... آپ فکر نہیں کریں......'' رضوانہ ماں کی بات پر ہنس کر جلدی سے بولی۔

''دیکھو میں بھگت چکی ہوں...... تجھے اندازہ نہیں کہ تیری ممانی نے ساری زندگی ہم سے کیا بیر رکھا میرے بھائی کو کیسے منحرف کر دیا...... وہی بھائی جس صبح میری سلام دعا کے بغیر نہیں ہوتی تھی اب پلٹ کر نہیں پوچھتا...... اور وہ میری سہیلی جو دن مجھ پر واری صدقے ہوتی تھی، میرے بغیر ایک نوالہ توڑتی تھی...... میرے مشورے کے بغیر ایک رومال نہیں خریدتی تھی، کیسے گرگٹ کی طرح رنگ بدل بیٹھ گئی۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھیں۔ ''ارے پاگل جب دوستی، رشتے داری میں بدل جائے تو رشتوں دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور دوستی، محبت اور ایک دوسرے پر جان دینے والا مقدس اور پاکیزہ رشتہ کہیں جا کر ہو جاتا ہے اور صرف اور صرف نیا بنایا جانے والا رشتہ مکمل طور پر حاوی ہو جاتا ہے۔ میری مانو تو کسی طرح سے کسی بھی بہانے منع کر دو بلکہ...... اپنی سسرال والوں سے کہہ دو کہ انیسہ کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔ بس یہ بات یہیں پر ختم کر دو، بھلے سے کہیں باہر سے کسی لڑکی کو کر لیں مگر انیسہ کی بات یہیں پر دفن کر دو......'' زمرد بیگم نے لمبی چوڑی بات میں اپنا دکھڑا بیان کیا۔

''مگر اماں! اب یہ ناممکن ہے۔'' رضوانہ پوری توجہ اور انہماک سے اماں کی باتیں سن رہی تھی...... سوکھے لبوں پر زبان پھیر کر منمنائی۔

''کیوں......؟ کیوں ممکن نہیں......؟ کون سا رشتہ چلا گیا انیسہ کے گھر...... ابھی تو گھر میں ہی بات ہوئی ہے ناں......'' زمرد بیگم نے اپنی آنکھیں رضوانہ کے مرجھائے چہرے پر جمائیں۔

''دراصل سعد اور انیسہ نے اس روز ایک دوسرے کا کانٹیکٹ نمبر لے لیا تھا اور...... وہ لوگ آپس میں بات کر چکے ہیں...... انیسہ کی رضامندی بھی شامل ہے اس میں۔'' اس نے مرے، مرے لہجے میں آہستگی سے کہا۔

''اوہو......! اب کیا کر سکتے ہیں...... تم بھی بے وقوف ہو...... اب بھگتنا ساری عمر خود ہی......'' زمرد بیگم نے جھنجلا کر کہا۔

''اماں ایسے تو نہ بولیں! ضروری نہیں کہ سارے ایک جیسے ہوں...... آپ نے تو میری خوشیوں کو ماند کر دیا...... میں تو بہت خوش، خوشی یہ سب کرنے جا رہی تھی مگر......؟'' رضوانہ جو واقعی بہت خوش تھی اماں کی باتوں سے دل ایک دم سے ہی مردہ ہو گیا تھا۔ اماں بات ہمیشہ پتے کی کرتی تھیں۔ واقعی افشاں ممانی نے ساری زندگی اماں اور ان لوگوں سے بیر رکھا تھا۔ وہ بھی اماں کی سہیلی تھیں۔

''یا اللہ پاک میری بیٹی پر رحم کرنا.... اسے صبر اور ہمت عطا کرنا۔'' زمرد بیگم نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

''آمین ثم آمین......'' رضوانہ دھیمی آواز میں بولی۔

انیسہ نے گریجویشن کے بعد اپنے ہی اسکول میں جاب کر لی تھی...... فیملی میں والدین اور ایک چھوٹا بھائی تھا۔ والد اور والدہ مل کر اسکول چلاتے تھے اور بھائی ابھی پڑھ رہا تھا۔ مالی لحاظ سے بہت مستحکم نہ سہی مگر کم بھی نہیں تھے۔ اس کے والدین کو سعد ربانی کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا...... سعد کی پڑھائی کا آخری سال تھا بس امتحان کے بعد اس نے بھی باپ اور بڑے بھائی کے ساتھ کاروبار سنبھالنا تھا۔ اِدھر سعدیہ کے لیے دو تین پروپوزل آئے ہوئے تھے ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ سعدیہ اور سعد کی شادی ایک ساتھ کر دی جائے اس کے لیے ڈیڑھ دو سال کا ٹائم تھا۔ سو اس طرح سعد اور انیسہ کا رشتہ طے ہو گیا۔ اور سعدیہ کے لیے بھی آئے ہوئے رشتوں میں سے تیمور کا رشتہ پسند کر لیا گیا۔ گو رضوانہ، انیسہ کے رشتے سے بظاہر خوش نظر آ رہی تھی مگر اماں کی باتوں سے دل میں بال ضرور آ گیا تھا۔

اِدھر سعد ربانی بہت خوش تھا۔ انیسہ کو پسند کیا اور اب وہ اس کے نام سے منسوب ہو چکی تھی۔

حامد ربانی کی طبیعت آج کل خراب رہنے لگی تھی۔ بی پی اکثر شوٹ کر جاتا۔ دونوں بیٹے شہر کے سب سے اچھے ڈاکٹر سے باقاعدگی سے باپ کا چیک اپ کرواتے، دوا اور اسپتال لے جانے کا بے حد خیال رکھتے۔ اب حامد صاحب آفس بھی نہیں جاتے گھر پر رہ کر ہی بیٹوں کو مشورے دیتے اور سعد امتحانوں سے فارغ ہوا تو اس نے بھی آفس جانا شروع کر دیا...... سعد اور سعدیہ کی شادی کی تیاریاں بھی شروع ہو چکی تھیں۔ رضوانہ سب کچھ بے دلی سے کر رہی تھی۔ اماں کی بات ٹھا کر کے دل پر جا لگی تھی۔

اس روز رضوانہ صبح حسب معمول سو کر اٹھی تو چکر سے آ گئے۔ صمد پریشان ہو کر ماں کے کمرے میں آ گیا، رقیہ بیگم بھاگی، بھاگی بہو کے پاس آئیں، وہ واش روم میں تھی۔ قے پر قے ہو رہی تھی۔

''ارے پگلے! پریشان ہونے کی بات نہیں، ماشاء اللہ سے یہ میرے دادی بننے کی نشانیاں ہیں۔'' رقیہ بیگم نے بہو کے نڈھال چہرے کی طرف بغور دیکھ کر خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔

''سچ اماں!'' صمد نے حیرت اور خوشی سے ماں کی طرف دیکھا۔

''تو اور کیا پگلے......''

''آج رضوانہ کو اسپتال لے کر چلیں گے، تم آفس دیر سے چلے جانا۔'' رقیہ بیگم نے بہو کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔ اماں کی بات سن کر رضوانہ کا چہرہ بھی کھل اٹھا تھا۔ صمد نے پیار سے بیوی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ تھی۔ رقیہ بیگم مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں تاکہ یہ خوشخبری جا کر حامد ربانی کو بھی سنا سکیں۔ گھر کے سب لوگ ہی بہت خوش تھے، سب کے لیے یہ بات بہت خوشگوار تھی کہ سعدیہ کے بعد اس گھر میں ننھا منا مہمان آنے والا ہے۔

رقیہ بیگم اپنے گھر آنے والے ننھے مہمان کے استقبال کی تیاریاں بھی کرنے لگیں۔ سعدیہ بھی جب بازار جاتی کوئی نہ کوئی ننھی منی چیز لے آتی۔ ننھے بابا سوٹس، بے بی فراکس، کھلونے، جوتے، گرم کپڑے، بستر...... ڈھیر ساری چیزیں جمع ہوتی رہیں، اللہ، اللہ کر

کے ٹائم پورا ہوا اور رضوانہ کی ڈلیوری کا وقت قریب آ گیا......ان دنوں رقیہ بیگم، بہو کا مزید خیال رکھنے لگی تھیں۔سائے کی طرح اس کے ساتھ، ساتھ تھیں، اونچ نیچ اور احتیاط سے گاہے بہ گاہے آگاہ کرتی رہتیں۔کسی وقت بھی اسپتال جانے کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔اور اللہ کے فضل سے رضوانہ ایک پیارے سے بچے کی ماں بن گئی۔ننھے منے کی پہلی آواز نے جیسے باہر کھڑے سوکھے دھانوں پر پانی ڈال دیا تھا۔رضوانہ کی حالت کافی خراب تھی اس لیے سب لوگ بے حد پریشان اور اسپتال کے کاریڈور میں اس کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے اور جب ڈاکٹر نے بیٹے کی نوید سنائی ساتھ ہی یہ کہا ماشاءاللہ زچہ، بچہ دونوں بہ خیریت ہیں تو رقیہ بیگم اور زمرد بیگم کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے......حامد ربانی جو نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ بہو کی سلامتی اور پہلے، پہلے پوتے کی آمد کی دعائیں کررہے تھے۔اتنی بڑی خوشی برداشت نہ کرسکے اور خوشی کے مارے جو دل دھڑکا تو دھڑک کر رکنے لگا......صمد جو خوشی سے بے قابو ہو کر والد کی سمت بڑھا تھا اُن کے چہرے پر اچانک نمودار ہونے والی اذیت اور کرب دیکھ کر بری طرح چونکا......حامد ربانی سینے پر ہاتھ رکھے آگے کی سمت جھکنے لگے۔

''ابا جان!'' سعد بھی تیزی سے ان کی طرف بھاگا۔دونوں بیٹوں نے ان کو سنبھالا......تکلیف کے باعث ان کے چہرے پر پسینہ آگیا تھا......آنکھیں پھیلنے لگیں......رقیہ بیگم دل پر ہاتھ رکھے کرسی پر سے اٹھ کر بھاگیں......سعدیہ، زمرد بیگم اور ان کے شوہر بھی ان کی طرف لپکے......حامد صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور بہت سیریس حالت تھی۔دونوں بیٹے انہیں اسٹریچر پر ڈال کر کارڈیو وارڈ میں بھاگے تھے، پیچھے رقیہ بیگم اور سعدیہ بھی دوڑ پڑیں ایک لمحے کے لیے سب لوگ رضوانہ کو بھول چکے تھے، اس وقت ایسی سچویشن تھی کہ ڈاکٹرز اُن کی حالت دیکھ کر ناامید تھے۔سعدیہ اور رقیہ بیگم کا رو، رو کر برا حال تھا......ادھر رضوانہ کے پاس اس کے والدین تھے اس کی حالت اب ٹھیک تھی وہ روم میں شفٹ ہوچکی تھی۔بچہ بھی ماشاءاللہ صحت مند تھا، لیڈی ڈاکٹر زچہ، بچہ کی حالت سے مطمئن تھیں۔

پہلے رضوانہ کی حالت کا سن کر اور پھر پوتے کی خبر کا سن کر حامد ربانی نے دل پر اثر لے لیا تھا۔

چار گھنٹے کے طویل اور تکلیف دہ انتظار کے بعد جب ڈاکٹر نے حامد ربانی کی موت کی اندوہ ناک خبر سنائی تو رقیہ بیگم تو تیورا کر گر پڑیں۔سعدیہ پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی......صمد اور سعد پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا یہ سب کچھ اچانک کیسے ہوگیا تھا اتنی بڑی خوشی کے ساتھ اللہ پاک نے جھولی میں اتنا بڑا اور ناقابل برداشت دکھ ڈال دیا تھا۔باپ کا شفیق سایہ ان کے سروں سے چھن چکا تھا۔وہ آج بھی ابا جان کے مشوروں اور حکمت عملی سے گھریلو اور کاروباری امور چلاتے تھے۔یوں اچانک بنا کچھ کہے وہ یوں چھوڑ کر چلے جائیں گے یہ تو وہم گمان میں بھی نہیں تھا......رقیہ بیگم ہوش میں آئیں دونوں بیٹوں اور بیٹی کو بازوؤں میں بھینچ کر تڑپ، تڑپ کر رو دیں۔حامد ربانی کا گھنا سایہ ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے جدا ہوچکا تھا۔سعدیہ بھائیوں سے لپٹ کر بری طرح رو رہی تھی۔گھر کی چھت ہی گویا گر گئی تھی۔لگتا تھا وہ سب لق و دق صحرا میں کھڑے ہوں، نئے سرے سے سنبھلنا اور زندگی کو پرانی ڈگر پر لانا ناممکن سا لگ رہا تھا۔ہر سو اجڑی، اجڑی اور ہر راستہ ویران نظر آرہا تھا۔چاروں جانب گھپ اندھیرا......جیسے حامد ربانی روشنی کا مینار ہوں......اور جاتے، جاتے ساری روشنیاں اپنے ساتھ لے گئے۔

تیسرے دن رضوانہ ننھے ریان ربانی کے ساتھ اسپتال سے گھر آئی تو گھر میں حامد صاحب کی رسم قل تھی۔اتنے ارمان، چاؤ اور اتنے پروگرام سب کے سب کر رضوانہ اور نومولود کے حوالے سے بنائے گئے تھے، دھرے کے دھرے رہ گئے۔رضوانہ بھی بہت دل گرفتہ تھی۔رضوانہ کے سسر اس کا بہت خیال رکھتے تھے خواہش تھی پوتا، پوتی کو کھلانے کی مگر......وہ یہ خواہش

میں لیے سب کو روتا چھوڑ کر ابدی سفر پر روانہ ہوچکے تھے۔رقیہ بیگم بالکل چپ ہو کر رہ گئی تھیں۔برسا برس کا ساتھ ایک لمحے میں چھوٹ چکا تھا۔یہی مشیت ایزدی تھی۔دکھ چاہے کتنا ہی شدید ہو، وقت کے ساتھ، ساتھ گہرے سے گہرا زخم بھی بھرنے لگتا ہے۔اسی طرح انسانی رشتے چاہے کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو، دل کے کتنے ہی قریب کیوں نہ ہوں......جب اللہ کی رضا سے بچھڑ جاتے ہیں تو اس وقت لگتا ہے جیسے ہم جی ہی نہیں پائیں گے۔لیکن گزرتا وقت زخموں کا سب سے بہترین مرہم ہے......کبھی جلد تو کبھی دیر سے مگر زخم ضرور بھر دیتا ہے سو......حامد ربانی کی موت کا صدمہ اور اذیت بھی دھیرے، دھیرے کم ہونے لگی تھی۔اور آہستہ، آہستہ ''رقیہ پیلس'' کے رہنے والے بھی نارمل ہوتے چلے گئے۔

ننھا ریان باپ، دادی، ماں، چچا اور پھپھو کی بے شمار محبتوں کے سائے میں پل رہا تھا۔سعدیہ پیپرز دے چکی تھی اُدھر انیسہ کے گھر والوں نے بھی شادی کے لیے کہنا شروع کردیا تھا۔سو دونوں کی شادی کی تیاریاں جو شروع تو کافی پہلے سے ہوچکی تھیں دوبارہ سے ان میں تیزی آگئی۔رقیہ بیگم کو قدم، قدم پر شوہر کی شدت سے یاد آتی مگر وہ ہمت اور صبر کے ساتھ خود پر قابو کیے رکھتیں۔مبادا بچوں کے دل برے ہوں، اب انہیں ہی باپ کی طرح بچوں کے سر پر ہاتھ رکھنا تھا تاکہ تینوں بچے جو آج بھی ہر کام ان کے مشورے سے کرتے تھے، وہ لوگ اپنی ہمت نہ توڑ بیٹھیں۔

رضوانہ اگرچہ نند کی شادی سے بہت خوش تھی مگر جیسے، جیسے شادی کے دن قریب آرہے تھے انیسہ کا سوچ کر خواہ مخواہ ہی وہ واہموں کا شکار ہورہی تھی۔اسے یہ لگتا کہ انیسہ اس کے مقابلے میں صورت شکل میں زیادہ اچھی ہے، زیادہ پڑھی لکھی ہے (کیونکہ اس نے پڑھائی جاری رکھی تھی۔جبکہ رضوانہ نے درمیان میں چھوڑ دی تھی) لیکن وہ اپنی حکمت عملی اور چالاکی سے گھر والوں کا دل نہ جیت لے......؟ کہیں مجھ سے زیادہ گھر میں اس کی اہمیت نہ ہوجائے...... انہی خدشات اور واہموں کو لے کر وہ انیسہ کی طرف سے بد دل ہوچکی تھی اور باقی کسر زمرد بیگم پوری کردیتیں جو وقتاً فوقتاً اپنے ماہرانہ اور فسادانہ مشوروں سے نوازتی رہتیں۔دراصل وہ خود بھی فطرتاً شاکی عورت تھیں۔دل و دماغ میں منفی سوچیں پال رکھی تھیں اور وہی بیٹیوں میں منتقل کرتی رہتیں۔انیسہ شادی کے حوالے سے جب بھی رضوانہ سے کوئی مشورہ کرتی، کوئی بات پوچھتی رضوانہ ہمیشہ بے تکا جواب دیتی، کبھی اس کی بات اگنور کردیتی، کبھی صاف کہہ دیتی کہ میں اس وقت لڑکے والی ہوں اور یاد رکھنا تمہاری جیٹھانی ہوں......بات تو بظاہر مذاق میں کہتی مگر......حقیقت میں یہ اس کے دل کی آواز ہوتی......انیسہ زور سے ہنس دیتی......

''اچھا جی جیٹھانی صاحبہ ابھی سے یہ حال ہے آپ کا۔''

''ہاں بالکل۔'' رضوانہ کہتی تو انیسہ ہنس دیتی۔

☆☆☆

آفس دونوں بیٹوں نے مل کر سنبھال لیا تھا...... اسٹاف بھی اچھا تھا کچھ تجربہ بھی کام آرہا تھا اس لیے کام اچھی طرح چل رہا تھا۔رقیہ بیگم بھی مطمئن تھیں۔

سعد ربانی کی شادی دھوم دھام سے ہوئی اور انیسہ دلہن بن کر رقیہ پیلس میں آگئی۔

مختلف رسومات کے بعد انیسہ کو کمرے میں پہنچا دیا گیا۔دوسرے دن سعدیہ کی بارات اور سعد ربانی کا ولیمہ تھا اس لیے ابھی کافی ساری تیاریاں کرنی تھیں سو صمد ماں کے کمرے میں آ بیٹھے تاکہ کل کے حوالے سے فائنل باتیں طے کرلی جائیں۔رقیہ بیگم، بیٹی کی رخصتی کا سوچ کر خاصی افسردہ تھیں۔ایک ہی بیٹی تھی، وہ بھی سیدھی سادی اور فطرتاً معصوم تھی۔

''اللہ پاک میری بچی کو اپنے گھر میں شاد و آباد اور خوش رکھے۔'' وہ دل سے یہی دعا مانگ رہی تھیں۔

بیٹیوں کی ماؤں کو ہر وقت بیٹیوں کے بارے میں کوئی نہ کوئی دھڑکا کوئی نہ کوئی ٹینشن ہی رہتی ہے۔رشتہ طے نہ ہونے کی فکر، رشتہ طے ہوجانے پر شادی کے

اخراجات کی فکر، شادی قریب ہو تو بیٹی کے مستقبل کی فکر...... بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں مگر نصیب سب کے الگ، الگ......کوئی سسرال میں راج کرتی ہے تو کوئی سسرال میں رُلتی ہے، کسی کو سسرال میں اس کے کیے کی پوری، پوری داد و تحسین نصیب ہوتی ہے تو کوئی سالہا سال صرف ایک تعریفی جملے کی خواہش میں اپنا آپ مٹی کر دیتی ہے۔ کسی کی جھولی میں خوشیاں برستی ہیں تو کسی کی جھولی صرف دکھ اور آنسو سے بھری رہتی ہے......بس اللہ پاک ہر بیٹی کو اچھا نصیب عطا کرے، وہ اپنے، اپنے گھروں میں خوش رہیں، یہی خواہش ہر ماں کی ہوتی ہے، روپیہ، پیسہ اور بے تحاشا دولت بھی نصیب نہیں خرید سکتی......اگر ایسا ہوتا تو ہر امیر لڑکی اپنی مرضی کی زندگی گزار رہی ہوتی، دولت آسائشات تو دے سکتی ہے مگر قسمت صرف رب ہی بناتا ہے۔

سعدیہ بھی اب کی دعاؤں میں رخصت ہوگئی۔ تیمور سلجھا ہوا اور شریف لڑکا تھا، دونوں بھائیوں نے لاڈلی بہن کی شادی پر دل کھول کر ارمان نکالے...... اکلوتی بہن تھی اور وہ بھی یتیم تو ہو چکی تھی لیکن بھائیوں نے کہیں بھی کسی بھی موقع پر باپ کی کمی محسوس ہونے نہیں دی۔ یوں خوب دھوم دھام سے اس کی رخصتی ہوئی۔ رقیہ بیگم نے رخصتی میں اس کے ساتھ ڈھیروں ڈھیر نصیحتیں پلو میں باندھی تھیں۔ اور سعدیہ نے اماں کی ساری باتیں اچھی طرح ذہن نشین کر لی تھیں۔

شادی کے ہنگامے ٹھنڈے پڑے، بھائیوں نے پھر سے مکمل توجہ آفس پر دینی شروع کر دی۔ سعدیہ اپنے گھر میں بہت خوش تھی۔ تیمور اور اس کے سسرال والے بہت اچھے لوگ تھے اور سعدیہ نے ہفتے بھر میں ہی ان سب کے دل جیت لیے تھے۔ سعدیہ کو خوش باش اور مسکراتا دیکھ کر رقیہ بیگم خدا کا شکر ادا کرتیں کہ بیٹی سسرال میں خوش اور مطمئن ہے، رقیہ بیگم کو گھر کا کام خود کرنے کی عادت تھی۔ ان کو نوکروں کے کام پسند نہیں آتے مگر وقت کے ساتھ، ساتھ وہ کام کے قابل نہ رہیں پھر رضوانہ کی شادی کے بعد ریان کی پیدائش کے وقت ملازمہ رکھنی پڑی...... جو اوپر کے کافی سارے کام کر دیتی تھی۔ کھانا رضوانہ ہی بناتی تھی۔

☆☆☆

چھٹی کا دن تھا، سعد کی شادی کو دس دن ہو چکے تھے۔ گرمیوں کی خوشگوار شام تھی۔ حامد ربانی کی زندگی سے ہی شام کی چائے سب لوگ اکٹھے اور لان میں ہی پیا کرتے تھے۔ اس روز بھی سب لان میں بیٹھے تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا انیسہ نے زبردستی کچن میں گھس کر پکوڑے اور کچوریاں بنائی تھیں۔ سب لوگ مزے لے، لے کر کھا رہے تھے ساتھ میں باتیں بھی چل رہی تھیں۔

”ارے واہ......مزہ آ گیا انیسہ بڑے مزے دار پکوڑے ہیں۔“ صمد ربانی نے پکوڑا منہ میں رکھتے ہی کھل کر تعریف کر ڈالی۔

”شکریہ بھائی۔“ انیسہ مسکرائی۔

رضوانہ کا منہ انیسہ کی تعریف پر تھوڑا سا بن گیا تھا۔

”ارے یار......سعد میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم لوگ کہیں گھوم پھر آؤ یعنی ہنی مون ٹور......“ صمد ربانی نے سعد کو مخاطب کیا رضوانہ کے چہرے کا رنگ ایک دم ہی بدل گیا۔

”نہیں بھائی......کاروبار متاثر ہوگا......ضروری نہیں کہ ٹور ہو اور انیسہ کو بھی خاص شوق نہیں ہے گھومنے پھرنے کا اسے گھر میں رہنا زیادہ پسند ہے۔“ سعد نے چائے کا گھونٹ لے کر کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”ارے بھئی یہی وقت ہوتا ہے انجوائے کرنے کا رہی بات کاروبار کی تو وہ سب دیکھنے کے لیے میں ہوں ناں۔“ صمد نے کہا۔

”ہمارے وقت میں بھی تو کاروبار ہی آڑے آیا تھا ناں......پھر اب کاروبار کیسے چلے گا......“ رضوانہ جو کافی دیر سے کہنا چاہ رہی تھی آخر جل کر بولی اس کے تیکھے انداز پر انیسہ کے ساتھ رقیہ بیگم نے چونک کر دیکھا۔

”بھئی جب اسٹاف اتنا قابلِ بھروسا نہیں تھا۔“ صمد نے ملائمت سے بیوی کی جانب دیکھا۔ جس کا چہرہ بدستور سپاٹ تھا۔

”نہیں بھائی، میں گھر میں رہنا چاہتی ہوں آپ سب لوگوں کے درمیان......اماں کے ساتھ......مجھے کہیں نہیں جانا......مجھے گھومنے پھرنے کا زیادہ شوق نہیں......“ انیسہ نے رضوانہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

”اچھا چلو جیسے تم لوگوں کی مرضی۔“ صمد ربانی نے کہا اور بیوی کی طرف دیکھا اسے بیوی کا رویہ اور انداز بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا مگر وہ خاموش ہی رہا کچھ دیر بعد مغرب کی اذان ہوگئی اور سب لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔

☆☆☆

انیسہ نے گھر کے کام کاج میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اب رضوانہ خود بھی کام سے بچنے کا بہانہ ڈھونڈنے لگی تھی......”ریان کو سلانا ہے، اس کی بھوک کا ٹائم ہے، ریان کی مالش کرنی ہے۔“ مختلف حیلوں بہانوں سے وہ کام کی ذمّے داری دیورانی پر ڈال کر بری الذمہ ہو جاتی اور وہ خوشی، خوشی سارے کام انجام دیتی۔ اسے کام سے کوئی پرابلم نہیں تھی۔ ساتھ، ساتھ وہ ساس کا بھی بھرپور خیال رکھتی، گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر رضوانہ تو کمرے میں چلی جاتی مگر انیسہ، ان کے پاس آ بیٹھتی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی کبھی پرانے واقعات سنتی تو کبھی سسر کے بارے میں سوالات کرتی......رقیہ بیگم کو اچھا لگتا تھا انیسہ کے ساتھ باتیں کر کے، تھوڑا بہت دن میں تنہائی کا احساس ہوتا یا سعدیہ کی یاد آتی تو انیسہ کے آ جانے سے اس میں بھی کافی حد تک کمی ہوئی تھی۔ یہ بات بھی رضوانہ کو کھلنے لگی تھی۔ اس کے خیال میں اماں کی زیادہ توجہ انیسہ پر ہونے لگی تھی۔ جس کا دبے لفظوں میں شوہر کے سامنے وہ اظہار بھی کر چکی تھی۔ جس کا صمد ربانی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

اس روز رضوانہ کمرے سے باہر آئی تو خلافِ توقع رقیہ بیگم کو اکیلے برآمدے میں بیٹھے دیکھا۔

”میں تمہیں جگانے والی تھی۔ عصر کا وقت ہونے والا ہے چائے بنا دو......“

”کیوں، انیسہ نے نہیں بنائی چائے۔“

”آج اس کی آنکھ لگ گئی ہے ویسے تو وہ سوتی نہیں ہے اس لیے میں نے نہیں جگایا اسے۔“ رقیہ بیگم نے وضاحت دی۔

”واہ اماں......! وہ سوئی تو آپ جگانے سے ہچکچا رہی ہیں اور آپ مجھے جگانے والی تھیں......اماں آپ یہ ٹھیک نہیں کر رہیں...... جب سے انیسہ گھر میں آئی ہے، آپ کا رویہ میرے ساتھ بدل چکا ہے۔” نئے آئے پرانے دور......“ آپ اس مقولے پر خوب عمل کر رہی ہیں اماں، اس کے آنے سے پہلے میں ہی آپ کے ساتھ، ساتھ رہتی تھی یہ آپ بھول رہی ہیں شاید۔“ اس کی بات پر رقیہ بیگم نے آنکھیں پھیلا کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”یہ کیا کہہ رہی ہو رضوانہ......؟ ایسا کچھ بھی نہیں ہے، تم بچے میں مصروف رہتی ہو......دن میں آرام بھی کرتی ہو، اس لیے اس کا زیادہ وقت میرے ساتھ گزرتا ہے، ورنہ میری نظر میں تم ہمیشہ بڑی بہو رہو گی......پھر تمہاری اہمیت اپنی جگہ......اس کی اپنی جگہ......فضول خرافات کو دل میں جگہ مت دو......تم دونوں کو ساتھ رہنا ہے......اور مجھے تم دونوں کے ساتھ......اس لیے دل میں وسعت پیدا کرو آخر تم بڑی ہو تو دل بھی بڑا رکھو......“ رقیہ بیگم کو رضوانہ کی بات سے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا کتنی چھوٹی بات کر رہی تھی وہ......اسی لیے انہوں نے تھوڑے تیکھے انداز میں سرزنش کی۔

”دل بڑا تو ہے اللہ کا شکر ہے تب ہی اپنے ہاتھوں سے دلہن بنا کر لائی ہوں اسے......مگر یہ زیادتی برداشت نہیں کروں گی میں۔“ رضوانہ دو بدو بولی۔ اونچی آواز سن کر انیسہ جلدی سے کمرے سے باہر آئی۔ رضوانہ کے تیور دیکھ کر گھبرا گئی اور جلدی سے کچن کی طرف بھاگی۔ رقیہ بیگم خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ رضوانہ نے منہ بنا کر انیسہ کی طرف دیکھا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

سعدیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، وہ میکے آئی ہوئی تھی۔ خوشخبری تھی اور ڈاکٹر نے آرام کا مشورہ دیا تھا۔ انیسہ خوب آؤ بھگت کر رہی تھی۔ سعدیہ کے ساتھ اس کا رویّہ بالکل بہنوں جیسا تھا۔ رویّہ تو رضوانہ کے ساتھ بھی بہت اچھا تھا مگر رضوانہ تو خود ہی شا کی رہتی۔

شادی سے پہلے ہی جو اماں نے خدشات ظاہر کیے تھے رضوانہ خود ہی اس کے زیرِ اثر تھی جبکہ انیسہ کی طرف سے ایسا کچھ نہیں تھا۔ سعدیہ کا خیال رضوانہ بھی رکھتی، سعدیہ بھتیجے سے بہت پیار کرتی تھی۔ اب وہ پاؤں، پاؤں چلنے لگا تھا۔ سعد آفس سے آتے ہی اس کی طرف دوڑتا، سعد بھی بہت پیار کرتا تھا...... کبھی، کبھی سعدیہ کا شوہر تیمور بھی آجاتا تو رقیہ بیگم زبردستی کھانے پر روک لیتیں، گپ شپ اور خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا جاتا...... زندگی مخصوص رفتار سے گزر رہی تھی۔ ایک ماہ رہ کر سعدیہ واپس لوٹ گئی۔ رقیہ بیگم نواسے کی آمد پر بھی بہت خوش تھیں اور تیاریاں کر رہی تھیں۔ آخر کار وہ وقت بھی آ گیا جب سعدیہ بھی ماں بن گئی اور اس کی گود میں بھی گل تھوتنا سا بیٹا آ گیا۔ انیسہ کے یہاں ابھی تک خوشخبری نہیں تھی۔ مگر رقیہ بیگم اس بات پر ہمیشہ انیسہ کو تسلی دیتیں۔

''اللہ پاک نے ہر کام کے لیے وقت مقرر کیا ہوا ہے ابھی تمہارے نصیب میں اولاد کی آمد نہیں لکھی۔ لیکن انشاء اللہ بہت جلد اللہ پاک تمہیں بھی بہت بڑی خوشی دے گا ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے بھلا دو سال بھی کوئی وقت ہوتا ہے۔ بس اللہ پاک سے بہتری کی دعا مانگتی رہو......'' انیسہ جو کبھی، کبھی افسردہ ہوتی تو رقیہ بیگم پیار سے اسے سمجھاتیں وہ مسکرا دیتی۔ وقت کے ساتھ، ساتھ رضوانہ کے دل میں انیسہ کی طرف سے واہمے پختہ ہوتے گئے حالانکہ انیسہ حتی الامکان دوستانہ ماحول بنانے کی کوشش کرتی۔

اس روز بھی دونوں عید کے حوالے سے آئے ہوئے سوٹوں میں سے پسند کر رہی تھیں۔ رقیہ بیگم ہر سال گھر پر ہی ڈھیر سارے جوڑے منگوا لیتیں اور وہ گھر بیٹھے پسند کر لیتیں۔ انیسہ کی شادی کے بعد دوسری عید تھی رقیہ بیگم کے کمرے میں تینوں جمع تھے اور کپڑے پسند کر رہے تھے۔

''یہ والے دو میں لے لوں گی۔'' انیسہ نے دو سوٹوں پر ہاتھ رکھا۔

''اوہ...... یہ گرے والا تو میں لینے والی تھی۔'' رضوانہ نے انیسہ کے پسند کیے گئے سوٹ کی جانب اشارہ کیا۔

''ارے کوئی بات نہیں...... آپ لے لو......'' انیسہ نے بے ساختہ بے تکلفی سے کہا تو رضوانہ کے ہاتھ آگے بڑھتے، بڑھتے رک گئے' اس نے ترچھی نظروں سے انیسہ کی طرف دیکھا اور قدرے بیزار اور چبھتے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''انیسہ! یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا......؟ کوئی ادب لحاظ ہے کہ نہیں تمہیں؟'' رضوانہ کی بات پر انیسہ گڑبڑا گئی۔

''اوہو! آئی ایم سوری...... آپ کو برا لگا دراصل آپ میری دوست......؟''

''دوست ......؟ دوست نہیں اب...... ہمارے درمیان دوستی والا رشتہ نہیں ہے بلکہ میرا تمہارا جیٹھانی اور دیورانی کا رشتہ ہے اس لیے آئندہ مجھے مخاطب کرتے ہوئے اس بات کا خاص دھیان رکھنا کہ میں تمہاری ہم عمر دوست نہیں ہوں بلکہ تمہاری جیٹھانی ہوں، آئی سمجھ۔'' رضوانہ نے انتہائی روکھے لہجے میں آنکھیں نکال کر تنبیہ کی۔

''جی...... آئی ایم سوری آئندہ خیال رکھوں گی بھابی......'' انیسہ کو رضوانہ کی بات سے شدید دھچکا لگا تھا اب تک رضوانہ طنزیہ باتیں کرتی الٹی سیدھی باتیں کر دیتی مگر آج انیسہ کو صحیح معنوں میں اس کی بات اور لب و لہجے سے دکھ پہنچا تھا۔ اسے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ رضوانہ اس کے اور اپنے رشتے پر بالکل بھی خوش نہیں...... نہ جانے کیوں ہر بات کو نیکیو انداز میں سوچنے لگی ہے۔ اس رشتے کو بنانے میں دوستی داؤ پر لگ

دی تھی جس کا انیسہ کو افسوس تھا۔ رقیہ بیگم کو بھی بڑی بہو کا انداز اور تیکھے جملے سن کر دکھ ہوا تھا۔ وہ کبھی، کبھی بالکل چھوٹی سوچ والی بات کر جاتی تھی جبکہ اس کے مقابلے میں انیسہ سمجھدار اور معاملہ فہم تھی۔ رقیہ بیگم، رضوانہ کی بدلتی کیفیت اچھی طرح محسوس کرنے لگی تھیں۔ وہ اکثر و بیشتر انیسہ کی بے عزتی کر دیتی۔ مگر انیسہ ضبط اور درگزر سے کام لیتی۔ اس پر کوئی ردِعمل نہیں دکھاتی یہی اس کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت تھا۔ البتہ دونوں بھائی ایک دوسرے کے ساتھ بے حد مخلص تھے۔ ان کی محبت مثالی تھی۔ رقیہ بیگم نہیں چاہتی تھیں کہ مرد گھریلو معاملات میں دخل دیں یا گھریلو حالات کا غلط تاثر ان دونوں پر پڑے دونوں پہلے ہی کاروباری مسائل میں الجھے رہتے۔

☆☆☆

وقت کا پہیا چلتا رہا، دن، ماہ اور سال...... گزرتے رہے، گزرتے وقت کے ساتھ، ساتھ رضوانہ کا ایک بیٹا ریان اور بیٹی باصرہ، انیسہ کی ایک بیٹی ربانہ اور سعدیہ کا ایک بیٹا حوید تھا۔ سب سے بڑا ریان پھر حوید باصرہ اور ربانہ میں کچھ ماہ کا فرق تھا۔ بڑا سا گھر' بڑے سے لان میں سارے بچے مل جل کر کھیلتے ۔ سعدیہ کا بیٹا بھی آجاتا تو خوب رونق لگ جاتی...... سارے بچے ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ ایک ساتھ ہی ٹیوشن پڑھتے، ٹیوٹر گھر آتا تو سعدیہ کا حوید بھی آجاتا۔ بچپن سے ہی سب کو ایک گھر میں رہنے اور ایک دوسرے سے خوشیاں اور غم بانٹنے کی عادت تھی۔ رضوانہ کی عادت نہ بدلی انیسہ سے وہ ہمیشہ شا کی رہیں مگر بچوں میں کوئی ایسی بات نہیں تھی سارے ہر کام مل جل کر کرتے۔ رمضان المبارک آتا تو ریان، ربانہ اور باصرہ، رقیہ بیگم کے ساتھ ہی نمازیں پڑھتے ان کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے، رقیہ بیگم اپنی پسند سے چاروں کے کپڑے بنواتیں حوید اور ریان کے ایک جیسے کپڑے ہوتے تو باصرہ اور ربانہ کے ایک جیسے گوٹا کناری اور دبکے لچھے کے لہنگے، شرارے، فرارے، پشواز بنواتیں جب بچے تیار ہو کر سامنے آتے تو بے اختیار اُن پر آیت الکرسی کا دم کرتیں اور نظریں اتارتیں۔ اگست شروع ہوتے ہی چاروں مل کر چودہ اگست کی تیاریاں اسٹارٹ کرتے، اتنے لمبے چوڑے لان کو رنگین جھنڈیوں اور جھنڈے والے اسٹیکرز سے سجایا جاتا۔ درختوں پر ننھے منھے بلب لگاتے، دیواروں پر مٹی کے تیل کے ننھے منھے دیے جلاتے، رونق دیکھنے والی ہوتی...... صمد ربانی اور سعد ربانی بھرپور طریقے سے بچوں کی حوصلہ افزائی کرتے، بقرعید کی آمد ہوتی تو لان سے ملحق کچھ حصہ جو خاص طور پر حامد ربانی نے قربانی کے جانوروں کو باندھنے کے لیے بنوایا تھا وہاں رونق لگ جاتی...... ریان اور حوید چھت پر سے چارے والا اور پانی والا بڑا سا ٹب لے کر آتے' اسے صاف دھو کر قربانی کے جانوروں کی آمد کے منتظر رہتے، سعدیہ کی رہائش بھی کچھ فاصلے پر تھی اس کے جانور بھی یہیں پر آجاتے، بچوں کے شوق اور ایکسائٹمنٹ کو دیکھتے ہوئے کافی دن پہلے سے ہی جانور آجاتے، مالی بابا، بچوں کے ساتھ مل کر ترپال کی عارضی چھت ڈال دیتے۔ ربانہ اور باصرہ' رقیہ بیگم سے کٹورے میں مہندی گھلوا لیتیں اور پھر جانوروں پر بیل بوٹے بنا کر اور عید مبارک لکھ کر سجایا جاتا......

بچپن کی حد تک تو یہ سب ٹھیک تھا مگر بڑے ہو جانے کے بعد بھی ربانہ اور باصرہ کا یہ مہندی اور زیورات والا شوق ہنوز برقرار تھا۔ اس شوق کو لے کر گاہے بہ گاہے دونوں بے عزت بھی ہوتیں۔ جب عید کے تین دن تک لگاتار رات جانوروں کی قربانی ہوتی تب باصرہ اور ربانہ بلک، بلک کر رونے لگتیں' ان کو بہت برا لگتا کہ اتنے دنوں تک ساتھ رہنے والے جانور آنکھوں کے سامنے ذبح ہو جائیں...... تب رقیہ بیگم پیار سے انہیں عیدِ قرباں کی اہمیت اور واقعہ بتاتیں کہ ''کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اللہ پاک کی رضا اور مرضی کے لیے اولاد بھی قربان کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ یہ تو جانور ہیں اور ان جانوروں کو بھی اللہ پاک کی طرف

سے یہ انعام ملتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں قربان ہوتے ہیں۔ ہمیں بھی ثواب ملتا ہے اس لیے کبھی اس بات کا غم نہیں کرنا بلکہ اللہ پاک کا شکر ادا کرنا کہ اس نے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم سنتِ ابراہیمؑ پر عمل کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کر رہے ہیں۔'' دونوں آنکھیں پٹپٹا کر رقیہ بیگم کی باتیں سنتیں اور وعدہ کرتیں کہ آئندہ نہیں روئیں گی مگر...... اگلے سال تک وعدہ بھول کر پھر آنسو بہانے بیٹھ جاتیں...... ریان اور حوید دونوں کا خوب مذاق اڑاتے یونہی لڑتے، جھگڑے، ہنستے، کھیلتے ایک دوسرے کی سنگت میں بچپن بیتا......

رضوانہ کی بھانجیاں دُرّیہ اور کاشفہ کبھی، کبھی آجاتیں۔ باصرہ کو اپنی یہ نک چڑھی کزنز بالکل اچھی نہیں لگتی تھی جو ہر وقت اپنی امارت کے نشے میں شیخیاں بگھارتی رہتیں۔ رضوانہ خوب آؤ بھگت کرتیں بلکہ کوشش کرتیں کہ ریان اور باصرہ بھی ربانہ اور حوید کو اگنور کر کے دُرّیہ اور کاشفہ کو زیادہ ٹائم دیا کریں۔ ربانہ تو خیر اماں کی بات ایک کان سے سنتی دوسرے سے اڑا دیتی مگر ریان ان کا خیال رکھتا...... یہ بات ربانہ کو بہت کھلتی...... ریان اور حوید نے اپنی مرضی سے انجینئرنگ کرنے کا فیصلہ کیا جبکہ ربانہ اور باصرہ نے بی سی ایس کرنے کی ٹھانی...... والدین کی طرف سے کوئی دباؤ نہیں تھا۔ ریان کا ارادہ جاب کرنے کا تھا وہ اپنے بل بوتے پر کچھ کرنا چاہتا تھا جبکہ حوید کا بھی یہی ارادہ تھا۔ صمد ربانی کو اعتراض نہ تھا جبکہ رضوانہ نے اس بات پر ریان کو تنبیہ کی۔

''جب اپنا کام ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ کسی کے ہاں نوکری کرو۔ ویسے بھی تمہارے سعد چاچو کا تو کوئی بیٹا ہے نہیں اب تمہیں ہی آگے چل کر اپنے دادا کا شروع کیا ہوا بزنس سنبھالنا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ان کے لہجے میں تفاخر تھا۔

''ارے رضوانہ! یہ کیسی باتیں کر رہی ہو...... بچوں کے ذہن میں ایسی باتیں ڈالنا دانشمندی نہیں...... یہ گھر، کاروبار اور سارا کچھ ہمارے سب بچوں کے لیے ہے، ہمارا تمہارا والی بات آئندہ مت کرنا۔'' رقیہ بیگم کو بہو کی یہ بات بہت بری لگی تھی...... انیسہ کے چہرے پر رضوانہ کی بات سے اداسی چھا گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان کا کوئی بیٹا نہ تھا۔

☆☆☆

رضوانہ کے میکے میں شادی تھی۔ ہفتہ بھر رہ کر شادی اٹینڈ کر کے آئی تھیں۔ باصرہ اور ریان شادی اور ولیمے کی تصویریں دکھا رہے تھے۔ انیسہ اور ربانہ شادی میں نہیں جا سکے کیونکہ انیسہ کی والدہ ان دنوں کافی بیمار تھیں تو وہ میکے گئی ہوئی تھیں۔

''یہ دیکھو ربانہ، اس لڑکی کا ڈریس دیکھو کتنا شاندار ہے۔ یہ مما کی کزن کی بیٹی ہے تو یہ اتنی بدتمیز کہ بس...... اس لیے میں نے اپنی آڑ میں اس کی پک بنائی چپکے سے تمہیں دکھانے کے لیے۔'' باصرہ اپنے موبائل اسکرین پر اسے دکھا رہی تھی۔

''واؤ یار...... واقعی ڈریس تو زبردست ہے۔'' ربانہ تعریف کیے بنا نہ رہ سکی ایک دو، تین اور پھر ایک پک...... اس پک میں ریان درمیان میں تھا اور دونوں طرف کاشفہ اور دُرّیہ تھیں کاشفہ کا ہاتھ ریان کے کاندھے پر تھا چھوٹی سی گولڈن اور بلیک سلیولیس شرٹ پر ٹخنوں سے اوپر انتہائی فٹنگ والی گولڈن ٹائٹس...... اور دُرّیہ کا بھی ویسا ہی ریڈ ڈریس تھا...... ایک لمحے کو ربانہ کو شاک سا لگا...... اسے یوں اس حد تک بے تکلفی سے ریان کا ہاتھ تھامنا اور کاندھے پر ہاتھ رکھنا بہت برا لگا تھا۔

''اوکے......'' میں ذرا لیٹنے جا رہی ہوں۔''

ربانہ کے دل پر بوجھ سا آ گیا تھا۔

''ارے کیا ہوا؟ ابھی سے۔'' باصرہ اسے اچانک سے اٹھتا دیکھ کر حیرانی سے بولی۔ ربانہ بنا جواب دیے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

ریان خاموشی سے ربانہ کو دیکھ رہا تھا...... ''اچھی خاصی تو تھی اچانک اس طرح بیزاری سے اٹھ جانا...... اور وہ بھی اس پک کو دیکھنے کے بعد۔'' ریان کا دماغ بہت تیزی سے کام دکھا رہا تھا۔ ''اس کا مطلب

اس کو میری بے تکلفی بری لگی...... اوہو......'' دل و دماغ آپس میں الجھ رہے تھے۔ وہ بھی خاموشی سے اٹھ کر باہر کی طرف چلا گیا۔ ''شاید میری غلط فہمی ہو، ایسا نہیں ہو۔'' وہ الجھ رہا تھا۔

☆☆☆

بقرعید کی آمد تھی۔ ہمیشہ کی طرح خوب رونقیں لگی ہوئی تھی۔ اس بار باصرہ اور ربانہ نے اپنی پسند سے کپڑے لیے تھے...... اور ٹیلر کے پاس دے کر آئی تھیں۔ ٹیلر نے سلائی میں دیر کر دی تھی وہی بہانے بازیاں لائٹ نہیں ہوتی، کاریگر چھٹی پر ہیں وغیرہ...... وغیرہ...... آج پھر دونوں نے ٹیلر کے پاس جانے کا پروگرام بنایا ابھی دونوں مل کر جانے کی تیاری کر رہی تھیں کہ رضوانہ نے باصرہ کو کسی کام میں لگا دیا۔

''کیا ہوا......؟ کہیں جا رہی ہو کیا......؟'' ربانہ کو تیار دیکھ کر باہر سے آتے ریان نے پوچھا۔

''جا رہی تھی مگر...... باصرہ بزی ہو گئی ہے۔'' ربانہ نے کہا۔

''چلو میں لے چلتا ہوں...... گاڑی باہر ہی ہے ابھی، ویسے جانا کہاں ہے؟''

''جی نہیں شکریہ...... میں چلی جاؤں گی آپ اپنی لاڈلی کزنز کو ٹائم دیں۔'' دو دن سے دل میں پکتے ہوئے جذبات کو نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ الفاظ کی صورت دے دی۔

''ہائیں......'' ریان نے آنکھیں پھاڑ کر اس کے تپے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

''یہ کون سی لاڈلی پیدا ہو گئی بھئی...... میری لاڈلی کزن تو تم ہو......'' قریب آ کر بشاش لہجے میں وہ کہہ کر مسکرایا۔

''بس، بس لفاظی سے گریز کریں...... پتا ہے مجھے لاڈلی کون، کون ہیں جن کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر یادیں محفوظ کی جاتی ہیں۔'' بدستور لہجہ تلخ تھا۔

''ہاہاہا......'' ریان کو اس کی بچکانہ انداز پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

غزل

مرے ہمدم ترے سوا مجھ سے
موسمِ گل ہوا خفا مجھ سے

بن گئی چیخ زندگی میری
درد ایسے الجھ پڑا مجھ سے

مانگتا ہے ترے وہ خدوخال
تری فرقت میں آئینہ مجھ سے

کس نے مجبور کردیا مجھ کو
کس نے چھینا ہے حوصلہ مجھ سے

پوچھتا ہے ترا پتا اکثر
شبِ فرقت میں اِک دیا مجھ سے

پھر جلا ہے تمہاری یاد کا دیپ
پھر الجھنے لگی ہوا مجھ سے

کیا بتاؤں جہاں کو تمثیلہ
کون تھا جو ہوا جدا مجھ سے

کلام: تمثیلہ لطیف، لاہور

''اس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے......؟ میں نے لطیفہ سنایا ہے کیا؟'' وہ مزید جھنجلا گئی۔

''ویسے اس بات سے تمہارا مقصد کیا ہے؟'' ریان نے شرارت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''کوئی مقصد وقصد نہیں، پلیز آپ جائیں کام کریں اپنا۔''

''کیا ہو گیا ہے ربانہ...... دو دن سے اتنی روڈ کیوں ہو گئی ہو...... کیا سوچنے لگی ہو فضولیات......؟'' ریان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اچھا چلو غصہ ختم کرو میں لے کر چلتا ہوں تمہیں ٹیلر کے پاس آجاؤ شاباش......'' ریان نے ملائمت سے کہا تو وہ ایک لمحے کو رکی اور پھر خاموشی سے اس کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔ گاڑی میں بیٹھ کر بھی بدستور موڈ

آف تھا۔

''ربانہ...... اِدھر دیکھو اور اب صاف، صاف بتاؤ مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ......'' گاڑی اسٹارٹ کر کے ریان نے اسے مخاطب کیا جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''شرم نہیں آتی آپ کو اور آپ کی کزنز کو۔'' اس کی طرف مڑ کر ربانہ بولی۔

''کیا کر دیا ہے انہوں نے یا میں نے آخر......؟'' ریان جھنجلا گیا۔

''لو جی! موصوف اتنے ننھے ہیں کہ ان کو پتا ہی نہیں کہ کیا کر دیا ہے...... اس طرح سے ایک کزن محترمہ نے ہاتھ تھاما دوسری نے کاندھا اور آپ جناب راجا اندر درمیان میں باچھیں کھلائے پوز دے رہے ہیں...... یہ، یہ ...... بے شرمی نہیں ہے کیا؟''

''اُف خدایا...... بس اتنی سی بات...... ارے وہ تھوڑی سی ماڈرن ہیں، اس لیے ان کے لیے یہ بات قابلِ مذمت نہیں ہے...... تم کیوں ناراض ہو رہی ہو؟''

''ان کے لیے ہے، آپ کے لیے تو نہیں ہے ناں...... اور...... ہماری فیملی میں تو ایسا نہیں ہوتا ناں......''

ریان نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے لاڈلی کزن...... آئندہ خیال رکھوں گا...... اور کوئی حکم......'' سعادت مندی سے کہا۔

''نہیں شکریہ......'' وہ زیرِ لب بولی...... ریان کو ہنسی آ گئی...... ربانہ کی مسلسل جھنجلاہٹ، اس قدر ہائپر ہو جانا اور اس چھوٹی سی بات کی وجہ سے اتنا اپ سیٹ ہو جانا...... ریان کے لیے خوشگوار حیرت کا باعث تھا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ...... لیکن سچ، سچ بتانا......'' ایک منٹ کے توقف کے بعد ریان نے اس کو مخاطب کیا۔

''میں جھوٹ نہیں بولتی، یہ تو آپ کو پتا ہے۔''

''ہاں یہ بات تو ہے، اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم کو یہ سب اتنا برا کیوں لگا......؟ ایسے تو حوید بھی اپنی کزنز کے ساتھ فرینکلی ہی ہو کرتا ہے تم نے کبھی اس پر تو غصہ نہیں کیا...... یہ عتاب مجھ پر ہی کیوں؟ اس کی کوئی خاص وجہ......؟'' ریان کے سوال پر وہ بری طرح گڑبڑا

''یہاں پر حوید کا کیا ذکر......؟'' سنبھل کر تیکھے اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''وہ کچھ بھی کرے مجھے کیا......؟''

''اچھا میں کروں تو تمہیں غصہ آتا ہے مطلب...... تم...... نہیں چاہتیں کہ میں تمہارے علا کسی کا ہاتھ پکڑوں...... ہے ناں......؟''

''وہ، میر...... میرا یہ مطلب نہیں تھا...... میں گھبراہٹ میں بے ربط الفاظ لبوں سے نکلے۔

''جھوٹ نہیں چلے گا لاڈلی کزن...... سچ، بتاؤ...... تمہارے دل میں کیا ہے؟'' اس بار ریان اس کا چہرہ ہاتھ سے اپنی جانب موڑ کر کہا، چوری پکڑ جا چکی تھی...... اس کی بے ساختگی اور غیر متوقع رویہ بات کی گواہی دے رہا تھا کہ ریان کے لیے اس دل میں میٹھی سی کسک موجود ہے۔ وہ انجانے میں ریا کے بہت قریب آ چکی تھی۔ اسے کسی اور کے ساتھ د کر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی، وہ ریان کو پسند کر تھی...... بچپن کا ساتھ، کھیل کود، لڑائی جھگڑے کر کرتے وہ ایک دوسرے کے قریب آ تھے...... ریان بظاہر اس جذبے سے ناآشنا تھا مگر ربا کے ری ایکشن نے اس کے اندر بھی خوب صور احساسات جگا دیے تھے۔ اسے بھی اس بات کا احسا ہو گیا تھا کہ وہ...... ربانہ کو پسند کرنے لگا ہے۔ اب تک تو دونوں ان باتوں سے دور تھے۔ محبت، شاد ان چیزوں کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا مگر اچانک سے دلوں میں محبت کی شمعیں جلیں تو ایک دوسرے کی اہمیت اور چاہت کا احساس بھی انگڑائی لے کر بیدا ہو گیا تھا۔

''ہاں، ہاں، میں نہیں چاہتی ریان کہ کوئی بھ آپ کے قریب آئے...... میں...... برداشت نہیں سکتی...... بچپن سے آج تک آپ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے کھیلتے کودتے ہنسی مذاق کرتے کرتے...... میں آ کے بہت قریب آ گئی ہوں ریان...... اور شاید...... ا کو محبت کہتے ہیں...... میں اعتراف کرتی ہوں

یں...... آپ سے محبت کرتی ہوں، آپ کے دل میں رے لیے کیا ہے؟ اس بات کا مجھے علم نہیں ہے، اور شاید...... اس طرح ری ایکٹ کرنے کی وجہ بھی یہی ہے۔'' وہ نہایت سادگی اور معصومیت سے اپنے جذبوں کا اعتراف، اپنی فیلنگز بیان کر رہی تھی...... لہجے کی سچائی اور بھولپن نے ریان کے دل میں اس کے لیے نئے جذبوں کو اجاگر کیا تھا۔ شاید وہ خود بھی ربانہ کے لیے دل میں سوفٹ کارنر رکھتا تھا لیکن اچانک ہی اس کے دل میں محبت کے ساتھ، ساتھ ربانہ کی قدر و قیمت بھی بڑھ گئی تھی۔ اس نے اپنے جذبات کو سادگی سے بیان کر کے کھلا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

''اوے ہوئے تو یہ بات ہے محترمہ......! چپکے، چپکے مجھے بچپن سے تاڑ رہی ہیں اور...... میرے دل میں دندناتی ہوئی گھستی چلی آ رہی ہیں...... اب جب تم اتنے استحقاق سے اور اتنے بھرم سے قبضہ گروپ کی طرح دل پر قبضہ کرنے کی ٹھان ہی چکی ہو...... تو...... میں بھی...... مجبوراً...... اعتراف کر ہی لیتا ہوں۔'' ریان کو شرارت سوجھی تو مسکین شکل بنا کر ربانہ کو چڑایا۔

''کیا...... مجھے نہیں ضرورت اس احسانِ عظیم کی آئی سمجھ؟'' ربانہ فوراً ہی ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''ہاہاہا...... ویسے تم جب یہ معصوم سی شکل پر من بھر کا غصہ سجاتی ہو ناں تو بہت اچھی لگتی ہو۔'' ریان نے قہقہہ لگایا۔ ''آئی لو یو...... مائی سویٹ لاڈلی چڑ چڑی کزن......'' جھک کر آنکھوں میں بے تحاشا محبت سجائے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ بلش ہو گئی۔

''ارے، ارے گاڑی تو ٹھیک سے چلاؤ......'' وہ کہتے ہوئے مسکرا دی۔ مختصر سے سفر میں بہت بڑے، بڑے وعدے وعید ہو چکے تھے۔ آدھے گھنٹے کے سفر نے دونوں کے دلوں میں خوب صورت احساسات بھر دیے تھے۔ جب کپڑے لیے دونوں واپس لوٹے تو کپڑوں کے ساتھ ڈھیر سارا اطمینان اور عہد و پیمان بھی ساتھ تھے۔

باصرہ نے سنا تو منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ہائے سچی......! اتنے چھپے رستم نکلے آپ دونوں قسم سے میری ناک کے نیچے سب کچھ ہوتا رہا اور میں بے خبر رہی۔''

''سچی باصرہ......! کل ہی تو اس بات کا ادراک ہوا اس سے پہلے تو ایسی بات ذہن میں آئی بھی نہیں تھی۔'' ریان نے یقین دلایا۔

''ویسے بھائی مجھے نہیں لگتا کہ مما مانیں گی۔ آپ تو جانتے ہیں مما، چچی جان کو بالکل پسند نہیں کرتیں، وہ ربانہ کو کبھی بہو نہیں بنائیں گی......'' باصرہ ایک جانب بہت خوش تھی تو دوسری جانب ماں کی طرف سے فکرمند بھی...... اسے ربانہ بہت پسند تھی یہ تو بہت اچھی بات ہوتی کہ وہ بھابی بن جاتی مگر وہ ماں کی طرف سے خائف تھی۔ فی الحال تو ان لوگوں نے خاموشی اختیار... کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ جب تک ریان کی جاب نہیں ہو جاتی اور ربانہ گریجویشن نہ کر لیتی اس بات کو چھیڑنا... نامناسب تھا۔

☆☆☆

کچھ دن سر کے ریان کی پڑھائی مکمل ہوئی اور اسے اچھی جگہ جاب مل گئی۔ اسی عرصے میں ربانہ اور باصرہ نے بی ایس فائنل کے پیپرز بھی دے دیے۔ پیپرز ختم ہونے پر ان کو لگ رہا تھا کہ نہ جانے کتنا بڑا بوجھ سر سے اترا ہو، دونوں پیپرز دے کر آئیں تو لمبی تان کر ایسے سوئیں کہ نماز عصر کا وقت تنگ ہونے لگا تب رقیہ بیگم نے دونوں کو اٹھایا۔ نماز سے فارغ ہو کر سب لوگ لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ سعدیہ اور تیمور آ گئے۔ آج حوید ساتھ نہ تھا۔

''ارے آؤ بھئی، آؤ......! بہت دنوں بعد آئے ہو تیمور میاں۔'' رقیہ بیگم نے ان لوگوں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

''بس اماں ملازمت سے ٹائم ہی نہیں ملتا آج میرا آنا ضروری تھا اس لیے آفس سے جلدی آ گیا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے ذومعنی بات کہتے ہوئے سعدیہ کی طرف دیکھا تو سعدیہ بھی مسکرانے لگیں۔

"ارے واہ پھپو آپ کب آئیں......؟" باصرہ اور ربانہ بھی وہیں آ گئی تھیں۔

"حوید نہیں آئے دو تین دن سے۔" ربانہ نے پھوپا اور پھپو کو سلام کرتے ہوئے کہا۔ آپس میں سب کزنز ایک دوسرے کا نام لیتے تھے بس باصرہ، ریان کو بھائی کہتی۔

"ہاں بھئی تھوڑا سا مصروف ہے آج کل' اس نے ہی تو ہمیں بھیجا ہے۔" سعدیہ نے کہا تو رقیہ بیگم، رضوانہ اور انیسہ کچھ نہ سمجھیں......

"اماں......دراصل آج ہم لوگ بہت اہم بات کرنے آئے ہیں۔ صمد بھائی اور سعد بھائی کب تک آتے ہیں؟" سعدیہ نے بات مکمل کر کے سوال کیا۔

"بس آتے ہی ہوں گے......" ابھی رقیہ بیگم کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ دونوں بھائی آگے پیچھے گاڑیاں لیے داخل ہوئے۔ "لو ماشاء اللہ آ گئے دونوں......"

"ارے واہ، ماشاء اللہ بڑی رونق لگی ہے آج تو۔" دونوں گاڑی سے اتر کر سیدھے لان کی طرف ہی آ گئے تھے۔

"جی، جی بس......آپ لوگوں کی ہی کمی تھی۔" رضوانہ پہلی بار بولیں۔

"دو منٹ ہم لوگ فریش ہو کر آتے ہیں۔" کہہ کر دونوں بھائی اندر کی طرف چلے گئے۔ انیسہ، باصرہ اور ربانہ کو لے کر کچن کی طرف چل دیں تا کہ صمد ربانی اور سعد ربانی کے لیے چائے بنائیں اور ساتھ، ساتھ ڈنر کی اسپیشل تیاری بھی کر لیں۔

"اماں، صمد بھائی اور بھابی آج ہم لوگ آپ سے کچھ مانگنے آئے ہیں اگر آپ لوگ کی منشا ہو اور آپ لوگ مناسب سمجھیں تو میں باصرہ کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں' میری شروع سے یہی خواہش تھی کہ دونوں میں سے کسی ایک بچی کو اپنے گھر لے جاؤں، حوید کی مرضی کے مطابق باصرہ کو میں آپ لوگوں سے مانگنے آئی ہوں امید ہے آپ لوگ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔" سعدیہ نے کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

"ارے واہ بھئی......بھلا ہمیں کیا اعتراض ہوگا گھر کے بچے گھر میں رہیں تو اس سے اچھی اور کیا بات ہے......" سب سے پہلے صمد ربانی نے بہن کی بات کا مثبت جواب دیا۔

"کیوں اماں! رضوانہ، سعد، میں نے سچ کہا ناں......" انہوں نے تائید چاہی۔

"بالکل بھائی بہت اچھی بات ہے یہ۔"

"ہاں، ہاں میرے بچے آپس میں مزید مضبوط ہو جائیں میرے لیے اس سے بڑی خوشی کی کیا بات ہوگی......" سعد ربانی اور پھر رقیہ بیگم بھی بولیں۔ ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"جی مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن......باصرہ سے پوچھ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔" رضوانہ نے کہا۔

"ہاں، ہاں بھابی......! آپ اس سے پوچھ لیں اور پھر جواب دیں۔" تیمور نے جلدی سے کہا۔

"ارے واہ......! زبردست یہ تو بہت اچھی بات ہے پھپو......سب سے زیادہ خوشی تو مجھے ہو رہی ہے......کتنا مزہ آئے گا جب حوید اور باصرہ کی شادی ہوگی۔ میرے تو دونوں طرف سے مزے ہی مزے' کبھی بہن تو کبھی سالی......" ربانہ اور باصرہ جو چائے لے کر ابھی، ابھی ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تھیں، ربانہ آگے تھی اس نے بات سن لی تھی تب ہی خوشی سے بے قابو ہو کر پھپو سے لپٹ گئی۔ باصرہ جو سچویشن سمجھ چکی تھی اس کے چہرے پر حیا کے رنگ چھا گئے تھے۔

"چلو بھئی دلہن بیگم کی جھکی پلکوں اور شرمیلی مسکراہٹ نے آپ لوگوں کو فیصلہ سنا دیا ہے۔" ربانہ نے بغور باصرہ کے حیا آلود چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے تالی بجائی۔ باصرہ شرما کر کمرے سے بھاگی۔

"مبارک ہو بچو! اللہ پاک تم سب کو شاد و آباد رکھے اور اسی طرح پیار محبت سے رشتے بنائے رکھو۔ انیسہ جلدی سے سب کا منہ میٹھا کرواؤ......" رقیہ بیگم نے اپنے طور سے رشتہ پکا کر دیا۔ اسی لمحے ریان

کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا ہوا بھئی......؟ یہ مٹھائی کس خوشی میں......کس کا رشتہ طے ہوا......؟" ایسی سچویشن دیکھ کر اس کا دل بری طرح دھڑکا تھا کہیں سعدیہ پھپو نے ربانہ کو تو نہیں مانگ لیا۔

"ارے آپ سب کو بہت، بہت مبارک ہو، حوید کو بھی بلوا لیتیں ناں پھپو......" حقیقت جان کر اس کی جان میں جان آئی تو پھپو کو مخاطب کیا۔

"نہیں، آج اسے لانا نا مناسب تھا......" سعدیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر میں اسے مبارک باد دے کر آتا ہوں۔" ریان نے کہا اور الٹے پاؤں واپس پلٹا۔ ربانہ بھی باصرہ کے پیچھے چلی گئی تھی۔

"ویسے سچی بات یہ ہے سعدیہ کہ میرا دل بھی یہی چاہتا تھا کہ رشتے یونہی طے ہو جائیں۔ اب موقع بھی ہے اور اتفاق سے تم سب موجود ہو تو میں چاہتی ہوں کہ حوید، باصرہ اور ریان اور ربانہ کی شادی ہو جائے۔" ساس کی بات پر رضوانہ اپنی جگہ پر بیٹھے، بیٹھے بری طرح چونکیں......بیٹی کا رشتہ تو انہیں منظور تھا مگر......بہو انیسہ کی بیٹی ہو یہ کبھی گوارا نہیں تھا......وہ تو میکے سے بہو لانا چاہتی تھیں۔

"بالکل اماں......! آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی ہے۔" صمد صاحب کا چہرہ اماں کی بات سن کر کھل اٹھا۔ سعد اور انیسہ بھی مسرور تھے۔ سعدیہ اور تیمور نے بھی بھرپور انداز میں رقیہ بیگم کی بات کی تائید کی۔

"اس سے اچھی تو بات ہو ہی نہیں سکتی اماں اگر ہمارے بچے ہمارے ساتھ رہیں اور نئے رشتوں میں بندھ کر ہمارے پرانے رشتوں کو مزید مضبوط بنائیں... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" سعد ربانی بولے۔

"انیسہ، رضوانہ تم لوگ بھی تو کچھ بولو......"

"اماں، بیٹی ضرور میری ہے مگر آپ لوگوں کا فیصلہ میرے لیے مقدم ہے......کیونکہ یہاں پر ہم سب خلوص میں بندھے ہیں اور آپ لوگ یقیناً صحیح فیصلہ کریں گے۔" انیسہ نے نہایت خوب صورت بات کہی تھی۔ رقیہ بیگم نے سر ہلا کر ستائشی نظروں سے بہو کو دیکھا۔

"جب آپ سب تیار ہیں تو...... میں کیسے اعتراض کر سکتی ہوں۔" رضوانہ کا لہجہ روکھا تھا۔ کوئی جوش، خوشی اور ایکسائٹمنٹ نہیں تھی۔

"کیا بچے راضی ہیں؟" یہ نکتہ تیمور نے اٹھایا۔

"ہاں......! مجھے اتنا اندازہ تو ہے......اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ دونوں ہمارے فیصلے سے یقیناً خوش ہوں گے ان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" رقیہ بیگم بولیں۔

"لو بھئی ہم ایک رشتہ مانگنے آئے تھے ماشاء اللہ یہاں پر دو، دو طے ہو گئے۔" سعدیہ نے کھلکھلاتے ہوئے مٹھائی پہلے اماں کو پھر دونوں بھائیوں اور بھاوجوں کو کھلائی۔ رضوانہ پہلو بدل کر رہ گئیں' یہ اچانک سے فیصلہ ہو گیا اور اس وقت وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھیں مگر کسی صورت ربانہ کو بہو بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

"حد ہی ہو گئی بھئی......اس بار تو اماں نے حد ہی کر دی......" رات کو صمد ربانی سونے کے لیے لیٹے تو رضوانہ نے ہاتھ نچا کر بدتمیزی سے کہا۔

"کیوں، کیا ہوا بھئی......؟" انہوں نے نرم لہجے میں استفسار کیا۔

"یعنی کہ ساری زندگی تو میں نے جی حضوری میں گزار دی، کبھی اپنی مرضی سے ایک تنکا بھی ادھر سے اُدھر نہیں کیا......اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرے بچوں کی زندگی کے فیصلوں کا اختیار بھی میں چپ چاپ اٹھا کر ان کے ہاتھوں میں سونپ دوں۔" تلخی ان کے ایک، ایک لفظ سے نمایاں ہو رہی تھی۔

"مگر رضوانہ میرے خیال میں یہ غلط فیصلہ نہیں ہے، میرا بھی یہی ارادہ تھا، میں وقت کے انتظار میں تھا۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ یوں آپس میں رشتے طے ہو جائیں۔ باہر کے لوگ جانے کیسے ہوں؟ آج کل کے زمانے میں لڑکا ہو یا لڑکی......شادی کے معاملے میں والدین پریشان ہیں، تمہیں اعتراض کس رشتے پر

ہے، باصرہ کے یا ریان کے.....؟" لمبی بات کر کے صمد مطلب کے نکتے پر آگئے تھے۔

"سعدیہ سے مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن...... انیسہ ایک نمبر کی گھنی اور فتنی عورت ہے، اس کی بیٹی بھی ہو بہو اسی کی کاپی ہے ساری زندگی ماں کو بھگتا اور بچی کھچی زندگی بیٹی کے ساتھ کھپاؤں...... ناممکن ہے صمد ربانی صاحب میں اس شادی پر بالکل بھی رضامند نہیں ہوں، اس لیے آپ خود ہی منع کر دیں۔" رضوانہ نے دوٹوک انداز میں فیصلہ سنایا۔

"رضوانہ تم خواہ مخواہ جذباتی ہو رہی ہو، ایسا کچھ نہیں ہوگا، ربانہ بہت اچھی بچی ہے، بچپن سے آج تک ہماری نظروں کے سامنے پلی ہے، آج تک کسی سے... بدزبانی نہیں کی۔ باصرہ اس کی ہم عمر ہے مگر کبھی آپس میں دونوں کی لڑائی نہیں ہوئی۔ وہ تو بہت خیال رکھنے والی بچی ہے۔ تم خواہ مخواہ ٹینشن مت لو...... انشاء اللہ سب اچھا ہوگا...... وہ ہمارا خون ہے رضوانہ...... اور مجھے اپنے خون کی شرافت، خلوص اور محبت پر پورا، پورا بھروسا ہے وہ کبھی میرے بھروسے کو نہیں توڑے گی، دل سے تمام خدشات کو نکال کر منگنی کی تیاری کرو...... انشاء اللہ ہم چاروں بچوں کی خوشی خوب دھوم دھام سے منائیں گے۔" صمد صاحب نے نرمی سے اور دھیمے انداز میں گویا اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"آپ...... آپ تو کبھی میری نہیں مانیں گے...... وہ دن ہوا ہوئے جن میں رشتوں کے بھرم رکھے جاتے تھے، آج کل سب اپنے، اپنے فائدے نکالنے کے چکر میں ہیں، میں اچھی طرح جانتی ہوں صمد ربانی صاحب آپ کا یہ مان، یہ بھروسا اور یہ یقین...... سب ڈھے جائے گا جب آپ کی آنکھیں کھلیں گی۔ اپنا دل اتنا بڑا نہ کیجیے کہ آپ کے دل کو لوگ مفت کا مال سمجھ کر جدھر چاہیں دھرنا دے کر بیٹھ جائیں، آئی سمجھ......؟" رضوانہ نے انگلی اٹھا کر انتہائی تلخ لہجے میں ایک، ایک لفظ چبا، چبا کر ادا کیا۔

"اچھا، اچھا فی الحال لائٹ آف کر دو...... مجھے نیند آرہی ہے۔" صمد ربانی نے بحث کو طول دینے کے بجائے خاموشی میں عافیت جانی اور چادر سر تک تان کر کروٹ بدل لی۔

☆☆☆

ریان اور ربانہ بے حد خوش تھے۔ بنا کچھ کہے ان دونوں کو بھی ایک دوسرے سے منسوب کیا جا رہا تھا۔ رضوانہ نے دبتی زبان سے بیٹے کا عندیہ لیا وہ تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا یعنی اس وقت کچھ کہنا نقار خانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ نہ تھا۔ اُدھر انیسہ اور سعد ربانی بہت خوش تھے...... ریان جیسا فرمانبردار، سمجھدار اور عزت کرنے والا داماد ان کا دل رہا تھا...... یعنی سارا خاندان خوش تھا سوائے رضوانہ کے...... ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح سے اس رشتے کو روکیں......؟ اس سلسلے میں انہیں اپنی ماں کی مدد درکار تھی۔ ان کا دماغ خوب چلتا تھا۔ پہلے تو انہوں نے دل بھر کے رضوانہ کو صلواتیں سنائیں کہ "پہلے ہی کہا تھا یہ رشتہ نامناسب ہے، نہ آج سے بیس سال پہلے انیسہ کو دیورانی بناتی نہ آج یہ دن دیکھنا پڑتا۔" تب ماں، بیٹی کے شاطر دماغ چلنے لگے۔

اکثر صمد، رضوانہ کے سامنے آفس کے ورکرز کا ذکر کرتے، ان میں صدیقی صاحب بھی تھے چھ، چھ بیٹیوں کا بوجھ ان کے بوڑھے کاندھوں پر تھا بیٹا کوئی نہ تھا۔ صمد ربانی اپنے طور پر ان کی مدد کر دیا کرتے، ان کی دو بیٹیوں کی شادی طے ہو چکی تھی اور مالی لحاظ سے بہت پریشان تھے۔ رضوانہ نے ایسے ہی باتوں، باتوں میں ماں سے ذکر کر دیا تھا کہ صدیقی صاحب بہت ایمان دار آدمی ہیں لیکن خود دار بھی ہیں...... آج کل بہت پریشان ہیں۔ صمد خاصی مالی امداد کر رہے ہیں۔ یہ بات اچانک سے رضوانہ کی والدہ کے ذہن میں آگئی تھی اور ان کا شاطر دماغ بڑی تیزی سے گھوما۔

"وہ صمد میاں کے آفس میں جو غریب سا آدمی ہے...... تم نے بتایا تھا ناں جو دفتر کا حساب کتاب رکھتا ہے......؟" انہوں نے پلٹ کر رضوانہ سے سوال کیا۔

"جی...... مگر آپ کو صدیقی صاحب کیوں یاد آگئے اماں......؟ یہاں میں اپنا مسئلہ لے کر آئی ہوں اور آپ کا دماغ اِدھر اُدھر الجھا ہوا ہے۔" رضوانہ کو اماں کی بات پر غصہ آگیا تو وہ زور سے ہنس دیں۔

☆☆☆

صمد ربانی دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فائل سامنے رکھے انتہائی پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

"بھائی آپ نے بلوایا؟" سعد کی آواز پر سر اٹھایا۔

"ہاں بیٹھو......! سعد یہ کچھ دنوں سے حساب میں گڑ بڑ آرہی ہے، اکاؤنٹ کا حساب میری سمجھ میں نہیں آرہا یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے سر اٹھا کر سعد کی طرف دیکھا اور گمبھیر لہجے میں بولے۔

"اچھا" سعد نے قدرے حیرت سے بڑے بھائی کو دیکھا۔

"ایسا ہوا تو نہیں ہے، کبھی آج تک حساب بالکل فیئر رہا ہے صدیقی صاحب سے پوچھیں کہیں کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی ان سے۔" سعد ربانی یہ سن کر پریشان ضرور ہوئے تھے۔

"میں نے پوچھ لیا ان سے...... اسی لیے اب تم سے پوچھ رہا ہوں...... یہ پیسے کہاں گئے؟" اس بار صمد ربانی کا لہجہ تھوڑا سا ترش تھا۔

"بھائی آپ تو جانتے ہیں، میں وہی پیسہ اکاؤنٹ سے نکلواتا ہوں جو آپ کے علم میں ہو۔ اس کے علاوہ اور نہ کوئی اخراجات ہیں نہ ضرورتیں......" سعد اُن کے انداز پر گڑ بڑا گئے۔

"مگر...... مگر صدیقی صاحب تو کچھ اور کہہ رہے ہیں۔" صمد ربانی نے چبھتی نظریں سعد کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"کیا، کیا مطلب ہے آپ کا...... کیا کہہ رہے ہیں صدیقی صاحب......؟ بلوائیں انہیں......؟" بھائی کا رویہ اور انداز نہ صرف اجنبی تھا بلکہ...... شک والا تھا۔

"اوکے۔" صمد ربانی نے فوراً صدیقی صاحب کو بلوایا۔

"جی صاحب......!" وہ دو منٹ میں حاضر تھے۔

"بیٹھیں۔" صمد ربانی نے اشارہ کیا تو وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے پر اطمینان تھا۔

"جی فرمائیں......" وہ شائستگی سے مخاطب ہوئے۔

"صدیقی صاحب، یہ اکاؤنٹ میں اتنی بڑی رقم کی گڑ بڑ آرہی ہے جس کا اندراج بھی نہیں ہے، آپ کا کیا کہنا ہے اس بارے میں......؟" صمد ربانی نے صدیقی صاحب کو براہ راست مخاطب کیا۔

"جی...... جناب...... وہ...... میں کیا کہہ سکتا ہوں...... میں تو ملازم ہوں جناب اور آپ دونوں ہی میرے لیے قابلِ احترام...... میں تو دونوں کا ملازم ہوں مگر اگر بات پیسوں کی آجائے تو بندہ مشکوک ہو جاتا ہے، میرا کردار اور کام گزشتہ کئی برسوں سے آپ لوگوں کے سامنے ہے، اس لیے خدارا صمد صاحب میری طرف سے بدگمانی پیدا نہ کیجیے گا۔ میں غریب، وفادار اور ایماندار انسان ہوں۔ سفید پوشی میں جینا اور سفید پوشی میں مرجانا چاہتا ہوں، عزت کے ساتھ۔" انہوں نے ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے براہ راست صمد ربانی کو مخاطب کیا۔

"جی، جی، صدیقی صاحب ہم جانتے ہیں سب، پلیز آپ اصل مسئلے پر آئیں اور یہ رقم کے بارے میں بھائی کو بتائیں کہ...... یہ کس مد میں خرچ ہوئی ہے۔" سعد اُن کی لمبی چوڑی تقریر سے زچ ہو کر جلد از جلد سچائی جاننا چاہتے تھے۔

"سعد صاحب کم از کم آپ تو یہ نہیں کہیں۔" صدیقی صاحب نے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"مجھے معاف کر دیں...... لیکن مجھے سچ کہنا ہوگا...... اس کے لیے سر جھکا کر آپ کے سامنے کھڑا ہوں، آپ کا نمک کھایا ہے تو صمد صاحب کا بھی نمک کھایا ہے...... مگر...... یہ سچ ہے...... صمد صاحب اصل میں یہ بھاری رقم وقتاً فوقتاً سعد صاحب نکلواتے رہے ہیں۔ مجھے اس بات کا شک تو تھا مگر یقین نہیں تھا کہ یہ بات آپ کے علم میں نہیں ہے۔ اب جبکہ میرے کردار پر بات آرہی ہے تو سچ تو کہنا ہی ہے......"

"صدیقی صاحب کیا آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے...... یہ آپ کیا بکواس کر رہے ہیں؟ میں نے بھلا کب رقم نکالی ہے......؟ آپ ہوش میں تو ہیں...... کیوں اس عمر میں جھوٹ بول رہے ہیں۔" صدیقی صاحب کی بات پر سعد ربانی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، وہ بے ساختہ کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے...... اور باضابطہ چلا کر صدیقی صاحب کے قریب آگئے۔

"معاف کیجیے صاحب آپ مالک ہو...... مجھے مار بھی سکتے ہیں لیکن...... میں عمر کے اس حصے میں جھوٹ نہیں بول سکتا...... صمد صاحب اگر آپ کو مجھ پر شک ہے یا یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں غلط ہوں تو بے شک میں آج اور ابھی...... اپنا استعفیٰ دینے کو تیار ہوں مگر...... مجھ سے بدگمان نہ ہوں پلیز......" صدیقی صاحب نے اپنی ٹوپی اتار کر صمد ربانی کے پیروں میں رکھنا چاہی۔

"ارے، ارے یہ کیا کر رہے ہیں آپ...... آپ پر مجھے پورا یقین ہے صدیقی صاحب...... آپ نے اتنے سالوں میں ایک پائی کا ہیر پھیر نہیں کیا......" صمد ربانی نے انہیں اوپر اٹھایا۔ سعد بھائی کی بات پر بری طرح چونکے...... ان کے الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کے مانند سماعتوں میں زہر انڈیل رہے تھے...... گویا...... ان کو...... سعد ربانی کی ایمانداری پر شک تھا...... ذو معنی بات نے خود ہی وضاحت دے دی تھی۔

"بھائی......" سعد ربانی نے پلٹ کر زخمی نظروں سے بھائی کی جانب دیکھا۔

"سعد...... مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔" یہ جملہ...... ایک...... ایک چھوٹا سا جملہ...... ساری زندگی کی ریاضت، خلوص، محبت، احترام، رشتوں کی سچائی...... اور خون کی طاقت...... سب کچھ داؤ پر لگا گیا تھا۔ کچھ روپیوں کے لیے...... بھائی نے ان پر شک کیا...... ایک باہر والے بندے کی گواہی پر اپنے خون کو پرایا کر ڈالا تھا...... سعد ربانی کی آنکھیں دکھ کی شدت سے بری طرح جلنے لگی تھیں۔ انہوں نے بڑے بھائی کے سپاٹ چہرے کی طرف دیکھا...... کتنی بے گانگی اور اجنبیت تھی...... ایک لمحے میں...... صرف ایک لمحے میں...... انداز، لب و لہجہ سب کچھ...... سب کچھ بدل ہوگیا تھا۔ سعد ربانی کا دل چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں...... صدیقی صاحب سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

"اُف کتنا شاطر اور مکار ہے یہ شخص۔"

"میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا صدیقی صاحب......؟ آپ کو ہمیشہ باپ کا درجہ دیا، آپ کی عزت کی اور آپ...... صدیقی صاحب...... میں آپ کو بددعا بھی نہیں دے سکتا لیکن...... میرا اللہ میرا انصاف کرے گا۔" سعد ربانی زندگی میں کسی لمحے اتنے لاچار اتنے بے بس نہ ہوئے تھے جتنے آج تھے...... انہوں نے ایک گہری نظر کمرے پر...... اپنی سیٹ پر ڈالی، ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے...... اور وہ تیزی سے باہر کی طرف...... اور پھر کمرے سے نکل کر سیدھے بلڈنگ سے باہر کی طرف نکلتے چلے گئے...... صدیقی صاحب بھی سر جھکا کر روم سے باہر نکل گئے۔

صمد ربانی کرسی پر ڈھے گئے...... انہیں خود اس بات کا دلی افسوس تھا...... ابھی ہفتہ بھر پہلے کی بات تھی جب انہوں نے ایسے ہی باتوں، باتوں میں کاروبار کے حوالے سے ذکر کیا تو بتایا کہ اکاؤنٹ چیک کرنا ہے کچھ گڑبڑ آ رہی ہے، تب رضوانہ نے ان کو بغور دیکھا تھا اور قریب آ کر بولیں۔

"ایک، بات کہوں اگر آپ برا نہ مانیں تو......؟"

"ہم...... بولو......! صمد صاحب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ میری بات کو جھوٹ سمجھ کر ٹال دیں گے۔ مجھے برا بھی کہیں گے۔ شاید بری طرح سے ڈانٹ بھی دیں...... لیکن میں خود آپ سے کچھ دنوں سے یہ بات کہنے والی تھی۔ دیکھیں صمد صاحب میری بات پر غصہ مت ہوجایئے گا جو میں نے

دیکھا اور سنا وہی کہنا چاہ رہی ہوں، کچھ دن سے مگر...... ہمت نہیں ہو رہی اب آپ نے ذکر کیا تو ہمت کی ہے میں نے۔" رضوانہ نے لمبی چوڑی تمہید باندھی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو......؟" جلدی سے کہو......؟" صمد صاحب نے بیزار کن لہجے میں کہا۔

"میں نے خود دیکھا ہے کہ سعد نے انیسہ کو نوٹوں کی بڑی سی گڈی دی تھی اور کہا تھا کہ سنبھال کر رکھو...... اور...... کوئی پلاٹ وغیرہ کی بات بھی ہو رہی تھی دونوں کے درمیان...... مجھے لگتا ہے کہ سعد...... پیسے الگ سے جمع کر رہے ہیں...... مجھے یہ بات عجیب سی لگی تھی کہ آپ کو اس بات کا علم نہیں...... مگر میں خاموش تھی کیونکہ آپ نے ہمیشہ مجھے ہی غلط سمجھا ہے......" رضوانہ نے بات ختم کرتے ہوئے آخر میں طنزیہ جملہ دے مارا۔

"رضوانہ، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی...... سعد مجھ سے پوچھے بنا ایک پائی بھی نہیں نکلواتا...... ہماری ضرورتیں الگ، الگ نہیں ہیں۔" صمد نے بیوی کی بات پر گو کسی قسم کے منفی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا مگر...... ان کی بات سے انکار بھی کر دیا تھا۔

"مجھے پتا تھا...... یہی ہوگا...... صمد صاحب دیکھیے گا آپ اپنے یقین اور بھروسے میں رہ کر بہت بڑا نقصان کرلیں گے۔ اتنا بھروسا، اتنا یقین اور اتنا مان اچھا نہیں ہوتا جناب اور...... یہ بات یاد رکھیے کہ سعد ربانی کی صرف بیٹی ہی ہے اور...... بیٹی کو جائداد میں سے کم حصہ ملتا ہے بیٹے کی نسبت...... یہ دولت بری چیز ہے، یہ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی...... یہ رشتوں کے تقدس کا خیال رکھتی ہے ناں روایات کا پاس۔"

اُف صمد ربانی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چکراتا سر تھام لیا...... وہ تو ہمیشہ سے رضوانہ کو ہی غلط سمجھتے تھے مگر...... رضوانہ کب سے ان کو ہوشیار کر رہی تھیں۔ چھوٹے بھائی سے یہ امید نہ تھی کہ وہ یوں دھوکا دے جائے گا جو کچھ تھا سب کا ہی تھا کبھی انہوں نے زیادتی تو نہیں کی اس کے ساتھ پھر......؟ ان کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ اٹھ کر ٹھنڈا پانی پیا۔

خلافِ توقع سعد ربانی وقت سے پہلے ہی گھر لوٹ آئے تھے...... ان کے چہرے پر دکھ اور اداسی کے گہرے سائے تھے۔ آنکھوں میں نمی اور چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

"کیا ہوا خیریت تو ہے......؟" اماں نے سعد کو آتا دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔

"اماں......" سعد، ماں کی گود میں سر رکھ کر بلک پڑے...... دل کا سارا غبار آنسوؤں کے ذریعے ماں کا دامن بھگوتا رہا۔

"کیا ہوا ہے؟ سب خیریت تو ہے ناں......؟ صمد کہاں ہے؟ وہ ٹھیک ہے ناں بیٹا......؟" رقیہ بیگم کا دل دہل رہا تھا۔ رضوانہ اس وقت گھر پر نہیں تھیں، انیسہ بھی آوازیں سن کر دوڑی چلی آئیں۔ اماں کے کمرے کا منظر دیکھ کر وہ بھی پریشان ہوگئیں۔ ربانہ بھی سعدیہ کے یہاں گئی ہوئی تھی۔

"اماں، میں بہت بے وقعت اور ذلیل ہوگیا ہوں، اپنی نظروں میں گر گیا ہوں، اتنی تذلیل اور اتنی بے عزتی...... میرے بھائی نے، میرے باپ جیسے بھائی نے مجھ پر شک کیا...... اماں...... میں مر جاؤں گا مگر...... ایک روپے کا ہیر پھیر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا...... بھائی نے ایک غیر آدمی کی گواہی پر مجھے...... مجھے مجرم ٹھہرا دیا اپنے بھائی کو...... میں لعنت بھیجتا ہوں اماں ایسے پیسے پر اور ایسے کاروبار پر جس میں میری ذات پر اتنا گھناؤنا الزام لگے......" سعد جو بڑی دیر سے خود پر ضبط کیے ہوئے تھے۔ ماں کے آگے بکھر سے گئے۔

"ارے یہ...... یہ کیا کہہ رہا ہے تو سعد...... تو میرا بچہ ہے، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ تو کچھ غلط کرے...... صمد نے ایسا سوچا بھی کیسے......؟ شرم آنی چاہیے اسے ایسا سوچتے ہوئے بھی...... اپنے خون پر شک کر رہا ہے وہ...... لعنت ہے مجھ پر کہ میرے بیٹے کی سوچ اتنی گھٹیا ہے کہ وہ شک کرے......"

"جی اماں، واقعی لعنت تو ہے مگر مجھ پر...... کیونکہ

میں نے اپنے بیٹے سے زیادہ اپنے بھائی پر یقین کیا...... ہر بات کا، ہر چیز کا مشورہ اس سے کیا...... ایک، ایک پیسے کا حساب صاف رکھا......اور ...... اور...... یہ......آپ کے سامنے آ کر...... مجھے غلط ٹھہرا رہا ہے۔'' اسی وقت صمد ربانی بھی گھر میں داخل ہوئے تھے اور سیدھا اماں کے کمرے میں آئے، پیچھے رضوانہ بھی تھیں۔

''آخر ہوا کیا ہے بھائی......؟ پلیز آپ غصہ نہ کریں گھر میں بیٹھ کر بات کریں، معاملہ طے کریں ضرور کوئی مس انڈراسٹینڈنگ ہوئی ہوگی۔'' انیسہ جو صورتِ حال سے حواس باختہ ہو رہی تھیں درمیان میں آ کر مصالحت آمیز لہجے میں جیٹھ کو مخاطب کیا۔

''رہنے دو بی بی! اپنی یہ ڈرامے بازیاں اب بند بھی کردو...... جب سے تم اس گھر میں آئی ہو، ہمارے ساتھ دونظری ہونے لگی ہے، روزِ اول سے تم، تم اور تم ہی چھائی رہیں، میں نے ہر بات برداشت کی...... اماں کی نورِ نظر تم رہیں تو بھائی کا بازو سعد ربانی...... تم نے اماں کی پیٹھ میں ہی چھرا گھونپ دیا۔ اور تمہارے شوہر نے بھائی کے اعتماد اور بھروسے کا خون کردیا...... ارے پیسوں کی ضرورت تھی تو کہہ کر لے لیتے...... شادی کے اخراجات ہم خود ہی کرلیتے...... ہم نے کبھی اپنا پرایا تو سوچا بھی نہیں مگر...... ہمیں کیا خبر تھی کہ تم لوگ اتنی اوچھی حرکت کرو گے......'' رضوانہ تو اسی موقع کی تلاش میں تھیں یہی وقت تھا کہ جلتی پر تیل ڈال کر رشتوں کے درمیان میں لگی ہوئی آگ کو ہوا دی جاتی اور وہ پوری محنت کے ساتھ یہ فرض نبھانے آ پہنچی تھیں۔

''رضوانہ تم، حد سے بڑھ رہی ہو...... ایسا کچھ بھی نہیں ہے، خواہ مخواہ گڑے مردے اکھاڑ کر بات بڑھانے کی ضرورت نہیں، صمد بیٹا یہاں بیٹھو اور یہ معاملہ غصے کے بجائے نرمی اور پیار سے طے کرو...... ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی اور...... کیا پتا کہ گڑ بڑ آفس کے کسی بندے نے کی ہو...... تم پوری معلومات تو کرواؤ......'' رقیہ بیگم اس صورتِ حال سے شدید پریشان ہوگئیں۔ تب ہی نرمی سے کہا۔

''اماں بس کریں، اب بھی آپ ناجائز طرف داری کررہی ہیں...... خدا کے لیے اب عمر کے اس حصے میں صحیح اور غلط کو سمجھیں...... یہاں پر اپنی دونظری ایک جانب رکھ کر سوچیں کہ سعد ہی آپ کا بیٹا اور انیسہ آپ کی بہو نہیں بلکہ صمد بھی آپ کے بیٹے اور میں آپ کی بہو ہوں۔ آپ کو تو خود بھی خبر نہیں۔۔ آپ کو بڑا زعم ہے ناں کہ بیٹے آپ سے پوچھے بنا سانس بھی نہیں لیتے تو...... تو...... پوچھیں ذرا...... ہفتہ بھر پہلے...... نوٹوں کی گڈیاں لا کر انیسہ کو تھمانے والے آپ کے بیٹے نے آپ کو بتایا کہ وہ نوٹ کہاں سے آئے......؟ کوئی الگ کا کاروبار تو نہیں ہے ناں ان کا، پھر......؟'' رضوانہ تنک کر بولیں۔

''اوہو بھائی سنیں تو وہ پیسے......؟''

''انیسہ بس اب کسی صفائی کی ضرورت نہیں......''

''ہاں ٹھیک ہے اگر بھائی اور بھابی یہی سمجھتے ہیں تو تمہیں یا مجھے ان کے سامنے کوئی صفائی دینے کی ضرورت نہیں۔ ٹھیک ہے بھائی! اگر آپ کے خیال میں، میں غلط ہوں، مجرم ہوں تو آپ مجھے کوئی بھی سزا دے سکتے ہیں، نہ میں ثبوت مانگوں گا نہ صفائی دوں گا...... اور...... جو رقم مسنگ ہے سمجھ لیں وہ میرا حصہ تھا جو میں لے چکا اور...... آج کے بعد سے سارا کاروبار...... سب کچھ آپ کا اور آپ کے بیٹے کا ہے...... مجھے اس میں سے ایک روپیہ بھی نہیں چاہیے، یہ بات میں آج سب کے سامنے کہہ رہا ہوں، اگر کاغذ کے ان نوٹوں کی وجہ سے رشتے داؤ پر لگ سکتے ہیں، اعتماد اور بھروسے کی دھجیاں بکھر سکتی ہیں تو...... لعنت ہے ایسے پیسے پر، ایسے کاروبار پر۔'' سعد ربانی جو کافی دیر سے چپ تھے اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور سخت لہجے میں مخاطب ہوئے۔

''سعد تم حد سے بڑھ رہے ہو......'' صمد ربانی غصے سے دو قدم آگے بڑھے۔

''سوری بھائی لیکن میں حد قائم کررہا ہوں...... اس رشتے کی جس میں دراڑ آ گئی ہے بہتر یہی ہے کہ

میں کاروبار سے علیحدہ ہو جاؤ......'' سعد ربانی نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''واہ بھئی واہ...... دیکھا صمد صاحب، یہ ہیں آپ کے خونی رشتے جن پر بہت مان تھا آپ کو، کہتی تھی ناں میں آپ پچھتاؤ گے۔ پل بھر میں نہ رشتے کی اہمیت برقرار رہی نہ ہی آپ کا بڑا پن......''

''تم لوگ بات کو طول مت دو، سعد، صمد اور رضوانہ......'' رقیہ بیگم کا لہجہ بکھر رہا تھا۔

''معاف کیجیے اماں مگر بات تو طویل ہو ہی چکی ہے، سعد نے جب یہ فیصلہ لے لیا ہے تو آج کے بعد نہ صرف کاروبار بلکہ گھر اور رشتہ بھی ختم...... میں نے تو اپنے بیٹے کی طرح اس کا خیال رکھا لیکن...... یہ مجھے آنکھیں دکھا رہا ہے۔'' صمد ربانی آپے سے باہر ہوگئے تھے۔

''صمد ہوش کرو، یہ کیا بکواس ہے......؟ اتنی سی بات پر اتنے بڑے، بڑے فیصلے کرنے والے تم لوگ کون ہوتے ہو...... اپنا، اپنا حصہ مانگ رہے ہو...... شرم کرو...... یہ سوچو کہ تمہاری ماں کس کے حصے میں آئے گی۔'' رقیہ بیگم غصے سے کانپ رہی تھیں۔

''یہ آپ کا اپنا فیصلہ ہے کہ آپ کس کا انتخاب کریں......'' رضوانہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی...... رضوانہ نے شوہر کا ہاتھ تھام کر انہیں اٹھایا اور اماں کے کمرے سے باہر نکل گئیں...... رقیہ بیگم بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئیں۔ انیسہ ان کے لیے پانی لینے دوڑی۔

''سعد یہ سب کیا ہوگیا...... یہ کون شیطان درمیان میں آ گیا۔ نفرت کی دیوار کیسے کھڑی ہوگئی......؟'' وہ سعد ربانی کے گلے لگ کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگیں۔

پھر دلوں میں نفرتیں کیا آئیں، فاصلے بڑھتے گئے بڑے سے گھر کے درمیان میں دیوار اٹھا کر گھروں کو الگ، الگ کردیا گیا رقیہ بیگم کے حصے میں جو ان کا کمرا آیا وہ سعد ربانی کے پورشن میں تھا۔ سعد کی سچائی پر ان کو یقین بھی تھا گو کہ سعد نے ساری بات کھل کر نہیں بتائی تھی۔ ربانہ اور ریان تو یہ سن کر پاگل ہوگئے۔ اچانک آنے والا طوفان ان دونوں کے لیے کتنے دکھ لے کر آیا تھا۔ وہ لوگ جن کی صبحیں، شامیں ایک ساتھ گزرتی تھیں اب ان دونوں کو قید کردیا گیا تھا۔ ایک دوسرے سے بات کرنے پر پابندی تھی، سارے رشتے ختم ہو چکے تھے ابھی رشتے استوار بھی نہ ہوئے تھے کہ ختم ہوگئے۔ سعدیہ بیچاری کا الگ برا حال تھا۔ دونوں بھائی اپنی، اپنی جگہ ڈٹے ہوئے تھے ملاپ اور مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سعدیہ کے لیے دونوں بھائی قابلِ احترام تھے۔ وہ دونوں سے ملتی تھی باصرہ اور حوید الگ اداس تھے۔ عجب سی ویرانی اور اداسی اتر آئی تھی۔ نہ دن وہ رہے تھے نہ شامیں......

سعد ربانی نے دوست کی فیکٹری میں اس کے ساتھ کام کرنا شروع کردیا تھا۔ رقیہ بیگم بالکل چپ ہو کر رہ گئی تھیں۔ جس آشیانے کو اُن کے شوہر حامد ربانی نے اتنی محبت اور پیار سے بنایا تھا آج وہ ٹوٹ کر تنکے، تنکے ہوگیا تھا۔ درمیان میں کھنچی لکیر مکینوں کے دلوں میں پلتی دوریوں کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ ربانہ، ریان سے بات کرنے، ایک جھلک دیکھنے کو ترپتی، روتی، ریان الگ پریشان رہتا مگر...... حالات نہ جانے کس نہج پر چلے جارہے تھے۔ کوئی امید کوئی، راہ نظر نہیں آتی کہ معاملہ درست ہو...... اُدھر حوید اور باصرہ کی شادی کی تیاریاں بھی شروع ہو چکی تھیں...... سعدیہ بے حد بے دلی سے تیاریاں کررہی تھیں۔ جس وقت رشتہ طے ہوا سب کتنے خوش تھے اور آج جبکہ شادی طے ہوئی تو...... دلوں میں کتنے فاصلے آ چکے تھے، چند ماہ میں سب کچھ بدل چکا تھا۔ رضوانہ بیگم اپنی فتح پر بے تحاشا خوشیاں منا رہی تھیں اور مناسب موقع کی منتظر تھیں کہ صمد ربانی سے اپنی بھانجی کاشفہ کے حوالے سے بات کریں۔

☆☆☆

ڈھیر سارے دن گزر گئے تھے، صدیقی صاحب کی بیٹیوں کی شادیاں ہوگئی تھیں۔ اب وہ بیمار رہنے لگے تھے اس لیے جاب برقرار رکھنا مشکل تھا آج کل گھر پر

رہتے تھے، صمد ہر ماہ معقول رقم ان کو دیتے تا کہ گھر کے اخراجات چلا سکیں۔ اس دوران رضوانہ کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ وہ اپنی ماں سے بہت اٹیچ تھیں، ماں کی جدائی کا بہت گہرا اثر ہوا تھا۔ صمد ربانی ان کا بہت خیال رکھتے...... اس روز بھی ریان اور صمد ان کی والدہ کے گھر ہی تھے کہ اچانک صدیقی صاحب کی کال آگئی۔ ان کی طبیعت کافی خراب تھی اور وہ اسپتال میں تھے۔ صمد ربانی نے بیوی کو گھر پر چھوڑا اور خود ریان کے ساتھ صدیقی صاحب کو دیکھنے کے لیے اسپتال چلے آئے۔ صدیقی صاحب بلڈ پریشر اور دل کے مریض تھے، اس وقت ان کی سانسیں جیسے اکھڑ رہی تھیں اور وہ خاصی تکلیف میں تھے۔ صمد ربانی کو دیکھا تو اشارے سے پاس بلایا وہ قریب آگئے۔

''صاحب مجھے...... مجھے معاف کر دیجیے گا...... میں آپ کا بہت گناہ گار ہوں...... مرنے سے پہلے میں اعتراف کر کے معافی مانگنا چاہتا ہوں...... خدا کے واسطے آپ اور سعد صاحب مجھے معاف کر دیں۔ مجھے سعد صاحب کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگنی ہے، ایک بار، ایک بار ان کو بلوادیں۔'' وہ اٹک، اٹک کر بہ مشکل کہہ رہے تھے ان کو بات کرنے میں بہت دقت پیش آرہی تھی۔

''صدیقی صاحب ایسا نہ کہیں آپ بزرگ ہیں یوں ہمیں گناہ گار نہیں کریں......'' صمد ربانی نے ان کے رعشہ زدہ ہاتھ تھام کر کہا۔

''نہیں، نہیں، میں، میں بہت برا ہوں، احسان فراموش، مکار اور خود غرض......'' وہ بہ مشکل بولے۔

''دراصل، دراصل سعد صاحب بے قصور ہیں، میں، میں جھوٹا اور فریبی ہوں مگر...... مجھے...... مجھے آپ کی مسز رضوانہ میم نے یہ راستہ دکھایا تھا۔ صمد صاحب...... وہ، وہ پیسے رضوانہ میم کے کہنے پر میں...... میں نے نکالے تھے۔ بیٹیوں کی شادی پر...... انہوں نے مجھے رقم کا لالچ دے کر کہا تھا کہ...... یہ کام کروں اور...... پیسے خود رکھ لوں...... سعد صاحب پر الزام ڈال دوں...... میں مجبور تھا میری بیوی کا آپریشن...... میری بیٹیوں کی شادیاں...... میں لالچ میں آگیا اور...... یہ غبن ڈالا...... مجھے معاف کر دیں صاحب...... سعد صاحب بالکل بے قصور ہیں اور...... انہوں نے تو...... اپنا پلاٹ بیچ کر...... کچھ رقم اکاؤنٹ میں بھی ڈالی تھی کہ آپ پریشان نہ ہوں...... لیکن...... حرص اور لالچ میں آ کر میں نے...... ان پر اتنا بڑا الزام لگا دیا...... میں نے جیسے تیسے زندگی گزار لی مگر...... اب جبکہ موت قریب ہے تو یہ بوجھ لے کر جانا نہیں چاہتا...... کاش، کاش میں سعد صاحب کے پیر پکڑ کر اُن کے پیروں پر ناک رگڑ سکتا...... مگر...... ان سے بھی کہہ دینا...... مجھے...... مجھے معاف کر دیں......'' اور صدیقی صاحب کہتے، کہتے رکے اور آخری ہچکی لی اور آنکھیں بند کرلیں۔

''اُف خدایا......'' صمد ربانی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا، وہ دکھ، شرمندگی اور غصے کی ملی جلی کیفیت سے دوچار تھے۔ ریان بھی سب کچھ سن رہا تھا اس کی کیفیت بھی لگ بھگ باپ جیسی ہی تھی گو کہ اس کو بھی چاچو کی سچائی پر ذرا برابر شک نہیں تھا مگر کبھی، کبھی وہ بھی منفی انداز میں ایک لمحے کو سوچتا کہ اتنے چپ چاپ سے چاچو کیسے جائداد سے دستبردار ہوگئے...... اور نوٹوں کی گڈیاں......؟ مگر آج سب کچھ کھل کر سامنے آگیا تھا۔ صمد ربانی کا دل چاہ رہا تھا کہ رضوانہ کو اتنے تھپڑ لگائیں کہ ان کے ہوش ٹھکانے آجائیں...... اتنا کینہ، اتنا بغض اور اتنی عداوت...... انہوں نے گھٹیا پن کی آخری حد کر دی تھی۔ بھلا کوئی اتنا بھی گر سکتا ہے، ایک رشتہ نہ کرنے کے لیے سارے رشتے ختم کر دینا اور وہ بھی...... اتنی گھناؤنی منصوبہ بندی...... اس وقت رضوانہ گھٹیا فلموں کی شاطر ترین ولن لگیں جو بیک وقت کئی لوگوں کو اپنے شاطر ذہن سے الجھا کر رکھتی ہیں۔

''ریان! تمہاری ماں نے حد کر دی بیٹا...... مجھے میری نظروں میں ذلیل کر دیا۔'' بے ساختہ وہ ریان کے گلے لگ کر رونے لگے۔

''میں تمہاری ماں کو......''

''پلیز پاپا......! مما نے بہت چھوٹی اور گری ہوئی حرکت کی ہے...... شکر ہے کہ اصلیت سامنے آگئی۔ پاپا ابھی مما خود اذیت سے گزر رہی ہیں...... اس لیے کوئی ایسا فیصلہ نہ کیجیے گا...... ہاں سزا ضرور ملنی چاہیے۔ انہوں نے بہت غلط کیا، بھائیوں کے درمیان اتنی نفرت قائم کی...... دادو کو کتنا تڑپایا...... ہم لوگوں کو کس قدر تڑپایا......'' ریان کا لہجہ بھی نم تھا۔ اسے بھی ماں پر بہت غصہ آرہا تھا۔

☆☆☆

صمد ربانی نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ جلائی مغرب ہوگئی تھی اور رضوانہ ابھی تک اندھیرا کیے گم صم بیٹھی تھیں۔ کمرے میں روشنی ہوئی تو وہ چونکیں۔

''ارے آپ آگئے......''

''جی آگیا میں...... تم دوسروں کی زندگی میں اندھیرے پھیلا چکی ہو...... اپنے کمرے کو روشن کرنا بھول گئیں کیا......؟'' صمد ربانی نے طنز کا تیر پھینکا۔

''کیا مطلب......؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟''

رضوانہ کے لیے شوہر کا یہ لہجہ، یہ انداز قطعی اجنبی تھا۔

''مطلب یہ کہ رضوانہ بیگم تف ہے تم پر اور تمہاری گھناؤنی سازش پر...... شرم آتی ہے یہ سوچ کر تم...... تم جیسی شاطر اور فتنہ انگیز عورت میری بیوی ہے...... جس کی شاطرانہ چالوں میں الجھ کر میں صحیح اور غلط کی پہچان بھول گیا۔ میں گناہ گار ہوگیا...... بتاؤ...... کتنی رکعتوں کا ثواب ملا تمہیں ایک معصوم اور سچے انسان کو جھوٹا اور مجرم ثابت کر کے...... ایک مجبور بوڑھے کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھا کر اس کا استعمال کر کے میرے موبائل سے ان کا نمبر اور رابطہ کر کے ان کو بھاری رقم کی لالچ دے کر...... ان کی ایمانداری خرید کر، ان کی بے بسی کے دام لگا کر کون سا ثواب ملا تمہیں رضوانہ...... تم نے کتنی چالاکی اور مکاری سے ہمیں...... لڑوانے کو جال پھینکا...... کیوں، کیوں...... اگر تم کو ریان کی شادی ربانہ سے نہیں کرنی تھی تو اڑ جاتیں...... اپنا حق درمیان میں لے آتیں مگر...... یہ نیچ حرکت تو نہ کرتیں...... کیا دشمنی تھی تمہیں انیسہ سے؟ اس کی بیٹی سے...... کیا بگاڑا تھا ان لوگوں نے تمہارا......؟ میری بوڑھی ماں کے جذبات سے کھیل کر تم نے ٹھیک نہیں کیا رضوانہ...... میں اسی وقت تم کو طلا......''

چٹاخ...... قبل اس کے کہ صمد ربانی کا جملہ پورا ہوتا ان کے گال پر زوردار طمانچہ پڑا...... صمد ربانی... لڑکھڑا کر مڑے ریان کے ساتھ سعد ربانی، انیسہ، ربانہ سب دروازے پر کھڑے تھے اور رقیہ بیگم کا تھپڑ صمد کے گال پر پڑا تھا۔

''صمد ربانی پاگل ہوگئے ہو کیا......؟ یہ کیا حماقت ہے...... ایک بار جذباتی ہوئے تو اس کا انجام دیکھ لیا ناں اور آج پھر وہی غلطی کر رہے ہو۔'' رقیہ بیگم غصے سے کانپ رہی تھیں۔

''اماں، مجھے معاف کر دیں۔ میں بہت برا ہوں۔'' صمد ربانی، ماں سے لپٹ کر زار و قطار رو رہے تھے۔ شرمندگی، ندامت اور پچھتاوے کے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔

''سعد میرے بھائی......! اپنے بھائی کو معاف کر دے یار...... میں نے بہت بڑی غلطی کر دی...... میری آنکھوں پر پٹی پڑ گئی تھی۔ صحیح اور غلط کی پہچان نہیں تھی مجھے...... اس...... اس عورت کے فساد اور شر نے مجھے اندھا کر دیا تھا میرے بھائی...... مجھے معاف کر دے......'' صمد ربانی، سعد کی طرف بڑھے اور ان سے لپٹ گئے۔

''بھائی پلیز...... معافی مانگ کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔ یہی بہت ہے کہ آپ کو سچائی کا علم ہوگیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن سچ خود بہ خود سامنے آئے گا...... مجھے معاف کر دیں کہ میں نے آپ کے ساتھ بدتمیزی کی......'' سعد ربانی بھی رونے لگے تھے۔ صمد ربانی نے آگے بڑھ کر ربانہ کو سینے سے لگا لیا۔ وہ بھی رو رہی تھی۔ ریان نے سعدیہ کو بھی کال کر دی تھی۔ سعدیہ بھی دوڑی آئیں۔ یہاں کا ماحول اس

کے لیے اطمینان بخش تھا۔ رضوانہ کی آنکھوں میں زندگی میں پہلی بار ندامت کے آنسو تھے...... وہ سر جھکائے مسلسل رو رہی تھیں۔ واقعی انہوں نے بہت غلط حرکت کی تھی اگر آج اماں نہ آتیں تو شاید عمر کے اس حصے میں طلاق کا طوق ان کے گلے میں پڑ جاتا۔ یہ سوچ کر جھرجھری سی آگئی۔

''اماں جان! انیسہ، سعدیہ، میں تم لوگوں سے معافی مانگنے کے بھی قابل نہیں...... انیسہ میں نے تم کو ہمیشہ غلط سمجھا' ہر لمحہ شک کیا۔ تمہاری طرف سے منفی سوچیں پالیں...... سعد تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہی ہوں کہ مجھے اس کا بھی حق نہیں مگر...... میں نہ جانے کیوں اندھی ہوگئی تھی۔ شاید میری تربیت میں کمی رہ گئی تھی۔ کیونکہ میری ماں نے مجھے کبھی اچھی ماؤں کی طرح سے نصیحت نہیں کی بلکہ ہمیشہ الٹی پٹی پڑھاتی رہیں اور میں...... میں نادان تھی...... اپنے ہاتھوں سے اپنی جنت کو دوزخ بناتی رہی......'' وہ بری طرح رو رہی تھیں اور ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں۔

''بھابی! میں نے آپ کو دل سے معاف کیا اگر آپ کو غلطی کا احساس ہوگیا ہے تو اچھی بات ہے۔'' سعد ربانی نے نرم لہجے میں کہا صمد ربانی بدستور بیوی سے نالاں تھے۔

''بھائی، آپ بھی بھابی کو معاف کردیں۔'' انیسہ نے آگے بڑھ کر صمد ربانی سے درخواست کی۔

''ہاں صمد غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے کوئی چھوٹی غلطی کرتا ہے کوئی بڑی اور کوئی بہت بڑی گو کہ رضوانہ کی یہ غلطی بہت بڑی اور انتہائی اذیت ناک تھی مگر...... معافی کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔'' رقیہ بیگم نے متانت سے کہا تو صمد ربانی اثبات میں سر ہلانے لگے۔

دفعتاً صمد ربانی تیزی سے پلٹے...... ریان اور حوید کی طرف اور پھر سعد ربانی کی طرف دیکھا اور باہر آنے کو کہا۔

''کہاں پاپا......؟'' ریان نے پوچھا۔

''سب سے پہلے تو اپنے ہاتھوں سے وہ دیوار گراؤں گا جو گھر کو دو حصوں میں بانٹ رہی ہے۔'' صمد ربانی نے کہا۔

''ہرّا......'' حوید اور ریان خوشی سے چلائے۔

''اور ہاں...... اماں، انیسہ اور سعد ایک بات میری بھی سن لیں۔'' رضوانہ نے آگے بڑھ کر کہا تو باہر جاتے، جاتے سعد کے قدم رک گئے......

''بقر عید کے بعد باصرہ اور حوید کی شادی ہے میری خواہش ہے کہ باصرہ اور حوید کی شادی کے ساتھ، ساتھ ریان اور ربانہ کی بھی شادی کردی جائے کیوں اماں......؟''

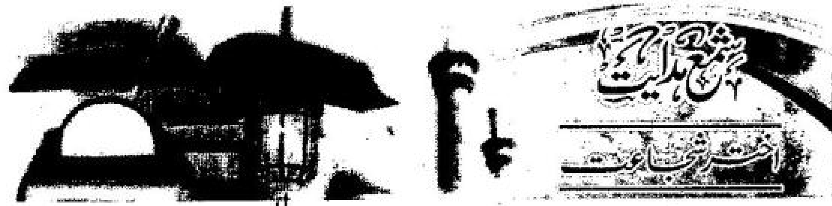
''واہ بھئی...... ماشاء اللہ یہاں پر تو خوشی پر خوشی ملتی جارہی ہے۔'' سعدیہ نے آگے بڑھ کر دونوں بھاوجوں کو گلے لگاتے ہوئے پُر محبت لہجے میں کہا۔

''ہاں انشاءاللہ اس گھر میں خوشیاں، محبت اور پیار ایک عرصے سے کہیں گم ہوگیا تھا دیکھنا کس طرح اس برسے گا۔'' رضوانہ نے ربانہ کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا لہجے میں سچائی نمایاں تھی۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے کہ ایک بار پھر میرے ایک جان ہوگئے۔ میرے گھر کی یہ رونقیں یونہی سلامت رکھنا میرے مولا...... آمین ثم آمین......'' رقیہ بیگم نے نم، نم آنکھوں سے آسمان کی جانب دیکھا۔

☆☆☆

''رقیہ پیلس'' کی خوشیاں لوٹ آئی تھیں۔ دو دن بعد ہی مخصوص چھوٹے سے باڑے میں تروتازہ قربانی کے جانور کھڑے تھے۔ باصرہ اور ربانہ مہندی گھول جانوروں پر نقش و نگار بنا رہی تھیں حوید اور ریان محبت بھری نگاہوں سے اپنی، اپنی ہونے والی دلہنوں کو دیکھ رہے تھے۔ ایک بار پھر گھر کی رونقیں لوٹ آئی تھیں کیونکہ دل کی بساط پر رشتوں کی بازیاں نہیں سکتیں۔ دل کی بساط پر تو رشتے قائم رہتے ہیں محبت امید کے ساتھ......



سخاوت...... رحمت الٰہی

تمام تر حمد و ثنا اللہ رب العزت کے لیے وہی سارے جہانوں کا مالک و مختار ہے۔

اے ہمارے رب! تو ہمارا آقا اور مالک ہے، ہم تیرے بندے تو بے حد عزت والا ہے تو ہمارا خالق ہے اور ہم مخلوق...... تو عطا کرنے والا ہے اور ہم سائل تو فریاد رس ہے اور ہم فریادی...... اے ہمارے معبود......! ہم تیرے درِ سخاوت پر کھڑے ہیں اور تیرے بہترین عطیات کے منتظر ہیں، اپنے ان پست بندوں پر رحم فرما...... پس ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ رحمت نازل فرما۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی آلؑ پر اور ان کے اصحابؓ پر...... درود و سلام ہو آقائے تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر......

آج ہمارا موضوع سخاوت ہے...... سخاوت کے لغوی معنی فیاضی، بخشش، خیرات کے ہیں۔ عام طور پر ہم اسے ضرورت مندوں کی مدد کرنا کہہ سکتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں جو شخص مال خرچ کرے گا وہی سخی ہوگا اور سخاوت وہی کرسکتا ہے جسے مال کی محبت نہ ہو۔ جتنی زیادہ مال کی محبت ہوگی اتنا ہی وہ شخص بخیل ہوگا۔

سخاوت، انبیا علیہ السلام کے اخلاق میں سے ایک خلق ہے اور نجات کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد......

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا......

''سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے، اس کی ٹہنیاں زمین تک لٹکی ہوئی ہیں جو اس میں سے ایک ٹہنی پکڑ لیتا ہے۔ وہ ٹہنی اسے جنت میں کھینچ لے جاتی ہے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یہ وہ دین ہے۔ جسے میں نے اپنے لیے پسند کیا ہے، یہ سخاوت اور حسنِ خلق ہی سے درست رہ سکتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے ان دونوں کے ذریعے دین کا اکرام کرو۔''

''اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا کو حسنِ خلق اور سخاوت پر پیدا کیا ہے۔'' آقا دو جہاں کا مبارک ارشاد ہے کہ ''دو عادتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ کو ناپسند ہیں۔ جو عادتیں اللہ کو پسند ہیں وہ ہیں خوش خلقی اور سخاوت...... اور جو ناپسند ہیں وہ ہیں بدخلقی اور بخل...... جب اللہ کسی بندے سے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے لوگوں کی ضرورتیں پوری کراتا ہے۔''

حدیث قدسی ہے کہ ''میرے رحم دل بندوں سے عطا کی درخواست کرو اور ان کے سائے میں زندگی بسر کرو...... میں نے ان کے پہلوؤں میں رحمت رکھ دی ہے۔ سخت دلوں سے نہ مانگو اس لیے کہ میں نے ان پر غضب نازل کیا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''سخی کی غلطی درگزر کردیا کرو اس لیے کہ جب وہ لغزش کرتا ہے تو اللہ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔''

''کھانا کھلانے والے کے پاس اتنی جلد رزق پہنچتا ہے کہ اتنی جلد اونٹ کی گردن پر چھری بھی مؤثر نہیں

ہوتی......اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں کھانا کھلانے والے پر فخر کرتا ہے۔" "اللہ تعالیٰ سخی ہے اور مکارم اخلاق کو پسند کرتا ہے اور برے اخلاق کو ناپسند کرتا ہے۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بنو العنبر کے قیدی لائے گئے آپؐ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا صرف ایک شخص کو مستثنیٰ قرار دیا۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا......

"یارسول اللہ رب ایک ہے، دین ایک ہے اور گناہ ایک ہے پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس ایک شخص کو مستثنیٰ قرار دیا۔" آپ نے ارشاد فرمایا۔ "حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ ان سب کو قتل کر دیجیے اور اس کو چھوڑ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت کا شکر گزار ہے۔"

☆☆☆

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ "سخی کا کھانا دوا ہے اور بخیل کا کھانا بیماری......"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ" وہ کام زیادہ کرو جسے آگ نہ کھائے۔ لوگوں نے عرض کیا وہ کام کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا۔ احسان......"

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ "سخی اللہ سے قریب ہوتا ہے، لوگوں سے قریب ہوتا ہے، جنت سے قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دور ہوتا ہے۔ اور بخیل اللہ سے دور ہوتا ہے لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ جنت سے دور ہوتا ہے اور دوزخ سے قریب تر ہوتا ہے۔"

"جاہل سخی اللہ کو بخیل عالم سے زیادہ محبوب ہے۔" روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ "سامری کو قتل نہ کرنا وہ سخی ہے۔"

جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ طلب کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب کبھی نفی میں نہیں دیا۔ اگر آپ کے پاس فوری کچھ نہ ہوتا تو اس کے دینے کا وعدہ فرماتے تھے اور پھر دیتے تھے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ "روئے زمین پر کوئی گھرانا ایسا نہیں جن کے گھروں کا میں نے کھوج نہ لگایا ہو مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و[آلہ] وسلم سے زیادہ مال کی بخشش کرنے والا نہیں دیکھا۔"

آپؐ کل کے لیے ذخیرہ جمع نہیں کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اسی ہزار درہم لائے گئے۔ آپ نے ان سب کو ایک چادر پر پھیلا دیا اور جب تک ان سب کو تقسیم نہ فرما دیا اپنی جگہ سے نہیں اٹھے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ "اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شکمِ اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔

ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان کی وادی جو بکریوں سے بھری تھی، عطا فرما دی...... جب وہ اپنی قوم میں واپس گیا تو اس نے کہا......اے قوم کے لوگو! جاؤ تم سب مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا زیادہ عطا فرماتے ہیں کہ آپ اپنی درویشی سے بھی نہیں ڈرتے۔"

حبشہ کے بادشاہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو من کستوری تحفے میں بھیجی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایک بار ہی پانی میں گھول دیا اور اپنے اور اپنے صحابہ کرامؓ کے اوپر مل دیا۔

☆☆☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت تک کھانا نہ کھاتے تھے جب تک کوئی مہمان نہ آ جاتا...... ایک مرتبہ تین روز گزر گئے کوئی مہمان نہ آیا اتفاقاً ایک مجوسی (کافر) کا آپ کے دروازے پر گزر ہوا، آپؑ نے اس سے پوچھا تو کون؟ اس نے کہا میں کافر ہوں۔ آپؑ نے فرمایا......تو میری مہمانی اور عزت کے لائق نہیں...... اسی وقت آپؑ پر وحی آئی کہ "اے خلیل! جسے میں نے ستر سال تک پالا تم نے اسے ایک وقت کا کھانا تک نہ کھلایا۔"

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال پر دیکھیں تو جب حاتم طائی کا لڑکا حضورؐ کے پاس تشریف

لایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر اس کے نیچے بچھائی اور فرمایا......" جب تمہارے پاس کسی قوم کا عزت والا آئے تو اس کا اکرام کرو۔" یہ آپ کی شان نبوت تھی کہ ایک کافر کے لیے اپنی چادر بچھائی...... یہ آپ کی جود کا حال ہے......سخا، جود کا ابتدائی درجہ ہے۔ جس میں سخی کسی غرض یا سبب کا لحاظ رکھتے ہوئے بخشش وعطا میں امتیاز برتتا ہے۔ اور جود یہ ہے کہ بخشش و عطا میں امتیاز نہ برتے، بے غرض تقسیم کرے اور اس کا فعل بے سبب ہو۔

☆☆☆

ایک شخص حضرت حسن بن علیؓ کے دروازے پر آیا اور عرض کی کہ اے فرزند رسول! مجھ پر چار سو درہم کا قرض ہے...... حضرت امام حسنؓ نے حکم دیا اسے چار سو درہم دے دیے جائیں۔ اور آپؓ خود روتے ہوئے گھر میں داخل ہو گئے......لوگوں نے آپؓ کے رونے کی وجہ دریافت کی تو آپؓ نے فرمایا۔ "میں اس لیے روتا ہوں کہ میں نے اس شخص کے حال کی جستجو میں کوتاہی کی ہے یہاں تک کہ میں نے اسے سوال کی ذلت میں ڈال دیا۔"

حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ ایک قوم کی چراگاہ سے گزرے وہاں ایک حبشی غلام کو دیکھا جو بکریوں کی رکھوالی کر رہا تھا۔ اتنے میں ایک کتا آیا اور اس غلام کے آگے بیٹھ گیا اس نے ایک روٹی نکال کر اس کتے کے آگے ڈال دی اس کے بعد دوسری پھر تیسری حضرت عبداللہؓ اس کے سامنے گئے اس سے فرمایا۔

"اے غلام......! تیرا کھانا روزانہ کتنا ہوتا ہے؟ اس نے عرض کی اتنا ہی جتنا آپؓ نے دیکھا......آپؓ نے فرمایا...... پھر تم نے وہ سب کیوں کھلا دیا......؟" اس نے کہا کہ یہاں کتوں کی جگہ تو ہے نہیں، یہ کہیں دور سے امید لے کر آیا ہے میں نے اسے اچھا نہ جانا کہ اس کی محنت کو ضائع کر دوں...... حضرت عبداللہ کو اس کی بات بہت اچھی لگی۔ انہوں نے اس غلام کو اور اس کی تمام بکریوں کو مع چراگاہ کے خرید لیا اور غلام کو آزاد کر کے فرمایا......" یہ سب بکریاں اور چراگاہ تمہیں بخش دی۔" غلام نے ان کے لیے دعا کی اور بکریوں کو خیرات کر کے چراگاہ وقف کر دی اور خود وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

حضرت امام زین العابدینؒ بے حد فیاض اور سخی تھے۔ انفاق فی سبیل اللہ اور دریا دلی آپ کا خاص وصف تھا۔ آپ خدا کی راہ میں بے دریغ دولت لٹاتے تھے۔ فقرا اور اہلِ حاجت کی دستگیری کے لیے ہمیشہ آپ کا دستِ کرم دراز رہتا تھا۔ مدینہ کے معلوم نہیں کتنے غریب گھرانے آپ کی ذات سے پرورش پاتے تھے اور کسی کو خبر نہیں ہونے پاتی۔ آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ خفیہ طور پر مستقل سو گھرانوں کی کفالت کیا کرتے تھے۔

لوگوں سے چھپانے کے لیے بہ نفسِ نفیس خود راتوں کو جا کر ان کے گھروں پر صدقات پہنچایا کرتے تھے۔ غلے کے بڑے، بڑے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر غریبوں کے گھر پہنچاتے تھے۔ وفات کے بعد جب غسل دیا جانے لگا تو جسم مبارک پر نیل کے داغ نظر آئے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ آٹے کی بوریوں کے بوجھ کے داغ ہیں۔ جنہیں آپ عمر بھر راتوں کو لا کر غربا کے گھر پہنچاتے رہے۔ آپ کی وفات کے بعد اہلِ مدینہ کہتے تھے کہ خفیہ خیرات حضرت زین العابدینؒ کے دم سے تھی۔ سائلین کا بڑا احترام کرتے تھے۔ جب کوئی سائل آتا تو فرماتے میرے توشہ کو آخرت کی طرف لے جانے والے مرحبا پھر اس کا استقبال کرتے۔ سائل کو خود اٹھ کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ صدقات سائل کے ہاتھوں میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتے ہیں۔ عمر میں دو مرتبہ اپنا کل مال و متاع آدھا، آدھا خدا کی راہ میں دے دیا۔

ایک بار حضرت شفیق بلخیؒ نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے فتوت (شجاعت، سخاوت، مروت) کی نسبت سوال کیا۔ آپؒ نے فرمایا۔ "بتائیں آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں انہوں نے کہا۔ "ہمیں اگر کچھ مل جائے تو شکر ادا کرتے ہیں اور نہ ملے تو صبر کرتے

ہیں۔‘‘ اس پر حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔ مدینہ میں ہمارے ہاں کتوں کا یہی حال ہے، ہماری حالت یہ ہے کہ ’’مل جائے تو اوروں میں بانٹ دیتے ہیں اور نہ ملے تو شکر کرتے ہیں۔‘‘

☆☆☆

حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ حج کے ارادے سے سفر پر روانہ ہوئے راستے میں بار برداری کے جانوروں سے بچھڑ گئے۔ اس دوران بھوک اور پیاس نے ستایا تب ان کا گزر ایک بوڑھی عورت کے پاس ہوا۔ وہ اپنی کٹیا میں تنہا تھی۔ ان لوگوں نے بڑھیا سے پوچھا کہ پینے کے لیے کچھ ہے؟ اس نے کہا ہے اور ایک گوشے میں بندھی ہوئی بکری کی طرف اشارہ کیا جو انتہائی لاغر تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اس کا دودھ نکال کر پی لو...... جب دودھ پی لیا تو پھر بھوک کا خیال آیا انہوں نے بڑھیا سے کھانے کے بارے میں پوچھا۔ بڑھیا نے کہا کہ میرے پاس صرف یہ ایک بکری ہے جس سے تم اپنی بھوک مٹا سکتے ہو۔ اگر تم میں سے کوئی یہ بکری ذبح کر دے تو میں اسے پکا دوں گی۔ چنانچہ ان تینوں حضرات میں سے ایک نے بکری ذبح کی بڑھیا نے ان کے لیے گوشت بھونا۔ ان حضرات نے کھانا کھایا...... کچھ دیر آرام کیا اور شام کے وقت رخصت ہونے لگے تو ان لوگوں نے بڑھیا سے کہا کہ ہم ہاشمی ہیں حج کے ارادے سے نکلے ہیں اگر ہماری واپسی سلامتی کے ساتھ ہوئی تو تم ہمارے پاس آنا...... ہم تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے......

رات کو بڑھیا کا شوہر واپس آیا تو اس نے مہمانوں کی آمد اور بکری کے ذبح کا قصہ سنایا...... شوہر اس پر بہت برہم ہوا اور کہنے لگا کمبخت تو نے اجنبی مسافروں کے لیے میری بکری ذبح کر دی پھر بھی یہ کہتی ہے ہاشمی تھے...... کافی عرصہ گزر گیا تب یہ دونوں کسی ضرورت سے مدینہ منورہ آئے اور وہیں رہنے لگے۔ انہوں نے اونٹ کی مینگنیوں کو ذریعۂ معاش بنایا، دن بھر سڑکوں سے اٹھاتے اور شام کو فروخت کر دیتے۔ ایک روز بڑھیا مدینے کی گلیوں میں گھومتی پھر رہی تھی۔ حضرت حسنؓ اپنے گھر کے باہر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے بڑھیا کو پہچان لیا مگر بڑھیا نے انہیں نہ پہچانا۔ حضرت حسنؓ نے خادم کے ذریعے اسے بلایا اور پوچھا کیا مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے انکار کیا...... تب آپؓ نے فرمایا۔ میں وہ ہوں جو اس روز آپ کا مہمان بنا تھا۔ تب حضرت حسنؓ نے اسے واقعہ یاد دلا کر اسے یقین دلایا اور خادم کو حکم دیا کہ اس بڑھیا کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دے دو۔ اور اسے اپنے ہمراہ حضرت امام حسینؓ کے پاس لے جائے...... جب بڑھیا حضرت امام حسینؓ کے پاس پہنچی تو آپؓ نے پوچھا کہ بھائی نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ بڑھیا نے بتایا کہ اسے حضرت امام حسنؓ نے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار عطا کیے ہیں۔ تب حضرت امام حسینؓ نے بھی بڑھیا کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار عطا کیے اور اسے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس بھیج دیا۔ تب حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے بڑھیا سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ حسنؓ اور حسینؓ نے کیا، کیا؟ بڑھیا نے بتایا کہ دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار دونوں نے دیے ہیں۔ تب عبداللہ بن جعفرؓ نے اسے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا کیے ہیں۔ بڑھیا یہ چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کر اپنے شوہر کے پاس فخر سے پہنچی...... یہ تھی آپ لوگوں کی سخاوت......

☆☆☆

حضرت لیث ابن سعدؒ کی سخاوت مشہور تھی۔ روایت ہے کہ ہارون رشید نے مالک ابن انسؒ کی خدمت میں پانچ سو دینار روانہ کیے۔ حضرت لیث ابن سعدؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ایک ہزار دینار پیش کیے...... ہارون رشید نے لیث ابن سعدؒ سے کہا۔ ’’تم ہماری رعایا میں سے ہو۔ پھر تم نے ہمارے پانچ سو دینار کے مقابلے میں ایک ہزار دینار بھیجنے کی جرأت کیسے کی؟ حضرت لیثؒ نے کہا...... امیرالمومنین......! مجھے غلے کی تجارت سے جو روزانہ آمدنی ہوتی ہے وہ کم و بیش ایک ہزار دینار ہے۔ لہٰذا مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ میں اپنی ایک دن کی آمدنی سے کم و بیش کروں......‘‘ یہی وجہ تھی کہ ایک ہزار دینار یومیہ آمدنی کے باوجود کبھی ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔

ایک بار ایک عورت نے حضرت لیث ابن سعدؒ سے تھوڑا سا شہد مانگا۔ انہوں نے اسے پورا مشکیزہ عطا کر دیا...... کسی نے عرض کی کہ حضرت وہ عورت تو تھوڑے پر قانع تھی۔ آپؒ نے جواب دیا۔ اس نے اپنی ضرورت کے بقدر سوال کیا...... ہم نے ان نعمتوں کے مطابق عطا کیا ہے جو ہمیں اللہ نے دے رکھی ہیں......

آپؒ ہر صبح اس وقت تک کسی سے کوئی بات نہ کرتے تھے جب تک تین سو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ نہ دے دیتے۔

☆☆☆

حضرت امام شافعیؒ صفا سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ان کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ مکہ سے باہر انہوں نے اپنے قیام کے لیے خیمہ نصب کیا اور صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تمام دینار اپنے سامنے رکھ کر بیٹھ گئے اور ہر آنے والے کو مٹھی بھر، بھر کر دینے لگے۔ ظہر کی نماز کے لیے اٹھے تو زمین پر ایک دینار بھی نہ تھا۔

جب امام شافعیؒ نے مکہ مکرمہ کے لیے رختِ سفر باندھا تو ان کے پاس بہت مال تھا تاہم اپنی سخاوت اور دریا دلی کے باعث مال جمع کرنے کے عادی نہیں تھے۔ حضرت ابوثورؒ نے عرض کیا کہ اس مال کے عوض آپ کوئی جائداد خرید لیں۔ آپ کے بھی کام آئے اور آپ کے بچوں کے لیے بھی...... سفر سے واپسی کے بعد جب ابوثورؒ نے ان سے دریافت کیا...... تو فرمایا...... ’’وہاں مجھے کوئی ایسی جائداد نہ مل سکی جسے میں خرید لیتا۔ البتہ منیٰ میں، میں نے ایک دارالمسافرین تعمیر کرا دیا ہے۔ اس میں ہمارے ساتھی حجاج قیام کریں گے اس کے بعد آپ نے دو شعر پڑھے۔ مفہوم (میرا دل بہت سے ایسے امور کی خواہش سکتا ہے جن تک میرے مال کی رسائی نہیں۔ دل میرا بخل پر آمادہ نہیں اور میرا حال میرے افعال کا ساتھ نہیں دیتا)

’’روایت ہے کہ ہر احسان صدقہ ہے اور خیر کا بتانے والا ایسا ہے جیسے خیر کا کرنے والا اور اللہ کو فریاد رسی کرنا اچھا لگتا ہے۔‘‘

’’ہر احسان خواہ کسی مالدار پر کرو یا فقیر پر صدقہ ہے۔‘‘

ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خوب گریہ کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی۔ آپؓ نے فرمایا۔ سات روز سے میرے گھر میں کوئی مہمان نہیں آیا، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض نہ ہو۔

ایک شخص اپنے دوست کے پاس آیا دروازے پر دستک دی دوست نے آنے کی وجہ دریافت کی۔ آنے والے نے بتایا کہ میں اتنی رقم کا مقروض ہوں، اس نے مطلوبہ رقم اپنے دوست کو دے دی اور گھر میں آ کر رونے لگا۔ بیوی نے اسے روتے دیکھا تو کہنے لگی کہ اگر تمہیں یہ مال دینا اتنا ہی شاق گزرا ہے تو نہ دیتے۔ وہ بولا۔ میں اس مال کی جدائی پر نہیں رو رہا بلکہ روتا اس لیے ہوں کہ میں نے اپنے دوست کی خبر گیری نہیں کی۔ اگر میں اس کے حالات پر نظر رکھتا تو اسے اپنی ضرورت لے کر میرے دروازے پر نہ آنا پڑتا۔

☆☆☆

ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامیؒ کو عبادت میں کچھ لطف نہ آیا آپ نے خادم کو بلا کر فرمایا۔ دیکھ گھر میں کیا چیز ہے؟ اس نے دیکھا تو انگور کا ایک خوشہ نظر آیا۔ آپؒ نے اسے دیکھا تو فرمایا...... یہ کسی کو دے دو کیونکہ ہمارا گھر بنیے کی دکان نہیں......

ایک بار حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حج سے فارغ ہونے کے بعد حرم کے صحن میں سو گئے۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ دو فرشتے آسمان سے آئے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ اس سال کتنی خلقت حج کے لیے آئی دوسرے نے کہا چھ لاکھ...... پھر پوچھا کہ کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ کسی کا بھی حج قبول نہیں ہوا۔ یہ سن کر آپ گھبرائے کہ اس قدر خلقت کی تمام سفر کی تکلیفیں اور اخراجات اکارت گئے۔ اس کے بعد دوسرے فرشتے نے کہا...... دمشق میں ایک

شخص علی بن موفق نامی ایک موچی رہتا ہے اگرچہ وہ حج کو نہیں آیا لیکن اس کا حج قبول ہو گیا اور یہ ساری خلقت محض اس کی خاطر بخشی گئی۔ آپ یہ خواب دیکھ کر جاگے تو آپ نے دمشق جا کر علی بن موفق موچی سے ملنے کا ارادہ کیا اور چل پڑے۔ وہاں اس کے گھر آپؒ پہنچے سلام دعا کے بعد فرمایا...... مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے؟ اس نے کہا فرمائیں...... آپؒ نے سارے خواب کا واقعہ بیان کیا۔ اس نے خواب سن کر آپؒ کو بتایا کہ میں نے ساری عمر میں حج کے ارادے سے چہڑاسی کر کئی ہزار درہم جمع کیے تھے کیونکہ مجھے حج کی بے حد آرزو تھی۔ اور اس سال میرا بیت اللہ جانے کا پختہ ارادہ تھا۔

ایک دن میری بیوی نے کہا کہ ہمسائے کے گھر سے گوشت پکنے کی بہت زبردست خوشبو آ رہی تھی۔ ذرا سا سالن لے آؤ میرا بہت دل چاہ رہا ہے۔ تب میں ہمسائے کے گھر پہنچا اور تھوڑا سا سالن طلب کیا۔ ہمسائے نے کہا کہ یہ گوشت تم پر حلال نہیں ہے کیونکہ تقریباً سات روز سے میرے گھر میں فاقہ ہے۔ بچے بھوک سے بلک رہے تھے میں ان کی تڑپ سے مجبور تھا۔ تب مجھے ایک مرا ہوا گدھا نظر آیا۔ میں سخت مجبوری کے باعث اس کے جسم سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ لایا اور اب وہی پک رہا ہے۔ لہٰذا وہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔

علی بن موفق نے کہا کہ میں ہمسائے کی یہ حالت جان کر تڑپ گیا میں گھر گیا اور جو روپیہ حج کے لیے جمع کیا تھا وہ لا کر اسے دے دیا اور کہا کہ تم اس سے اپنا گزارہ کرو...... میرا حج یہی ہے، یہ بات جان کر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا۔ فرشتوں نے کس قدر سچ کہا تھا۔ یہ بات لوگوں کے لیے بہت غور طلب اور فکر کی دعوت دیتی ہے کہ مخلوق کی خدمت اللہ کے نزدیک کتنی زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ قرآن پاک کی آیات اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہمیں اس بات کی تاکید اور ترغیب دیتے ہیں کہ مال صرف اس لیے ہے کہ اس کو اللہ کی راہ میں اللہ کی رضا کے لیے اس کے کاموں میں خرچ کیا جائے۔ خود اپنی طاقت کے موافق تنگی اٹھالی جائے دوسروں پر خرچ کیا جائے۔

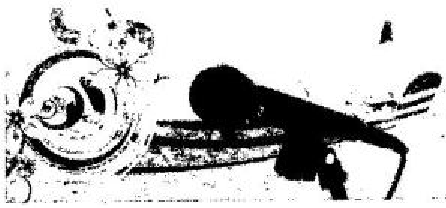
خود حق سبحانہ کا ارشاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرماتے ہیں کہ ”اے آدمی! تو اپنا خزانہ میرے پاس بہا دے نہ تو اس کو آگ لگ جانے کا خوف رہے نہ چوری کا نہ دریا برد ہونے کا...... اور میں ایسے وقت کو پورے کا پورا دے دوں گا جب تو بے حد محتاج ہو گا

ہر شخص یہ غور کرے کہ اس نے کل قیامت کے لیے کیا چیز آگے بھیجی ہے۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اپنے کام آنے والا صرف وہی مال ہے جو اپنی زندگی میں آگے آگے بھیج دے۔ اپنی کمائی ہوئی چیز کو اگر کہیں محفوظ کرنا ہے تو وہ صرف اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ جس کا نفع آخرت میں تو ہے ہی۔ دنیا میں بھی زیادہ سے زیادہ ہے۔ اور جہاں تک خرچ کا تعلق ہے تو مسلمان اس لیے پیدا ہی نہیں ہوا کہ وہ مال جمع کر کے رکھے...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو سخی بننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حرف آخر: آپ سے صرف اتنا کہنا ہے کہ ایک اللہ ایک رسول اور ایک قرآن کے ماننے والے اس کے بعد اپنا مسلمان ہونا اور پھر اپنا پاکستانی ہونا سب کچھ بھول گئے ہیں اسلام تو ہمیں امن، رحم، درگزر اور محبتوں کا درس دیتا ہے۔ تو برائے مہربانی نفرتوں کو چھوڑ کر محبتوں کا درس دیں کہ جو خلق کے ساتھ خلیق ہو، وہ خالق سے نزدیک تر ہے۔

اس مضمون کی تیاری میں کوئی غلطی کوئی کمی کوتاہی ہو گئی ہو تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نادم دل کے ساتھ معافی کی طلبگار ہوں...... اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے...... ان تمام عظیم ہستیوں کے لیے دعا گو ہوں جن کی کتب سے میں نے مضامین منتخب کیے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے...... آمین

☆☆☆



پاکیزہ کے مہمان

شائستہ زریں



معروف صداکار اور اداکار
فہمید احمد خان
و
نگہت فہمید
بنے پاکیزہ کے مہمان



تعلیمی زندگی کے آخری سال میں بحیثیت مترجم روزگار کا آغاز کرنے کے آرزومند نوجوان فہمید احمد خان کو کیا معلوم تھا کہ قلم کی مشقت کے ساتھ، ساتھ آواز کے بل پر محض کامیابی ہی نہیں شہرت اور مقبولیت کے دروازے بھی اس کے لیے کھل جائیں گے۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل پر خوب، خوب نام کمانے والے ریڈیو ٹی وی کے معروف صداکار اور اداکار فہمید احمد خان اور ان کی اہلیہ نگہت فہمید کی بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے

پاکیزہ کو شرف میزبانی بخشا۔

فہمید صاحب کالج میں ڈرامیٹک سوسائٹی کے سیکریٹری رہے۔ مطالعے کا ذوق وشوق بچپن ہی سے تھا جو عمر کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا اور الحمدللہ اب تک برقرار ہے۔ متعدد ڈراموں میں یادگار کردار کیے۔ انڈس ٹی وی سے ٹیلی کاسٹ ہونے والے پہلے سوپ سیریل تتلیاں میں کام کیا۔ انڈیا و پاکستان کے مشترکہ اداکاروں کی سیریل ''سدا سہاگن'' دبئی میں جا کر کی۔ پاکستان کی پہلی پرائیویٹ پروڈکشن ''نمرتا'' میں مرکزی کردار ادا کیا۔ پہلی پرائیویٹ طویل دورانیہ کی فلم ''جلتے سورج کے نیچے'' کی۔ فہمید صاحب کے انفرادی ڈراموں سیریز اور سیریل کی فہرست خاصی طویل ہے جس کا احاطہ ان چند سطور میں ممکن نہیں۔ ماڈلنگ بھی کی۔ صداکاری و اداکاری کے ساتھ، ساتھ آپ نے ٹی وی کے لیے ڈرامے بھی لکھے اور چند ڈراموں کے ٹائٹل سونگ بھی۔ افسانہ نگاری اور شاعری کا فطری میلان تھا سو یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ کالج کے ایتھلیٹک چیمپین بنے۔ کالج کرکٹ ٹیم کے کپتان بھی رہے اور کرکٹ کی بدولت کراچی الیکٹرک سپلائی میں ملازمت ملی۔ فہمید صاحب کی ہم سفر نگہت فہمید بھی اپنے کالج کی بیڈمنٹن کی بہترین کھلاڑی اور ڈبل پلے کی چیمپین تھیں اور بیڈمنٹن کورٹ ہی آپ کے ملن کا سبب بنا لیکن شادی کے بعد نگہت فہمید صاحبہ نے اپنی تمام تر توجہ اپنے گھر پر مرکوز کر دی اور یہ آپ کی بہت بڑی کامیابی ہے کہ آج آپ کے دونوں بچے خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور اب تفصیلی ملاقات کرتے ہیں پاکیزہ کے ان پیارے، پیارے مہمانوں سے۔

فہمید احمد خان

پاکیزہ ✧......نگہت صاحبہ کو پہلی مرتبہ... دیکھ کر کیا تاثر تھا؟

فہمید احمد ❖......تاثر اچھا تھا۔ جب ہی تو جیون ساتھی بنایا۔

پاکیزہ ✧...... پر کیسے؟ اور شادی کتنے عرصے بعد ہوئی؟

فہمید احمد ❖......گھر والوں کو بتایا۔ باقی معاملات والدین اور بہن، بھائیوں نے طے کیے۔ سال بعد شادی ہوگئی۔

پاکیزہ ✧...... منگنی اور شادی کی درمیانی مدت میں روبرو یا ٹیلیفونک ملاقات ہوئی اور تحائف کا تبادلہ ہوا؟

فہمید احمد ❖......خال، خال ملاقات ہو جاتی تھی۔ کوئی تحفہ تحائف نہیں کیونکہ ہمارے گھرانوں میں اقدار و تہذیب موجود تھی، اور الحمدللہ ہے۔

پاکیزہ ✧......شادی کی رسومات کے دوران پیش آنے والا کوئی یادگار واقعہ؟

فہمید احمد ❖......دولھا بنتے وقت بجلی چلی گئی جبکہ ہم خود بجلی کمپنی کے ملازم تھے۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد آپ نے اہلیہ سے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا تھا؟

فہمید احمد ❖......کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا......

ارے بی بی! شوہر کی یہ مجال؟

پاکیزہ ✧......آپ کو جو کھانے کو ملے کھا لیتے ہیں؟ یا اپنی پسند کے مطابق کھانا، کھانا پسند کرتے ہیں؟

فہمید احمد ❖......جو کھانے کو بھوک کے وقت میسر ہو۔ ویسے زیادہ تر چھٹی کے دن خاص طور پر کھچڑی کی فرمائش یا کبھی ماش کی دال۔ بچے بڑے ہوئے تو انہوں نے چھٹی والے دن اکثر کھچڑی پکتی دیکھی تو ایک دوسرے سے کہتے چلو پھپو یا نانی کے گھر چلتے ہیں آج چھٹی ہے ناں کھچڑی پکے گی۔

پاکیزہ ✧......شدید بھوک کے عالم میں آپ کا ردِعمل کیا ہوتا ہے؟

فہمید احمد ❖......کوئی خاص ردِعمل نہیں۔ ذرا سا غصہ اور کھانے کے بعد ختم۔

پاکیزہ ✧......سسرال کا سب سے بہترین رشتہ کون سا ہے، اپنے تجربے کی روشنی میں؟

فہمید احمد ❖......آپ اچھے تو سب اچھے!

پاکیزہ ✧......آج کے دور میں موبائل اور انٹرنیٹ پر پنپنے والی محبت کے لیے آپ کیا کہیں گے؟

فہمید احمد ❖......

کھا گئی سائنس و ایجاد سب کچھ
اب کسی شباب کو حجاب نہیں

پاکیزہ ✧......گھر کا وزیرِ خزانہ کون ہے؟

فہمید احمد ❖......خزانہ ہو تو وزیرِ خزانہ کی ضرورت ہو۔ اللہ جو دیتا ہے اس کو اپنے حساب سے مل جل کر خرچ کیا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

پاکیزہ ✧......گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟

فہمید احمد ❖......تقریباً مل جل کر ورنہ صورتِ حال کا دونوں میں سے جس کو بھی مسئلے کا ادراک زیادہ ہو۔

پاکیزہ ✧......کبھی دونوں نے ایک دوسرے پر اپنی پسند ناپسند مسلط کرنے کی کوشش کی؟

فہمید احمد ❖......شوہر کی یہ مجال کہ اپنی پسند اور ناپسند بتائے۔ کمال کرتی ہیں آپ بھی!



سلوی اور فہمید خان ایک اشتہار میں

پاکیزہ ✧...... ازدواجی زندگی میں کبھی ایسا پل یا دور آیا جب آپ کو کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا؟ تب آپ نے کیا حکمتِ عملی اختیار کی؟

فہمید احمد ❖......اکثر و بیشتر ایسے مواقع آئے۔ وہاں خاموشی اختیار کی اور نارمل ہونے کے بعد فیصلہ کیا پھر بڑوں کی نصیحت بھی مشعلِ راہ بنی کہ زندگی سیدھی لکیر نہیں۔ یہ نشیب و فراز اور دھوپ چھاؤں کا کھیل ہے۔ بس دھوپ برداشت کی پھر چھاؤں آگئی۔

پاکیزہ ✧......گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمے داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصے دار ہے؟

فہمید احمد ❖......یہ کام بیوی کا ہے کہ شوہر نے جو کچھ اس کے حوالے کیا ہے اس کو کیسے خرچ کر کے اپنے گھر کو جنت بنائے۔

پاکیزہ ✧......وہ کون سا پل تھا جب اپنے انتخاب پر آپ کو فخر محسوس ہوا؟

فہمید احمد ❖......احساس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں۔

پاکیزہ ✧......کیا مشترکہ خاندانی نظام، شادی شدہ زندگی کے استحکام کے لیے بہترین نظام ہے؟

فہمید احمد ❖......بہت ضروری ہے۔

پاکیزہ ✧......کس کے مزاج میں غصہ و تیزی زیادہ ہے اور کس کے مزاج میں برداشت اور نرمی بہت ہے؟

فہمید احمد ❖...... دونوں پٹھان ہیں۔ میرا قبیلہ اورکزئی ہے اور بیگم آفریدی۔

پاکیزہ ✧......مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی

سے ڈرتا ہے اس حوالے سے آپ کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

فہمید احمد ❖...... ہم نے اپنے ڈر کا نام شرافت رکھا ہے۔

پاکیزہ ✧......آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اہلیہ اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

فہمید احمد ❖......زیر ہونے والے نہیں، موقع اور صورتِ حال کو دیکھنا پڑتا ہے۔

پاکیزہ ✧......خریداری کے سفر میں آپ اپنی ہم سفر کا کتنا ساتھ دیتے ہیں؟

فہمید احمد ❖......شاپنگ سینٹر لے جانا، لانا اور انتظار کرتے ہوئے نیند پوری کرنا ہر شوہر کا مشترکہ دکھ ہے۔

پاکیزہ ✧......اہلیہ نے پہلی فرمائش کون سی کی تھی؟

فہمید احمد ❖...... اہلیہ کسی کی بھی ہو فرمائش نہیں آرڈر کرتی ہے۔

پاکیزہ ✧......شاہ خرچی میں کون بے مثال ہے؟

فہمید احمد ❖......ہم وہ شاہ ہیں جو قبول ہے کے وقت خرچ کر چکے ہیں۔

پاکیزہ ✧......دونوں کے مشاغل میں کتنے فیصد مطابقت ہے؟

فہمید احمد ❖......ساتھ، ساتھ بیٹھ کر اپنے، اپنے موبائل میں گم۔

پاکیزہ ✧...... محض ہم سفر ہونے کے ناتے دونوں ایک دوسرے کے ناپسندیدہ مشاغل میں شریک ہوتے ہیں؟

فہمید احمد ❖......وہ ہماری پسند ہیں اس لیے جو انہیں پسند ہے وہ ہمیں پسند ہے۔ مجبوری بھی کوئی چیز ہوتی ہے ناں۔

پاکیزہ ✧......خواتین کی سب سے اچھی اور بری عادت کون سی ہوتی ہے؟ آپ کی ہم سفر ان میں بتلا ہیں؟ اگر ہیں تو کس حد تک؟

فہمید احمد ❖......اوں ہوں، کچھ باتیں پوچھنے کی نہیں ہوتیں۔

پاکیزہ ✧......اہلیہ مایوس جلدی ہو جاتی ہیں یا آس کے دیے روشن رکھتی ہیں؟

فہمید احمد ❖...... انہیں حالات اپنے موافق ڈھالنے کا فن آتا ہے۔

پاکیزہ ✧......شدید تھکان میں کون سی بات شاداب کر دیتی ہے؟

فہمید احمد ❖...... ان کی ڈانٹ اور بڑ بڑاتے ہوئے پانی یا جوس کا گلاس دینا۔

پاکیزہ ✧......بارش میں دل کے عذاب زیادہ تنگ کرتے ہیں یا مختلف محکموں کی کارکردگی کے عذاب؟

فہمید احمد ❖...... محکموں کا عذاب تو ہر موسم میں یکساں رہتا ہے۔ ہمارے شہر میں بات بارش کی ہو تو......

کالے بادل جب گھر کے آتے ہوں گے......
اور چھاجوں مینہ برساتے ہوں گے
......یاد نہ جانے تم کو کیا، کیا آتا ہو گا
پھر نین کٹورے بہاتے ہوں گے......

پاکیزہ ✧......احتجاج کے لیے آپ کا طریقہ؟

فہمید احمد ❖...... بحیثیت شوہر احتجاج......؟ میں اس سوال پر احتجاج کرتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......اہلیہ کا بگڑا موڈ کیسے بحال ہوتا ہے؟

فہمید احمد ❖......ہمیں کیا پتا ہم تو گھر سے چلے جاتے ہیں، بہت دیر کے لیے۔

پاکیزہ ✧......اہلیہ کو آپ سے اور آپ کو اُن سے کون سی شکایت ہے؟

فہمید احمد ❖......اس سوال کا جواب دے کر ناشتے اور کھانے کا بندوبست ہوٹل میں کرلوں!

پاکیزہ ✧...... آپ کے درمیان عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟ اور پھر یہ اختلاف دور کیسے کیا جاتا ہے؟

فہمید احمد ❖...... کیا کہا؟ شوہر کو اختلاف کا حق؟



ریڈیو پاکستان کراچی میں ماضی کے ممتاز صداکار و اداکار قربان جیلانی کے ہمراہ

پاکیزہ ✧......روٹھنے میں کسے کمال حاصل ہے اور منانے میں کون ماہر ہے؟

فہمید احمد ❖......روٹھنا کیا ہوتا ہے میں نہیں جانتا، منانے کے لیے اپنا اکاؤنٹ چیک کرنا پڑتا ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کون سا گیت اکثر گنگناتے ہیں؟

فہمید احمد ❖......وہ ایک گیت جو لکھ نہ سکا......وہ ایک گیت جو سنا نہ سکا۔

پاکیزہ ✧......صداکاری و اداکاری کے عروج کے دور میں کبھی آپ کا اسکینڈل بنا؟ یا آپ اپنی اہلیہ کے شک کی زد میں آئے؟

فہمید احمد ❖......ساتھی فنکارائیں اب بھی منتظر ہیں کہ کمبخت اب تو ہنس کر بات کر لے۔ باقی سوال کا جواب بیگم سے لیجیے۔

پاکیزہ ✧...... خلیل جبران نے کہا تھا ''شک آئینِ محبت میں گناہ ہے'' آپ کا کیا کہنا ہے؟

فہمید احمد ❖...... جب شک ہو جائے تو وہاں تعلق کا پل ٹوٹ جاتا ہے اور نفرت کی دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں اور پھر دیواریں وہ بھی سن لیتی ہیں جو کہا بھی نہ گیا ہو۔

پاکیزہ ✧...... کبھی اہلیہ کا موبائل دانستہ چیک کیا؟ آپ کے اس عمل کا کیا ردِعمل ظاہر ہوا؟

فہمید احمد خان ❖......ہمیں اپنا موبائل چیک کرنا نہیں آتا چہ جائیکہ کسی اور کا۔

پاکیزہ ✧......سوشل میڈیا سے آپ کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی؟

فہمید احمد خان ❖......جو کھو گئے تھے مل گئے۔ جو دور تھے وہ پاس آ گئے، جو پاس تھے وہ دور ہو گئے۔

پاکیزہ ✧...... وہ کون سے انسانی رویے ہیں جو دل کو بھاتے ہیں اور کون سے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہیں؟

فہمید احمد ❖......صاف گوئی۔ ہاں یا نہ۔ منافقت۔

پاکیزہ ✧......ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے خود کو کیسے مصروف رکھا؟

فہمید احمد ❖...... کچھ ورق کالے کرتا ہوں کوئی کام ملا کر لیا، کچھ دیکھ لیا، کچھ سن لیا اور......

بازارِ زندگی میں خرچ کی جوانی ساری
اب وقتِ پیری نمازیں ہیں اور میں ہوں

پاکیزہ ✧......تدبیر، تقدیر بدل دیتی ہے یا دعاؤں سے تقدیر بدل جاتی ہے؟ آپ کا یقین کس پر ہے؟

فہمید احمد ❖......تدبیر کرتے ہوئے دعا کرتے رہیے جو تقدیر میں ہے وہ ملے گا نہ وقت سے پہلے نہ وقت کے بعد۔

پاکیزہ ✧...... وہ ایک پل جب خود کو بہت بے بس محسوس کیا؟ اور وہ ایک پل جب آپ کو خود اپنے آپ پر رشک آیا؟

فہمید احمد ✧......جب دعا اور حوصلہ دینے والے چلے گئے یعنی ماں، باپ۔ جب بچوں نے تربیت کے مطابق عمل کیا اور بہترین طریقے سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔

پاکیزہ ✧......اولاد کی اولاد آپ دونوں میں کس سے زیادہ نزدیک ہے؟

فہمید احمد ✧......اولاد کی اولاد دادا، دادی کی جان ہوتی ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کی متاعِ عزیز؟

فہمید احمد خان ✧......دادا کی جان، دادا کا دادا گیر۔

پاکیزہ ✧......آپ کا پسندیدہ رشتہ، شخصیت، کتاب، رنگ، خوشبو، موسم، مغنیہ، مغنی، وقت، ڈش، تہوار، تفریحی مقام، کھیل، مشغلہ، موسم کے لحاظ سے مشروب اور ڈش؟

فہمید احمد ✧......ماں باپ اور اولاد کا رشتہ، سرکار رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآنِ حکیم، سفید اور ہلکا نیلا، بیلے کے پھول کی، دل کا موسم اچھا ہو تو ہر موسم، لتا منگیشکر، ریشماں، محمد رفیع، مہدی حسن، فجر کا وقت، بھوک کے وقت جو مل جائے ویسے آلو گوشت، پلاؤ، تہوار عید، سرسبز پہاڑی مقام، کرکٹ، پیار بانٹنا اپنوں اور غیروں کے کام آنے کی ہر ممکن کوشش، پڑھنا اور لکھنا، ویسے تو سادہ پانی لیکن سردی میں اچھی سی چائے اور گرمی میں آم کی لسی۔

پاکیزہ ✧......ایک فقرہ، مصرعہ یا شعر جو آپ کے ہم سفر کے باطن کو ظاہر کردے؟

فہمید احمد ✧......ہم اپنی نظرِ انتخاب کو داد کیوں نہ دیں۔

پاکیزہ ✧...... اپنی شریکِ حیات کے لیے کون سا پیغام دیں گے؟

فہمید احمد......خوش رہو، سلامت رہو، اپنے بچوں کی ڈھیروں خوشیاں دیکھو اور اب تک جیسی گزر رہی ہے باقی بھی اسی طرح گزر جائے، آمین۔

اور اب کچھ سوال جواب فہمید صاحب کی فنی و ادبی زندگی کے حوالے سے۔

پاکیزہ ✧......زمانۂ طالب علمی کی غیر نصابی سرگرمیوں میں کبھی ڈراموں میں حصہ لیا؟

فہمید احمد ✧......یہ شوق بچپن سے تھا۔ اسکول و کالج میں صداکاری و اداکاری کی۔ کالج میں ڈرامیٹک سوسائٹی کا سیکریٹری بھی تھا۔

پاکیزہ ✧......ریڈیو سے وابستگی کس پروگرام سے ہوئی؟

فہمید احمد ✧......بزمِ طلبا سے آغاز کیا لیکن تعلیمی مصروفیت اور کھیلوں کی سرگرمیوں کے سبب زیادہ شرکت نہیں کی۔ ہندی زبان سے واقفیت کی بنا پر ایک دوست کے مشورے سے ایکسٹرنل سروس کے لیے ٹرانسلیٹر کا ٹیسٹ دینے گیا لیکن ایکسٹرنل صاحب کو میری آواز پسند آگئی۔ فوری آڈیشن کا حکم ہوا۔ کامیاب ہوا اور ہندی سروس میں مہینے کی دس بارہ بکنگ ملنے لگیں یوں کالج کے فائنل ایئر ہی سے روزگار کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور ہندی سروس سے مہینے کی بنیاد پر کانٹریکٹ کے ۲۵ سال گزارے۔ ڈرامے کے آڈیشن میں کامیابی کے بعد سینٹرل پروڈکشن، ورلڈ سروس اور ہوم سروس میں کام کرتے رہے۔

پاکیزہ ✧......ٹی وی پر آمد کس کھیل سے ہوئی اور کون سا کردار وجۂ شہرت بنا؟

فہمید احمد ✧......تعبیر سے ٹی وی پہ اداکاری کا آغاز کیا اور سیریل افشاں کے کردار ڈاکٹر کرمانی جو یک ٹو اولڈ تھا سے شہرت و شناخت ملی۔

پاکیزہ ✧......آپ کے عہد کے اور موجودہ صداکاروں اور اداکاروں کے فنی اور تہذیبی رویّے میں کیا فرق محسوس ہوتا ہے؟

فہمید احمد ✧......تعلیم کے ساتھ، ساتھ تربیت بھی لازمی تھی۔ جواب طلبی اور جواب دہی کا سخت نظام تھا ہر کام کے لیے وقت اور حدود متعین تھیں اور موجودہ دور کے لیے صرف اتنا ہی کہ ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ

ہوتی ہے۔

پاکیزہ ✧......ریڈیو ٹی وی کے ساتھیوں سے کیا کچھ سیکھنے کا موقع ملا؟

فہمید احمد ✧......بہت کچھ۔ پہلے سینئرز کی ان کہی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ سکھائیں، بتائیں۔ صرف صداکاری و اداکاری ہی نہیں بلکہ ادب و تہذیب بھی۔

پاکیزہ ✧......آپ کی فنی زندگی کا یادگار لمحہ؟

فہمید احمد خان ✧......جب ۱۹۹۱ء میں ریڈیو پاکستان کے جشنِ تمثیل کا بہترین ڈراما وائس کا ایوارڈ ملا۔

پاکیزہ ✧......قلمی سفر کب شروع ہوا؟ ادب کی کون، کون سی اصناف پر طبع آزمائی کی؟

فہمید احمد ✧......ریڈیو پر اناؤنسمنٹ کے لیے اپنا اسکرپٹ خود لکھنا پڑتا تھا۔ گیتوں بھری کہانی شروع ہوئی تو اس کے اسکرپٹ لکھے۔ ۷۵ یا ۷۶ء میں خان آصف بھائی مرحوم داستان ڈائجسٹ کا ڈیکلیریشن لے کر آئے اور دستگیر کے 120 گز کے 12×12 کے کمرے میں چارپائی پر بیٹھ کر داستان ڈائجسٹ کا اجراء ہوا۔ ہمیں ادارۂ تحریر سونپ دیا۔ ہندی کہانیوں کے ترجمے کیے۔ انگریزی کہانیوں کو شلوار قمیص پہنانا شروع کیا۔ شکیل عادل زادہ بھائی، جون ایلیا اور انور فراز سے سیکھنے کا موقع ملا۔ افسانے لکھے لیکن کہیں چھپوائے نہیں۔



دادا، دادو اور اُن کی جان ریان خان

پاکیزہ ✧......ٹی وی پر ڈراما لکھنے کا خیال کیسے آیا؟

فہمید احمد ✧......نجی چینل S T N سے شروع ہونے والی سیریل میں اداکاری کے لیے بلایا گیا۔ ایک اسکرپٹ کے بعد جب لکھاری نے مزید اسکرپٹ نہیں دیے تو دو تین ہفتے گزرنے کے بعد ہم سے یہ سیریل لکھنے کے لیے کہا ہم نے کہا کوشش کرتے ہیں یوں پہلا سیریل ”سایہ“ لکھا اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا۔ کچھ دوستوں نے اپنے سیریل کے لیے ٹائٹل سونگ لکھوائے۔

پاکیزہ ✧...... موجودہ ٹی وی ڈراموں کے معیار اور مزاج میں کیسی تبدیلی کے آرزومند ہیں؟

فہمید احمد ✧......ناظر اور سامع کا معیار۔ جو کچھ وہ دیکھ اور سن رہا ہو اس کی ابجد سے واقف ہو۔ گزرتے وقت کے ساتھ تغیر و تبدل لازم ہے لیکن اگر معیار اور مقصد کھو دیا تو ایسا ہی ہوتا ہے جیسا ہو رہا ہے۔ مزید کہنا طویل بحث کو جنم دے گا اس لیے فاطمہ ثریا بجیا مرحومہ کے اس جملے پر جواب کا اختتام کرتا ہوں ”آگے بڑھنے

اور ترقی کرنے کا نام بے حیائی نہیں ہے۔"

اب محترمہ نگہت فہمید سے بات کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......صاحب جی کو پہلی مرتبہ کب اور کہاں دیکھا تھا؟ اور پہلا تاثر کیا تھا؟

نگہت فہمید ❖......پہلی مرتبہ KPT کے بیڈمنٹن کورٹ میں۔ وہاں یہ کسی کام سے آئے ہوئے تھے۔ ملاقات کے وقت اچھا تاثر پڑا۔

پاکیزہ ✧......فہمید صاحب کا رشتہ آیا تو ان کی کون سی خوبی کے پیشِ نظر آپ نے ہاں کی تھی؟

نگہت فہمید ❖......ہم جیسے ہی تھے اور اپنے طور سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ یا یوں کہہ لیں کہ مشہور شخصیت تھی اسی لیے ہاں کردی۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد صاحب جی نے آپ سے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا تھا؟

نگہت فہمید ❖...... انہوں نے کوئی کام نہیں کروایا۔ ہم نے خود ہی اُن کے کپڑے استری کر دیے تھے۔

پاکیزہ ✧......سسرال کا سب سے بہترین رشتہ کون سا ہے؟ تجربے کی روشنی میں؟

نگہت فہمید ❖......سب محبت کرنے اور مل جل کر رہنے والے لیکن چھوٹا دیور بہت ہنسی مذاق کرتا ہے۔ سسر اور جیٹھ بہت اہمیت دیتے تھے۔ ہر اہم مسئلے اور معاملے میں رائے لیتے تھے۔

پاکیزہ ✧......آپ دونوں میں سے کون زیادہ رومینٹک ہے؟

نگہت فہمید ❖......شادی بذاتِ خود پوری زندگی کا رومانس ہے۔

پاکیزہ ✧......آج کے دور میں موبائل اور انٹرنیٹ پر پنپنے والی محبت کے لیے آپ کیا کہیں گی؟

نگہت فہمید ❖......ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے۔ ایسے رومانس اور دوستی کے نتائج شاید ہی اچھے نکلتے ہوں۔ فریقین کو اپنے گھر کی عزت کا خیال رکھنا اور حفاظت کرنی چاہیے۔

پاکیزہ ✧......گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟

نگہت فہمید ❖......گھر کا سربراہ شوہر اور باپ ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے اہم معاملات میں ان ہی کی رائے اور فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... ازدواجی زندگی میں کبھی ایسا پل یا دور آیا جب آپ کو کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا؟ تب آپ نے کیا حکمتِ عملی اختیار کی؟

نگہت فہمید ❖...... ہاں زندگی میں نشیب و فراز آتے ہی رہتے ہیں مگر کبھی شدت اور انتہا کی جانب نہیں گئے۔ کچھ دن میں نارمل ہو گئے پھر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ مسئلے کا حل نکال لیا۔

پاکیزہ ✧......گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمے داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصے دار ہے؟

نگہت فہمید ❖......مرد کا کام سائبان دینا ہے اس کو خوشگوار اور آرام دہ بنانا عورت کا کام ہے۔

پاکیزہ ✧......کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے ذہنی ہم آہنگی ضروری ہے یا دلی قربت؟

نگہت فہمید ❖......ازدواجی زندگی کی بنیاد ذہنی ہم آہنگی ہے جب یہ ہوگی تو دلی قربت برقرار رہے گی۔

پاکیزہ ✧......وہ کون سا پل تھا جب صاحب جی پر آپ کو فخر محسوس ہوا؟

نگہت فہمید ❖......بہت سارے پل اور واقعات کیونکہ وہ اپنے لیے کم اور دوسروں کے لیے زیادہ جیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......کیا مشترکہ خاندانی نظام شادی شدہ زندگی کے استحکام کے لیے بہترین نظام ہے؟

نگہت فہمید ❖......یقیناً اس سے رشتے مضبوط ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے سیکھتے ہیں۔ درگزر کرنے کی عادت پختہ ہوتی ہے۔ رشتوں کا احترام اور محبت بڑھتی ہے۔ بچوں کو پروٹیکشن زیادہ ملتی ہے۔ اور انہیں آداب و اقدار سے واقفیت ہوتی ہے۔ دکھ کم ہوتے ہیں اور خوشی بڑھ جاتی ہے۔

پاکیزہ ✧......کس کے مزاج میں غصہ و تیزی زیادہ ہے اور کس کے مزاج میں برداشت اور نرمی بہت ہے؟

نگہت فہمید ❖...... دونوں کے مزاج میں۔ بس ایک یا دو دن یا چند گھنٹے پھر نارمل...... کیونکہ اپنی مشکل اور پریشانی خود حل کرنا ہی کامیابی ہے۔

پاکیزہ ✧......مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے اس حوالے سے صاحب جی کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

نگہت فہمید ❖......(بے ساختہ ہنسی) خان صاحب اور اپنی بیوی سے ڈریں؟ کہنے کی حد تک اچھا ہے۔

پاکیزہ ✧......آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

نگہت فہمید ❖......اِن پر دلیل اثر کرتی ہے آنسو نہیں اور بہت ساری باتیں یہ بن کہے سمجھ جاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......خریداری کے سفر میں صاحب جی اپنی ہم سفر کا کتنا ساتھ دیتے ہیں؟

نگہت فہمید ❖......ڈرائیونگ کی حد تک ہم سفر ہوتے ہیں۔ ہاں کبھی، کبھی سامان ٹرالی میں رکھنے کی حد تک۔

پاکیزہ ✧......آپ کی خریداری ان پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے؟

نگہت فہمید ❖......(یہ میں اپنی تعریف نہیں کر رہی) بخوبی جانتی ہوں کہ کتنا کس مد میں خرچ کرنا ہے۔

پاکیزہ ✧......شاہ خرچی میں کون بے مثال ہے اور کفایت شعاری میں کون بے نظیر؟

نگہت فہمید ❖......دونوں ہی اس عادت کے ماہر ہیں جو ہے ضرورت کے مطابق خرچ کرو کل اللہ اور دے گا۔

پاکیزہ ✧......دونوں کے مشاغل میں کتنے فیصد مطابقت ہے؟

نگہت فہمید ❖......اپنے، اپنے موبائل دیکھنے، ساتھ کھانا کھانے اور کبھی، کبھی ٹی وی دیکھنے کی حد تک۔

پاکیزہ ✧......محض ہم سفر ہونے کے ناتے دونوں ایک دوسرے کے ناپسندیدہ مشاغل میں شریک ہوتے ہیں؟

نگہت فہمید ❖......ایسا کوئی مشغلہ ہے ہی نہیں سوائے ان کی سگریٹ نوشی کے۔ اور ظاہر ہے میں اس میں شامل نہیں ہوسکتی۔

پاکیزہ ✧......مردوں کی سب سے اچھی اور بری عادت کون سی ہوتی ہے؟ آپ کے ہم سفر ان میں مبتلا ہیں؟ کس حد تک؟

نگہت فہمید ❖......کسی تقریب میں جانے کے لیے بیوی سے پہلے تیار ہو جانا۔ (ہنسی)



فہمید احمد و نگہت فہمید

پاکیزہ ✧......صاحب جی مایوس جلدی ہو جاتے ہیں یا آس کے دیے روشن رکھتے ہیں؟

نگہت فہمید ❖......آخری حد تک کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں۔ باقی اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......بھول جانے میں کس کو کس پر فوقیت

حاصل ہے؟

نگہت فہمید ❖......یہ ان کی پرانی عادت ہے گاڑی کی چابی ہاتھ میں ہے اور اس کو تلاش کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......بارش میں دل کے عذاب زیادہ تنگ کرتے ہیں یا مختلف محکموں کی کارکردگی کے عذاب؟

نگہت فہمید ❖......کراچی کی بارش محکموں کی ناقص کارکردگی کی بدولت عذاب بن جاتی ہے۔

پاکیزہ ✧......احتجاج کے لیے آپ کا طریقہ؟

نگہت فہمید ❖......خاموشی......خاموشی...... اور پھر سب نارمل ہو جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧......فہمید صاحب کو آپ سے اور آپ کو اُن سے کون سی شکایت ہے؟

نگہت فہمید ❖......کسی بھی اہم بات کو سن کر اہمیت اور توجہ نہ دینا اور میرا روایتی بیویوں کی طرح ایک ہی بات کو بار، بار کہنا۔

پاکیزہ ✧......آپ کے مابین عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟ اختلاف دور کیسے کیا جاتا ہے؟

نگہت فہمید ❖......گھریلو یا کسی اور بات پر اختلاف ہو جاتا ہے جو طوالت اختیار نہیں کرتا، جلد ختم ہو جاتا ہے۔ روگ نہیں بنایا جاتا۔

پاکیزہ ✧......صداکاری و اداکاری کے عروج کے دور میں کبھی صاحب جی کا اسکینڈل بنا؟ یا پھر وہ آپ کے شک کی زد میں آئے؟

نگہت فہمید ❖......بحیثیت عورت اور بیوی ہلکا سا خیال آیا مگر ان کی ساری فنکار سہیلیوں سے میری بھی دوستی تھی اور ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔ بلکہ ان کی سینئرز عشرت ہاشمی اور عائشہ خان ہمارے گھر تو اتر سے آتیں اور ساس کے پاندان سے پان کھائے جاتے اور خوب باتیں ہوتیں۔ عشرت ہاشمی مرحومہ نے ہمیشہ مجھے دلہن ہی کہا۔ بلکہ عائشہ خان تو ابھی تک کہتی ہیں ”کبھی تو نرمی سے بات کرلیا کرفہمید۔“

پاکیزہ ✧......خلیل جبران نے کہا تھا ”شک آئینِ محبت میں گناہ ہے“ آپ کا کیا کہنا ہے؟

نگہت فہمید ❖......بالکل درست ہمارے میاں جی کا ایک مکالمہ ”محبت کے لیے احترام لازم ہے، جہاں شک ہوتا ہے وہاں محبت نہیں ہوتی۔“ اپنے اس مکالمے پر انہوں نے ایک بھرپور افسانہ برگد کا پیڑ لکھا ہے۔

پاکیزہ ✧......سوشل میڈیا سے آپ کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی؟

نگہت فہمید ❖......فاصلے قربت میں اور قربت فاصلے میں بدل گئی۔ اب تو آواز سننے سے بھی گئے۔

پاکیزہ ✧......کون زیادہ صاف گو ہے؟ اس صاف گوئی کے اثرات نجی زندگی پر کیسے مرتب ہوتے ہیں؟

نگہت فہمید ❖......دونوں کو یہ مرض شدت سے لاحق ہے۔ اس لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اعتراف اور تردید ساتھ، ساتھ چلتے رہتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......وہ کون سے انسانی رویّے ہیں جو دل کو بھاتے ہیں اور کون سے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہیں؟

نگہت فہمید ❖......صاف گوئی اور ناپسندیدہ لوگ جب چہرے پر چہرہ چڑھا کر ملتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......ریٹائرمنٹ کے بعد صاحب جی نے خود کو کیسے مصروف رکھا؟

نگہت فہمید ❖......اللہ کے کرم سے کام ملتا رہتا ہے۔ کبھی اداکاری، کبھی ماڈلنگ، کبھی آڈیو کا۔ کام کسی سے مانگنے نہیں جاتے ہیں اللہ کے علاوہ۔ لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......ریٹائرمنٹ کے بعد ان کے مزاج میں مثبت تبدیلی آئی یا منفی؟

نگہت فہمید ❖......جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔ کام ملتا ہے کرتے رہتے ہیں۔ بقول ان کے ”جو میرا ہے وہ مجھے ملے گا“ جو مل رہا ہے اسی پر قناعت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے ”دکھ نہ جانو، روگ نہ بناؤ، جینے کو جتنا جینا ہے ہنس، ہنس کر جیو۔“

پاکیزہ ✧......تدبیر تقدیر بدل دیتی ہے یا دعاؤں

سے تقدیر بدل جاتی ہے؟ آپ کا یقین کس پر ہے؟

نگہت فہمید ❖......یہ سچ ہے دعاؤں سے تقدیر بدل جاتی ہے مگر اس کی وجہ سے تدبیر اور عمل نہ چھوڑو۔

پاکیزہ ✧......وہ ایک لمحہ جب خود کو بہت بے بس محسوس کیا؟ اور وہ ایک ساعت جب آپ کو خود اپنے آپ پر رشک آیا؟

نگہت فہمید ❖......جب حج کی قرعہ اندازی میں نام نہیں آیا اور جب بیٹے نے عمرے کے لیے سارا انتظام کر دیا اور کہا جب تک چاہیں مکے، مدینے میں رہیں اور ایسا ہی ہوا۔ (ماشاءاللہ......)

پاکیزہ ✧......زمانۂ طالب علمی کی غیر نصابی سرگرمیوں میں کبھی حصہ لیا؟

نگہت فہمید ❖......میں اسٹوڈنٹ لائف میں خود بہت اچھی بیڈمنٹن کی کھلاڑی تھی اور ڈبل کی چیمپئن بھی رہی۔

پاکیزہ ✧......کھیل سے گھرداری کی اس مسافت میں کبھی گئے دنوں کی سرگرمیوں نے ڈسٹرب کیا؟

نگہت فہمید ❖......نہیں ایسا کبھی نہیں ہوا کیونکہ ہر عورت کا شادی کے بعد زندگی کا اول و آخر مرکز و محور اس کا گھر شوہر اور بچے ہوتے ہیں۔ پھر ماضی کبھی، کبھی یاد کرنے کی حد تک رہ جاتا ہے۔

پاکیزہ ✧......کیا آپ سمجھتی ہیں کہ آپ کی کامیاب ازدواجی زندگی اسی حکمتِ عملی میں مضمر ہے؟

نگہت فہمید ❖......یقیناً! لیکن اس کے ساتھ، ساتھ درگزر اور برداشت...... اور جو ہے جتنا ہے اس میں ہی خوش رہنا بھی بہت ضروری ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کو صاحب جی کا کون سا ڈراما بہت پسند آیا اور کس ڈرامے پر بہت تنقید کی؟

نگہت فہمید ❖......سبھی اچھے لگے بہت نام ہیں مگر بخت خان، رتجگا، افشاں اور تصویر بہت اچھے لگے۔ رہی تنقید تو یہ ناقدوں کا کام ہے۔

پاکیزہ ✧......اولاد کی اولاد دونوں میں کس سے زیادہ نزدیک ہے؟

نگہت فہمید ❖......اولاد تو ماں باپ کی جان اور جینے کا سہارا ہوتی ہے۔ میرے دو بچے ہیں بیٹا، بیٹی اور دونوں ہی باہر ہیں۔ بیٹی کے ابھی کوئی اولاد نہیں، ابھی ایک ہی پوتا ہے وہی دادا، دادی کی جان ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کی متاعِ عزیز؟

نگہت فہمید ❖......اللہ کے گھر کی حاضری، روضۂ رسول کی زیارت، ریاض الجنۃ کے نوافل، اولاد اور اولاد کی اولاد۔

پاکیزہ ✧......آپ کا پسندیدہ رشتہ، شخصیت، کتاب، رنگ، خوشبو، موسم، مغنیہ، مغنی، وقت، ڈش، تہوار، تفریحی مقام، کھیل، مشغلہ، موسم کے لحاظ سے مشروب اور ڈش؟

نگہت فہمید ❖......اللہ اور بندے کا، شوہر و اولاد، سرکارِ دو عالم ﷺ، قرآن حکیم، موسم کے لحاظ سے ویسے بلیک، آشا بھونسلے، ناہید اختر، راحت فتح علی خان، وقت فجر کا، پلاؤ اور کھیر، عید، ساحلِ سمندر، خود بیڈمنٹن کی کھلاڑی ہوں مگر میاں جی اور بیٹا فرسٹ کلاس کرکٹر رہے ہیں اس سبب کرکٹ بھی، گھر کے کام، بچوں اور پوتے سے باتیں کرنا۔ سردی میں کافی، گرمی میں لیموں کا شربت۔

پاکیزہ ✧......ایک فقرہ، مصرعہ یا شعر جو آپ کے ہم سفر کے باطن کو ظاہر کر دے؟

نگہت فہمید ❖......ہاں تم بالکل ویسے ہی ہو جیسا میں نے سوچا تھا (پر کیسا؟)

پاکیزہ ✧......اپنے شریکِ حیات کے لیے کون سا پیغام دیں گی؟

نگہت فہمید ❖......جیسی اب تک ساتھ گزر رہی ہے باقی بھی اسی طرح گزر جائے تو اچھا۔

☆☆☆

عزیز قارئین! آپ کو یقیناً ہمارے پاکیزہ کے مہمانوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہوگی تو اسی کے ساتھ اب اجازت...... اپنی رائے سے ہمیں ضرور آگاہ کیجیے گا۔

☆☆☆

سنگ، سنگ چلیں ماہنامہ پاکیزہ کراچی کے

قاری بہنیں

وقت کا پہیا اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں ہے...... کبھی معلوم ہوتا ہے یہ پہیا رک گیا ہے اور کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تیز بہت تیز گھومتا چلا جارہا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس کا گھومنا سب کو اپنے، اپنے حساب سے کم یا زیادہ لگا کرتا ہے۔ انسانی زندگی کے پانچ دور بچپن، نوعمری، جوانی، ادھیڑ عمری اور بڑھاپا ویسے عام طور پر تو لوگ چار دور ہی شمار کرتے ہیں خیر جانے دیجیے۔ ہمیں تو اپنے پاکیزہ ساتھیوں سے ان کا بچپن، نوعمری، جوانی اور ادھیڑ عمری کے تجربات، واقعات، مشاہدات سننے ہیں تو پھر آپ بھی تیار ہوجائیں۔ خصوصیت سے وہ تمام بہنیں جو اول دنوں سے ماہنامہ پاکیزہ کے ساتھ ہیں اس سلسلے میں ضرور حصہ لیں اور نئے قارئین بھی اپنی رائے سے آگاہ کریں۔ اگر پرانا ترین رسالہ ابھی تک موجود ہے تو اس کے سرورق کی واضح تصویر بھی بھیج سکتی ہیں۔ اس کے لیے یہ سوالات مرتب کیے ہیں۔

1۔ ماہنامہ پاکیزہ سے تعارف کی مختصر کہانی اپنے الفاظ میں......؟

2۔ اس پورے عرصے میں پانچ ایسی نمایاں باتیں جو پاکیزہ سے ناتا جوڑے رہیں۔ مثلاً کہانیاں، سلسلے، مصنفات یا کچھ اور......؟

3۔ ماہنامہ پاکیزہ کس طرح آپ کا دوست، رہنما اور ناصح ثابت ہوا؟

☆طارم معدی...... کراچی

1-2011ء میٹرک کے امتحانات کے بعد ماہنامہ پاکیزہ پڑھنا شروع کیا پہلے تو امی اور ابو سے چھپ کر پڑھتے تھے لیکن آخر کب تک...... پھر سب کو پتا چل ہی گیا تو بلا جھجک پڑھنا شروع کیا۔ اور اپنا ناتا جڑا کہ آج تک قائم ہے۔

2۔ جب ہمیں کوئی چیز یا کوئی بھی اچھا لگتا ہے تو اس کی ہر بات اچھی لگتی ہے اس لیے پانچ باتوں کا چننا تھوڑا مشکل کام ہے...... مستقل سلسلے تو سبھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ خاص طور پر بہنوں کی محفل اس میں جو سرگرمیاں ہوتی ہیں ان کو پڑھ کر لگتا ہے کہ سب ایک ہی گھر کا حصہ ہیں، آج کل چلنے والی سلسلے وار کہانیاں



بہت زبردست ہیں خاص طور پر رفعت سراج اور حیا بخاری کی کہانی پڑھتے ہی اگلی قسط کا انتظار شروع ہوجاتا ہے۔ نگہت سیما اور عنیزہ سید میری پسندیدہ رائٹر ہیں۔

3- پاکیزہ کی باتیں اور اس کے سلسلے ہیں جو ہمارے لیے کبھی پاکیزہ ڈائری کی صورت اور اشعار کی صورت ہوتے ہیں، یہ ایک دوست کا انداز اپنانے میں تو کبھی کسی کہانی یا روحانی مشوروں کی صورت ہمیں کوئی نصیحت یا کام کرنے کا انداز بتاتے ہیں۔ اسی لیے پاکیزہ ایک دوست بھی ہے اور ناصح بھی اور شاید اسی دوستی کی وجہ سے کوئی نصیحت بری بھی نہیں لگتی۔ پُرخلوص دعائیں ہمیشہ پاکیزہ کے ساتھ رہیں گی۔

☆شازیہ افضل...... کراچی

1۔ ماہنامہ پاکیزہ سے تعارف نسل در نسل چلنے کا سلسلہ ہے پہلے یہ رسالہ میری امی پڑھتی تھیں پھر میں بھی پڑھنے لگی اس طرح سے ماہنامہ پاکیزہ سے میرا تعارف ہوا اور میں اس کا مطالعہ کرنے لگی۔

2۔ اس پورے عرصے میں پاکیزہ سے ناتا جڑے رہنے کی وجہ اس کے سلسلے وار ناول جو ہمارا تجسس قائم رکھے ہوئے ہیں کہ اب آگے کیا ہوگا۔ اس کی سبق آموز کہانیاں بھی اس سے سلسلہ کو جوڑے رکھنے کا باعث ہے۔



3۔ ماہنامہ پاکیزہ میں جو سلسلے وار کہانیاں اور ناولٹ وغیرہ آتے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر خواتین کے اردگرد گھومتا ہے اس میں جو سلسلے چلتے ہیں ان میں زیادہ خواتین کے مسائل ہوتے ہیں اور اس معاشرے میں جو کچھ ہوتا ہے نا سمجھ لڑکیوں کے ساتھ وہ بھی اچھی طرح سے پوائنٹ آؤٹ کیے جاتا ہے جو پڑھ کے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ ہمارا دوست اور رہنما اس طرح بھی ہے کہ اس میں بہت ساری باتیں ہماری رہنمائی کرتی ہیں اور ہمیں نصیحت آموز کہانیوں سے بھی بہت رہنمائی ملتی ہے۔ یہ ایک طرح سے ہمارا ناصح بھی ثابت ہوا ہے۔ اس سے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے، اس میں زندگی کو سنوارنے کے تمام طریقے بتائے جاتے ہیں۔

☆نصرت عالم...... راول پنڈی

یہ 1975ء کی بات ہے جب ہم بی اے کا امتحان دے چکے تھے اور فارغ تھے۔ ہمارے گھر تاریخی کتب ہوا کرتی تھیں، رسالے وغیرہ سے واقفیت نہیں تھی۔ میری ممانی حور، زیب النساشوق سے پڑھتی تھیں۔ ہمیں وہ دور سے بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوتا تھا چہ جائیکہ پڑھتے۔ بہر حال ممانی نے جب ماہنامہ پاکیزہ ہمارے بھائی سے منگوایا تو وہ ہمارے ہاتھ لگا بس پھر کیا تھا ان سے اجازت لے کر پڑھنا شروع کیا۔ بی اے تو خیر کر ہی چکے تھے اب تو بالغ در بالغ ہوچکے تھے۔ لہٰذا آج تک پاکیزہ ہمارا دوست اور ساتھی ہے۔ ایسی کہانی کسی کی ہوگی بھلا......!

2۔ بس جی پانچ کیا پانچ ہزار باتیں...... روشنی ناول، عینی ناول ان ناولوں میں ہیروئن کے نام سے ہی شاید ناول کا نام رکھنے کا رواج تھا۔ ایک کہانی آج تک ذہن میں ہے جب ہیروئن نے ایک مجرم ہیرو کو پناہ دی تھی اور وہ راہ راست پر آگیا تھا۔ رضیہ بٹ کی گھریلو چپقلشوں پر مبنی کہانیاں، سلمٰی کنول، بشریٰ رحمٰن سیماں کمال کیا، کیا نام یاد کروں سب نے ہی پاکیزہ سے رشتہ جوڑے رکھا پھر نفسیاتی الجھنیں اور ہاں بھئی رعنا فاروقی کی تین عورتیں، تین کہانیاں وہ شاید فلک حسنین تھیں ان کے مشورے اس کے علاوہ فیشن کے صفحات، ماڈلز کے رنگ روپ اس زمانے میں یہی رسالہ ہی ہوتا تھا جس میں سے ڈیزائن وغیرہ دیکھا کرتے تھے۔ اپنے ٹیوشن کے پیسوں سے پہلے رسالہ منگاتے اور بھائی کو ٹافی وغیرہ بھی کھلا دیتے بس اچھا دور تھا اب تو پوتے، پوتی اور نواسے، نواسیاں جانے کیا، کیا انگریزی کا پڑھتی ہیں اور انٹرنیٹ نے تو رسالے پیچھے کردیے مگر آج بھی ماہنامہ پاکیزہ میرے گھر کی رونق ہے۔

3۔ بس جی جیسا کہ بتایا ہے کہ ایسی، ایسی رائٹرز تھیں اور ماشاء اللہ سے ہیں جو شادی شدہ لڑکیوں کی بھی رہنمائی کرتی تھیں، ایک آدھ تو کھانے کی ترکیبیں بھی بہانے، بہانے سے دے دیتی تھیں۔ مثلاً کھیر کیسے پکائی جب شادی کے بعد ڈوا ڈلائی کی رسم ہوتی یا سوجی کا حلوا مجھے یاد ہے جبھی میں نے بھی آزمایا تھا۔ اس کے علاوہ دین کی باتیں تو مستقل حصہ بنی رہیں۔ قرآنی قصے، انبیا کے واقعات، صحابیات ؓ کی زندگی کے احوال یا دینی مسائل بھی تو پاکیزہ میں آتا تھا۔ اور ہاں میاں، بیوی راضی، بندھن اور نئے شادی شدہ جوڑے اس کے علاوہ کتنے تو فنکاروں کے انٹرویوز آتے تھے، اب تو اس کا انداز اور بھی جدید اور نرالا ہوگیا ہے۔ میری دعائیں آپ کی ٹیم کے ساتھ کہ یہ ایسے ہی چلتا رہے، آمین......

☆☆☆



گوشۂ ظرافت

ادارہ

مزاح نگاری، کمال کی صنفِ ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں...... مگر ایسی نشتر زنی بخاطرِ اصلاح کا فن بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ طرزِ تحریر بننے میں دیر نہیں لگتی۔

کرنل محمد خان ......اردو مزاح نگاری کا ایک نہایت معتبر و معروف نام ہے......اس ماہ اپنے باذوق پڑھنے والوں کے لیے ہم نے انہی نامور مزاح نگار کی تصنیف سلامت رومی سے اقتباس منتخب کیا ہے۔ جس سے یقیناً آپ جیسے باذوق قارئین لطف اندوز ہوں گے۔

کرنل ٹیلر کی جگہ فوج ہے یا سرکس؟

ہمارے اصل میزبان کرنل ٹیلر تھے۔ میجر لائیڈ ہمیں ان کے دفتر میں لے گئے۔ کرنل ٹیلر سے ملاقات ہوئی تو انہیں شنید کے مطابق متواضع اور متبسم پایا لیکن شنید سے کہیں زیادہ متکلم اور منخنی نکلے۔ باتونی آدمی کا ایک فائدہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے حصے کی باتیں بھی کرتا ہے اور سننے والے کے حصے کی بھی۔ یعنی دو رویہ بولتا ہے چنانچہ کرنل ٹیلر سے باتیں کرتے ہمارا کام فقط وقفے، وقفے سے چائے کا گھونٹ پینا تھا اور گھونٹوں کے درمیان مسکرانا بلکہ کھلکھلا اٹھنا۔ کرنل ٹیلر کی بات، بات میں لطیفہ تھا۔ ایک مرد کی صحبت میں گرم چائے اور گوراگپ میسر ہو تو اور کیا چاہیے؟ لیکن ہمارا چسٹر آنے کا اصل مقصد کرنل ٹیلر کے لطیفے سننا نہ تھا بلکہ ان کے توسط سے فوجی لائبریری دیکھنا اور ان کی لائبریرین مسز اسمتھ سے ملنا۔ چانچہ ایک دو مرتبہ کرنل صاحب کی توجہ کا رخ لائبریری کی طرف موڑنے کی کوشش بھی کی لیکن ان کی روانیِ گفتار ہماری کوشش کو بھی اپنے ساتھ بہا لے گئی۔ بہرحال جب آپ اپنے نصف لطیفے سنا چکے تو اس وعدے پر کہ باقی نصف کھانے پر سناؤں گا، ہمیں اچانک لائبریری دیکھنے کی اجازت دے دی۔

ہم نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے......لائبریری پہنچے......مسز اسمتھ کو دیکھا تو ایک ماں، ماتا قسم کی عورت نکلی...... ظاہر ہے کہ کرنل ٹیلر کی لطیفہ گوئی اپنی بوڑھی لائبریرین کے ضمن میں کسی قدر بے لگام ہوگئی تھی۔ مگر کیا یہ بے لگامی اتفاقی تھی یا ارادی؟ مسز اسمتھ نے یہ معما جلد ہی حل کر دیا۔ بولی۔

”کرنل خان، میں ایک گھنٹے سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔“

”میں تاخیر کی معافی چاہتا ہوں...... وجہ یہ ہوئی......“

”کہ کرنل ٹیلر آپ سے چمٹے رہے۔“

”جی ہاں...... جی نہیں......“ ہمارے منہ سے ایک بار پھر کپکپاتی سی لاحول نکلی لیکن جلد ہی سنبھل کر کہا۔

”دراصل بات یہ ہے کہ مسز اسمتھ......“

”کہ کرنل ٹیلر بیہودہ اور باتونی ہے۔“

”مسز اسمتھ، اصل میں کرنل ٹیلر......“

”کرنل نہیں، مسخرا ہے، اس کی صحیح جگہ فوج نہیں سرکس ہے۔“

بار، بار بات کٹ جانے سے ہمارا دم پھولنے لگا۔ ذرا موقع ملا تو کہا۔

”پلیز مسز اسمتھ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کے مزاج کیسے ہیں؟“

مسز اسمتھ کچھ کہنے کو تھی کہ رک گئی...... ایک گہری سانس لے کر بولی۔

”میں معافی چاہتی ہوں، ٹیلر کی وجہ سے آپ کی مزاج پرسی نہ کر سکی...... مزاج شریف؟“

”شکریہ...... آپ کی لائبریری تو ماشاء اللہ بڑی شاندار ہے۔“

لائبریری کا ذکر محض مسز اسمتھ کی خوشنودی کے لیے نہیں بلکہ کرنل کا ذکر زائل کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ یہ نسخہ کارگر ثابت ہوا۔ مسز اسمتھ کی طبیعت ایک لمحے میں بحال ہو گئی اور بولی۔

”آپ کو پسند آئی میری لائبریری؟“

”بے حد۔“

”میرے پاس کچھ کم ایک لاکھ کتابیں ہیں۔ ایسی بڑی لائبریری تو نہیں۔ پر اچھی ہے۔“ ہمیں یاد آیا کہ پیچھے وطن میں ہماری کمانڈ لائبریری کی کائنات بمشکل دس ہزار کتابیں تھی۔ مرعوب تو بہت ہوئے مگر اپنی خفت پر پردہ ڈالتے ذرا بے نیاز انداز میں کہا۔

”ایک لاکھ......؟ اوون...... خاصی تعداد ہے۔“

مسز اسمتھ جھٹ بولی۔ ”آپ کی لائبریری میں کتنی کتابیں ہیں؟“ اب کوئی افسر، مملکت کے راز فاش کرنے کا مجاز نہیں، علاوہ ازیں ہم برطانیہ کے بے بضاعت جزیرے سے مات کھانا چاہتے تھے نہ ایک عورت ذات سے۔ فوراً ناموس وطن کی خاطر اصل تعداد کو دس سے ضرب دی۔ جواب ضرب ایک لاکھ پایا۔ اسے رد کیا، پندرہ سے ضرب دی، جواب ڈیڑھ لاکھ نکلا تو قبول کیا اور آنکھ جھپکے بغیر کہا۔

”لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ......“

”پھر تو آپ کی لائبریری دیکھنے کے قابل ہو گی۔“

”آپ کی دعا سے مرجعِ خاص و عام ہے۔“

اس ایک جواب سے مسز اسمتھ کی برتری کا قلع قمع کر دیا۔ پھر ہم نے طاقت کی پوزیشن سے وہ سکہ بند سوال پوچھنا شروع کیے جو ہر لائبریرین سے پوچھا کرتے تھے۔

”آپ کی لائبریری میں ہر روز کتنے آدمی آتے ہیں؟“

”سو سے دو سو تک۔“

ہمیں یاد آیا کہ ہمارے لائبریرین کی آنکھیں قارئین کی راہ تکتے، تکتے سفید ہو گئی تھیں اور جس روز چھٹے کے بعد ساتواں آدمی آجاتا تھا غریب کی بینائی کو افاقہ ہونے لگتا تھا۔ گفتگو جاری رکھی۔

”آپ لوگوں کو لائبریری کی طرف کس طرح راغب کرتی ہیں؟“

”ہمارا مسئلہ لوگوں کو راغب کرنے کا نہیں بلکہ ضرورت سے زیادہ راغب لوگوں کو لگام دینے کا ہے۔“

ہمیں اپنے لائبریرین کی وہ تجویز یاد آئی کہ ”اگر ہر کتاب کے ساتھ ایک رس گلا مفت اشو کر دیا جائے تو شاید افزائش رغبت کا باعث ہو۔“

کہا۔ ”آپ کے ہاں کس قسم کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں؟“

”سینئر لوگ اکثر پیشہ ورانہ کتابیں پڑھتے ہیں مگر نوجوان فکشن اور پوئٹری بھی مانگ لیتے ہیں۔“

”قدرتی بات ہے، بوڑھوں اور جوانوں کی پسند میں یہی فرق ہونا چاہیے۔“

”مگر کرنل ٹیلر اس قاعدے سے مستثنٰی ہے۔“

”کیا مطلب......؟“

”وہ فقط ایک کتاب بار، بار پڑھتا ہے، کوئی بیس مرتبہ لائبریری سے لے چکا ہے۔“

”کون سی کتاب؟“

"THE DIRTIEST JOKES OF THE WORLD" ہمارے منہ سے بے یقینی میں نکلا...... ”نہیں تو......“

بولی۔ ”بالکل سچ...... اسی لیے تو دنیا بھر میں غلیظ ترین دماغ کا مالک ہے۔“ گفتگو پھر بھٹکی، بھٹکی کرنل ٹیلر کی سمت جارہی تھی جو ہر چند کہ خاصی کراری تھی تاہم ہمارے مشن کے پیشِ نظر ذرا بے وقت تھی۔ مسز اسمتھ کی زبان کی تلوار کو اپنے محبوب شکار...... ٹیلر کے گلے سے جدا کرنا آسان نہ تھا لیکن ہم نے ایک متبادل موضوع پیش کیا۔

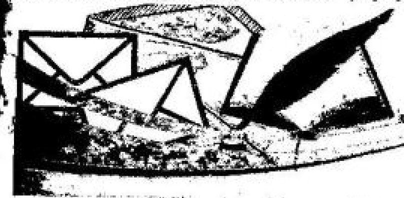
”کیا میں آپ کی خوب صورت لائبریری کا چکر لگا سکتا ہوں؟“

مسز اسمتھ لفظ خوب صورت کی آواز پر آناً فاناً پگھل گئیں اور ٹیلر کو نیم بسمل چھوڑ کر ہمیں لائبریری دکھانے لگیں۔ الماریوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے مسز اسمتھ اپنی کتابوں کے کوائف اس پیار اور اس لاڈ کے ساتھ بتانے لگیں گویا اپنی سہیلیوں سے تعارف کرا رہی ہوں۔ ایسے محبت بھرے تعارف کے بعد ان کتابیں دیکھتے، دیکھتے بہت وقت گزر گیا لیکن اس وقت تک احساس نہ ہوا جب تک میجر لائیڈ نے آکر یاد نہ دلایا کہ لنچ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ مسز اسمتھ سے رخصت ہوئے تو محسوس ہوا کہ زندگی میں ایک تحقیقی فنکار سے یادگار ملاقات ہوئی ہے۔ پھر لنچ کی میز پر جا بیٹھے تو کرنل ٹیلر نے لطیفوں کی دوسری کھیپ کھول دی۔ ملاقات یہ بھی یادگار تھی کہ کرنل ٹیلر بھی ایسے حقیر فنکار نہ تھے فقط یہ کہ ان کا میدان ذرا مختلف تھا۔

☆☆☆

بہنوں کی محفل

مدیرہ



خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

پیاری پاکیزہ بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ

تمام حمد و ستائش اس ذات والا صفات کو زیبا جو کُل کائنات کا خلق کرنے والا ہے۔ یکتا و وحدہ لاشریک ہے اور کروڑوں درود و سلام حبیب خدا رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر جو وجۂ تخلیق کائنات ہیں۔ پروردگارِ عالم کے حضور دست بستہ دعا گو ہیں کہ اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا کرے جو ہمارے حق میں بہترین ہو۔ ہمارے وطن پاکستان میں امن و آشتی کی فضا اور خوش حالی رہے اور تمام اہلِ وطن اس کی ترقی و نیک نامی کے لیے کوشاں رہیں۔ (الٰہی آمین)

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری بہنو!

سلام اور پُرخلوص دعائیں لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اب تو میں آپ کی دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے مکمل طور پر صحت یاب ہوگئی ہوں...... الحمد للہ آپ بہنیں تو بقرعید کی تیاریوں میں مصروف ہوں گی۔ ایک جملہ جو سب ہی ایک دوسرے کو کہتے رہتے ہیں کہ اپنی خوشیوں میں مستحقین اور غریبوں کا بھی ضرور خیال رکھیں...... اور یہ عید تو ہمیں درس ہی یہ دیتی ہے کہ اپنی خواہشوں کو دوسروں کی خوشیوں پر قربان کردیں۔ یہی ایثار اللہ کی بارگاہ میں بہترین اجر کا باعث ہوتا ہے...... ربِ کریم سے دعا ہے کہ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، الٰہی آمین...... پیاری بہنو! 11 اگست کو پاکیزہ کی جانب سے عید ملن رکھی گئی تھی جس میں ماشاء اللہ ریڈرز، رائٹرز اور دیگر دوستوں سمیت تقریباً پینتالیس مہمانوں نے شرکت کی۔ بڑی بھرپور محفل رہی اور سب کو ہی بہت لطف آیا...... بعد میں فون بھی آتے رہے کہ آپ نے بہت خوب صورت پاکیزہ عید ملن کیا اور سب ہی نے خلوصِ دل سے دعائیں بھی دیں...... اللہ آپ سب لوگوں کو بھی سلامت رکھے اور ایسی محفلیں سجتی رہیں۔

انجم انصار اپنی مصروفیت کے باعث نہ آسکیں اور سیمارضا ردا کو ریڈیو پاکستان کراچی اسٹیشن پر اچانک پروگرام کرنا پڑ گیا تو وہ شرکت نہ کرسکنے کا بہت افسوس کرتی رہیں۔ کچھ اور بہنیں بھی نہ آسکیں۔ اب یہ تو ہوتا ہی ہے کہ مختلف وجوہات کی بنا پر کسی نہ کسی کی شرکت نہیں ہو پاتی۔ میری دوست شائستہ اعجاز بھی شرکت نہ کرسکیں کیونکہ ان کی والدہ شدید بیمار ہونے کی وجہ سے ہاسپٹلائزڈ ہیں۔ آپ بہنیں ان کی صحت یابی کے لیے خصوصی دعا کریں۔

اچھا بہنو! کافی باتیں ہوگئیں...... اب اجازت دیجیے زندگی بخیر انشاء اللہ آئندہ ماہ ملاقات ہوگی۔

اللہ نگہبان......!

دعا گو عذرا رسول......!

☆☆☆

عزیز بہنو! آپ نے بھی غور کیا ہوگا...... یومِ آزادی اس مرتبہ کچھ زیادہ ہی جوش و خروش سے منایا گیا جو کہ بہت اچھی بات ہے۔ نئی نسل میں وطن کی محبت پروان چڑھانا اور ان قربانیوں کا بار، بار ذکر کرنا ہم بڑوں کا ہی فرض ہے۔ ہمیں اپنے طور پر بچوں سے ان مشاہیر اور تحریکِ پاکستان کے کارکنان کے قصے اور حالاتِ زندگی دُہراتے رہنا چاہئیں تاکہ آزادی جیسی نعمت کی قدر و قیمت نسل در نسل منتقل ہوتی رہے۔ ویسے آج کی نسل بہت روشن فکر، باہمت، پُرجوش اور پُرعزم ہے۔ اور انشاء اللہ یہی نسل پاکستان کا وقار بلند کرے گی اور ملک کو ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن کرنے میں بھرپور کردار ادا کرے گی۔

عیدالضحیٰ کی مبارک باد تو اگرچہ ہم نے پہلے ہی دے دی ہے بس دعا ہے کہ ہم سب اس تہوار کے اصل مقصد کو سمجھ سکیں...... پیاری بہنو! آپ جس طرح محفل میں شامل ہوتی ہیں اور اپنی قیمتی رائے، مشورے، تنقید اور کھلم کھلے اظہارِ خیال سے میری معاونت کرتی ہیں وہ قابلِ قدر ہے۔ ہماری یہی کوشش ہے کہ رسالے کو مزید دلچسپ، سبق آموز، پُرلطف اور قلب و نظر کو روشن کرنے والے مواد سے آراستہ کیا جائے جس میں آپ ریڈرز اور رائٹرز کا بھرپور تعاون درکار رہے گا۔

پیاری بہنو! اپنے پیغام سلام، رائے مشورے اور شکایات کے لیے بھی مندرجہ ذیل نمبر حاضر ہیں۔

0331626612,021.35386783.021.35802552.Ext:122.107 ہیں۔

اور حسبِ روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درود ابراہیمی اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی یاد رکھیں۔ اللہ رب العزت عالمِ اسلام کی تمام پریشانیوں کو رفع کرے اور تمام مسلمانانِ عالم کو کامیابی نصیب ہو۔ (الٰہی آمین)

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ بہنو پچھلے دنوں جیسا کہ عذرا آپی نے بھی تذکرہ کیا پاکیزہ کی سالانہ محفلِ عید ملن منعقد کی گئی۔ اس کا تفصیلی احوال مع تصاویر آپ انشاء اللہ اکتوبر میں پڑھیں گی۔ یہ تقریب بہت بھرپور رہی اور اس میں ان تمام بہنوں کی شمولیت بھی برابر سمجھی گئی جو ملک بھر میں اور دنیا بھر میں پاکیزہ نہایت ذوق و شوق سے پڑھتی ہیں۔

☆ سینئر رائٹر غزالہ رشید کے افسانوں کا مجموعہ نہاں اور عیاں سیوا پبلی کیشنز کے بینر تلے شائع ہوگیا ہے، کتاب کا انتساب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام کے بعد اپنے پیارے رشتوں کے نام کیا ہے...... اس کا سرورق ان کے ہونہار فرزند حسن بن نسیم نے ڈیزائن کیا ہے جو کہ امیدوں بھری روشنیوں سے تعبیر ہے۔ خوب صورت سفید 207 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت صرف 300 روپے ہے۔ ملنے کا پتا 133، سرکلر روڈ شاہ عالم چوک لاہور ہے۔ فون نمبر 04237671975۔03219445830۔

☆ رائٹر صبا آصف، کراچی کے بھتیجے زریاب خان بن شاہد خان کی شادی خانہ آبادی مصباح راشد سے 22 جون 18ء کو کراچی میں بخیر و خوبی انجام پائی۔ (مبارک باد) صبا کے حوالے سے دوسری خبر یہ ہے کہ ان کے صاحبزادے انس مظہر نے میٹرک میں اے گریڈ سے کامیابی حاصل کی ہے۔ (بہت بہت مبارک باد)

☆ فریدہ خانم کی شاعری کے مجموعے مختلف کی تقریبِ رونمائی الحمرا دی مال، لاہور میں ادبی بیٹھک میں ہوئی جس کی صدارت اسلم کمال نے کی۔

☆ رائٹر ہما علی، اسلام آباد کے بہن، بہنوئی ماشاء اللہ حج کی سعادت حاصل کرنے سعودی عرب روانہ ہوگئے ہیں۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی ساتھی...... پُرخلوص دوست اور معروف رائٹر شیریں حیدر آج کل کینیڈا گئی ہوئی ہیں مگر ناول کی اقساط انہوں نے باقاعدگی سے ارسال کیں اور اب تو ناول اختتام کی جانب ہے۔ (خیر سے وطن واپس آیئے شیریں اور تحریروں کی تیاری کیجیے)

قارئین سے التماس

اخبارات اور رسائل کے لیے اس سال کے آغاز سے ہی مالی مشکلات شروع ہوچکی تھیں۔ لاگت میں عمومی اضافے کے ساتھ نیوز پرنٹ کی گرانی نے مستحکم اشاعتی اداروں کو بھی ہلا کر رکھ دیا اور یہ بحران تا حال جاری ہے۔ ان حالات میں ہمارے ادارے کے لیے تین راستے رہ جاتے ہیں: (1) قیمت میں ناگزیر اضافہ۔ (2) صفحات میں کمی۔ (3) آئیبی بحران میں اشاعت معطل کر کے بہتر وقت کا انتظار۔

ادارے اور معزز قارئین کا تعلق بہت گہرا اور بنیادی ہے۔ قارئین کی سرپرستی نے ہی ہمارے رسائل کو موجودہ مقام عطا کیا ہے۔ ہم آپ کی مشاورت سے ہی فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ان تین میں سے کس راہ کا انتخاب ہمارے اور پڑھنے والوں کے لیے سودمند رہے گا۔ ہمیں آپ کی مخلصانہ آرا کا انتظار رہے گا۔

(ادارہ)

☆ مسرت رانی خلیل کی بہن شگفتہ اور بہنوئی و دیگر رشتے دار حج کی سعادت حاصل کرنے سعودی عرب روانہ ہوئے۔

☆ نگینہ ضیا کی بیٹی صباحت ضیا بنگش میٹرک میں A.1 گریڈ سے کامیاب ہوگئی ہیں۔ (ماشاء اللہ مبارک ہو)

☆ معروف صحافی اور رائٹر زینیا حسن کی اس ماہ سالگرہ ہے۔ (بہت مبارک ہو)

☆ ہماری پیاری پاکیزہ کی ساتھی اور عذرا رسول صاحبہ کی دوست یاسمین رشید کی اس ماہ سالگرہ ہے۔ (مبارک باد)

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ تبصرہ نگار صائمہ سید، کراچی آج کل موسمی زکام نزلہ، بخار میں مبتلا ہیں۔ (بہت احتیاط کیجیے صائمہ)

☆ رائٹر حیا بخاری کے بیٹا اور بیٹی شدید بیمار ہیں۔

☆ رائٹر ناہید چوہدری عید ملن کی تقریب میں آتے ہوئے گھر میں ہی سلپ کر گئیں اور ان کی ٹانگ میں شدید چوٹ آئی ہے۔

انتقال پُرملال

☆ مصنفہ نایاب جیلانی کے شوہر برضائے ربی انتقال کر گئے۔

☆ تبصرہ نگار، کالم نگار، نرگس نسیم، صابہ موہڑہ کے شوہر مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

☆ مصنفہ طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی کی نند زاہدہ خالد برضائے ربی انتقال کر گئیں۔

☆ رائٹر فوزیہ سرور، لاہور کی دس سالہ بھانجی میرب ظہور دماغ کی شریان پھٹ جانے کے باعث اللہ کو پیاری ہوگئی۔ بچی کو بچپن میں سر پر چوٹ بھی آئی تھی۔ اس ناگہانی موت سے ان کا پورا خاندان بے حد افسردہ ہے۔ (اللہ آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے)

تمام مرحومین کے..... درجات کی بلندی کے لیے دعائے مغفرت کی استدعا ہے۔

☆☆☆

☆ اب آتے ہیں آپ بہنوں کے کھٹے میٹھے خطوط کی جانب......

🙞 نگہت اعظمی، کراچی سے۔ ”اصل میں گھر کی شفٹنگ کی وجہ سے خاصی مصروفیت رہی پھر بہت عرصے تک لکھنے کا موڈ ہی نہیں بن سکا۔ جولائی کا رسالہ پورا پڑھ لیا۔ رفعت سراج کا ناول سب سے زیادہ پسند ہے۔ سب سے پہلے اس کی قسط پڑھتی ہوں پھر وردانہ نوشین کا منی ناول پڑھا۔ ابھی رائے نہیں دوں گی۔ پورا ناول پڑھ کر رائے دوں گی۔ ناہید سلطانہ میری پسندیدہ رائٹر ہیں۔ افسانہ تو بہت عمدہ تھا لیکن موضوع بہت پرانا...... لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماں، باپ بھی اولاد کے حق میں بہت زیادتی کرتے ہیں میں اس موضوع پر افسانہ لکھ رہی ہوں اور وہ افسانہ نہیں حقیقت ہے۔ دعا کریں جلدی لکھ لوں۔ (جی بالکل لکھیں) شمیم فضل خالق کا افسانہ اچھا لگا۔ لڑکیوں اور عورتوں کے لیے سبق ہے کہ کبھی کسی کے گھر میں جب لڑکا یا مرد اکیلا ہو، اندر نہ جائیں جب تک کہ کوئی عورت دروازے پر نہ آجائے (ہاں یہ ضروری ہے) اور باقی سلسلے تو حسبِ معمول بہت اچھے ہیں۔ ادارے میں سب کو بہت، بہت سلام اور دعائیں اور خاص طور پر عذرا رسول اور معراج رسول صاحب کو میری طرف سے بہت، بہت سلام......“ (مختصر سے خط کا شکریہ جی ہاں آپ کی تحریر کا تو انتظار تھا شکر ہے آپ نے وقت نکال لیا)

🙞 فریدہ مخفی، کراچی سے۔ ”حیا بخاری کا ناولٹ بہت اچھا ہے۔ سنبل کی محبت اور انا بہت ہی زبردست اور خوب صورت کہانی تھی۔ عذرا بہن کو بہت سلام ان کی صحت اور معراج صاحب کی صحت کے لیے بہت دعائیں سب اسٹاف کو بہت سلام اور دعائیں...... امرت اور یہ کہاں بچیں کہ دل روز بروز دلچسپ اور بہت عمدہ ہوتا جارہا ہے۔ آپ سب کی محنت نظر آرہی ہے۔ اتنا اچھا شمارہ نکالنے پر بہت مبارک باد...... بہت شکریہ کہ میری شاعری اور تبصرے کو بھی آپ اہمیت دیتی ہیں۔“ (ارے یہ تو قارئین کا حق ہے۔ حوصلہ افزائی کے لیے شکریہ...... مصنفات کو بھی آپ کی تعریف پہنچ جاتی ہے۔ وہ بھی شکریہ کہتی ہیں)

✉ فریدہ فرید، پاکپتن۔ چاندی راجپوت، لاہور۔ آسیہ مظہر چوہدری، آزاد کشمیر۔ حرا احمد، لاہور۔ عمارہ شوکت آپ کی کہانیاں زیرِ مطالعہ ہیں۔ آپ پاکیزہ پر تبصرہ بھی ضرور لکھیں۔

🙞 سیدہ ماہا، منگلا سے۔ ”محبت لفظ ہے لیکن...... آپ کے اس ناول کی تعریف کے لیے لفظ نہیں ہیں۔ اس قسط میں لالہ اور اس کی ماں کے سین پر کتنی ہی دیر روتے رہے۔ اب پتا نہیں ضیا کا کیا انجام ہو، باقی پاکیزہ تو روز بروز اپنا گرویدہ بنا رہا ہے۔ پلیز

عالیہ بخاری، فرحت اشتیاق اور عنیزہ سید جی کے ناولز لائیں یا راحت جبیں کو ہی لے آئیں...... میری پھپو اور خالہ بھی پاکیزہ بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ان کی طرف سے بھی بہت سی دعائیں۔“ (جی آپ کی فرمائشیں سر آنکھوں پر۔ ضرور کوشش کریں گے)

🙞 زہرہ کریم، درابن کلاں سے۔ ”پاکیزہ ماشاء اللہ بہت زبردست ہوگیا ہے۔ نزہت آپی نے اس کی گرتی صحت کو بروقت سنبھال لیا ورنہ یقین کریں اب واقعی دل بھرنے لگا تھا۔ معیار باقی نہ رہے تو واقعی ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے لیکن خیر ہماری اس سے محبت ایسی تھی کہ سب کی ضد کے باوجود ہم نے پاکیزہ خریدنا بند نہیں کیا۔ اور اب ایک مرتبہ پھر سارا گھر پورا مہینہ اس کا انتظار کرتا ہے۔ قسط وار میں حیا بخاری کچھ نیا لے کر آئی ہیں اور چھا گئیں۔ حیا اس قسط میں تو آپ نے رُلا دیا۔ لالہ کا دکھ دل توڑ گیا۔ پلیز اب اور رائٹرز کی طرح ضیا کو شدید بیمار کر کے کہانی سمیٹ نہ لینا۔ ہمیں ابھی اس ناول کا لمبا ساتھ چاہیے۔ افسانوں میں طیبہ، اسما، شمیم فضل بہترین لکھتی ہیں، وردانہ نوشین کا صفہ بھی زبردست ہے بس انہوں نے لفاظی بہت زیادہ کردی ہے۔ کردار سے کہانی بیاں ہو تبھی زیادہ مزہ دیتی ہے۔ (ہر ایک کا نقطۂ نظر الگ، الگ ہوتا ہے کسی کو یہی discribtion پسند آتی ہے) اللہ پاک پاکیزہ کو مزید ترقی دے، آمین۔ اور آپی یہ بھی پتا کرنا تھا کہ کیا ہم بھی کہانی لکھ سکتے ہیں اور اگر ہاں تو کیا ای میل کر سکتے ہیں۔ پلیز جواب ضرور دینا۔“ (کہانی ضرور لکھیں مگر ابھی تو مطالعے پر دھیان دیں)

🙞 عائشہ خان، لاہور سے۔ ”اداریے سے لے کر ہومیو کلینک کے ڈاکٹر صاحب کے جوابات تک ہر تحریر اپنے اندر ایک سبق سموئے ہوئے تھی...... ایک مقصد کی یاد دلا رہی تھی۔ وہ مقصد جو ہر مسلمان کا مقصدِ حیات ہے یعنی اللہ کی رضا جوئی کا حصول...... اللہ کی رضا جوئی کا حصول مقصدِ حیات بن جائے تو...... کوئی بیٹا اور بہو چوہدری عبدالرشید (دانا دیوانہ) جیسے باپ کو پاگل نہ کہے۔ عید کے رنگ خوشیوں کے سنگ میں رانیہ جیسی بہو کو پا کر ساس، سسر خاموشی کی چادر اوڑھنے کے بجائے شکر ادا کرتے نہ تھکیں۔ گیدڑ سنگھی، کسی ریان کو اپنی ہی ماں کے ہاتھوں ایک لمبی آزمائش سے نہ گزرنا پڑے۔ فرینڈ شپ، کوئی ایسی مائرہ نہ ہو کہ بیٹا کہے تو پھر صبیح انکل ہماری مما کے کیا لگتے ہیں۔ کوئی مراد کی طرح اپنے نفس کا غلام نہ بنے...... ع عورت ج جاگیر کوئی میم درانی اور مس ناجیہ کی طرح اپنے فرائض سے روگردانی نہ کرے۔ یعنی ضرورت ہے تو اس امر کی کہ اپنے مقصدِ حیات سے آگاہی ہو اور پھر اس مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہوا جائے۔“ (بہت پیارے تبصرے کا شکریہ)

🙞 اسما شاہد، لاہور سے۔ ”آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگا۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں آپ نے رمضان کی ساری فلاسفی کو بیان کر کے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ دین کی باتیں نہ صرف دینی معلومات میں اضافہ کرتی ہیں بلکہ ہمارے لیے مشعلِ راہ بھی ہیں۔ جس افسانے نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا وہ بیچاری فریدہ ہے۔ میرے جیسے ریڈرز کو اس سے یہ پیغام ملا کہ اگر آپ کی ساس یا کوئی اور سسرالی رشتے دار جو آپ کو تنگ کر رہا ہو اس کا حل بنگالی بابا کے پاس ہے جو کہ صریحاً غلط ہے۔ اس کے برعکس مانگنے کی جنت میں طیبہ عنصر اپنا پیغام positive way میں بہت آسانی سے بیان کر گئیں۔ ٹیچر ہونے کے ناتے جب بھی سالانہ ڈنرز اور فنکشنز پر جانا ہوتا ہے تو اپنے ڈھائی انچی بال زہر لگتے، سچ میں کئی دفعہ permanent plantation کا خواب لمبے گھٹاؤں جیسے بالوں کی صورت میں آیا پر اتنی ہمت بھی نہ تصویرِ اُف...... صد شکر کیا کہ اتنے ہی بال بہت اچھے ہیں، اپنے تو ہیں، بھٹکے ہوئے مسافر ایک سیدھی سادی کہانی تھی جو تبلیغی عنصر لیے ہوئے تھی...... حسینہ معین کا انٹرویو بہت اچھا لگا۔ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح cherries on the cake لگے۔“ (بہت شکریہ اسما ہم تمام قارئین کو اہمیت دیتے ہیں، جبھی تو پرانے تبصرے بھی دل سے لگا کر رکھتے ہیں)

🙞 نازنین آفریدی، پشاور سے۔ ”اگست کا پاکیزہ میرے ہاتھ میں ہے۔ ہمیشہ کی طرح شروع بہنوں کی محفل سے جو کہ اچھا تھا، سروے بھی اچھا رہا۔ پاکیزہ ڈائری اس ماہ اچھی بجی تھی۔ حسن نکھار یے میں شوق سے پڑھتی ہوں، خوش ذائقہ کا نیا سلسلہ پسند آیا۔ یہ کہاں بچیں کے دل ہے، بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور آپا کی سادگی پر اس قسط میں بہت ہنسی خصوصاً جب انہوں نے تاجور سے کہا۔ ”اللہ نے آپ کو دینے والوں میں بنایا ہے۔ بیٹی سمیت سب کچھ دے رہی ہیں ہمارے پاس تو اللہ کا دیا یہ لڑکا ہی ہے۔“ یقین کیجیے یہ جملے پڑھنے کے بعد میں ڈائجسٹ رکھ کے دس منٹ ہنستی ہی رہی۔ امرت اچھا جارہا ہے۔ صفہ بہت زبردست مگر دوسری قسط میں برا ہوگیا صفہ کے ساتھ...... محبت لفظ ہے لیکن...... میں لالہ کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ میرا وطن

رہے سلامت، آمین کہوں گی۔ اچھی تحریر تھی وطن سے محبت کے حوالے سے۔ احساس قربانی کا بھی اچھا پیغام تھا۔ اولڈ پیپلز ہوم اور خون اپنا نہ تھا تقریباً ایک ہی موضوع تھا اور ایسے موضوعات میرے دل پر بوجھ ڈالتے ہیں۔ میں اپنے والد محترم کو کھو چکی ہوں۔ کوئی میرے دل سے پوچھے ان کی قدر...... اللہ اب امی کو زندگی دے، آمین۔ (اللہ سب کے والدین کو سلامت رکھے) ع عورت چ چکر باز کی مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ آس کا پنچھی...... کے لیے یہ کہوں گی کہ ایسا ہی ہوتا ہے اولاد جوان ہو کے اپنی دنیا بسا لیتی ہے۔ وفا کے رشتے بس ٹھیک ہی لگی۔ اس ماہ کی سب سے بہترین تحریریں فریب خیال اور محبت اور انا رہی۔ فریب خیال کے لیے میں یہ کہوں گی کہ میں خود ورکنگ وومن ہوں اور جو خواتین جاب والی عورتوں کو آئیڈیلائز کرتی ہیں ناں ان پر دور کے ڈھول سہانے والی مثال فٹ آتی ہے۔ قریب آ کر دیکھیں تو پناہ مانگیں گی۔ بہت ہی مشکل ہوتا ہے سب کچھ ایک ساتھ کرنا اللہ تھوڑے سے پیسوں کے لیے bosses کی بکواسیں سننا...... انا اور محبت کے لیے یہ کہوں گی کہ انگریزی کا ایک مقولہ ہے جہاں محبت ہوتی ہے وہاں انا نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ دونوں ایک ساتھ رہ ہی نہیں سکتے۔ لیکن پھر بھی مرد کی بے وفائی وہ بھی اپنے جیسی ایک عورت کے لیے...... یہ ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ پاکیزہ کی وجہ سے میرا اردو ادب کی طرف جو لگاؤ پیدا ہوا تو یہ محسوس ہوا کہ واقعی اردو بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔" (جی بالکل تبصرے کا بہت شکریہ...... نازنین)

✉ قرۃ العین قسیم، بھکر۔ پریشان نہ ہوں، آپ کی کہانی قابلِ اشاعت ہے اور جلد لگے گی۔

✍ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ "اداریے میں آپ نے الیکشن کے بارے میں کہا جی ہاں ہم نے اپنا حق رائے دہی ادا کر دیا تھا اللہ کرے جو بھی وزیراعظم بنے پاکستان کے لیے عوام کے لیے بہترین ہو، آمین۔ اے ارضِ وطن ہم تیرے ہیں سروے میں بہنوں نے شوق سے حصہ لیا وطن سے محبت کا اظہار بہت خوب صورت انداز میں کیا گیا۔ غزالہ جلیل راؤ کو پیا دیس سدھارنے پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فصیحہ آصف خان کو جلد از جلد صحت یاب فرمائے، آمین...... مسز یاسمین فرخندہ جعفری، طیبہ عنصر مغل کے خطوط، حدیث اختر، تمثیلہ لطیف کی تحریریں، ساجدہ ظفر، عروبہ ناز، ایمن، صبا نور کے اشعار، مہ لقا خان، ایمن رانی، مریم کاشف، حمیرا وحید کے سوالات پسند آئے۔ بزم پاکیزہ میں ہر ماہ باقاعدگی سے سوالات بھیجتی ہوں مگر بہت کم، کم میرے سوالات شاملِ محفل ہوتے ہیں۔" (اب ایسی بھی بات نہیں شامل تو ہوتے ہی ہیں)

✍ سعدیہ وحید سعدی، اسلام آباد سے۔ "سب سے پہلے پاکیزہ کا بے انتہا شکریہ کہ میرے بھیجے ہوئے مراسلات وقتاً فوقتاً شائع کرتا ہے۔ (معیاری چیزیں ضرور لگتی ہیں) سب سے پہلے مجھے کچھ کہنا ہے پڑھا نزہت آپا آپ نے کچھ نہیں بہت کچھ کہہ دیا...... مگر کاش حکمران یہ سمجھ سکیں۔ دین کی باتوں کے بغیر تو ہماری زندگی نامکمل ہے، معلوماتی اور دلچسپ تھیں دین کی باتیں، ڈاکٹر ذکیہ بہت خوب...... اللہ ہمارے دلوں میں بھی اپنا نور ڈال دے، آمین...... رفعت سراج بہت یونیک سا نام ہے تاجور...... دانا دیوانہ، اللہ ہی ہدایت دے ایسی بہوؤں کو یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ جو ہم بو رہے ہیں کل کاٹنا بھی وہی ہے۔ واقعی وقت کا پہیا ایک سا نہیں رہتا طیبہ جی جو بیٹیاں ماں کو سو، سو نخرے دکھاتی ہیں، سسرال میں وہی بیٹیاں پھرکی کی طرح گھومتی دکھائی دیتی ہیں، واقعی ذمے داری ہوتی ہے بھئی اور نبھانی بھی چاہیے۔ حیا بخاری اُف کیا لکھوں میں ونڈر فل...... فرینڈشپ، مجھے سمجھ نہیں آئی ایک شادی، شدہ عورت کس طرح اپنے بچوں اور شوہر کو نظر انداز کر کے کسی غیر محرم سے گپیں لگا سکتی ہے۔ صفہ، عید کے رنگ...... دونوں اچھی تھیں۔ باقی کہانیاں بھی خوب رہیں، کوثر خالد کی غزل بہت خوب تھی۔" (کوثر بھئی خوش ہو جاؤ، شکریہ سعدیہ......)

✍ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ "سب سے پہلے تو میں آپ کی اور پاکیزہ کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتی کہ نزہت آپ کی سنگت میں پاکیزہ خوب سے خوب تر ہوتا جا رہا ہے اور خاص طور پر عذرا رسول صاحبہ کے میٹھے بول جو وہ بہنوں سے مخاطب ہوتی ہیں، پاکیزہ کے لیے ٹانک کا درجہ رکھتے ہیں۔ (جی ہاں بالکل) تو اب بات ہو جائے صفہ کے بارے میں درِ دانہ نوشین بے مثال بھرپور لکھ رہی ہیں۔ اپنی طرف سے ہٹ کر نیا انداز لیے یہ ناول دل کو چھو رہا ہے۔ خون اپنا نہ تھا۔ دیا سیال نے بھی خوب لکھا دل دکھ سا گیا بالکل اسی طرح اولڈ پیپلز ہوم۔ رفاقت جاوید کی اس اسٹوری سے تو آنکھوں میں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے اور حیا بخاری کا محبت لفظ ہے لیکن بھی لگتا ہے کچھ پُراسرار سا ہونے لگا ہے مگر ہے باکمال ناول...... ناولٹ محبت اور انا سنبل کی تحریر بہت اچھی لگی مگر پردیسی

عذرا تشنہ کا ناول وفا کے راستے میں زبردست رہا بہت پسند آیا۔ (مبارک ہو پروین) عید سہانی مہک فاطمہ کی کہانی بس مناسب لگی اس کے برعکس نگہت غفار نے میرا وطن رہے سلامت عمدہ لکھا۔ معذرت کے ساتھ امرت کا اینڈ کر دیں اس میں اب کوئی کشش نہیں ہے، بے جا طول نہ دیں۔ بزم پاکیزہ نہایت دلچسپ اور مزیدار سلسلہ ہے۔" (معذرت نہ کریں مصنفہ کو اچھی طرح معلوم ہے قارئین کیا چاہتے ہیں اب اک دم سے ختم کیا تو آپ ہی کہیں گی کہ یہ کیا، کیا)

✍ کائنات زہرا، قصور سے۔ "اگست کا شمارہ ہر لحاظ سے بھرپور تھا۔ افسانے بہت اچھے ہوتے ہیں تینوں مستقل سلسلے بھی اچھے رہیں۔ میرا خیال ہے، ناول تو ختم ہو رہے ہیں، حیا بخاری کا ناولٹ بھی زبردست جا رہا ہے۔ باجی حسن نکھار یے میں ایکنی کے مسئلے پر بھی ضرور بتایئے مجھے کافی پرابلم ہے۔" (جی ضرور)

✍ تسنیم ماپارا، کراچی سے۔ "ماہ اگست اس بار آزادی کے ساتھ قربانی کی اس عظیم یاد کو بھی تازہ کیے ہوئے ہے جو حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے دی تھی اور جو رہتی دنیا تک انشاء اللہ قائم رہے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ہمارا پیارا پاکستان بھی جو ڈھیروں قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا ہے وہ بھی رہتی دنیا تک سلامت رہے، الٰہی آمین۔ الیکشن کا زمانہ گزر گیا نئی حکومت خدا کرے ایک سچی اور عوام دوست ثابت ہو اور اپنے عہد و وعدوں کی پاس داری کرے الٰہی آمین...... اب کچھ تبصرہ ہو جائے...... پیاری نزہت پرچہ آپ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ خوب سے خوب اور بہت منفرد و اچھے افسانے، قیصرہ حیات صاحبہ خوب صورت ناموں کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریح بے حد منفرد و اعلیٰ، اللہ اور اس کے نور کے جلوے ڈاکٹر صاحبہ کے قلم کا شاہکار، افسانوں میں میرا وطن رہے سلامت، عید سہانی، خون اپنا نہ تھا اچھے لگے، ع عورت چ چکر باز بہت خوب، فریب خیال ان کے لیے چشم کشا تحریر ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی...... آزادیِ نسواں کا نعرہ صرف اور صرف دکھاوا ہے۔ رفاقت جاوید نے رلا، رلا دیا۔ اللہ کسی کو بھی ایسا محتاج نہ کرے...... آمین...... بہت خوب تحریر...... محبت اور انا بھی اچھا لگا۔ صفہ اچھا start ہے۔ وفا کے راستے نے بھی مایوس نہیں کیا۔ شمع ہدایت پیاری اختر شجاعت کے بہترین موضوع اور تفصیلی روشنی نے ایمان تازہ کر دیا...... بے حد اچھا لگا۔ اللہ ہمیں بھی ان بندوں میں شامل کر دے جو شب کی اس خوب صورت عبادت کا حصہ بنتے ہیں، آمین......" (اللہ آپ کی دعا قبول کرے تسنیم) آپ کا صفحہ بہنوں کی محفل زبردست۔ عذرا کی مختصر لیکن پیاری تحریر بہت خوب۔ کچھ بات اس جگمگاتی شام کی ہو جائے جو پیاری عذرا نے سجائی تھی۔ ہمیشہ کی طرح خوب صورت عذرا کی جاندار محفل پُرخلوص انداز...... بہت آؤ بھگت دل سے بہت ہی مزہ آیا پیاری، پیاری رائٹرز اور تبصرہ نگاروں سے مل کر۔ آپ سب نے بھی خوب میزبانی نبھائی۔ شکریہ عذرا۔ خدا کرے آپ اسی طرح کئی شامیں ہم سب کے ساتھ مناتی رہیں اور آپ کا دل اور دستر خوان ہمیشہ دراز رہے، آمین۔ (بہت نوازش، جامع تبصرے اور پُرخلوص دعاؤں کے لیے آپ سب کی آمد سے ہی رونق ہے ڈیئر)

✍ نرمین سرھیو، حیدرآباد سندھ سے۔ "سال ہونے کو ہے...... مگر انتظار تھمتا نہیں، ہر بار پاکیزہ کے آنے سے پہلے دامن میں خوش فہمیوں کے رنگ بکھر جاتے ہیں مگر اپنی کوئی نثری اور شعری کاوش پاکیزہ کے صفحات پر بکھری نظر نہیں آتی...... واللہ مایوسی ہی مایوسی چھا جاتی ہے، طویل انتظار اب ہمت توڑنے لگا ہے۔" (ارے اچھے بچے ہمت نہیں ہارتے، تم تبصرہ بھی لکھو)

✍ آسیہ عامر، کراچی سے۔ "سب سے پہلے بزم پاکیزہ میں اپنا انعام یافتہ سوال پڑھ کر ایسا نعرہ لگایا کہ ٹی وی لاؤنج میں جاتی ہوئی می جی (ساس) نے یوں گھوری ماری جیسے کہہ رہی ہوں طبیعت ٹھیک ہے؟ بچے سوئے ہوئے ڈر کے اٹھ گئے۔ اس کے بعد بہنوں کی محفل پڑھی، طیبہ جی ایکسٹینشن کا تو ایسا رواج عام ہے لیکن یہ نہیں پتا تھا کہ اتنے بھیانک طریقوں سے بال حاصل کیے جاتے ہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ محبت لفظ ہے لیکن...... ماں کے ساتھ بدتمیزی کی بہت اذیت ناک سزا ملی ہے لالہ کو...... محبت اور انا سنبل نے اچھا لکھا لیکن میاں، بیوی میں اتنا عرصہ انا کہاں بیچ میں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے قریبی رشتہ یہی بنایا ہے۔ خون اپنا نہ تھا، دیا سیال کا اور اولڈ پیپلز ہوم، رفاقت جاوید بہت حساس موضوع چنا ہے اور بہت اچھا لکھا ہے۔ رفاقت جاوید نے تو بہت ہی پُراثر لکھا ہے جس کسی نے پڑھا ہوگا اس کی آنکھوں سے آنسو ضرور نکلے ہوں گے اور بہت سارے دلوں پر یہ کہانی مثبت اثر چھوڑ گئی ہوگی، میری ساس تو پہلے ہی میری سہیلی ہیں، یہ کہاں بچیں کہ دل ہے، رفعت سراج کا شاندار رہا ہے دونوں بہنوں کی ہاتھ کے ہاتھ ہی لگتا ہے رخصتی کر دیں گی آپ۔ فوزیہ آپا کی بدحواسیاں

پڑھ کر مزہ آیا۔ صفہ اگرچہ میں نے دردانہ نوشین کو زیادہ نہیں پڑھا لیکن جتنا بھی پڑھا ہے ہمیشہ بہت اچھی تحریریں پڑھی ہیں (جی بالکل) صفہ بخاری نے جو غلطی کی ہے یہ ہمارے معاشرے میں بہت عام سی بات ہے لیکن بیماری ہے یہ سرطان ہے صرف لڑکی کی زندگی برباد ہوتی ہے بلکہ ماں، باپ بھی بے گناہ ہوتے ہوئے رسوا ہوتے ہیں خدارا عقل کرو...... بہرحال صفہ نے اس دفعہ بہت رلایا...... عید سہانی، مہک فاطمہ نے اچھا لکھا ہے۔ یادوں کے جگنو، پڑھ کر بہت دکھ ہوا ہما علی اللہ آپ کو صبر دے۔ امرت پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے شیریں جی سے ملاقات ہورہی ہے ناول بہت اچھے طریقے سے اختتام پزیر ہورہا ہے، کیا شیریں جی بھی نہار منہ پانی پینے کی عادی ہیں؟'' (بہت شکریہ یہ جامع تبصرے کا...... ہاں بھئی شیریں آپ کیا کہتی ہیں)

✍ **انیلا طالب**، گوجرانوالہ سے۔ ''بہت پیاری سی آپی اس ماہ کا بھی پاکیزہ بہت زبردست تھا۔ ماشاء اللہ خاص طور پر آپ نے جو نیا سلسلہ شروع کیا ہے سنگ، سنگ چلیں اس کا کوئی جواب نہیں...... ہر ماہ اداریہ بھی خوب لکھا جارہا ہے اور آپ کا سلسلہ وہ آئے بزم میں بہترین اور موسٹ فیورٹ سلسلہ ہے۔ قلم کے ذریعے جادو کرنا آپ کو خوب آتا ہے، امید ہے میری کہانیاں بھی جلد لگیں گی، آپ جیسے ایڈیٹر کم، کم ہی ملتے ہیں، رسالے کے ایک، ایک صفحے پر ماشاء اللہ آپ کی محنت خوب رنگ دکھارہی ہے۔'' (بہت شکریہ...... انیلا...... آپ جیسے اچھے رائٹرز کی خوش اخلاقی ہے جو ہمت بندھاتی ہے)

✍ **عظمیٰ فگار روش**، لکی مروت سے۔ ''پاکیزہ لاجواب ہے، اس بار سارے افسانے زبردست تھے، کسی ایک کی تعریف کرنا دوسرے کے ساتھ ناانصافی ہوگی اور عقیلہ آنٹی کی میں شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنے افسانوں سے ہم کچے ذہن کی لڑکیوں کو بہت کچھ سکھایا۔'' (جی بامقصد تحریر ہی دلوں میں گھر کرتی ہے۔ آپ کی تعریف عقیلہ حق تک پہنچائی جارہی ہے)

✉ **سائرہ نثار**، بنوں۔ پاکیزہ کے حصول کے لیے جو آپ نے جدوجہد کی وہ قابلِ قدر ہے آپ جیسے قاری ہی ہمارا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔

✍ **سیما محمد عالم**، کراچی سے۔ ''امید ہے آپ اور ساری پاکیزہ بہنیں خیریت سے ہوں گی، آپ نے میرے خط کا جواب دیا اس کا شکریہ لیکن یہ بھی بتایئے کہ کیا ایک ہی لفافے میں کئی چیزیں بھیج سکتے ہیں۔ (جی ہاں بالکل الگ، الگ صفحات پر لکھی ہوں چاہے تو ایک ہی لفافہ استعمال کرسکتی ہیں آپ اردو یا رومن میں میل کرسکتی ہیں۔ کہانی رجسٹرڈ پوسٹ کے ذریعے آرام سے بھیج سکتی ہیں۔) جولائی کے پاکیزہ کی تمام کہانیاں اصلاحی اور اسلامی پہلو لیے ہوئے تھیں۔ نہایت سبق آموز تھیں۔'' (رسالہ پسند کرنے کا شکریہ)

✍ **سمیعہ امجد**، ڈی آئی خان سے۔ ''عذرا باجی آپ بہت اچھی ہیں اور میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں (آپ شاعری یا دیگر مراسلات لکھ کر پاکیزہ کے پتے پر پوسٹ کریں اتنے بڑے میسج فون پر نہ بھیجیں......)

✍ **انیلا سلطان سکندر**، آزاد جموں کشمیر سے۔ ''مجھے پاکیزہ بہت پسند ہے، اس بار دونوں ٹائٹل گرل بہت نائس تھیں۔ ویسے سارا رسالہ ہی بہت اچھا لگتا ہے۔'' (شکریہ)

✍ **ثریا شہاب ڈی جی خان**، تونسہ شریف سے۔ ''پاکیزہ میں بہت ہی نادر تحریریں ہیں، ساری ٹیم کا شکریہ...... سلسلے وار امرت دلچسپی سے پڑھتی ہوں، ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی اور اختر شجاعت کی تمام تحریریں پسند ہیں۔ تمام بہنیں اچھا لکھ رہی ہیں، ہم آپ کے سارے رسالے پڑھتے ہیں، ہمارے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو ضرور رسالے میں جگہ دیں۔ (ارے ٹوٹے پھوٹے کہاں بہت قیمتی ہیں) دعا کریں مجھے بھی حج اور عمرے کی سعادت نصیب ہو۔ (الٰہی آمین) حیا بخاری سے بات کرنے کا دل چاہتا ہے، پاکیزہ کی پوری ٹیم کو سلام...... عذرا آپی، انجم انصار، آمنہ حماد، عظمیٰ، نزہت اصغر سب کو سلام آپ بہت اچھی طرح سے رسالہ نکال رہی ہیں۔ والدین کے بارے میں جو تحریریں لکھی ہیں وہ بہت اچھی ہیں، لڑکیوں کی تربیت کے لیے بہت اچھی کہانیاں ہوتی ہیں جیسے رفاقت جاوید کی اور خون اپنانہ تھا۔ یہ سبق حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہیں، نصرت یوسف نے امان اچھا لکھا، اساسِ قربانی بہت اچھی کہانی ہے۔ ہم تو پاکیزہ کی ایک، ایک تحریر سے کچھ نہ کچھ سیکھتے ہی رہتے ہیں۔'' (بہت شکریہ)

✍ **طیبہ عنصر مغل**، راولپنڈی سے۔ ''السلام علیکم! پیاری نزہت، آمنہ اور بہت پیاری عذرا آپیا عید قرباں اور جشن آزادی کی بہت، بہت مبارکباد۔ میری تمام قاری و مصنفین بہنوں کو بھی بہت مبارک باد میں نے ابھی پاکیزہ ملتے ہی دو تین کہانیاں پڑھی ہیں مکمل طور پہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا لیکن ایک بہت حساس موضوع پہ لکھنے کے لیے فوری قلم اٹھانا ضروری سمجھا کہ بہت سے لوگ اس تحریر سے غلط طریقۂ کار کی طرف راغب ہوسکتے ہیں بہت ہی معذرت کے ساتھ میں بہن ریحانہ اعجاز کی تحریر پہ کچھ کہنا چاہوں گی پہلی بات تو یہ ہے کہ کہانی لکھ دینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ کہانی کے ذریعے ہم کیا معلومات کسی کو دے رہے ہیں اور یہ کس طرح اثر انداز ہوگا اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، میں پہلی چیز کی نشاندہی کردوں میں نے آج تک کسی شادی شدہ بیٹی کے لیے والدین کی طرف سے قربانی کے جانور تحفہ دیتے نہیں دیکھا اور اگر کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں تو بھی شرعاً ان کا دیا ہوا تحفہ بیٹی اور داماد کی طرف سے قربانی کے درجے کو نہیں پاسکتا، دوسری بات کہ یہ بات پڑھنے والوں کے ذہن میں ایک اور معاشرتی تکلیف کا باعث بن سکتی ہے کچھ لوگ یا کچھ بچیاں اس سلسلے کو جہیز کی طرح ضروری خیال کرنے لگیں گی کہ والدین قربانی کا بکرا بھی عید پہ دیا کریں۔ گویا کہ دوسری بہن یا اس کا شوہر یا سسرال والے ان کی طرف سے یہ حل نکالیں کہ ان کو تحفے میں بکرا دیں، پلیز میری محترم بہن اس کو تنقید برائے تنقید مت سمجھیں اور اس طرح کی تحاریر مت لکھیں جو جہیز میں، عیدیوں میں پستے والدین کی کمر پہ قربانی کے جانور کا وزن بھی بڑھادیں باقی تحاریر پہ بھی تبصرہ کروں گی، انشاء اللہ۔'' (طیبہ ڈیئر، آپ کو ایسا محسوس ہوا تو ضروری نہیں کہ تمام قارئین یہی پیغام لیں۔ اس افسانے میں ایک ہمدردی کی سوچ بتائی گئی ہے۔ ہم نے تو کئی گھرانوں میں یہ بھی دیکھا ہے کہ میکے کا مان رکھنے کے لیے قربانی نہ ہوتے ہوئے بھی لڑکیوں کے گھر خرید، خرید کر گوشت اور رانیں بھیجی جاتی ہیں جو اگرچہ غلط ہے مگر جیسے جہیز کی رسم، آپ کے خیال میں یہ رائٹرز نے پروان چڑھائی ہے؟ یہ تو صدیوں سے ہے لہٰذا اتنا سنجیدہ نہ ہوں ریحانہ کی ہلکی پھلکی کہانی تھی جس سے مثبت سبق مل گیا ہے ہم تمام قارئین اور رائٹرز کی آرا کا بے حد احترام کرتے ہیں)

✍ **سلمیٰ غزل**، کراچی سے۔ ''آپ سے فون پر بات ہوچکی ہے اس لیے پچھلے تبصرے پر تبصرہ کرنا ہی فضول ہے مگر اپنا خط نہ دیکھ کر شاک ضرور لگا خیر کبھی، کبھی شاک لگنا بھی چاہیے تاکہ انسان آپے میں رہے۔ (اچھا ہوا آپ نے خود ہی کہہ دیا) سچ، سچ پوچھیے تو ابتدائی افسانے مجھے خاص نہیں لگے مگر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ حیا بخاری اتنا اچھا لکھ رہی ہیں کہ پڑھنا مجبوری بن گیا ہے ورنہ میں سلسلے وار بالکل نہیں پڑھتی۔ فرحین اظفر نے پرانے موضوع کو بڑے اچھے انداز میں پیش کیا مزہ آیا۔ آس کا پنچھی بھی اچھا تھا گو کہ موضوع اس کا بھی پرانا تھا۔ عید سہانی بھی خوب رہا لیکن جن دو افسانوں نے دل موہ لیے اور موضوع کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کی ضد...... لاجواب، بے مثال، فریب خیال میں اسما طاہر نے ورکنگ ویمن کی زندگی کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے لیکن مبالغہ زیادہ ہے آج کل مہنگائی کے اس دور میں گاڑی ایک پہیے پر نہیں چلتی خواہ موٹر سائیکل ہی کیوں نہ ہو مگر اس کا انداز اتنا اچھا تھا کہ اختلاف رائے ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر جواب نہیں سنبل کا محبت اور انا لاجواب، بے مثال، دونوں افسانے ایک دوسرے کی ضد مگر بالکل حالات کے عین مطابق، حقیقت یہ ہے کہ آج بھی ٹیچنگ سب سے معتبر ہونے کے علاوہ خواتین کی ذمے داریوں کو دیکھتے ہوئے بہترین شعبہ ہے کیونکہ آج کل کے بچوں پر چیک اینڈ بیلنس رکھنا ضروری ہے۔ ہمارے زمانے میں بچوں کی دلچسپیاں لوڈو، چیس، کروڑ پتی بیوپار، آنکھ مچولی، پٹھو گرم اور چھپن چھپائی ٹائپ کے گیم ہوتے تھے بچے ماں، باپ سے بے حد اٹیچڈ تھے اب لیپ ٹاپ اور موبائل کا زمانہ ہے۔ نہ آؤٹ ڈور نہ ان ڈور گیمز، نہ رشتے داروں سے ملنا جلنا یعنی گھر میں بچوں کا ہونا نہ ہونا برابر، سچ پوچھیں تو جنریشن گیپ اب ہوا ہے آوازیں دے کر اللہ کو پیارے ہوجاؤ مگر سنیں کیسے کانوں میں جو ہیڈ فون لگے ہیں میرا بس چلے تو کم از کم موبائل دنیا سے کم کردوں......'' (بہت شکریہ سلمیٰ جی آپ کا پچھلا تبصرہ رہ گیا تھا اب تو خوش ہیں)

✉ **افرا جٹ**، مقام نامعلوم...... آپ اپنی تحریر بھیج دیں، پڑھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ مراسلات اور شاعری بھی بھیج سکتی ہیں۔

✉ **ام ایمان قاضی**، کوٹ چھٹہ...... کیسی ہیں آپ انشاء اللہ آپ کی کہانی بھی جلد آئے گی۔ رسالے کے بارے میں اپنی رائے بھی ضرور دیں۔

✍ **ریحانہ اعجاز**، کراچی سے۔ ''ڈائجسٹوں کی دنیا سے ناتا کافی پرانا ہے، اتنا پرانا کہ کبھی ہم خود طالب علم تھے اور پاکیزہ سمیت دیگر رسائل پڑھنے کے بے انتہا شوقین بھی لیکن وائے افسوس کہ کھل کر پڑھنے کا موقع شادی کے بعد ہی میسر آیا کہ بہت جلد پیا گھر سدھار گئے، بس اس وقت سے آج تک لفظوں کی اس دنیا سے ناتا ایسا جڑا ہے کہ آج ہماری اپنی بیٹی اسٹوڈنٹ ہے اور ہم خود اسے ترغیب دیتے ہیں۔ پاکیزہ جیسے معیاری ماہنامہ کو پڑھنے کی، اس طویل سفر میں پڑھنے سے ہٹ کر کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم اس ڈائجسٹ میں بطور لکھاری بھی نظر آئیں گے لیکن دیگر ساتھی رائٹرز کو دیکھ، دیکھ کر اب سوچا ایک آدھ افسانہ لکھ کر دیکھ لیتے ہیں قابلِ اشاعت ہوا اور پبلش بھی ہوگیا تو سمجھیں گے کہ ہم میں بھی کچھ جراثیم تو پائے جاتے ہیں۔ لکھاری بننے کے، بس جی قلم اٹھایا اور ایک

عدو افسانہ لکھ کر ای میل کر دیا اور اس وقت خوشی کی انتہا نہ رہی جب پہلا افسانہ ہی نہ صرف اپروو ہو گیا بلکہ ایک ماہ میں ہی پاکیزہ کی زینت بھی بن گیا، شکر ہے پروردگار کا، جس نے ہمارے قلم سے ایسے الفاظ سطح قرطاس پر بکھیرے کہ وہ سیدھے جا کر پاکیزہ ٹیم کے دلوں کو چھو گئے، ہمیں یہ بتاتے ہوئے ازحد خوشی ہو رہی ہے کہ یہ سب پاکیزہ سے ہی سیکھا ہے۔ لفظوں کی بُنت کاری، لفظوں سے کھیلنے کا ہنر اسی پاکیزہ کی بدولت ملا ہے اور پہلے ہی افسانے کی کامیابی سے کافی حوصلہ بلند ہوا ہے۔ اگلی بار انشاء اللہ بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضری دوں گی۔ میری پہلی کامیابی پاکیزہ کی بدولت ممکن ہوئی، سو اب یہ ساتھ چھوٹنے والا نہیں۔ اللہ ماہنامہ پاکیزہ کو مزید عروج عطا کرے، آمین۔'' (خوش آمدید ریحانہ...... آپ لوگوں کی تحریر ہی آپ سے تعارف کا وسیلہ ہے اگر لکھنے کی صلاحیت ہے تو قارئین سے بہتر کوئی جج نہیں...... کوشش یہی کریں کہ اپنی تحریر کے ذریعے مثبت اور اصلاحی پیغام دیں ناکہ متنازعہ امور چھیڑے جائیں)

✉ **فاطمہ مطلوب ہاجرہ**، آزاد کشمیر سے...... میرا پاکیزہ سے رشتہ پچیس سال سے ہے۔ یہ رشتہ تب بنا جب میں کانوں کی سماعت سے محروم ہوئی۔ آج پہلی بار بہنوں کی محفل میں آئی ہوں۔ امید ہے جگہ ملے گی۔ پاکیزہ بہت اچھا ہے ہر ناول اسٹوری زبردست ہے۔ امرت بھی بیسٹ ہے محبت لفظ ہے لیکن کا بھی جواب نہیں اللہ آپ سب کو اپنی امان میں رکھے۔ اگست کا پورا پاکیزہ لاجواب ہے۔'' (بہت شکریہ فاطمہ، آپ اتنی دیر سے محفل میں کیوں آئیں۔ ہر ماہ حاضری دیں آپ کی آمد اچھی لگی)

✉ **عاصمہ**، تلہ گنگ سے۔'' ماشاءاللہ پاکیزہ کا معیار روز بروز بہتر ہوتا جارہا ہے اللہ آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو صحت اور مزید کامیابی عطا فرمائے آمین۔ ہم پاکیزہ کی بہت پرانی قاری ہیں۔ خط لکھنے کی بہت بار کوشش کی مگر ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتی ہوں جب بھی خط کا لفافہ لینے جاؤ تو دکان دار ہنس کر جواب میں کہتا ہے موبائل کے دور میں خط کس کو بھیجنا ہے۔'' (کیوں بھئی، خط کی اپنی اہمیت ہے)

✉ **فصیحہ آصف خان**، ملتان سے۔'' آپ کو اور پاکیزہ کے ہر قاری و اسٹاف ممبران کو عید قرباں کی دلی مبارک باد قبول ہو۔ (آپ کو بھی......) یہ عید سعید ہمیں ایثار و قربانی کا جو درس دیتی ہے، ہمیں چاہیے کہ اس پر پورا اترنے کی بھرپور کوشش کریں۔ آپ کا اداریہ بھی کم و بیش انہی الفاظ پر مشتمل ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ...... محترمہ ذکیہ بلگرامی صاحبہ جو نیک کام سرانجام دے رہی ہیں وہ بے حد کارآمد ہے۔ قیصرہ حیات صاحبہ بھی اپنا حصہ ڈالنا نہیں بھولتیں...... ان کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، (جی ہاں بالکل) اسی طرح محترمہ اختر شجاعت صاحبہ بھی ہمارے ناقص اعمال کا آئینہ ہمیں دکھاتی ہیں تو مارے شرم کے سر جھک جاتا ہے۔ گناہ واضح نظر آتے ہیں۔ دعا کیجیے کہ میں رات کی نورانی ساعتوں سے فیض یاب ہو سکوں...... آمین۔ قسط وار ناولز، کہاں بچیں...... اور امرت دلکشی سے آگے بڑھ رہے ہیں، ان میں دلچسپی کے سارے پہلو موجود ہیں۔ 14 اگست کے ضمن میں باجی نگہت غفار کی دل سوز تحریر اشکبار کر گئی۔ اساس قربانی، رشتوں کے احترام اور اصل روح کو واضح کر گئی ایسے افراد اب دنیا میں خال، خال ہی ہیں، جو رشتوں کو صحیح معنوں میں رشتے کا درجہ دیتے ہیں، کاش ہر گھر میں ایسے باوقار بزرگ موجود ہوں، جو نرم خوئی سے مسئلوں کا حل نکالتے ہوں، مجھے ریحانہ اعجاز کی تحریر پسند آئی۔ پیاری حیا بخاری سسپنس برقرار رکھے ہوئے ہیں، یہ قسط ماضی کے حوالے سے مزے کی لگی، اللہ لوک کے بارے میں تجسس برقرار ہے۔ شاہ ویز کی کمینگی پر بے حد غصہ آیا، لالہ کو ہی ہمت سے کام لینا ہوگا، بہرحال تحریر میں چاشنی اور خوب صورتی برقرار ہے۔ آس کا پنچھی، والدین کے جذبات کی عکاسی کر گیا۔ دل دکھ سے بھر گیا۔ کاش اولاد، والدین کو تنہا کرنے سے پہلے یہ ذہن نشین کر لے کہ ایک دن ان پر بھی یہ وقت آئے گا، بات ساری سمجھداری کی ہے۔ ہما علی کی یادوں کے جگنو بھی دلگداز کہانی تھی۔ پندرہ سالہ جگنو کی جواں مرگی پر دل افسردہ رہا۔ دیا سیال کی تحریر بھی پُراثر رہی، اپنوں اور غیروں کے خون سے لکھی تحریر مدتوں یاد رہے گی۔ فریب خیال، گھریلو عورتوں کے لیے بے حد کارآمد ثابت ہوگی جو گھر کے بجائے بیرونی سرگرمیوں کو زیادہ پسند کرتی ہیں۔ دردانہ صاحبہ نے بے حد دلنشین انداز میں اک ایسے ماحول کی عکاسی کی۔ نہ صرف یہ مشعل راہ ثابت ہوگی بلکہ نوجوان لڑکیوں میں دینی تعلیم کا جذبہ بھی بیدار کرے گی۔ ویل ڈن مصنفہ صاحبہ، سنبل کی تحریر میں ایک وفا شعار کو دکھاتا دیا کہ سمجھ نہیں آئی جبکہ اس میں کوئی کمی بھی نہیں تھی۔ لیلیٰ جیسی چلتا پھرتا پرزہ تو نظر آتی رہتی ہیں۔ رفاقت جاوید اور پروین عذرا بھی اپنی

تحاریر کے ساتھ انصاف کر گئیں۔ آپ کی محبتوں کا شکریہ کہ میری نیوز شامل کیں۔ شائستہ کا سروے کھٹا میٹھا رہا۔ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار......'' (فصیحہ یہ صفحات آپ بہنوں کے لیے ہی ہیں۔ تفصیلی تبصرے کا شکریہ)

✉ **ہما علی**، اسلام آباد سے۔'' آپ کا اور ان تمام بہنوں کا شکریہ جو میری حقیری کاوشوں کو سراہتی ہیں، اپنا لکھا ہوا یادوں کے جگنو پڑھ کر بہت روئی...... اور جناب آپ کے کیا کہنے آپ نے تو محفل ایسی سجائی کہ اس محفل سے جانے کو دل نہیں چاہتا...... یقین کریں آپ کی محنت اور لگن رنگ لا رہی ہے۔ (بہت، بہت شکریہ......) سب سے پہلے اختر شجاعت کا تذکرہ کروں گی جو واقعی اپنے عنوان کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ ذکیہ بلگرامی کا اللہ اور اس کا نور...... اور دین کی باتیں تعریف کے لیے الفاظ کی محتاج نہیں ہیں، (سبحان اللہ) سنبل کا ناولٹ محبت اور انا بہت پُراثر تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اب تو گھر، گھر کی کہانی ہے، مردوں کو بدلتے دیر نہیں لگتی، عید سہانی، مہک فاطمہ کا بس گزارہ تھا۔ دیا سیال کا خون اپنا نہ تھا۔ اس کا مین آئیڈیا شاید کہیں سے لیا گیا تھا کیونکہ یہ کہانی میں پہلے پڑھ چکی ہوں۔ وہ شاید مغربی معاشرے کی کہانی تھی اور کردار بھی مگر یہاں پاکستانی ماحول میں لکھی گئی مگر جو اینڈ تھا وہ جوں کا توں تھا۔ (ہوسکتا ہے کوئی ماخوذ کہانی ہو ویسے یہ اتفاق بھی ہوتا ہے) فرحین اظفر کا عورت چ چکر باز بہت عمدہ تھا۔ رفعت سراج کو اللہ صحت نصیب کرے، آمین اور تمام پاکستانیوں کو یوم آزادی بہت مبارک ہو اور عید قربان بھی......'' (تبصرے کا شکریہ)

✉ **وردہ ایوب**، ملتان سے۔'' آپی جان میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے اگست کے شمارے میں میرا خط شائع کیا ہے، میں انشاء اللہ آپ کے مشورے پر عمل کروں گی لیکن اگر آپ اجازت دیں تو کیا میں چھوٹی، چھوٹی چیزیں لکھ کر بھیج دیا کروں جیسے لطیفے یا اقوال زریں وغیرہ...... (جی ضرور) اس دوران مطالعہ بھی کرتی رہوں گی اور اپنی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر ماہ خط بھیج کر پاکیزہ پر تجزیہ بھی کروں گی، جولائی کا پاکیزہ بہت اچھا تھا ساری کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ سب سے زیادہ وقت کا پہیا، میری عید تم ہو، خشکی کا مگرمچھ، عید کے رنگ خوشیوں کے سنگ اور فرینڈ شپ جیسے افسانے بہت اچھے لگے، میری دعا ہے کہ آپ کا ادارہ بہت ترقی کرے۔ آپ کو یوم آزادی مبارک اور عید الضحیٰ بھی بہت، بہت مبارک۔'' (بہت شکریہ پیاری سی گڑیا اس پیارے سے خط کا)

✉ **افشاں علی**، کراچی۔ پاکیزہ پسند کرنے کا شکریہ...... کہانیاں ضرور لکھیں مگر معیاری ہوں، مختصر ہوں۔

✉ **فوزیہ سرور**، لاہور۔ آپ کی بھانجی کی ڈیتھ کا بہت افسوس ہوا۔ اللہ مغفرت کرے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا کرے۔ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے مگر تہوار یا موقع کے حساب سے کہانی چار سے چھ ماہ قبل بھیجا کریں ہم نئے لکھنے والوں کو دل سے خوش آمدید کہتے ہیں بشرطیکہ تحریر بھی جاندار ہو۔

✉ **نصرت اقبال**، سرگودھا سے۔'' باجی آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے اپنی محفل میں جگہ دی۔ ہم نے بہت شوق سے پاکیزہ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ آپ سب کے لیے بہت سی دعائیں۔'' (بہت شکریہ نصرت، یہ محفل آپ قارئین سے ہی سجتی ہے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

✉ **ساجدہ غلام محمد**، برطانیہ رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ...... آپ اپنی تحریر ضرور بھیجیں۔

✉ **فرح**، اسلام آباد سے۔'' اگست کے پاکیزہ نے حد درجہ متاثر کیا ایک تو والدین کے حوالے سے دو کہانیاں دوسرے ہما علی شاید نیا نام ہیں، ان کی کہانی جگنو نے تو ہمیں جیسے رُلا دیا۔ ہماری فیملی میں بالکل ایسا ہی ہوا تھا ایک فلم سی چل رہی تھی۔ انہیں میری طرف سے سراہیے گا۔ اس کے علاوہ شیریں حیدر کا امرت بھی بہت اچھا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ جو سلسلے اور دینی معلومات ہیں وہ بھی بہت اچھی ہیں بلکہ پورا پاکیزہ ہی زبردست ہے۔'' (بہت شکریہ، تحریر کی خوبی یہی ہوتی ہے کہ پڑھنے والے کے دل پر اثر کرے...... مصنفات شکریہ کہتی ہیں)

✉ **سنبل ملک اعوان**، لاہور سے۔'' سالگرہ نمبر میں بہت سے بہنوں سی ملاقات ہوئی۔ جو رائٹر بہنیں گم ہو گئی ہیں برائے مہربانی واپس آجاؤ، گھر تو آخر اپنا ہے۔ آنٹی ساری بہنوں کو آگاہ کریں کہ یہ جو پیغام آتا ہے کہ آپ کا انعام نکلا ہے ایک عدد بائیک اور پانچ لاکھ روپیہ پلیز یہ دھوکا ہے، یہ فراڈ ہے، یہ نمبر جو وہ دیتے ہیں وہ کسی دھوکے باز کا ہوتا ہے۔ (سنبل پیاری، لالچ نے لوگوں کی عقلوں کو مار دیا ہے، سبق ہی حاصل نہیں کرتے) آنٹی جی اس رمضان میں نے بھی دس لوگوں کے

لیے راشن کا بندوبست کیا۔ (بہت اچھی بات ہے اللہ ہی نیکیوں کا صلہ دینے والا ہے۔) ایک چھوٹی سی ٹپ ارسال کر رہی ہوں۔ گرمیوں میں خواتین اور بچوں کے rashes ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ (لاگا) دونوں ٹانگوں کے درمیان رگڑ لگنے سے بھی ریڈنیس ہو جاتی ہے اس کے لیے آپ پہلے سادہ پانی سے متاثرہ جگہ کو دھوئیں اس کے بعد کسی بھی تیل میں پانی مکس کر کے اس جگہ لگائیں انشاء اللہ جلد اسکن ٹھیک ہو جائے گی اور اسکن کا کلر بھی نارمل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ سوکھا کارن فلاور پاؤڈر کے طور پر rashes اور کھجلی کی جگہ لگائیں آرام آئے گا، خواتین چونکہ کچن میں زیادہ تر پائی جاتی ہیں اس لیے اپنی صفائی کا خصوصی خیال رکھیں۔'' (بہت شکریہ سنبل اتنی اچھی باتیں بتانے کا)

راشدہ عفت احمد مطیع، جرمنی سے۔ ''میری طرف سے پاکیزہ کی سالگرہ کی آپ سب کو دلی مبارک باد ہو۔ ماشاء اللہ... تقریباً آدھی صدی جتنا پروان چڑھ گیا ہے۔ خدا تعالیٰ پاکیزہ کو تخلیق کرنے والوں اور سارے کارکنان پر بے شمار فضلوں، رحمتوں اور حفاظتوں، صحتوں کی بارشیں کرے، آمین۔ نیز باجی نزہت اصغر صاحبہ آپ کو اب ماشاء اللہ مدیرہ بننے کا اعزاز بھی عطا ہوا ہے بہت دلی خوشی ہوئی۔ (بہت شکریہ) آپ جس طرح انٹرویوز کا سلسلہ نہایت شاندار طریقے سے چلا رہی ہیں اس لیے یہ عہدہ بھی نہایت شاندار طریقے سے چلائیں گی انشاء اللہ باجی انجم انصار بھی نہایت پیاری اور قابل خاتون ہیں ماشاء اللہ (جی بالکل) اللہ تعالیٰ ان کو صحت سلامتی والی کام کرنے والی لمبی زندگی دے، آمین۔ میرا محبت بھرا سلام پہنچا دیں ان کی خدمت میں مہربانی ہوگی۔ (ان کی طرف سے وعلیکم السلام) روحانی مشورے بھی دل پسند ہیں۔ سب افسانے اچھے تھے۔ محترمہ رفاقت جاوید صاحبہ نے اچھا لکھا تھا معاشرے کو سدھارنے اور ستھرا رکھنے کی ترغیب بھی اچھی تھی۔ پچھتاوا بھی اچھا تھا۔ خدا تعالیٰ سب کو ہدایت دے، آمین۔ محترمہ ناہید فاطمہ حسنین کا انٹرویو 2017ء کے پاکیزہ میں پڑھا جو کہ میری بہن نے مجھے پاکیزہ کینیڈا سے روانہ کیا تھا۔ بہت پسند آیا پھر غزالہ رشید کا انٹرویو بھی بہت پسند آیا اور اب محترمہ رضوانہ پرنس کا انٹرویو بہت دل کو خوش کر گیا۔ ایک پاکیزہ میں نیلم احمد بشیر صاحبہ اور ثمینہ عظمت علی کا بھی پڑھا تھا۔ بہت اچھے لگے ماشاء اللہ ناہید فاطمہ حسنین کی شاعری پسند آئی۔ قابل صد احترام بزرگ باجی ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی صاحبہ کی یادوں کی مالا پڑھی اس میں انہوں نے ذکر فرمایا ہے کہ ان کی بیٹی عالیہ کی نظر بہت خراب ہے ان کو دیکھنے میں مشکل آتی ہے، میں بتانا چاہتی ہوں کہ یہاں پر عام ہے کہ چلغوزے آنکھوں کی روشنی تیز کرتے ہیں جس طرح بادام دماغی یادداشت کے لیے مفید ہیں۔ وہ روزانہ ناشتے میں 21 چلغوزے اپنی بیٹی کو کھلائیں۔ مزید بات یہ ہے کہ میری آنکھوں کی ڈاکٹرنی جو کہ روس کی پڑھی ہوئی جرمن عورت ہے اس کا کہنا ہے آنکھوں کی بینائی کالی چائے سے ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے کیونکہ وہ آنکھوں کا بلڈ پریشر بڑھا دیتی (ویسے راشدہ یہ پہلی دفعہ سنا ہے) جس طرح انسانی جسم کا بلڈ پریشر ہوتا ہے اسی طرح آنکھوں کا بلکہ جسم کے ہر اعضا کا بلڈ پریشر ہوتا ہے میری آنکھوں کی ڈاکٹر صاحبہ کا کہنا ہے سبز چائے پیا کرو وہ آنکھوں کے لیے مفید ہے، آپ برائے مہربانی باجی ذکیہ بلگرامی صاحبہ کو میرا پیغام پہنچا دیں اور میرا محبت بھرا اسلام دیں۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے کہ میں وہیل چیئر پر آ گئی ہوں کیونکہ زیادہ میرا دایاں بازو استعمال ہوتا ہے اور بایاں بازو بیکار ہو گیا ہے، دائیں ہاتھ سے لکھنا اور کام کرنا بھی بہت مشکل ہے بہت درد رہتا ہے۔ (اللہ آپ کو صحت دے) پیاری بیٹی امینہ عندلیب صاحبہ کو پیار و سلام پہنچا دیں، خدا تعالیٰ ان کو کامل شفا دے، آمین۔ (جی بالکل آپ کا بہت شکریہ، آپ باقاعدگی سے آتی رہیے گا) عید الفطر کی بھی مبارک باد قبول فرمائیں۔ خدا کرے ہم اس بابرکت ماہ کی برکتوں سے پورا، پورا استفادہ حاصل کر سکیں اور ہماری عاجزانہ دعائیں خدا تعالیٰ قبول فرمائیں آمین۔ اور آپ کا اداریہ مجھے بہت پسند ہے۔'' (بہت شکریہ راشدہ، اب تو عید الاضحیٰ بھی گزر گئی ہم نے آپ کا یہ پرانا خط شائع کیا ہے)

احساس، اوتھل لسبیلہ سے۔ ''پاکیزہ میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اللہ آپ کو ہر قدم پر کامیاب کرے، ہمیں سب کہانیاں پسند آتی ہیں کیونکہ ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی پیغام ہوتا ہے اور معاشرے کی عکاسی کرتی ہیں، بہت خواہش ہے کہ آپا ذکیہ بلگرامی کے ہاتھ چوم لوں، اللہ پاک ان کی طرح سب کو کامیاب کرے، دین کے ساتھ، ساتھ دنیا کو لے کر چلیں۔'' (جی بس دعاؤں میں یاد رکھیں)

ماہ وش طالب، لاہور سے۔ ''پاکیزہ کی خاص بات یہ ہے کہ یہ اپنے صفحات پر ہر طرح کے موضوعات کو جگہ دیتا ہے کہانیاں سنجیدہ اور میچورڈ ہوتی ہیں، سب سے پہلے عنیزہ سید کا افسانہ پڑھا۔ دوست کا دکھ، ماں کی محبت اور انتظار کو دل سے محسوس کیا

اختتام بھی بڑا چونکا دینے والا تھا، نگہت سیما کا ناولٹ پڑھ کر مزہ آیا، ایک دن نادرہ کے ساتھ دلسوز تحریر پڑھ کر شمع تفسیر کو بے اختیار داد دینے کو جی چاہا...... راز پر سے ہاجرہ ریحان نے دلکشی سے پردہ اٹھایا، ہالہ احمد نے مختصر انداز میں بہت خوب صورتی سے لکھا۔ ہما بیگ نے بھی بہت عمدہ لکھا۔ عالیہ حرا کا ناول بھی خاصا دلچسپ تھا، پاکیزہ کی مہمان نوازی اس بار بھی دل کو بھائی...... حیا بخاری بہت دلچسپ لکھ رہی ہیں، بہنوں کی محفل حسب معمول دلچسپ اور چٹ پٹی تھی۔'' (بہت شکریہ تبصرے کا)

وزیہ ظفر، چکوال سے۔ ''ہمارے علاقے میں پاکیزہ شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ جس کے لیے لکھنا میری بھی سب سے بڑی خواہش ہے امید کرتی ہوں آپ میری اس خواہش کو ضرور پورا کریں گی۔ (معیاری تحریریں پاکیزہ میں ہی جگہ پاتی ہیں) بہت جلد میری ایک تحریر کتابی شکل میں آنے والی ہے آپ کی خاطر ضرور بھیجوں گی (جی ضرور) دعا کیجیے گا کہ اللہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی فرمائے اور میری علم میں مزید ترقی نصیب فرمائے، آپ سب کے لیے بھی میرے دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ آپ کو خوش و خرم رکھے۔'' (دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

سائرہ مشال، کراچی سے۔ ''سب کو عید مبارک...... یہ پاکیزہ ادارے کی انفرادیت ہے جو ایڈیٹر کا نمبر یوں بہ آسانی مل جاتا ہے اور انجم آنٹی کے بعد اب نزہت آپی بھی انہی کی طرح کسی بھی کال کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز نہیں کرتیں، رنگیلی آپی بزنگ نہیں کر رہی! (ہم آپ کا خلوص پہچانتے ہیں) عذرا آنٹی آپ سے بات کرنے کی بڑی تمنا ہے، کیا میری یہ وش پوری ہو سکتی ہے۔ (جی ضرور) عید کا تحفہ عید کے حوالے سے لکھی گئی ہلکی پھلکی تحریر اچھی لگی...... محبت لفظ ہے لیکن حیا بخاری جی تبصرہ ادھار ہے ناول کے اختتام پر کروں گی انشاء اللہ...... رفعت سراج آنٹی اور شیریں آنٹی کا تو نام ہی کافی ہے۔ ویسے شیریں آنٹی کی تحریروں میں جو روانی ہوتی ہے بس پلیز مجھے بھی اپنی طرح لکھنا سکھا دیں۔ اسیر محبت، فنٹاسٹک یار کہانی پڑھنے کے بعد رسالہ بند کر کے کتنی دیر تک سوچتی رہی کہ کیا واقعی مرد بھی ایسی شدید بے لوث اور سچی محبت کر سکتا ہے۔ انعام رمضان بھی اچھا لگا، اسپیشلی ٹکڑوں کوں والا سین ہاہاہا چاند مسکرایا...... حنا بشریٰ لفظوں کا چناؤ عمدہ تھا مگر اینڈ اسٹارٹ کے برعکس لگا۔ ٹھوکر...... غزالہ عزیز نے بالکل درست مثال دی واقعی مرد در یافت کا پرندہ ہوتا ہے جو کسی ایک مقام پر کبھی پڑاؤ نہیں ڈالتا۔ اسما قادری ہمیشہ ہی ایک نئے اور منفرد انداز میں تشریف لاتی ہیں، بیچاری فریدہ میں ہم ڈھونڈتے ہی رہ گئے مگر فریدہ ہمیں کہیں بھی بیچاری نظر نہیں آتی۔ (طنز تھا بھئی) مانگے کی جنت، ایک منفرد موضوع تھا اور متاثر کن بھی...... بھٹکے ہوئے مسافر میں حرا کی ساس کی باتوں نے عجیب احساس سے دوچار کیا، کیا ایسے لوگ مسلمان کہلائے جانے کے مستحق ہیں؟ ہم ہیں اسیر خواب...... نزہت آنٹی کیا حقیقت میں بھی سلیقہ خالہ جیسے کردار ہوتے ہیں؟ (جی بالکل) فرحین اظفر کی بہت لاجواب تحریر تھی واقعی کچھ لوگ خصوصاً مرد ذات رشتوں میں توازن برقرار نہیں رکھ پاتے۔ (سب ایسے نہیں ہوتے) سلمیٰ آنٹی اور حمیرا جی ناچیز کی تحریر کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ...... نبیلہ ابر، آپ کا ڈراما زرد زمانوں کا سویرا، ان دنوں میرا من پسند سیریل ہے، رضوانہ آنٹی آپ کا ڈراما بھی میں ضرور دیکھوں گی۔'' (تبصرے کا شکریہ)

☆☆☆

چلیں بہنو محفل کا وقت اختتام پذیر ہوا۔ عید قرباں کے فلسفے کو سمجھتے ہوئے یقیناً آپ نے بھی اس تہوار کا بھرپور حق ادا کیا ہوگا۔ قربانی تو ساری زندگی انسان دیتا ہے، اس میں سب سے بڑی قربانی نفس کی ہے بحیثیت مسلمان اللہ کی رضا میں راضی رہنا ہی ہمارا مقصدِ حیات ہونا چاہیے۔ اسی بات کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتی ہوں۔ اللہ آپ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ایک دوسرے کے لیے معاون و مددگار بنائے رکھے۔ الٰہی آمین......

آپ کی خیر خواہ

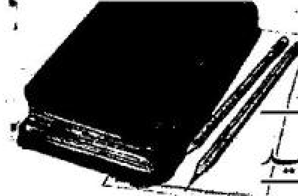
نزہت اصغر

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118





عظمیٰ آفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

ایسا کیا کام کروں مجھ سے خدا ہو راضی
اس کے محبوبؐ کو چاہوں تو کوئی بات بنے
وہ میرے دل میں ہیں آباد کوئی کیا جانے
ان کو پلکوں میں چھپالوں تو کوئی بات بنے
نور لکھوں گی پڑھوں اور بسا لوں دل میں
نور سے روح کو روشن کروں پھر بات بنے
نور ہی نور نظر آتا ہے ہر سو یارب
نور کو دل میں بسا لوں تو کوئی بات بنے
تیرے قرآن کا ہر حرف ہے نوری یارب
صبح شام اس کو پڑھوں پھر تو کوئی بات بنے
عشق خالص ہے میرا تو نے ہی بخشا ہے مجھے
عشق میں نور چھپالوں تو کوئی بات بنے
کر خطا معاف مری میں ہوں خطا وار بہت
مغفرت ہو تیری رحمت سے تو کچھ بات بنے
خوف آتا ہے تیرے سامنے جانے سے مجھے
پردہ عیبوں پہ جو پڑ جائے تو کچھ بات بنے

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

میرا اللہ

خالق ارض و سما ہے میرا اللہ
دیتا ہے رزق ہر شے کو میرا اللہ
اسی کا حکم چلا ہے جہان میں
پتا بھی ہل نہیں سکتا تیرے بغیر میرے اللہ
کُن اور فیکون کہہ کر بناتا ہے ہر شے
عرش کی بلندی پر نبیؐ کو پہنچاتا ہے میرا اللہ
ہیرے کو کوئلہ، کوئلے کو ہیرا بنا سکتا ہے وہ
سیپ میں سے موتی نکالتا ہے میرا اللہ
بھول گئے کیا مسلم ذکرِ اللہ شاز
ذکر ہے اس کا اعلیٰ جو ہے ہمارا اللہ

عقیدت گزار: شازیہ ہاشم میواتی، قصور

نعتیہ کلام

دربارِ مصطفیٰؐ کی کیا شان میں بتاؤں
نورِ تجلیوں سے گم صم میری زباں ہے
ہر اک زباں پہ جاری
جو وردِ مصطفیٰؐ ہے
لب چومتے ہیں ہر پل
وہ نام ہے محمدؐ
آنکھوں میں بس گیا ہے
سانسوں میں رچ گیا ہے
دل میں دھڑک رہا ہے
کیا نام ہے محمدؐ کیا شان ہے محمدؐ

کاوش: ہما علی، اسلام آباد

حدیث نبویؐ

رسول اللہؐ کا گزر دو نئی قبروں کے پاس سے ہوا تو آپؐ نے فرمایا: ”ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا...... (کہ جس سے بچنا مشکل تھا) ایک شخص تو نجاست (پیشاب کی چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا غیبت (چغلی) کیا کرتا تھا۔“

سنن ابن ماجہ

وضو کی کثرت

عرض کیا گیا اے اللہ کے رسولؐ آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو قیامت کے دن کیسے پہچانیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ”وضو کے اثر کی وجہ سے ان کی پیشانی، ہاتھ اور پاؤں سفید اور روشن ہوں گے۔“

(سبحان اللہ)

از: سعدیہ وحید سعدی، اسلام آباد

چھوٹی نیکیاں بڑے اجر

اللہ تعالیٰ کا کروڑوں بار شکر ہے کہ اس نے ہمیں اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے، بے شمار نعمتیں، آسائشیں عطا فرمائی ہیں مگر انسان بہت کم شکر ادا کرتا ہے۔ بہت سارے نیکی کے کام ایسے ہیں جنہیں ہم چھوٹا سمجھ کر نظر انداز کرتے ہیں۔ مگر ان کا اجر و ثواب بہت بڑا ہے۔ مومن نیکیوں کا حریص ہوتا ہے۔ کچھ نیکیاں جو بظاہر بہت معمولی نظر آتی ہیں مگر ان کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

1۔ مریض کی عیادت کرنا:

مریض کی عیادت کرنا بہت بڑی نیکی ہے آپؐ نے فرمایا جب کوئی اپنے کسی بیمار بھائی کی عیادت کرنے کو جاتا ہے تو وہ راستے میں ایسے ہوتا ہے جیسے مسلسل جنت کے پھل چن رہا ہے اور جب بیمار کے پاس بیٹھ جاتا ہے تو اللہ کی رحمت اسے ڈھانپ لیتی ہے اگر شام کو عیادت کرنے جاتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور اگر صبح کو جائے تو شام تک ستر ہزار فرشتے دعا کرتے ہیں۔ جامع ترمذی شریف کی ایک اور روایت میں آپؐ نے فرمایا کہ جس نے کسی مریض کی عیادت کی یا اپنے کسی دینی بھائی سے ملاقات کی تو ایک فرشتہ آواز دیتا ہے کہ تمہیں دنیاوی اور اخروی زندگی مبارک ہو، تمہارا چلنا مبارک ہو، تم نے جنت میں ایک گھر حاصل کرلیا...... اسی طرح حدیث قدسی ہے کہ اللہ فرمائے گا۔ ”اے میرے بندے میں بیمار تھا تو نے میری خبر گیری نہ کی، بندہ حیران ہو کر عرض کرے گا یا اللہ تو دو جہانوں کا بادشاہ، میں کیسے تیری عیادت کرتا، اللہ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے وہاں پاتا۔“

از: سعدیہ وحید سعدی، اسلام آباد

چاند ستارے اپنے ہوں

چمن، چمن کر سب کلیاں میں نے مالا ایک بنائی تھی
ہر جانب اجیارا پھیلے ساتھ میں دیپک لائی تھی
ٹھوکریں کھاتے، کھاتے گزری اتنا گھور اندھیرا تھا
پاؤں زخمی گھٹنے بوجھل دل کا حال عجب ساتھا
ساتھ میں لوگ بہت سے آئے پیار کا تحفہ لے، لے کر
بوئے محبت ہر سو پھیلی جان کا نذرانہ دیے دے کر
ٹوٹا پھوٹا جسم تھا لیکن دل بھی بڑا تھا ظرف بڑا
مل جل کر سب سہہ لیں گے چاہے کتنا بھی ہو وار کڑا
حسن کی جوت جگائی دل میں تنکا، تنکا جوڑا بھی
جتنی گہری آندھی آئی صبر کا دامن اوڑھا بھی
صبح ہوئی تو روشن سورج دیکھ کے دل کو آس ہوئی
دل کے زخموں کو جانے دو، وطن کی مٹی پاس ہوئی
وقت کا دھارا لیکن کیسے حسن و جنوں کو لے ڈوبا
درد کی جھکڑ آندھی آئی، دیپک ہاتھوں سے چھوٹا
اپنوں کو آوازیں کیا دیں، من میں گھور اندھیرا ہے
لالچ کی آندھی آئی ہے حرص و ہوس کا ڈیرا ہے
کوئی قاری کوئی عالم اس وحشت کو دور کرے
کاش دلوں میں الفت بھر دے اس نفرت کو دور کرے
حسن کا پھر سے ڈیرا ہو چاند ستارے اپنے ہوں
آؤ دعا کو ہاتھ اٹھائیں اپنے پھر سے اپنے ہوں

کلام: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی

بچپن

انسان کی زندگی کا بہترین دور جو سب سے خوب صورت اور حسین ہوتا ہے۔ صبح ہوئی، سو کے اٹھے، ناشتا کیا، تیار ہوئے اور اسکول چل دیے۔ کھانے کی چھٹی ہوئی، ڈبا نکال کے کھایا، پانی پیا اور دوبارہ پڑھائی کے لیے تیار...... نہ کمانے کی فکر اور نہ خرچ کی سوچ...... شام کا بہترین وقت بھائی، بہنوں کے ساتھ کھیلنا، ہوم ورک کرنا، دوبارہ کھانا کھایا اور سو گئے...... روٹین لائف کا بھی اپنا ایک الگ مزہ ہوتا ہے۔

بچپن کے دن بھلا دینا
آج ہنسے کل رلا دینا

☆☆☆

اڑنے دو پرندوں کو ابھی شوخ ہوا میں

پھر لوٹ کے بچپن کے زمانے نہیں آتے

جب، جب وہ بے فکری کے دن یاد آتے ہیں بے ساختہ یہ مصرع زبان پر آجاتا ہے۔

کوئی لوٹا دے میرے بیتے ہوئے دن

از: فریدہ فضل، ڈیلاس یو ایس اے

اچھی باتیں

☆ بے بس انسان کا سجدہ ہی بے بسی کا علاج ہے۔

☆ انسان زندہ ہونے کے باوجود زندگی کو نہیں سمجھ سکتا تو وہ مرے بغیر موت کو کیسے جان سکتا ہے۔

☆ بانٹنے سے خوشی اس طرح بڑھتی ہے جس طرح زمین میں بویا ہوا بیج فصل بنتا ہے۔

☆ ایماندار آدمی کا ہر کام اس کے لیے اچھا ہے اسے جب خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے، جب پریشانی حاصل ہوتی ہے تو شکر کے ساتھ صبر کرتا ہے۔

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

اسے کہنا

اسے کہنا یہ دنیا ہے
یہاں ہر شخص مطلب کا
حدوں تک ساتھ چلتا ہے
جونہی موسم بدلتا ہے
محبت کے کبھی وعدے، کبھی قسمیں
کبھی وعدے، کبھی رسمیں
اچانک ٹوٹ جاتی ہیں
اسے کہنا یہ دنیا ہے
کوئی کتنا بھی اچھا ہو
کوئی کتنا بھی سچا ہو
کبھی اعتبار نہ کرنا
یہاں پہ پیار مت کرنا
کہ الفت کے کبھی دعوے
یونہی بیکار جاتے ہیں
سہارے چھوٹ جاتے ہیں

پسند: مسز لیٹین، لیہ

یاد رکھیں

☆ جس کی امیدیں اللہ کے ساتھ ہوں وہ ناکام نہیں ہوتا ناکام وہ ہوتا ہے جس کی امیدیں دنیا والوں سے وابستہ ہوں۔

☆ چار چیزیں انسان کو پریشان اور بیمار کرتی ہیں۔

1۔ زیادہ باتیں کرنا۔

2۔ زیادہ سونا۔

3۔ زیادہ کھانا۔

4۔ زیادہ لوگوں سے میل جول مطلب فضول پھرنا۔

☆ چار چیزیں انسان کو ختم کر دیتی ہیں۔

1۔ دکھ۔

2۔ غم۔

3۔ بھوک۔

4۔ اوندھا سونا۔

از: صباحت ضیا بخش، کراچی

دیر نہ کرنا

☆ غلطی تسلیم کرنے اور گناہ چھوڑنے میں کبھی دیر نہ کرنا کیونکہ سفر جتنا طویل ہوگا واپسی اتنی ہی مشکل ہوگی۔

☆ انسان وہ لڑائی کبھی نہیں جیت سکتا جس میں دشمن اس کے اپنے ہوں سو اپنوں سے محبت جتانے میں کبھی دیر نہ کرو۔

☆ غلط فہمیوں کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ وہ کوہ ہمالیہ بن جائیں اور تم انہیں سر نہ کر سکو......

از: مہرین ضیا، کیماڑی

کوئی ایسا دے تعویذ مجھے

وہ مجھ پہ عاشق ہو جائے
کوئی پانی پھونک کے دے ایسا
وہ پیے تو میرا خواب آئے
کوئی ایسا عمل کرا مجھ سے
وہ سمجھے جاں نثار ہوں میں
کوئی ایسا اسم سکھا مجھ کو

کوئی اور نہ اس کو راس آئے

از: فرحین اعجاز، کہروڑپکا

سمجھوتے کی چادر

چاند رات کو بڑے نرم لہجے میں
"معذرت سے کہنا
کہ حسب وعدہ عید کا سوٹ
نہیں لا سکا ہوں
پھر مہنگائی کا رونا
ٹھیکیدار سے بل نہ ملنے کا شکوہ
ایسے میں عید کے روز
میں سمجھوتے کی چادر اوڑھ لیتی ہوں

بھرم

میں نے کتنے آنسوؤں کو
اپنی پلکوں پہ روک رکھا ہے
صرف تیرے اتنا کہنے پر
روؤ گی تو مجھ کو دکھ پہنچے گا

کلام: افتخار شوق

پسند: فاخرہ، میاں چنوں

تکبر

☆ تکبر چاہے دولت کا ہو، طاقت کا ہو، رتبے کا ہو حیثیت کا ہو، حسن کا ہو، علم کا ہو، حسب نسب کا ہو یا تقویٰ ہی کا کیوں نہ ہو انسان کو رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔

رابطے

☆ رشتوں کی بقا کے لیے رابطے ضروری ہیں کیونکہ نظر انداز کرنے سے اپنے ہاتھوں سے لگائے ہوئے درخت بھی سوکھ جاتے ہیں۔

صلۂ رحمی

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے یا اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلۂ رحمی اور رشتے داروں سے اچھا سلوک کرے۔

از: فرح طاہر، ملتان

مورنی

بارش نے......
جب سے مجھ کو پازیب پہنائی ہے
میں رقص میں ہوں
اور اتنی خوش ہوں
اپنے پاؤں کی بدرنگی کو
دیکھ، دیکھ کے بھول رہی ہوں
پر پھیلائے
بھیگے ہوئے جنگل میں
مسلسل ناچ رہی ہوں

کلام: پروین شاکر

پسند: سیما ناصر، ڈیرہ اسماعیل خان

نظم

لمحہ بھر کو
لرزہ تھا
تمہیں کھونے سے
میرا دل
مگر پھر......
دل کی لرزش پہ بھی
قابو پا لیا
میں نے......

شاعرہ: سیدہ علیشاہ، بہاول پور

غزل

بات یہاں بے بات بنائی جاتی ہے
کب کوئی الجھن سلجھائی جاتی ہے
شہر میں خاموشی ہے جیسے قبرستان
پھر بھی یاں کیوں آگ لگائی جاتی ہے
خوشبو کی حسرت میں تڑپا دل میرا
غیروں کی بستی مہکائی جاتی ہے
ظلمت بانٹنے والوں کو دیکھو یہ فریب
صبح ہمیں پیہم دکھلائی جاتی ہے
باغ فرح کو سب لگیں اچھے کیسے
رنگ دگر میں ہر شے پائی جاتی ہے

کلام: فریدہ لاکھانی فرح۔ سڈنی، آسٹریلیا



صغریٰ زیدی

☆فرحت احمد......گلشن حدید

یوں تو غمِ حیات سے مانوس ہے حجاب
کرتی ہے تیری یاد پریشاں کبھی، کبھی

☆طیبہ الیاس......سرگودھا

جب ہم سے ملوگے تو ہمیں پاؤ گے مخلص
ہرچند کہ اخلاص کا دعویٰ نہیں کرتے

☆ثمینہ کوکب......جہلم

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا تیرا مکان ہے، کچھ تو خیال کر

☆ساجدہ ظفر......کمالیہ

کبھی تو کھل کے برس ابرِ مہرباں کی طرح
میرا وجود ہے جلتے ہوئے مکاں کی طرح
کبھی تو سوچ کہ وہ شخص کس قدر تھا بلند
جو جھک گیا تیرے قدموں میں آسماں کی طرح

☆حمنیٰ قندیل......کمالیہ

لپٹ رہی ہیں ابھی تک بدن کے ملبے سے
گرے مکان کی بیلیں ہیں خواہشیں اپنی

☆ایمن زرتاب......ٹوبہ ٹیک سنگھ

ملی ہے میری دھڑکن کو زلزلوں کی نوید
پھر ایک شہرِ تمنا بسا لیا میں نے

☆فرخندہ جعفری......گجرات

زندگی نے عجب کھیل کھیلے ہیں
جو کبھی اپنے تھے اب بیگانے ہیں
بیگانے بھی گر روٹھ جائیں تو کوئی بات نہیں
ان سے کیا گلہ وہ تو آخر بیگانے ہیں

☆فصیحہ آصف خان......ملتان

تیرے زخموں کا ہم شمار کرتے نہیں
تم گئے تو کسی کا انتظار کرتے نہیں
رتجگوں کا نیند سے مقابلہ ٹھہرا
موسمِ خزاں میں کبھی بہار کرتے نہیں

☆ایمن رانی......ٹوبہ ٹیک سنگھ

آسان نہیں زیست کی منزل سے گزرنا
اس راہ میں کچھ مرحلے دشوار بہت ہیں
پُر درد گزر جائیں تو بیکار ہیں صدیاں
لمحے جو سکوں بخش ہوں دو چار بہت ہیں

☆تسنیم کوثر......کراچی

ابر میں جیسے جانی پہچانی
کوئی تصویر بن کے مٹ جائے
جیسے طوفاں بدوش راتوں میں
برق ہر زاویے سے لہرائے

☆عرشیہ جنید......کراچی

جب بھی کسی نے ہنس کے مروت سے بات کی
دل سے تمام عمر کے غم دور ہوگئے

☆جبین نیاز......ملتان

یہ نازِ حسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر
نظر ملاتے نہیں مسکرائے جاتے ہیں

☆فرخندہ......پنجاب

میری طرح ہی یہ کچے گھروں میں رہتے ہیں
جو گھیر لائے ہیں برسات میرے اپنے ہیں

☆پروین افضل شاہین......بہاول نگر

کسی غریب قبیلے کی آبرو کی طرح
ہمارا درد کسی درد میں شمار نہیں

☆زرینہ خان......بہارہ کہو

زخم دل کا نہ مداوا نہ رفو ہوتا ہے
ان کی فرقت میں تصور بھی لہو ہوتا ہے
ان کی تصویریں جو دیکھیں تو یہی لگتا ہے
ان کی یادوں سے نگاہوں کا وضو ہوتا ہے

☆بیگم ظفر......جنڈیوالہ

پیچھے بندھے ہیں ہاتھ مگر شرط ہے سفر
کس سے کہوں کہ پاؤں کے کانٹے نکال دے

☆صائمہ سید......کراچی

سب دیکھ رہے ہیں گلشن میں تفریق جو برتی جاتی ہے
شبنم کی سجائی بوندوں کو سورج کی کرن پی جاتی ہے

☆عروبہ ناز......کوٹلی

کاش بادل کی طرح پیار کا سایہ ہوتا
پھر میں دن رات تیرے شہر پہ چھایا ہوتا

☆رابعہ شاہد......دبئی

زمیں کی پشت تحمل سے دوہری ہوجائے
اگر وہ بوجھ اٹھائے جو ہم اٹھاتے ہیں

☆تسنیم اقبال......نارووال

کہیں رہے وہ مگر خیریت کے ساتھ رہے
اٹھائے ہاتھ تو یاد ایک ہی دعا آئی

☆صائمہ پرویز......بلیرسعود آباد

بنوں میں لہر کبھی اور وہ میرا ساحل ہو
میں اس کو ڈھونڈنے جاؤں وہ مجھ کو پائے کبھی

☆فضہ بتول......بہارہ کہو

تمنا ہے کہ دیکھیں نئی سحر کی رنگینی
اے کاش نوید صبح لے کے آئے ہلالِ عید

☆تسنیم......کراچی

خوشی کو ڈھونڈنے جائیں گے ہم ستاروں میں
زمیں تو چھان چکے اس کی جستجو کرتے

☆سعیدہ بانو......لوئر مال

تمہاری دید ہی مقصد رہا جس کی نگاہوں کا
وہ چشمِ منتظر پتھرا گئی کیا تم نہ آؤ گے

☆ایمان چوہدری......فیصل آباد

میں شجر ہوں شہرِ ملال کا میری ٹہنیوں کو نہال کر
کبھی بھیج اپنی نوازشیں کسی جام ابر میں ڈال کر
مجھے خار، خار مسافتوں کی ستم گری نے تھکا دیا
مجھے راستوں کی خبر نہ دے، میرے حوصلے بحال کر

☆فریدہ فری......لاہور

کیسا موسم ہے یہ خدا جانے
اپنے گھر میں بھی دل نہیں لگتا

☆ممتاز خانم......کراچی

کوئی آہٹ کوئی آواز کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں آئے کوئی

☆غزالہ عمران......گوجرانوالہ

تیرے وعدے کو کبھی جھوٹ نہیں سمجھوں گا
آج کی رات بھی دروازہ کھلا رکھوں گا

☆پروین......مظفر آباد

یہ مکافاتِ عمل ہے ابھی کچھ عرصے میں
تجھ کو بھی ہوگی محبت کس بدذات کے ساتھ

☆حنا......کراچی

جو اتر کر سینۂ شام سے تری چشمِ خو میں سما گئے
وہی جلتے بجھتے چراغ سے مرے بام و در کو سجا گئے
وہ جو گیت تم نے سنا نہیں میری عمر بھر کا ریاض تھا
میرے درد کی تھی وہ داستان جسے تم ہنسی میں اڑا گئے

☆افشاں......اسلام آباد

کہیں بے کنار سے رتجگے، کہیں زرنگار سے خواب دے
ترا کیا اصول ہے زندگی مجھے کون اس کا حساب دے
جو بچھا سکوں ترے واسطے جو سجا سکے ترے راستے
میری دسترس میں وہ ستارے رکھ میری مٹھیوں کو گلاب دے

☆سعدیہ وحید سوری......اسلام آباد

تم نے تو مضمون بنالیا اک خون سے لپٹی لاش کو
کسی ماں سے پوچھنا اک بیٹے کی قیمت

☆☆☆

منتخب غزلیں



باذوق قارئین کے لیے اس ماہ قادرالکلام استادشاعر میر تقی میرؔ کی وفات کی
مناسبت سے ان کا خوب صورت کلام حاضر ہے



کیا میں بھی پریشانیِ خاطر سے قریں تھا
آنکھیں تو کہیں تھیں دلِ غمدیدہ کہیں تھا

کس رات نظر کی ہے سوئے چشمکِ انجم
آنکھوں کے تلے اپنے تو وہ ماہ جبیں تھا

آیا تو سہی وہ کوئی دم کے لیے لیکن
ہونٹوں پہ مرے جب نفسِ باز پسیں تھا

اب کوفت سے ہجراں کی جہاں تن پہ رکھا ہاتھ
جو درد و الم تھا سو کہے تو کہ وہیں تھا

جانا نہیں کچھ جُز غزل آکر ان کے جہاں میں
کل میرے تصرف میں یہی قطعہ زمیں تھا

نام آج کوئی یاں نہیں لیتا ہے انہوں کا
جن لوگوں کے کل ملک یہ سب زیرِ نگیں تھا

مسجد میں امام آج ہوا آ کے کہاں سے
کل تک تو یہی میر خرابات نشیں تھا

اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا
چھوڑا وفا کو اُن نے مروت کو کیا ہوا

امیدوارِ وعدۂ دیدار مر چلے
آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا

کب تک تظلم آہ بھلا مرگ کے تئیں
کچھ پیش آیا واقعۂ رحمت کو کیا ہوا

اُس کے گئے پر ایسی گئی دل سے ہمنشیں
معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا

بخشش نے مجھ کو ابرِ کرم کی کیا خجل
اے چشمِ جوشِ اشکِ ندامت کو کیا ہوا

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا

تھی صعب عاشقی کی ہدایت ہی میر پر
کیا جانیے کہ حال نہایت کو کیا ہوا

فروری 1725ء تا 21 ستمبر 1810ء



خوش ذائقہ

شگفتہ یاسمین

پیاری بہنو! خوش ذائقہ کے ان صفحات میں ہم آپ کے لیے معروف میزبان اور شیف شگفتہ یاسمین کے تیار کردہ کھانوں کی تراکیب بعنوان ”امی کی ریسیپی“ لے کر آئے ہیں۔ آپ کے پسندیدہ ماہنامہ پاکیزہ میں نت نئے سلسلے آپ ہی کے لیے ہیں۔ یوں ہر دفعہ شگفتہ کی ترکیبوں کے ساتھ، ساتھ ہماری قاری بہنوں کے بنائے ہوئے پکوان بھی انشاء اللہ ان صفحات کی زینت بنتے رہیں گے۔ (مدیرہ)

امی کی ریسیپی

پیڑا (وہ بھی بغیر کھوئے کا)

اشیا: گھی۔ 1/4 کپ (جما ہوا) (تھوڑی دیر فریز کرلیں) پاؤڈر شوگر، 1/4 کپ۔ الائچی پاؤڈر 1/4 ٹی اسپون۔ بادام، پستہ ڈیڑھ ٹیبل اسپون (باریک کاٹ لیں) ایک کپ چنے بھنے ہوئے (پیس لیں) ورنہ ستو بھی استعمال کرسکتے ہیں۔

ترکیب: اب تمام اشیا کو مکس کریں ہاتھوں کی مدد سے اگر بائنڈ نہیں ہو رہا تو تھوڑا سا گھی ایڈ کرلیں۔ اچھا سا گندھ جائے تو اس کے چھوٹے، چھوٹے پیڑے بنالیں اور اس کے اوپر تھوڑا تھوڑا سا پستہ بادام گارنش کرلیں۔ چاہیں تو پسا کھوپرا سبز فوڈ کلر یا گلابی فوڈ کلر میں مکس کر کے اس پر چھڑک سکتے ہیں۔

کنڈینسد ملک گھر میں بنائیں

اشیا: پاؤڈر شوگر، ایک کپ۔ بیکنگ پاؤڈر، ایک چٹکی۔ پاؤڈر ملک، ایک کپ۔ گھی، ایک ٹیبل اسپون گرم استعمال کرنا ہے۔

ترکیب: ایک پیالے میں سوکھا دودھ ڈالیں اس میں پاؤڈر شوگر بھی ایڈ کریں۔ تھوڑا پانی ڈالیں اور مکس کریں اچھے سے پھینٹ لیں تا کہ گٹھلیاں نہ رہ جائیں۔ پانی گرم استعمال کریں۔ اچھے سے مکس کرنے کے بعد تھوڑا گاڑھا ہو جائے گا اب اس میں ایک چٹکی بیکنگ سوڈا ایڈ کردیں۔ ایک ٹیبل اسپون گھی۔ ایک چمچ سے تھوڑا کم رکھیں۔ اب ان سب کو ملالیں۔ پھر چولھے پر ہلکی آنچ سے دو سے تین منٹ کے لیے پکائیں اور چمچہ چلاتے رہیں تا کہ یہ تھوڑا گاڑھا ہو جائے۔ اب چولھا بند کردیں اور ٹھنڈا ہونے دیں۔ ٹھنڈا ہونے کے بعد یہ بہت گاڑھا ہو جائے گا۔

فرائڈ رائس

اشیا: پیاز، ایک عدد۔ گاجر، ایک عدد۔ شملہ مرچ، ایک عدد چوکور کاٹ لیں۔ سویا سوس، ایک ٹیبل اسپون زیرہ سفید، ایک ٹی اسپون، کالی مرچ، نمک، حسبِ ذائقہ، ٹماٹر ساس ایک ٹیبل اسپون۔ ٹماٹر، ایک عدد، چاول، دو کپ۔

ترکیب: تمام سبزیاں چوکور کاٹ لیں۔ چاول ابال لیں۔ فرائی پین میں تیل ڈالیں اس میں زیرہ ایک ٹی اسپون ڈالیں۔ اس میں پیاز ایڈ کریں اور شملہ مرچ، گاجر ٹماٹر بھی ڈال دیں۔ پھر نمک ایڈ کریں اور سویا سوس ڈالیں۔ کالی مرچ اور ٹماٹر ساس بھی ڈال دیں۔ اب اس میں ابلے ہوئے چاول ایڈ کر دیں۔ آخر میں ایک ٹیبل اسپون سرکہ ایڈ کریں چاہے تو لیمن بھی ایڈ کر سکتے ہیں۔ اوپر سے تازہ پودینہ ڈال دیں۔

آٹے اور سبزی کا مکسچر

اشیا: آٹا، ایک کپ۔ بیسن، ایک ٹیبل اسپون۔ سوجی، ایک ٹیبل اسپون۔ (ان سب کو خشک ہی مکس کرنا ہے) پیاز، تین ٹیبل اسپون باریک کٹی ہوئی۔ گاجر تین ٹیبل اسپون کدوکش کیا ہوا۔ مٹر کے دانے تین ٹیبل اسپون۔ ہری مرچ ایک چائے کا چمچ باریک کٹی ہوئی۔ ہرا دھنیا۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ ہلدی، 1/4 چائے کا چمچ۔

ترکیب: ایک برتن میں سب اشیا کو مکس کرنے کے بعد اس میں پانی ایڈ کریں۔ تھوڑا تھوڑا کر کے پانی ڈالیں اور چمچے کی مدد سے مکس کرتے رہیں۔ اس میں گٹھلی نہ بنے ایک ہلکا گاڑھا

مکسچر تیار کرنا ہے۔ اب فرائی پین کو گرم کریں اس میں تھوڑا سا گھی ڈال کر اس کو فرائی پین میں پھیلا لیں۔ جیسے ہی گھی گرم ہو آہستہ آہستہ مکسچر ایک گول چمچ کی مدد سے اس میں ڈالیں اور اس کو پھیلا لیں۔ اس کو ایک مرتبہ پھیلانے کے بعد چمچے سے چھیڑ نہ کریں تھوڑی دیر بعد آپ دیکھیں گی کہ اس نے کناروں کو چھوڑ دیا ہے دو سے تین منٹ میں اس کی روٹی کی طرح ایک سائڈ تیار ہو جائے گی پھر آپ اس کو پلٹ دیں چمچے کی مدد سے ہلکا سا پریس کریں اور اچھے سے سیک لیں۔ اب اس کے پیسز کر کے مزے سے کھائیں۔

☆☆☆

آج میں آپ کو "بڑی عید" کے اسپیشل پکوان کی تراکیب بتاؤں گی جو آپ کی عید کا مزہ دوبالا کر دیں گے۔

مزیدار کلیجی

اشیا: مٹن کلیجی۔ ایک پاؤ۔ کچا پپیتا۔ تین کھانے کے چمچ۔ گرم مسالا، آدھا کھانے کا چمچ۔ سرخ مرچ، نمک، حسب ضرورت۔ لہسن، ادرک پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ سرکہ، دو کھانے کے چمچ۔ تیل، حسب ضرورت۔ ہرا دھنیا۔ ہری مرچ گارنشنگ کے لیے۔

ترکیب: کلیجی کو چھوٹی بوٹیوں میں کاٹ کر اچھی طرح دھولیں۔ پھر اس میں سوائے تیل کے تمام مسالے لگا کر دو گھنٹے میرینیٹ کر لیں، فرائی پین میں تیل ڈال کر ہلکا گرم کریں پھر اس میں مسالا لگی تمام کلیجی ڈال کر ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ پانی خشک ہو جائے تو کلیجی کو اچھی طرح بھون کر اتار لیں، گرم گرم چپاتی کے ساتھ بہت مزہ دے گی پھر اوپر سے ہرا دھنیا، ہری مرچ ڈال دیں۔

لذیذ کڑاھی

اشیا: گوشت مٹن یا بیف، 1 کلو۔ نمک، ڈیڑھ چائے کا چمچ۔ ادرک لہسن کا پیسٹ، 1 کھانے کا چمچ۔ ٹماٹر، آدھا کلو۔ ہری مرچ، 8 عدد۔ لال مرچ، حسب ذائقہ۔ گھی یا تیل، آدھا کپ۔ ہرا دھنیا، آدھی گڈی۔ ادرک، 2 انچ کا ٹکڑا۔ سفید زیرہ۔ 2 کھانے کے چمچ۔

ترکیب: گوشت کو دو کپ پانی اور آدھا چائے کا چمچ نمک کے ساتھ ابال لیں۔ اب اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ شامل کر دیں اور ڈھک کر 10 منٹ تک پکائیں پھر اس میں ٹماٹر اور ہری مرچ ڈال کر دس منٹ کے لیے ڈھک دیں۔ اب اس میں پسی لال مرچ، نمک اور گھی یا تیل ڈال کر بھون لیں یہاں تک کہ گوشت گل جائے۔ پھر اس میں ہرا دھنیا، باریک کٹی ادرک اور سفید زیرہ ڈال دیں اور نان کے ساتھ سرو کریں۔

مزیدار مٹن بریانی

اشیا: بکرے کا گوشت، ایک کلو۔ باسمتی چاول، ایک کلو۔ بڑے آلو، چار عدد۔ لیموں، چار عدد۔ لونگ، چار عدد۔ پیاز، چار عدد باریک کاٹ لیں۔ ہری مرچ، چھ عدد۔ تیز پات، 3 عدد۔ چھوٹی الائچی، چھ عدد، دار چینی 3 عدد۔ ثابت کالی مرچ، چھ عدد۔ ٹماٹر، چھ عدد کاٹ لیں۔ سوکھے آلو بخارے، ایک پیالی۔ گرم دودھ، آدھی پیالی۔ گھی یا تیل، حسب ضرورت۔ دہی، ایک پیالی۔ باریک کٹا پودینہ، ایک گٹھی۔ کالا زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ نمک، پسی لال مرچ، حسب ذائقہ۔ زردے کا رنگ، ایک چوتھائی چمچ۔ پسا دھنیا، دو کھانے کے چمچ۔ ادرک لہسن کا پیسٹ، ڈیڑھ کھانے کا چمچ۔

ترکیب: ایک کلو بکرے کے گوشت کو اچھی طرح دھولیں اب اس میں دہی، ادرک لہسن کا پیسٹ لال مرچ دو کھانے، پسا ہوا دھنیا، لیموں کا رس، باریک کٹا پودینہ، ہری مرچ، ایک پیالی سوکھے آلو بخارے اور نمک مکس کر کے آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب ایک دیگچی میں ایک پیالی تیل گرم کر کے پیاز گولڈن براؤن کریں اور آدھی نکال کر اخبار پر پھیلا دیں، باقی آدھی پیاز میں مسالا لگا ہوا گوشت ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں جب پانی خشک ہو جائے اور گوشت گل جائے تو اسے بھون کر اتار لیں آلوؤں کو چھیل کر ہلکی سی بھاپ دے کر چار چار ٹکڑے کر کے فرائی کریں اور یہ تلے آلو مٹن پر ڈال دیں۔ اب ایک کلو باسمتی چاولوں میں پودینہ ہری مرچ، چھوٹی الائچی، کالی مرچ، حسب ذائقہ نمک اور چار لونگ ڈال کر الگ سے دو کنی ابال لیں اور پھر پانی نتھار لیں۔ اس کے بعد دیگچی میں ذرا سی چکنائی لگا کر آدھے چاولوں کی تہ لگائیں اب گوشت کی تہ لگا دیں پھر باقی چاولوں کی تہ لگا کر تلی ہوئی پیاز ڈال لیں ساتھ ہی آدھی پیالی گرم دودھ میں ایک چوتھائی چائے کا چمچہ زردے کا رنگ ملا کر اس میں شامل کریں۔ اس کے بعد دو عدد لیموں کا رس ڈال کر تیز آنچ پر توے پر دم دے دیں۔ پانچ منٹ کے بعد آنچ ہلکی کر دیں بھاپ اوپر آ جائے تو تیار بریانی نوش فرمائیں۔

ریحانہ اعجاز...... کراچی

بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ فرخندہ جعفری...... گجرات

سوال: آج کل کے دور میں لوگ تھالی کا بینگن بننے پر کیوں مجبور ہیں؟

جواب: اعلیٰ کردار کے حامل لوگ ایسا بالکل نہیں کرتے۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ صائمہ سید...... کراچی

سوال: جب کوئی آنکھیں سر پر رکھ لے تو؟

جواب: آپ فوراً آئینہ سامنے رکھ دیں؟ اپنا خوف ناک مکھڑا دیکھ کر سامنے والا خود ہی گھبرا جائے گا اور آنکھیں جگہ پر آ جائیں گی۔

☆ ایمن زرتاب ڈوگر...... کمالیہ

سوال: آزادی اور بربادی کے درمیان کیا چیز حائل ہے؟

جواب: آزادی کی نعمت کی ناشکری، بربادی لاتی ہے۔

سوال: ڈینگیں مارنے والوں کو ڈینگی بخار کیوں نہیں ہوتا؟

جواب: اسے بھی ڈینگیں مار کر بتائیں گے، دیکھو ہمیں کتنی مشہور و معروف بیماری ہوئی۔

☆ حمنیٰ قندیل...... کمالیہ

سوال: بیوی اپنی ماں کے کہنے پر چلتی ہے، کیا بیٹا بھی ماں کے کہنے پر ہی چلتا ہے؟

جواب: ہاں، بیوی کی ماں کے کہنے پر۔

سوال: دولت ہاتھ کی میل ہے پھر اس کو کوئی اتارتا کیوں نہیں؟

جواب: اپنی تو میل بھی پیاری......

☆ ساجدہ ظفر...... کمالیہ

سوال: موبائل اور موبل آئل میں کیا فرق ہے؟

جواب: یہ تم کیا نیلام گھر کھیل رہی ہو...... فرق صاف ظاہر ہے۔

سوال: اول فول کب بکا جاتا ہے؟

جواب: جب دماغ خراب ہو جاتا ہے۔

☆ نسیم منظر، کراچی

سوال: جب روم جل رہا تھا نیرو بانسری کیوں بجا رہا تھا؟

جواب: تم جیسے سوتوں کو جگانے کے لیے۔

سوال: تکیہ کلام کس کلام کو کہتے ہیں؟

جواب: جس پر اکثر لوگ آرام سے بھروسا کر کے بڑی سے بڑی بات بھی سنا جاتے ہیں۔

سوال: فرائی ڈے میں ڈے کتنی بار فرائی ہوتا ہے؟

جواب: جتنی دفعہ تمہارا دل چاہے، تمہارا فرائنگ پین تمہارا آئل تمہارا چولھا......

☆ فرخندہ جعفری...... گجرات

سوال: دنیا میں سب سے زیادہ ناپائدار چیز کیا ہے؟

جواب: دنیا پوری کی پوری ناپائدار ہے...... پائدار تو انسان کا عمل ہوتا ہے جو فوری اوپر پہنچ جاتا ہے۔

سوال: کیا والدین کو دکھی کر کے اولاد خوش رہ سکتی ہے؟

جواب: ہرگز بھی نہیں۔

سوال: کیا انسان کے دکھوں کو ماپنے کا کوئی آلہ ہے؟

جواب: حوصلے اور برداشت کا؟ فیتہ...

سوال: وہ کون سا جانور ہے جو بچپن میں چار ٹانگوں سے چلتا ہے۔ جوانی میں دو ٹانگوں سے چلتا ہے اور بڑھاپے میں تین ٹانگوں سے چلتا ہے۔
جواب: معاشرتی حیوان......یعنی انسان۔
سوال: اگر کوئی قرض لے کر واپس نہ کرے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟
جواب: طاقت ہے تو معاف کر دو ورنہ انتظار......
☆ ناعمہ تحریم......کراچی
سوال: کتابی چہرہ کیسے چہرے کو کہتے ہیں؟
جواب: جس کے آگے کتاب رکھی ہو اور چہرہ کتاب میں چھپا ہوا ہو۔
سوال: جھیل سی آنکھیں کیسی آنکھوں کو کہا جاتا ہے؟
جواب: تم نے اتنے سالوں افسانے پڑھ کر جھک ماری ہے کیا......؟
سوال: کھسیانی ہنسی کیسے ہنسی جاتی ہے؟
جواب: جو ابھی تم ہنس رہی ہو۔
☆ فلک بنت ندیم......حیدر آباد
سوال: الیکشن آتے ہی ہمارے سیاست دان ہم سب کو سبز باغ ہی کیوں دکھاتے ہیں؟
جواب: اُن کے سامنے بھی یہی باغ ہوتے ہیں۔
سوال: انسان مرجائے تو اسے زمین میں دفن کرتے ہیں اگر ضمیر مرجائے تو اسے کہاں دفن کیا جاتا ہے؟
جواب: وجود کی زمین میں۔
سوال: وہم کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں تو پھر اس کا علاج کون کرے گا ذرا جلدی سے بتادیں؟
جواب: انسانی عقل......اگر کسی کے پاس ہوئی تو......!
☆ پروین افضل شاہین......بہاول نگر
سوال: رخصتی کے وقت دلہن کی سہیلیاں اسے آنسوؤں کے ساتھ رخصت کرتی ہیں، اس وقت دولہا کے دوست کیا کرتے ہیں؟
جواب: وہ بھی دولہا کے ساتھ چھپ، چھپ کر آنسو بہاتے ہیں۔ آزادی کے دن جو ختم ہو جاتے ہیں۔
سوال: جو لوگ محبت کو برا کہیں انہیں ہم کیا نام دیں؟
جواب: بے وفا، بے مروت، بے حس......
سوال: میں نے جب اپنے میاں جانی کو کہا کہ کاش آپ اس عید پر میرے بکرے ہوتے بھلا اُن کی طرف سے کیا جواب تھا؟
جواب: اس احمقانہ سوال کا وہ بیچارے کیا جواب دیتے یہی کہہ کر رہ گئے ہوں گے۔ اس عمر میں بھی بیگم تمہیں عقل نہیں آئی۔
☆ ماہ رخ......حیدر آباد
سوال: میرے چھوٹے بھائی کو سیلفی بنانے کا بھوت سوار ہوگیا ہے ہر وقت وہ سیلفیاں بناتا رہتا ہے۔ اس کا بھوت کس طرح اتارا جائے؟
جواب: ہرل کی دھونی دے دو......مگر موبائل کو۔
سوال: مور ناچتے، ناچتے اپنے پیروں پر نظر دوڑاتا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، کیوں؟
جواب: اس کے جوتے کوئی چرا کر جو لے گیا۔
سوال: صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے......کیوں؟
جواب: لوٹ بھی تو آیا ہے ناں بیچارہ۔
☆ مریم بنت کاشف......لطیف آباد
سوال: مجھے سرخاب کے پر کی تلاش ہے؟ ذرا جلدی سے بتائیے یہ کہاں ملے گا؟
جواب: سرخاب کے پاس ہی ملے گا ناں......
سوال: بھان متی کا کنبہ کس کنبے کو کہتے ہیں؟
جواب: جو بھی تمہاری طرح بھاں، بھاں کرے سمجھو وہی تمہارے کنبے والا ہے۔
سوال: چڑیا گھر کو چڑیا گھر کیوں کہتے ہیں؟ جبکہ وہاں کوئی چڑیا نہیں پائی جاتی ہے؟
جواب: قسم لے لو ہم نے اس کا یہ نام ہرگز نہیں رکھا۔
☆ نسرین یاسین......لطیف آباد
سوال: ساجھے کی ہنڈیا بیچ چوراہے پر ہی کیوں پھوٹتی ہے؟
جواب: ظاہر ہے چاروں طرف سے سب کھینچتے ہیں اور چلتے چلتے چوک پر آ جاتے ہیں۔



حسن نکھاریے

مسز جبیں

ناخن دراصل ہماری جلد کا ہی ایک حصہ ہیں۔ ناخن کے ذریعے ہم آرام سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہماری عمومی صحت کیسی ہے۔ اگر ناخن صحت مند، چمکدار، خوب صورت اور جاذب نظر ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم بھی صحت مند، تندرست اور چاق و چوبند ہیں اگر ہماری خوراک میں کسی چیز کی کمی ہو یا اگر جگر اور گردے صحیح طور پر کام نہیں کر رہے اور ہم ذیابطیس، بلند فشار خون یعنی بلڈ پریشر اور ذہنی دباؤ کا شکار ہیں تو ان کا عکس ہمارے ناخن کی حالت، ان کی رنگت اور ان کی شکل سے ظاہر ہو جائے گا۔

ناخن اور ہاتھوں کی مالش

MANICURE AND PESICURE

جیسے، جیسے زمانہ ترقی کی منازل طے کر رہا ہے لوگ ٹیلی ویژن، فلموں اور رسل و رسائل میں بے پناہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ جیسے، جیسے خوب صورتی، دلکشی اور بناؤ سنگار کا رجحان بڑھتا چلا جا رہا ہے اور خواتین تو خواتین اب تو اکثر و بیشتر مرد حضرات بھی بیوٹی سیلون کا رخ کرتے نظر آتے ہیں مگر ایک بات ضرور دھیان میں رکھیں کہ جیسے کسی چیز کی کمی آپ کو نقصان پہنچاتی ہے اس طرح کسی چیز کی زیادتی بھی آپ کے لیے بے پناہ تکلف اور تباہی کا باعث ہوتی ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حد سے زیادہ کیمیکلز کے استعمال سے آپ کے ناخن، بے رنگ اور کمزور ہو جاتے ہیں اور بہت جلد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اگر آپ بھی ایسے کسی مسئلے کا شکار ہوں تو پہلے کسی ماہر ڈاکٹر یعنی کسی ماہر امراض جلد، بال، ناخن سے ضرور رجوع کریں اور معلوم کریں کہ کیا واقعی آپ کو اس طرح کی چیزوں کی ضرورت ہے یا صرف شوق کی خاطر آپ ان چیزوں کا استعمال کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر آپ صرف گھر پر ہفتے میں دو سے تین دفعہ ناخنوں پر زیتون کے تیل کی مالش کریں اور ان کو کسی اچھی کریم سے تر کریں اس کے علاوہ وٹامن ای جو کہ عام طور سے خشک میوہ جات اور مچھلی میں پایا جاتا ہے اس کا استعمال بھی آپ کے ناخنوں کو نئی زندگی اور جلا بخشے گا نہ صرف آپ کے ناخن چمکیلے ہو جائیں گے بلکہ صاف ستھرے بھی ہو جائیں گے۔

اس کے علاوہ جھینگے کا استعمال بھی اتنا ہی سود مند ہوگا جتنا کہ مچھلی کا استعمال۔ ہفتے میں دو تین انڈے کھانا بھی آپ کے ناخنوں کے لیے بہترین کا باعث ہوگا۔

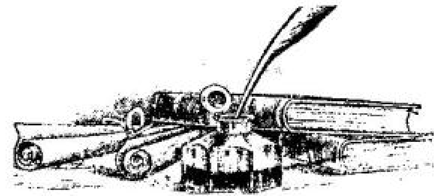
جو خواتین نیل پالش چھٹانے کے لیے بہت زیادہ تیزابی اشیا کا استعمال کرتی ہیں وہ بھی ان کے ناخن کی تباہی کا باعث ہوتا ہے اور بار، بار نیل پالش کے رنگ اور کمپنیاں بدلنے سے آپ کے ناخنوں کی سطح غیر ہموار ہو کر ٹوٹنے لگتی ہے اور اگر اس کے ساتھ غذا، نیند، خون کا دوران یہ سب چیزیں بھی متناسب نہ ہوں تو بہت جلد، ناخن بھر بھرے، بے جان اور بد شکل ہو جاتے ہیں۔ بات اگر صرف یہیں تک ہو تو کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر اس طرح سے نا صرف کمزور ہو کر ٹوٹنے سے بیماریاں آپ کے ناخن کی سطح کو پار کرتے ہوئے آپ کی جلد اور آپ کے جسم میں داخل ہو کر آپ کو بری طرح سے بیمار کر دیتی ہیں اور آپ بڑی، بڑی بیماریوں حتیٰ کہ بخار اور ہڈیوں کی بیماریوں میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں۔

اگر آپ صرف اپنی غذا کو مناسب رکھیں، ہلکی پھلکی ورزش کریں، دودھ، دہی، مرغی، مچھلی اور وٹامنز کا استعمال کریں۔ مہینے میں ایک آدھ دفعہ کیلشیم کا بھی استعمال کریں۔ ناخن کی صفائی ستھرائی کریں۔ دن میں پانچ مرتبہ وضو کریں اور دن میں کم از کم ایک دفعہ مکمل غسل کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ لوگ نہ صرف آپ کی پوری شخصیت اور خوب صورت ہاتھ پیروں کے ساتھ، ساتھ آپ کے خوب صورت ناخنوں پر بھی رشک نہ کریں۔

☆☆☆

روحانی مشورے

ادارہ



ڈینگی بخار کا علاج

یہ درود پاک صبح، دوپہر، شام تین مرتبہ پانی پر دم کر کے پلائیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ شافی، اللہ کافی اللھم صلی علی روح محمد فی الارواح و صل علی جسد محمد فی الاجساد وصل علی قلب محمد فی القلوب وصل علی قبر محمد فی القبور

☆بواسیر و ہر مرض کا علاج: سورۂ توحید 41 مرتبہ پانی پر دم کر کے پلائیں۔

☆جادو ٹونے کے توڑ اور کسی بھی وقت کے لیے: سورۂ کوثر 135 مرتبہ پڑھیں نو دن تک۔

☆قرضہ لین دین: یارب موسیٰ یا رب کلیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لگاتار پڑھتا رہے۔

☆بلڈ پریشر کے لیے: جن لوگوں کو بلڈ پریشر کا مسئلہ ہو وہ حسبی اللہ کا ورد کریں۔

☆سر درد، کان درد، دانت درد: جسم میں کسی جگہ درد ہو تو شہادت کی انگلی اس جگہ پر رکھیں اور یہ سات مرتبہ پڑھیں۔ یُنجِّھم

☆کھانسی کا علاج: سیب کا جوس نکال کر اس میں کابلی مصری ملا کر نہار منہ پی لیا کریں۔ اگر الٹی تے آتی ہو تو اس جوس میں نمک ڈال کر پی لیں۔

چہرے کے دانوں کا علاج: چہرے پر دانے، داغ ہو تو چاول کو پانی میں پکائیں جب نرم ہو جائیں تو چاول کو دونوں ہاتھوں سے چہرے پر مل دیں، آدھا گھنٹا لگے رہیں بعد میں نیم گرم پانی سے دھو دیں، یہ عمل پانچ دن کریں چہرہ صاف ہو جائے گا۔

سورۂ زاریات برائے دفع تنگدستی

یہ سورۂ قرآن پاک کا پارہ نمبر 26 سورۂ نمبر 51 کل آیات 60 ہیں۔ یہ قرآن مجید کا مجرّب ترین سورۂ ہے۔ اس سے رزق کے بند دروازے کھل جاتے ہیں، غیب سے رزق کی فراوانی ہوتی ہے۔ تمام حاجات پوری ہوتی ہیں ملازمت اور ویزے کی رکاوٹ میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کریں۔ پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص دن یا رات میں اس سورۂ کی تلاوت کرے گا اس کا رزق آسان اور وسیع ہوگا۔ غربت و افلاس سے نجات پائے گا۔

شادی کے لیے سورۂ احزاب

اگر کسی لڑکے یا لڑکی کی شادی میں رکاوٹ ہو، رشتے آ کر چلے جاتے ہوں یا بات بنتے، بنتے رہ جاتی ہو تو ایسے میں ایک مرتبہ سورۂ احزاب چالیس دن تک تلاوت کریں انشاء اللہ بچیوں کے بند نصیب کھل جائیں گے، اچھی جگہ سے رشتے آنا شروع ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ سورۂ الذاریات کی آیت نمبر 49 ومن کل شئی خلقنا زوجین لعلکم تذکرون اور سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر 39,40 والقیت علیک محبۃ منی سے من الغم وفتنک فتونا تک لکھ کر گلے میں ڈالیں۔ ہو سکے تو خالص زعفران سے لکھیں۔

صدقہ وسیلۂ نجات

راہِ خدا میں صدقے کی عجیب و غریب اہمیت

ہے۔ صدقہ مال میں کمی کا باعث نہیں بنتا بلکہ زیادتی کا باعث بنتا ہے، صدقہ دینے والے کو اس سے کئی گنا زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

2۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بیماری کو چار چیزیں ختم کرتی ہیں۔ 1- ایک صدقہ 2- علاج 3- پرہیز 4- ٹھنڈے پانی میں کپڑا تر کر کے ماتھے پر رکھنا۔

3۔ صدقہ آخرت میں آتشِ جہنم سے نجات کا باعث بنتا ہے۔

4۔ جب بھی سفر کا آغاز کرو اپنا سفر صدقے سے شروع کرو اور آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔

5۔ صدقہ آسمانی بلاؤں کو دور کرتا۔

6۔ صدقہ بری موت کو ٹالتا ہے۔

7۔ صدقہ دنیا میں آفتوں، بلاؤں اور بیماریوں کو دور کرتا ہے۔

8۔ شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے صدقہ دینے والوں کو صدقے کی وجہ سے قبر کی گرمی نہیں ستائے گی۔

9۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں صدقہ دیا کرو ایسا کرو گے تو جہنم سے چھٹکارا پاؤ گے۔

10۔ امام رضا علیہ السلام کا فرمان ہے کہ صدقہ مریض کو ناگہانی موت سے بچاتا ہے۔

☆پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جب لوگ صدقہ دینا چھوڑ دیتے ہیں تو بیماریاں بڑھ جاتی ہیں۔

☆امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد پاک ہے کہ سرکار ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ لوگو! صدقہ نکالا کرو اس سے تمہاری آمدنی بڑھے گی۔

☆صدقہ آخرت میں آتشِ جہنم سے نجات کا باعث بنتا ہے۔

☆حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا 4 چیزیں جنت کی دعوت دیتی ہیں۔ 1- مصیبت کا چھپانا۔ 2- صدقہ پوشیدہ طور پر دینا۔ 3- والدین سے نیکی کرنا۔ 4- بکثرت لا الہ الا اللہ پڑھنا۔

☆حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے قیامت کی زمین آگ کی طرح دہک رہی ہوگی مگر مردِ مومن پر سایہ ہوگا اس سائے کو اس کے دیے ہوئے صدقے کی کرامت جانیں۔

☆سرکار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے صدقہ دیا کرو خواہ ایک کھجور کیوں نہ ہو۔

☆صدقہ ناگہانی اموات دور کرتا ہے۔

☆حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا بہترین نیکی صدقہ چھپا کر دینا، والدین سے حسن سلوک کرنا اور صلہ رحمی کرنا ہے۔

☆صدقہ دینے والا کبھی بری موت سے نہیں مرتا۔

انمول تسبیح

اگر کوئی صبح کی نماز کے بعد سورۂ توبہ کی یہ آیتِ تکلم 11 مرتبہ پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے منہ پر پھیرے تو وہ اللہ کی امان میں رہے گا۔

حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم

ترجمہ: میرے لیے اللہ کافی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں میں اس پر بھروسا کرتا ہوں اور وہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔

☆ہر پریشانی کے واسطے نماز فجر کے بعد اکتالیس مرتبہ اس وظیفہ کو پڑھیں پریشانی دور ہوگی۔

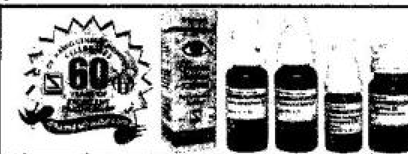
فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم ربِّ انی مغلوب فانتصر وانت خیر النصرین۔

ترجمہ: میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہی سننے جاننے والا ہے میرے رب میں مغلوب ہوں تو مدد فرما اور تو سب مدد کرنے والوں سے بہتر ہے۔

☆☆☆

شوابے ہومیو کلینک

SCHWABE



اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

لیکوریا

رباب...... سکھر

میرا سب سے بڑا مسئلہ لیکوریا ہے۔ یہ تقریباً 14 سال سے ہے۔ میرا پیٹ بھی بڑھ گیا ہے۔ میں نے لیکوریا اور پیٹ کے لیے کافی دفعہ لیڈی ڈاکٹر سے بھی رابطہ کیا مگر دوائیوں سے وقتی طور پر افاقہ ہوتا ہے پھر بعد میں پہلے سے بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔

جواب: ہمیں لگتا ہے کہ آپ لگ کر علاج نہیں کراتیں اور کچھ افاقہ ہونے پر علاج چھوڑ دیتی ہیں۔ ایسا نہ کریں بلکہ مستقل مزاجی کے ساتھ علاج کریں ورنہ مسئلہ بڑھ جائے گا۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل دوا استعمال کریں۔ Magnesium Phos. Ptk 60 کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

اکتوبر 2018ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

چہرے پر دانے

سحر...... حیدرآباد

میرے چہرے پر دانے نکل رہے ہیں جو کہ سرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہ خود نکلتے ہیں اور غائب ہوجاتے ہیں۔ مگر بعض اوقات اتنے نکلتے ہیں کہ چہرہ عجیب سا لگتا

ہے۔ برائے مہربانی کوئی دوا تجویز فرمائیں۔ میری عمر 16 سال ہے۔

جواب: سحر! آپ اپنے کھانے میں موسمی پھلوں اور سبزیوں کا اضافہ کیجیے۔ کولڈ ڈرنک بالکل استعمال نہ کریں۔ منہ پر کسی قسم کی کوئی کریم نہ لگائیں۔ دن میں پانچ سے چھ مرتبہ منہ دھویا کریں۔ صبح سویرے کی دھوپ یا شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے کی دھوپ میں 15 منٹ تک روزانہ بیٹھیں۔ Juglans Regia 30۔ روزانہ ایک خوراک Gun Powder 3X دن میں تین مرتبہ لیں۔

تکلیف دہ پیریڈز

روزینہ...... فیصل آباد

مجھے ماہانہ ایام کے دنوں میں الٹیاں آنا شروع ہو جاتی ہیں اور کچھ کھایا پیا نہیں جاتا۔ یوں لگتا ہے کہ جان نکل جائے گی۔ انگریزی دوائی کھانے سے ماہواری آتی ہے۔ میری کمر کے نچلے حصے اور پٹھوں اور پنڈلیوں میں بھی درد ہوتا ہے۔ سر کے بال بھی گرتے ہیں۔ میرے جسم پر سرخ دانے نکل رہے ہیں اور کبھی کبھی ہاتھ بھی کانپتے ہیں۔ پیٹ اور کولھے پھیلتے جارہے ہیں۔ رنگ بھی خراب ہوگیا ہے۔ کبھی صاف لگتا ہے اور کبھی کالا۔ صرف چہرے اور ہاتھوں کا رنگ خراب ہوتا ہے۔ پانی پینے سے مجھے اپھارا ہوجاتا ہے۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بھی ہیں۔ چہرے پر بال نکل آئے ہیں جو پہلے نہیں تھے۔

جواب: پانچ وقت نماز کی پابندی کریں۔ صبح چہل قدمی کیا کریں۔ پانی کا استعمال کم از کم 12 گلاس روز کریں۔ متوازن غذا دودھ، گوشت، سبزیاں اور پھلوں کا استعمال بڑھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات 3 ماہ تک استعمال کریں اور پھر اپنا حال تفصیل سے لکھیں۔ Sulphur-200 کی ایک خوراک سب سے پہلے لیں۔ صبح نہار منہ 5 قطرے آدھے کپ



پانی میں ڈال کر پھر ہر 3 ہفتے بعد لیں۔ اس سے ایک دن پہلے اور بعد کوئی اور دوا نہیں لیں۔ پھر ایک دن بعد Magnesium Phos Pentarkan Ptk 60 کی ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ میں چوسیں۔

تیزابیت

رضا...... رحیم یار خان

میرا مسئلہ معدے کا ہے اور یہ تقریباً 4 سال سے ہے۔ معدے میں درد ہوتا ہے۔ کبھی کھانے کے بعد اور کبھی کچھ دیر بعد جلن کی شکایت ہوجاتی ہے۔ دوا سے وقتی آرام آتا ہے۔ اب ایک ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ کو معدے کا السر ہے۔ برائے مہربانی میرا کوئی اچھا سا علاج تجویز کریں۔ میرے لیے دوا تجویز کریں جس کے سائڈ افیکٹ نہ ہوں۔ اور اس مرض سے نجات مل جائے۔

جواب: کھانے کے ساتھ اور بعد پانی کا استعمال نہ کریں۔ کھانا اچھی طرح چبا کر کھائیں۔ مرغن اور بھاری کھانے سے پرہیز کریں۔ میٹھی اشیا، مرچیں، تلی ہوئی، بھنی ہوئی چیزیں اور ترش پھل بھی تیزابیت پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے چیک کریں کہ کس چیز سے تیزابیت پیدا ہوتی ہے؟ غم فکر بھی تیزابیت کا باعث بنتے ہیں۔ آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Nux vomica Pentarkan Ptk 63 کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

بالوں کا گرنا

یاسمین...... راولپنڈی

کافی عرصے سے میرے سر کے بال گر رہے ہیں اور سر میں خشکی اور کائی بھی ہے۔ مختلف قسم کے تیل اور



شیمپو استعمال کیے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آپ کوئی اچھا سا نسخہ تجویز فرمادیں۔

جواب: اپنے بالوں کی صفائی کا خیال رکھیں۔ اچھی اور متوازن غذا کا استعمال کریں۔ خوشبو والے صابن اور تیل کا استعمال ترک کردیں۔ صبح ناشتے کے بعد AcidFlour 30 دوپہر کو کھانے کے بعد Minor Vinca 30 اور Acid Phos Q کے پانچ قطرے ایک گلاس پانی میں رات کو سوتے وقت استعمال کریں اور ایک مہینے بعد اپنی پوری کیفیت سے تفصیل کے ساتھ آگاہ کریں۔

گردے میں پتھری

عائشہ بخش...... مظفر آباد

میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے 5 سال سے گردے میں بار بار پتھری بن جاتی ہے۔ پہلی مرتبہ تو ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے دوائی لی جس سے پتھری نکل گئی۔ ایک سال کے بعد پھر بن گئی، علاج کرایا پھر نکل گئی۔ پتھری تقریباً ہر سال ہوجاتی ہے۔ آخری مرتبہ جب پتھری ہوئی تو الٹرا ساؤنڈ کرایا اس وقت تقریباً 5cm کی پتھری تھی دائیں گردے میں۔ ڈاکٹر نے کہا کہ کوئی علاج نہ کروانا صرف آپریشن ہوگا۔ آخر آپریشن کرایا۔ اب تقریباً دو سال ہوئے ہیں آپریشن کو اب دونوں گردوں میں درد اور کھنچاؤ رہتا ہے۔ بائیں گردے میں تقریباً چنے کے برابر پتھری ہے۔ برائے مہربانی کوئی اچھی سی دوائی تجویز کردیں تاکہ پھر آپریشن نہ کرانا پڑے۔

جواب: لگتا ہے کہ آپ بھی علاج بے قاعدگی سے کراتی ہیں جبھی تو یہ بار بار بن رہی ہے۔ کیلشیم کی گولی یا اس کے مرکبات کے استعمال سے بھی پتھری بننے کے چانس بڑھتے ہیں۔ پیشاب آنے پر اس کو روکنے سے بھی پتھری بنتی ہے۔ پانی کا کم استعمال کیا جائے تو بھی پتھری بنتی ہے۔ کیلشیم کی گولیاں استعمال نہ کریں۔ پانی کم از کم 15 گلاس روزانہ پئیں۔ پیشاب جیسے ہی آئے ویسے ہی کریں روکنے کی عادت ترک کردیں۔ کیلا، پالک، ٹماٹر، دودھ کا استعمال فی الحال نہ کریں۔ وزن نہ اٹھائیں۔ البتہ چلتی پھرتی ضرور رہیں بلکہ سیڑھیاں اترنے چڑھنے کی ورزش کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات ایک ماہ استعمال کریں پھر کیفیت سے مطلع کریں۔ Calc. carb-30 کے 7-7 قطرے ایک گلاس پانی میں جبکہ Berberis Pentarkan 15 کی... ایک گولی تھوڑے پانی سے دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

ذہنی کمزوری

رقیہ...... حیدر آباد

- میں طالبہ ہوں۔ مجھے پڑھا ہوا یاد نہیں رہتا۔ اور پیپر والے دن تو گھبراہٹ میں سب بھول جاتی ہوں۔ ماہنامہ پاکیزہ میں کریٹکس (Cratex) کے بارے میں پڑھا۔ مہربانی فرما کر میری راہنمائی فرمائیں۔

1) اس دوا کے کوئی منفی اثرات تو نہیں ؟
2) ماہواری کے دنوں میں استعمال کرسکتی ہوں؟
3) ماہواری پر تو کوئی منفی اثر انہیں ہوگا؟
4) کریٹکس کب سے شروع کروں اور کب تک کھاؤں؟

جواب: بی بی، دماغی صلاحیت اور جسمانی نشوونما کو بڑھانے کے لیے کریٹکس ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ایک بے مثال دوا ہے۔ اس کے اب تک کوئی ضمنی اثرات مرتب نہیں ہوئے ہیں۔ ماہواری کے دنوں میں بھی اس کو لیا جا سکتا ہے اس سے کوئی خراب اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ قوت

اور توانائی برقرار رہتی ہے۔ اس کو کم از کم ایک ماہ تک استعمال کریں۔ صبح اور شام ایک ایک گولی تھوڑے پانی کے ساتھ نگلیں۔ اس کے علاوہ...... Ancardium30 شوابے جرمنی کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

قد ایک خاص مدت تک بڑھتا ہے

ارسلان...... اسلام آباد

میری عمر 17 سال ہے اور وزن 110 پونڈ ہے۔ میرا قد 5 فٹ 2 انچ ہے۔ کئی سالوں سے میرا قد نہیں بڑھ رہا ہے۔ برائے کرم قد بڑھانے کی کوئی دوا تجویز کریں۔

جواب:۔ قد 17 سال کے بعد کم ہی بڑھتا ہے۔ بہرحال کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ اچھی متوازن غذا استعمال کریں۔ متوازن غذا سے مراد انڈا، دودھ، مکھن، گوشت (گائے، بکرا، مچھلی) دالیں، پھل و سبزیاں لیں۔ صبح سویرے ورزش کا اہتمام کریں خصوصاً لٹکنے والی ورزش آپ کے لیے مفید ہے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Thyroidinum30 صبح و شام کھائیے اور Ferrum Phos 30 + Calc Phos 30 دوپہر اور رات کھانے کے بعد پانچ پانچ قطرے استعمال کیجیے اور ہر ماہ اپنے احوال سے بھی آگاہ کرتے رہیں۔

جوڑوں میں ٹک کی آواز

عبدالرحیم...... ضلع بدین

ڈاکٹر صاحب مجھے بچپن سے ہی گھٹنوں کے جوڑوں میں درد رہا ہے۔ جب میں ہلاتا تھا تو ٹک ٹک کی آواز آتی تھی اور مجھے سکون مل جاتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مجھے درد تو نہیں ہوتا البتہ اٹھتے اور بیٹھتے وقت گھٹنوں کے جوڑوں سے ٹک ٹک کی آوازیں آتی ہیں جیسے جوڑ کی دونوں ہڈیاں آپس میں رگڑ رہی ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے وقت



ایسا ہوتا ہے۔

جواب: قرآن وحدیث کا مطالعہ کیجیے۔ نماز کی پابندی کیجیے۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیے اور پھر اپنی صحت کے لیے دعا کیجیے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات 3 ماہ تک استعمال کریں اور پھر تمام حالت تفصیل سے لکھیں۔ Staphisagria-30، Calc. phos-30 کے 7-7 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔

کئی مسائل

رخسانہ...... جھنگ

کافی عرصے سے پاکیزہ میں آپ کا کالم پڑھ رہی ہوں۔ آپ بہت اچھے طریقے سے جواب دیتے ہیں۔ میں کئی مسائل میں گھری ہوئی ہوں اور آپ کی رہنمائی چاہتی ہوں۔ چہرے کے دانے اور داغ دھبے، چہرے اور سینے پر بالوں کا آنا، پیٹھ پر بھی دانے ہیں، جن کی وجہ سے زیادہ بیٹھنے سے جلن ہونا شروع ہوجاتی ہے، معدے کا مسئلہ، بالوں کا گرنا، سفید ہونا، دبلا پتلا جسم، بالکل ہڈیاں ہیں گوشت بالکل بھی نہیں، نسوانی حسن بھی بالکل نہیں۔ خون کی کمی اور کیلشیم کی بہت کمی ہے۔ بلڈ ٹیسٹ، الٹرا ساؤنڈ، پیشاب ٹیسٹ رپورٹس بھیج رہی ہوں۔ چہرے اور جسم کے لیے بھی دوا تجویز کردیں۔ آپ کی بہت نوازش ہوگی اور آپ کی احسان مند رہوں گی۔ اگر ممکن ہو تو جواب جلد دے دیں۔ میں چاہتی ہوں کہ رنگت صاف ہوجائے اور جسم بھی بھر جائے۔

جواب: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ہم صحیح تشخیص کرکے صحیح قسم کا علاج کریں (ہومیو پیتھک) تو کوئی وجہ نہیں کہ مرض سے نجات نہ ملے۔ ہاں صحت کے اصولوں کی پابندی یقیناً صحت اور حصولِ صحت کے لیے شرط ہے۔ متوازن غذا کا

استعمال کریں۔ لال گوشت (بکرا، گائے) ٹماٹر، پالک، سلاد، کدو، چھولے، اور جو بھی موسم کے پھل ہوں ان کا بھرپور استعمال کریں۔ صبح سویرے اٹھیں۔ نمازوں کی پابندی کریں۔ کوشش کریں کہ صبح کی نماز کے بعد کسی باغ میں چہل قدمی کریں۔ پانی کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں کم از کم 12 گلاس روزانہ پئیں .... کھانے سے پہلے اور کھانے کے دو گھنٹے بعد پانی کا استعمال کریں۔ شربت اور کولڈ ڈرنکس بالکل استعمال نہ کریں ان سے بھی دانے نکلتے ہیں۔ البتہ ستو، لسی اور تازہ پھلوں کے جوس مفید ہیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Calc. sulph-30، Ferrum met 30 کے 5-5 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ جبکہ Alfalfa-Ø کے 11 قطرے ہر کھانے کے بعد آدھے کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ Asa foetida Petarkan Ptk 12,Nux vomica Pentarkan Ptk 63 کے 10 قطرے تھوڑے پانی میں ڈال کر پئیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

نظر کمزور ہے

جبران......لاہور

میری کزن کی بیٹی کی عمر ساڑھے چھ سال ہے تقریباً ایک سال سے عینک لگی ہے۔ کیونکہ اس کے سر میں شدید درد ہوتا تھا اور متلی کی کیفیت بھی ہوتی تھی۔ بائیں آنکھ کو ٹیڑھا کر کے دیکھتی تھی۔ اب یہ صورتِ حال ہے کہ ہر چھ ماہ بعد نظر چیک کروانے پر پہلے سے کمزور ہی نکلتی ہے اس کے علاوہ وہ سوچتی بہت ہے عام بچوں کی طرح وہ کھیلتی کودتی نہیں۔ برائے کرم ایسی اچھی دوا تجویز کریں جو نہ صرف نظر کو ٹھہرنے میں مدد دے بلکہ اس کو بہتر بھی کرے شکریہ!

جواب...... جبران صاحب بچی کو صبح سویرے سورج نکلتے ہوئے باغ کی سیر کرائیں۔ سونف، مصری، بادام سب کو ہم وزن لے کر پیس کر رکھ لیں اور روزانہ نہار منہ ایک کھانے کا چمچہ کھلا کر دودھ ایک پیالی پلا دیں۔ گاجر کا استعمال خوب کرائیں جب موسم ہو۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات تین ماہ تک استعمال کرائیں Physostigma 30,Calc Phos 30, Calc.Flour 30 کے 5،5 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔

سفید بال

ارحم......کراچی

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر کے تقریباً 80% بال سفید ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ آپ پلیز کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں کہ میرے بال کالے جائیں۔

جواب: غم، فکر، ناقص غذا، پانی غیر معیاری، شیمپو، تیل اور کچھ جسمانی تبدیلیاں جو وقت و عمر کے ساتھ ہوتی ہیں بالوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ آپ پابندی سے علاج کرائیں انشاء اللہ فائدہ ہوگا لیکن آہستہ آہستہ اس لیے مستقل مزاجی کے ساتھ علاج کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Acid Phos Q کے 5 قطرے ایک کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں اور Lycopodium 30 کے 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں اور 2 ماہ بعد اپنی کیفیت سے آگاہ کریں۔

☆☆☆